شیخ القرآن والتفسیر والحدیث حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی صاحب مدظلہ

مکتبہ غوثیہ

یونیورسٹی روڈ، بالمقابل عسکری پارک، کراچی۔

فون :4926110-4910584

مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ
حضرت علامہ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہٗ

ناشر

مکتبہ غوثیہ ہول سیل
پرانی سبزی منڈی بالمقابل مین گیٹ عسکری پارک
متصل دار العلوم غوثیہ بابا جلال بلڈنگ کراچی۔
فون: 4926110, 4910584

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ، روح البیان پارہ نمبر۹

مصنف .... حضرت علامہ اسماعیل حقی قدس سرہ

مترجم .... حضرت علامہ مفتی فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

سن طباعت ۲۰۰۷ء

مصحح .... چودہری مشتاق احمد خاں، لاہور

ناشر .... مکتبہ غوثیہ ہول سیل، پرانی سبزی منڈی، کراچی

باہتمام .... محمد قاسم جلالی (بانی وچیئرمین ویکم ویلفیئر ٹرسٹ) کراچی

پارہ ۱۳

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ
رَّحِیْمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ
الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰى خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ
عَلِیْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ
بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ : اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا ۔ بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دیتا ہے مگر جس پر میرا رب تعالیٰ رحم فرمائے ۔ بے شک میرا رب غفور رحیم ہے ۔ اور بادشہ نے کہا یوسف علیہ السلام کو میرے ہاں لے آؤ میں انھیں خاص اپنے لیے منتخب کر لوں ۔ پھر جب بادشہ نے یوسف علیہ السلام سے گفتگو کی بادشہ نے کہا بیشک آج سے آپ ہمارے معزز و معتمد ہیں ۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اپنے ملکی خزانوں پر متقرر کردو بیشک میں حفاظت کرنے والا اور ملکی معاملات سے واقف کار ہوں اور یونہی ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس ملک میں با اختیار بنا دیا اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں اور ہم نیکوں کا نیک عمل ضائع نہیں کرتے اور بیشک آخرت کا ثواب ان کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ یہ یوسف علیہ السلام کا کلام ہے یعنی میں اپنے نفس کی برائی سے برائت کا اظہار نہیں کرتا اور نہ ہی بالکل اس کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ واقعی وہ ہر برائی سے پاک ہے ۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کو تزکیہ نفس حاصل نہ تھا ۔

مذکورہ بالا قول حضرت یوسف علیہ السلام نے تواضعاً اور اپنے نفس کی سرکوبی کے لیے فرمایا ہے ـــــ اگر

ازالہ وہم انبیاء علیہم السلام میں تزکیہ نہ ہو تو پھر کس میں ہوگا۔ دراصل یوسف علیہ السلام کا مذکورہ کارنامہ ایسا بے نظیر ہے کہ جسے ایک سنجیدہ انسان سُن کر حیران ہوجاتا ہے اور اس سے بظاہر نفس کو عُجب آتا ہے لیکن یہ بھی یوسف علیہ السلام کا کمال ہے کہ آپ نے پہلے کارنامے کے بعد دُوسرا کارنامہ کر دکھایا اور سبق دیا کہ نفس من حیث ھی ھی وُہ ہے کہ اس کی برائی سے برأت نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ایسی فضیلت اس کی طرف منسوب کی جائے جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال نہ ہو اس کا برائی سے بچنا محال ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لام جنس کی ہے یعنی جملہ نفوس جن میں بحیثیت نفس ہونے کے میرا نفس بھی ہے لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ قبائح و معاصی کا حکم دیتا ہے کیونکہ باطل اور شہوات کی لذت کا عاشق اور انواع منکرات کی طرف بہت زیادہ مائل ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو اکثر نفوس حیلے اور مکروفریب کرکے شہوات و منکرات کے تقاضے پُورے نہ کرتے اور نہ ہی ان سے بکثرت شر اور فساد ظاہر ہوتا۔

فائدہ صوفیانہ: اس سے معلوم ہُوا کہ جو عقیل ترین اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہوتا ہے اُسے نفس کی شرارتوں اور اس کے عیوب کا زیادہ علم ہوتا ہے بلکہ اُسے نفس کی خرابیوں کی مہارت حاصل ہوتی ہے اور وُہ اپنی ہر نیکی کے عجب سے محفوظ ہوتا ہے۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ مگر جن نفوس پر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہوتا ہے تو انھیں ہلاکتوں کے وقوع سے بچا لیتا ہے اور جن نفوس پر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہوتا ہے ان میں ایک میرا نفس اور جملہ انبیاء عظام و ملائکہ کرام علیہم السلام کے نفوس طیبہ ہیں۔

مسئلہ: ملائکہ کرام علیہم السلام ابتداءً ہی معصوم پیدا ہوتے ہیں اگرچہ انبیاء علیہم السلام میں شہوات و خواہشات ہوتی ہیں لیکن انھیں تائیدِ ایزدی و توفیقِ خداوندی سے عصمت حاصل ہوتی ہے۔ ما موصولہ بمعنے مَن ہے۔

ف: آیت سے معلوم ہُوا کہ نفس من حیث ھی ھی بہائم کی طرح ہے۔ اِلَّا کا استثناءً نفس سے ہے۔ یا امّارۃٌ کی ضمیر ھیَ سے اب عبارت یوں ہوگی:

اِنَّ النَّفْسَ اَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ ھِیَ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔

اس لیے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوجائے وہ نفس کی شرارتوں سے بچ جاتا ہے بلکہ اسے نفس برُائی کا حکم دیتا ہی نہیں یا ما بمعنے وقت ہے۔ یعنی ہر وقت برُائی کا حکم دیتا ہے مگر اس وقت جبکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عصمت نصیب ہوجائے امّارہ کا صیغہ مبالغہ کا ہے۔

حیب نفس اس سے کچھ زائد امر کرے تو کہتے ہیں امارۃ۔

اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ بیشک میرا رب تعالیٰ عظیم المغفرۃ ہے کہ نفوس کی خرابیوں کے باوجود بندوں کو دامنِ مغفرت میں ڈھانپتا ہے رَّحِیۡمٌ ۝ یعنی رحمت فرما کر نفوس کی خرابی کے تقاضوں پر حکم کا اجرا نہیں فرماتا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نفس کو طبعًا اماریت بالسوء کی جبلّت پر پیدا کیا گیا اس لیے کہ اگر اسے بے لگام چھوڑ دیا جائے تو وہ سوائے برائیوں کے اور کچھ نہیں کرتا اس سے شر و فساد کے سوا اور کوئی شے صادر ہوتی ہی نہیں اور یہ برائی کا ہی حکم دیتا ہے ہاں جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جائے اور جسے اللہ تعالیٰ نظرِ عنایت سے نوازے تو وہ اپنی طبیعت سے نکل کر نیکی کی طرف اور اپنے صفات کو خیرباد کہہ کر روحانیت کی طرف اور امارتیت کو ترک کر کے ماموریت کی طرف اور شرارت سے رُوگردانی کر کے خیر کی طرف آجاتا ہے جب کسی بشریت کی شب میں ہدایت کی صبح چمکتی ہے اور آسمان قلب کے کنارے روشن ہو جاتے ہیں تو وہ نفس لوامہ بن جاتا ہے۔ یعنی بُرائی کے ارتکاب پر انسان کو خود نفس ملامت کرتا ہے بلکہ امارتیت کے دوران اس سے جو کچھ صادر ہوا اس سے نادم ہو کر سابق غلطیوں سے تائب ہوتا ہے۔ اور ندامت سے توبہ مراد ہے پھر جب افق ہدایت سے عنایت کا شمس طلوع ہوتا ہے تو اس وقت وہ نفس ملھمہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ شمس عنایت کے انوار سے چمکتا ہے اسے فجور و تقویٰ کا الہام ہوتا ہے اسی لیے اسے ملھمہ کہا جاتا ہے جب شمس عنایت سماء ہدایت کے درمیان میں پہنچتا ہے اور بشریت کی زمین رب تعالیٰ کے نور سے منور ہو جاتی ہے تو یہ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ یہی نفس ارجعی الی ربک کے جذبات کی وجہ سے اپنے رب تعالیٰ کے خطاب کا مستعد ہوتا ہے۔ ایسے نفس کو راضیہ مرضیہ کہا جاتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق

انبیاء علیہم السلام کا سلوک اگرچہ نفس مطمئنہ سے راضیہ مرضیہ صافیہ تک ہوتا ہے مگر مطلقاً نفوس طبعی طور امارۃ پر پیدا کیے جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے نفوس ہوں یا ان کے غیروں کے اور نفوس کے امارہ ہونے سے ضروری نہیں کہ ان میں مادیت کے علامات کا ظہور۔ انبیاء علیہم السلام کے نفوسِ مقدسہ میں ہو اسی لیے یوسف علیہ السلام نفسی لامارۃ کے بجائے ان النفس لامارۃ مطلقاً فرمایا۔ اس کے بعد معصوم نفوس مقدسہ کا استثناء فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اگر نفس کو عصمتِ ربانی حاصل نہ ہو تو وہ اپنی طبع کی وجہ سے برائیوں کا ارتکاب کیے بغیر نہیں رہ سکتا اسی لیے حضور علیہ السلام دُعا فرماتے تھے؛

ربِّ لا تکلنی الیٰ نفسی طرفۃ عینٍ۔ اے اللہ! مجھے آنکھ جھپکنے کی مقدار میں بھی نفس کے سپرد نہ کرنا۔

مگر نفس کی طبعی شرارت نہ ہوتی تو حضور علیہ السلام دُعا میں ایسے کلمات نہ فرماتے۔ خلاصہ یہ کہ آیت ہذا نفس کی امارتیت کی دلیل ہے۔ نیز ابن الشیخ نے اسی سورۃ میں ولما بلغ اشدہٗ اٰتینٰہُ حکمًا وعلمًا کے تحت فرمایا کہ حکم سے مراد یہ ہے کہ

یُوسف علیہ السلام کا نفس مطمئنہ جب ان کے نفس امّارہ پر حاکم اور غالب و قاہر ہو گیا۔ اس سے ابن الشیخ نے یوسف علیہ السلام کے نفس کے لیے امّاریت کا ثبوت دیا۔ سعدی مفتی نے بھی اسی سورۃ کے اَصْبُ الیھن میں قاضی بیضاوی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا کہ اصب بمعنے اَمِیْلُ الیٰ جانبھن او الیٰ انفسھن بطبعی و مقتضیٰ شہوتی۔ اس میں طبعی و مقتضیٰ شہوتی کا ترجمہ بسبب طبعی و نفسی لامارۃ بالسوء فرمایا ہے۔

حضرت الشیخ نجم الدین دایہ قدس سرہٗ نے سورۃ الانعام میں وکذٰلک جعلنا لکل نبی ءِ ... شیاطین الانس والجن کے تحت لکھا ہے کہ شیاطین الانس سے نفس امارہ بالسوء مراد ہے اس لیے کہ یہ اعدی الاعدا ہے نیز انہوں نے کئی مقامات پر اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے لیے نفس امّارہ کا ثبوت دیا ہے۔

خلاصہ : فطرت انسانی کے لحاظ سے انھیں بھی نفس امارہ پیدا کیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کے نفوس امّاریت سے مطمئنیت میں تبدیل ہو گئے۔

سبق : اس مقام کو غور سے پڑھنا اور سمجھنا ضروری ہے اس لیے کہ یہاں بہت سے بڑے بڑے لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میں نے اپنے زمانہ کے ایک بہت بڑے علامہ فہامہ (بلکہ اس کے لیے کشف و کرامات بھی مشہور کیے جاتے) کو دیکھا کہ اس مسئلہ میں بہت بڑے مضطرب تھے اور ایسے پریشان کہ انھیں افہام تفہیم سے بھی اطمینان نصیب نہیں ہوتا تھا۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ نفس امّارہ کو ایسا تابع بنائے کہ وہ نفس مطمئنہ ہو جائے اس کے بعد اس کے مکر و فریب سے محفوظ ہو جائے گا اور نفس کو مطمئنہ بنانے کا سبب سب سے قوی تر توحید ہے اس لیے کہ اس میں تزکیہ و تطہیر نفس بہت بڑی تاثیر ہے اس کے دامن کو پکڑنے سے سالک شرک جلی و خفی سے بچ جاتا ہے۔

ف : نفائس المجالس میں لکھا ہے کہ نفس منبع العناد والخیانۃ و معدن الشر و الجنایۃ ہے۔ یہی انفس و آفاق میں فتنوں کا مرکز ہے بلکہ علی الاطلاق ظلم کا سرچشمہ یہی نفس ہے۔ اگر روح بادشاہ اور عقل وزیر اور مفتی قلب باہم متفق ہو جائیں تو قوائے نفسانیہ و طبعیہ کا خلاف و شقاق درمیان سے بالکل اُٹھ جائے۔

حکایت منقول ہے کہ تین بیل زرد، نیلا، سیاہ ایک جگہ پر رہتے تھے تینوں نے اتفاق کر لیا کہ اس فلاں پہاڑ پر کسی کو نہیں آنے دیں گے۔ وہاں اچھی چراگاہ تھی۔ جب ان تینوں نے جانوروں پر رعب جمایا تو تمام جانوروں نے مشورہ کیا کہ ان کا رعب ختم کیا جائے۔ شیر نے کہا میں ان کا تدارک کرتا ہوں۔ شیر ایک دن ان بیلوں کے ہاں پہنچا لیکن تینوں کے اتفاق نے شیر کو مغلوب کر دیا۔ شیر نے کہا : بھائیو! مجھے اپنی رفاقت میں لے لو میری رفاقت سے تمہارا رعب اور بڑھ جائے گا۔ تمام بیلوں نے مان لیا۔ اس کے بعد شیر ان کے ساتھ رہنے لگا۔ ایک دن شیر نے زرد اور نیلے بیلوں سے کہا کہ یارو! کالے بیل کو ہمارے ساتھ کوئی مناسبت نہیں اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اسے

اپنی صحبت سے دُور کیا جائے۔ دونوں نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں لیکن وُہ دُور کیسے ہوگا۔ شیر نے کہا یہ میرے لیے آسان ہے صرف تم میری رائے کو منظور کرلو۔ انھوں نے کہا ہمیں منظور ہے۔ شیر نے کہا، میں اس سے جو کچھ کروں تم اس کو چھڑانے کے لیے نہ آنا۔ انھوں نے کہا، ہم نہیں آئیں گے۔ شیر نے کالے بیل پر حملہ کرکے اسے کھا لیا۔ اگرچہ کالے بیل نے زرد رنگ والے بیل سے مدد چاہی لیکن اس نے ایک نہ سُنی۔ چند روز گزرے تھے کہ زرد رنگ والے بیل کو کہا بھائی! میری تیری شکل ایک ہے، نیلے بیل کو ہم سے کیا تعلق، اگر تیری اجازت ہو تو اس کا بھی کام تمام کروں، پھر میں اور آپ آرام کی زندگی بسر کریں گے۔ زرد بیل نے ایسا کرنے کی اجازت دے دی جب نیلے بیل کو بھی شیر نے کھا لیا تو زرد پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ زرد بیل نے بہت منت سماجت کی لیکن شیر نے ایک نہ مانی۔ بیل نے کہا، مجھے پہلے سے یہی خیال تھا کہ جب تم نے کالے اور پھر زرد بیل کو کھایا تھا تو مجھے بھی ضرور کھائے گا۔

سبق: نفس اسی شیر کی طرح ہے جب جبل وجود میں آتا ہے تو قوائے نفسانیہ پر حملہ کرکے انھیں کھا جاتا ہے۔ ایسے واقعات میں بے شمار نصائح ہیں سو ہی سمجھتا ہے جسے عقل ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بیت من بیت نیست اقلیمست

ہزل من ہزل نیست تعلیمست

ترجمہ: میرا گھر ایک مستقل اقلیم ہے میری مزاحیہ کہانیاں مزاح نہیں بلکہ ان میں تعلیم ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ مروی ہے کہ جب یُوسف علیہ السلام کا جواب بادشاہ کو سنایا گیا تو بادشاہ کو یُوسف علیہ السلام کے دیدار کا اشتیاق ہوا اسی لیے کہا اِئْتُوْنِیْ بِهٖ یُوسف علیہ السلام کو میرے ہاں لے آؤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ میں انھیں اپنا خاص اور مقرب مقرر کروں گا۔

ف: سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ بادشاہ نے پہلے یُوسف علیہ السلام کو اپنے علم تعبیر کی وجہ سے بلایا تو صرف یہ کہا ائتونی بہ۔ جب یُوسف علیہ السلام نے استغنا دکھایا اور بادشاہ کو ان کی امانت وصبر وہمت اور جودت نظر اور اس کی اوّل طلب پر عجلت نہ کرتے ہوئے حوصلہ فرمایا تو بادشاہ کی نظروں میں ان کی عظمت وہیبت بڑھ گئی اسی لیے دوبارہ بلاوے پر کہا ائتونی بہ استخلصہ لنفسی۔

فَلَمَّا كَلَّمَهٗ پس جبکہ اس سے گفتگو کی یعنی یُوسف علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے عرض کی اور آپ کے اندر رُشد اور احسن رائے دیکھی تو قَالَ یُوسف علیہ السلام سے کہا کہ اے سچے بزرگ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا آپ آج کے بعد ہمارے ہاں مَكِيْنٌ دو مرتبہ اور صاحب علوشان ہوکر رہیں گے اَمِيْنٌ ۝ ہم نے آپ کو اپنے ہر معاملہ پر امین مقرر کر دیا ہے۔

ف : اَلْیَوْمَ سے حاضری کا وقت بایں معنیٰ مراد ہے کہ آمنے سامنے گفتگو کا وہی وقت تھا ورنہ یوسف علیہ السلام تو ان کی نظروں میں پہلے سے ہی ذو مرتبت وصاحبِ علوشان سمجھے گئے تھے۔ اس سے وہ احتمال اُٹھ گیا کہ بادشاہ کی نظروں میں تو یوسف علیہ السلام پہلے ہی ذو مرتبت سمجھے گئے۔ پھر قرآن مجید میں اَلْیَوْمَ کی قید کیوں۔

ف : مروی ہے کہ بادشاہ کا خادم ساقی جب یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہُوا تو عرض کی کہ آپ کو بادشاہ بلاتا ہے۔ فلہٰذا تشریف لے چلئے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ماہ کنعانی من مسند مقران تو شد
گاہ آنست کہ پدرو دکنی زاں را

ترجمہ : اے میرے ماہ کنعانی ! مصر کی مسند آپ کے لیے تیار کی گئی ہے اب وقت آگیا ہے کہ آپ قید خانہ کو الوداع فرمائیں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

شب یوسف بگزشت از درازی
طلوع صبح گردش کارسازی
چوں شد کوہ گراں برجانش اندوہ
برآمد آفتابش از پس کوہ

ترجمہ : یوسف علیہ السلام کی درازیِ شب ختم ہوئی صبح نے آتے ہی ان کا کام بنادیا کوہ اندوہ نے ان کی جان کو مغموم کر رکھا تھا اب سورج نے کوہِ غم کے پیچھے سے طلوع کیا۔

ف : یوسف علیہ السلام قید خانہ سے نکلے اور قیدیوں سے الوداع فرماتے ہوئے ان کے لیے دُعا فرمائی اور وعدہ کیا میں تمہارے لیے نیک لوگوں کو سفارش کروں گا اور تمہارا معاملہ صاف ہوجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آئندہ جو امر شاہِ مصر کے ہاں طے پاتا تو سب سے پہلے اہلِ سجن کو معلوم ہوتا پھر دُوسروں کو خبر ہوتی۔

ف : یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے جاتے ہی یہ عبارت لکھوادی :

هٰذِهٖ مَنَازِلُ الْبَلْوٰی وَقُبُوْرُ الْاَحْیَاءِ وَشَمَاتَةِ الاعداء و تجزية الاصدقاء۔

ترجمہ : یہ آزمائش کا گھر اور زندوں کی قبر اور دشمنوں کی گالی اور دوستوں کی تنقید ہے۔

ف : الوداع کے بعد آپ نے غسل فرمایا اور جیل خانہ کی گرد وغبار اتاری اور نئے کپڑے پہنے۔ تفسیر تیسیر میں ہے کہ بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کے اعزاز میں ستر غلام ستر سواریوں کو آراستہ کرکے تاج اور لباس شاہانہ دے کر قید خانہ

یوں بیان کیا ہے:

چو یوسف شد سوئے خسرو روانہ
بخلعتہائے خاص خسروانہ
فراز مرکبے از پائے تا فرق
چوں کوہے گشتہ در درو گہر غرق
بہرجا طبلہائے مشک و عنبر
ز ہر سو بدرہائے زر و گوہر
براہ مرکب او می فشاندند
گدا را از گدائی مے رہاندند

ترجمہ: جب یوسف علیہ السلام بادشہ کی طرف روانہ ہوئے تو شاہانہ ٹھاٹھ سے تشریف لے چلے ایسی سواری پر سوار ہوئے پہاڑ کی طرح سر سے پاؤں تک زیورات سے لدی ہوئی تھی ہر جگہ مشک و عنبر کے گھڑے چھڑکے گئے۔ ہر طرف سے زر و گوہر کی تھیلیاں نچھاور کی جا رہی تھیں۔ یوسف علیہ السلام کی سواری کے آگے نچھاور کرتے تھے گدا کو گدائی سے نجات دینے والے تھے۔
جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام کے تشریف لانے کا علم ہوا تو بادشاہ استقبال کے لیے آگے بڑھا:

ز قرب مقدمش شاہ چوں خبر یافت
باستقبال او چوں بخت بشتافت
کشیدش در کنار خویشتن تنگ
چوں سرو گلرخ و شمشاد گلرنگ
بہ پہلوے خودش بر تخت بنشاند
بہ پرسشہائے خوش با او سخن راند

ترجمہ: جب یوسف علیہ السلام کی تشریف آوری کا وقت قریب ہوا تو بادشاہ ان کے استقبال کے لیے بخت کی طرح آگے آیا انھیں بادشہ نے گلے لگایا گل سرخ سرو اور شمشاد گلرنگ کی طرح اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھایا اور حالات پوچھے اور خوش ہو کر گفتگو کی۔

ف: مروی ہے کہ جب بادشاہ کے ہاں یوسف علیہ السلام تشریف لائے تو یہ دعا پڑھی:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ بِخَيْرِكَ مِنْ خَيْرِهٖ وَ — اے اللہ! میں تیری خیر کے صدقے بادشاہ سے

اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ وَقُدْرَتِكَ مِنْ شَرِّہٖ۔ بھلائی کا طالب ہوں اور تیری عزت و قدرت کے طفیل بادشاہ کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو السلام علیکم کہا اور عبرانی میں اس کے لیے دعا مانگی۔

ف : یوسف علیہ السلام بہتر زبانیں جانتے تھے اور بادشاہ کو ستر زبانیں معلوم تھیں۔ جب عبرانی زبان میں یوسف علیہ السلام نے گفتگو فرمائی تو بادشاہ نہ سمجھ سکا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کون سی زبان ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا میرے دادا ابراہیم و اسحاق اور میرے والد یعقوب علیہم السلام کی بولی ہے۔ اس کے بعد آپ نے عربی میں گفتگو فرمائی تو بادشاہ نے کہا یہ کیسی بولی ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ میرے چچا اسماعیل علیہ السلام کی بولی ہے۔ بادشاہ نے یوسف علیہ السلام سے ستر بولیوں میں گفتگو کی تو یوسف علیہ السلام نے تمام کا اسی بولی میں جواب دیا جس بولی میں بادشاہ سوال کرتا تھا۔ مختلف بولیوں کو سمجھنے پر بادشاہ یوسف علیہ السلام پر متعجب ہوا۔

فائدہ صوفیانہ : اس میں اہلِ کشف مع اہلِ حجاب کی طرف اشارہ ہے کہ اہلِ حقیقت ہر مرتبۂ شریعت و طریقت و معرفت و حقیقت میں گفتگو کرتے ہیں اور اہلِ ظواہر صرف شریعت میں گفتگو کرنا جانتے ہیں اور اہلِ تصوف کے نزدیک دونوں یعنی شریعت و طریقت کے علوم بہتر ہیں۔

ف : جب بادشاہ کے ہاں یوسف علیہ السلام تشریف لائے تو بادشاہ نے کہا کہ آپ مجھے میرے خواب کی تعبیر خود بیان کریں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا آپ پوچھتے جائیں میں بتاتا جاؤں جونہی بادشاہ سوال کرتا یوسف علیہ السلام بہترین اسلوب سے جواب دیتے جس سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ ؎

جوابے دلکش و مطبوع گفتش
چناں کاندراں گفتن شگفتش

ترجمہ : یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو پیارا اور دلکش جواب دیا۔ ایسا بے نظیر جواب کہ بادشاہ متعجب ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں دو اشارے ہیں :

۱۔ روح چاہتا ہے کہ قلب صفاتِ بشریہ سے نجات پائے تاکہ حقائق اشیا کے کشف میں قلب خالص روح کے ساتھ ہو جائے اگرچہ اسے معلوم نہیں کہ اس کی نجات میں تمام مملکت اور رعایا کی بھلائی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قلب ابن آدم کے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ درست رہے تو تمام جسم فاسد ہوگا وہ گوشت کا ٹکڑا قلب ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو ایمان کی دولت سے نوازا یہ اس کا بدلہ دیا جو کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ

احسان کیا کہ انہیں قید خانہ سے نکالا جیسے اُس نے یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ سے نکالا اللہ تعالیٰ نے اُسے کفر اور جہل کی قید سے نکالا اُس نے یوسف علیہ السلام کو اپنا مقرب بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے عبودیت بخش کر اپنا خاص بنایا اور اسے دُنیا اور اس کی رونقوں سے نجات بخشی اور اسے آخرت اور اس کے درجات کا طالب بنایا۔

ف: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ وُہ بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاں دینِ حق قبول کر کے مسلمان ہو گیا اس کے ساتھ بے شمار لوگوں نے دینِ حق (اسلام) قبول کیا اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان لوگوں کے ہاں نبی بنا کر بھیجے گئے۔

ایمانِ ابُوطالب جب یوسف علیہ السلام کے احسان سے اللہ تعالیٰ بادشاہِ مصر کو دینِ حق کی دولت سے نوازا بلکہ اس کا احسان ایمان و عرفان کا سبب بنا تو پھر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ صرف احسان بلکہ ہزاروں مصائب جھیلنے پر ابُوطالب کو ایمان کی دولت سے کیسے محروم رکھا گیا۔[1] صحیح تر یہ ہے کہ ابُوطالب کو اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد زندہ کیا پھر دولتِ اسلام سے نوازا۔ لیکن یہ روایت کہیں نہیں ملتی۔ اس کی تفصیل صاحب روح البیان نے جلد اول میں بیان کی ہے اور فقیر اویسی غفرلہ نے حاشیہ پر اہلسنت کا نظریہ لکھ دیا ہے۔

ف: لطف و کرم اور احسان و مروت سعادت ازلیہ کی علامات ہیں۔ اگر یہ کسی کافر سے ظاہر ہوں تو اس کے لیے ایمان توحید کا موجب بنتی ہیں۔ اور اُس کافر کا انجام بخیر و صلاح و فلاح پر ہوتا ہے اگر یہ امور اہل انکار سے صادر ہوں تو توفیقِ خاص کی سعادت کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ اہلِ مشاہدہ کو بخوبی علم ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالَ یوسف علیہ السلام نے فرمایا اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ لام عہدی ہے اس سے مصر کا علاقہ مراد ہے یعنی مجھے مصر کے امور کا متولی مقرر کر دے إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ۝ بیشک میں جملہ امور کی نگرانی کروں گا اور ان کے تصرف کے وجوہ سے بخوبی واقف ہوں۔

ف: واقعہ یوں ہوا کہ جب یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو خواب کی تعبیر بتائی تو بادشاہ کو اس سے تشویش ہوئی کہ پہلے خوشحال سالوں میں غلہ تمام اہل مصر بلکہ دُوسرے ممالک کو کفایت کرے گا۔ پھر اس کے بعد کیا ہو گا۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمام کسانوں اور کھیتی باڑی کرنے والوں کو حکم جاری کر دو کہ اپنی ضروریات پُوری کر کے بقایا غلہ بالیں سمیت شاہی خزانہ میں جمع کریں پھر جب قحط کے سال آئیں گے تو وُہ غلہ نہ صرف اہلِ مصر بلکہ اس کے گرد و نواح کے لیے کام آسکے گا۔ بادشاہ یوسف علیہ السلام کی گفتگو سے متاثر ہوا۔ پوچھا کہ اس کام کو کون سرانجام دے گا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اجعلنی الآیہ

---

[1] یہ صاحب روح البیان کا اپنا قیاس ہے جسے جمہور امت نے قبول نہیں کیا۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

ولے ہر کار را باید کفیلے

کہ از دانش بود باوے دلیلے

بدانش غایت آں کار داند

چوں داند کار را کردن تواند

زہر چیزے کہ در عالم تواں یافت

چو من دانا کفیلے کم تواں یافت

بمن تفویض کن تدبیر ایں کار

کہ ناید دیگرے چوں من بدیدار

ترجمہ: ہر کام کے لیے اس کا اہل ضروری ہے کہ اسے سمجھنے کی اس کے ہاں دلیل ہو۔ اپنی دانش سے وہ کام جانتا ہو اور نہ صرف جانتا بلکہ اسے کر بھی دکھلاتا ہو۔ لیکن تمام جہان میں میرے جیسا کوئی کفیل نہ ہوگا جو میری طرح ہر کام سے واقف ہو مجھے اس کام کی سپردگی کر دو اس لیے کہ میری طرح اور کسی کو اس کا تجربہ نہ ہوگا۔

ف: جب یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ قحط سالی لازماً آئیگی تو اسے دُور کرنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ شاہی خزانے کی نگرانی کریں تاکہ بوقتِ ضرورت ان کی مدد کرسکیں۔ یہ بھی خلقِ خدا پر شفقت کے پیش نظر تھا اور یہی بادشاہوں (کو خلیفوں) کی بہترین سیرت سمجھی جاتی ہے۔

معجزہ یوسف علیہ السلام در اصل یہ بھی یوسف علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا کہ آپ نے خداداد علمِ غیب کے ذریعہ سے فراعنۂ مصر کی خدمت سرانجام دی اس لیے آپ کے ہزماں فرعون نے جب غلے کا گودام تیار کیا اور جب وہ قحط کے سالوں میں تمام اہلِ مصر اور دیگر لوگوں کی کفالت کر رہا تھا اس سے لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ملکوت السماء کا غیبی خزانہ ہے۔

ف: اسی بادشاہ نے سب سے پہلے دفاتر قایم کیے اور علوم حساب و ہندسہ کو اقلام وحروف کے ذریعے مقرر کیا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ اگر کوئی شخص اپنے اوپر اعتماد رکھتا ہو کہ وہ عدل وانصاف قائم کر سکے گا اور احکام شرعیہ کا اجرا بھی، تو اسے حکومت کا کوئی عہدہ مانگنا جائز ہے۔

مسئلہ: علمائے کرام نے فرمایا کہ اوقاف کے کسی عہدے کا سوال کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح حکومت کا کوئی اور عہدہ مثلاً قضا اور کسی کام کا متولی ہونا وغیرہ وغیرہ۔ (لیکن ہمارے دور میں تو یہ جملہ امور شیرِ مادر سے بھی لذیذ تر سمجھے جا رہے ہیں)

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جماعت حاضر ہُوئی اور عرض کیا کہ ہمیں فلاں

شعبہ کا متولی بنا دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں کسی شخص کو ایسے امور کا ہرگز متولی نہیں بناؤں گا جو اس کا خود خواہشمند ہے۔

ف : بلا طلب کسی عہدۂ حکومت پر متعین کیا جائے اسے شرعاً مجبور و معذور سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسے خوش قسمت انسان کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے اور ان امور میں اس کی خود رہبری کرتا ہے۔ اور جو ایسے امور کو مانگ کر حاصل کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اس کے نفس کے ہاتھ گرفتار فرماتا ہے پھر وہ سینکڑوں ٹھوکریں کھاتا ہے۔

ف : امورِ حکومت وغیرہ دنیا کے جملہ معاملات سے سخت ترین معاملہ ہے ان کے کل حقوق کی ادائیگی انسان کے بس سے باہر ہے۔

مسئلہ : اگر کسی کو بے مانگے حکومت کا کوئی عہدہ مل جائے۔ اگر اس کے نبھانے پر قادر ہے اور دوسرا بھی اس کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ عہدہ قبول کرلے اور یہ فرض کفایہ ہے۔ ہاں جب کوئی بھی اس کی صلاحیت اور اہلیت نہیں رکھتا تو پھر وہ عہدہ سنبھالنا ضروری اور لازمی ہے چونکہ یوسف علیہ السلام کے وقت میں کوئی بھی اہل نہیں تھا اسی لیے وہ عہدہ آپ کو سنبھالنا ضروری ہوا کہ مانگ کر بادشاہ سے وہ عہدہ سنبھالا کیونکہ اس وقت خلقِ خدا کا بھلا اسی میں تھا۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ بادشاہ کافر یا ظالم کی حکومت میں ملازمت کرنا جائز ہے۔ یہ اس وقت ہے جب اس کے سوا چارۂ کار نہ ہو اگرچہ کافر یا ظالم کے احکام کو دفع نہ کرسکے بلکہ اس کے جور و ستم کے امور میں چشم پوشی سے کام لے جب طاقت و قوت حاصل نہ ہو چنانچہ ہمارے اسلاف صالحین باغیوں و دیگر ظالم بادشاہوں کے ملازم رہے۔

حکایت تیمور لنگ

حضرت الشیخ ابن الشحنہ نے لکھا کہ تیمور لنگ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ علماءِ کرام پر ظلم کرتا تھا اور اس کی عادت تھی کہ پہلے وہ چند سوالات کرتا اگر جوابات اس کی طبیعت کے ناموافق دیئے جاتے تو جواب دہندہ علماءِ کرام کو شہید کرا دیتا یا ظلم کا نشانہ بناتا گویا یہ حجاج ثانی تھا۔ جب تیمور نے حلب کو فتح کیا اور اس میں بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہت سے لوگوں کو قید کرایا۔ پھر قلعہ حلب میں ایک مسند سجائی جس میں شہر کے رؤساء و امراء و علماءِ کرام کو دعوت دی۔ شیخ ابن شحنہ نے کہا جب ہم سب علماء حاضر ہوئے کچھ دیر تو اس نے ہمیں اپنے سامنے کھڑا کیے رکھا بعد ازاں بیٹھنے کا حکم دیا۔ ہم سب بیٹھ گئے۔ مولانا عبدالجبار بن العلامہ نعمان الدین حنفی مرحوم اس کے ہاں اکابر علماء سے شمار ہوتے تھے اس نے انھیں فرمایا کہ ان آنے ہوئے علماء سے فرمائیے کہ مجھے ایک مسئلہ میں اشکال ہے اور میں نے سمرقند، بخارا، ہرات و دیگر بڑے بڑے شہروں کے سرکردہ علماءِ کرام سے سوال کیا کسی نے حل نہیں فرمایا۔ تم ان کی طرح نہ کرنا اور اس کا جواب بھی وہ بیان کرے جو تم میں افضل و اعلم ہو اور وہ میرے ساتھ گفتگو کا سلیقہ بھی جانتا ہو۔ شیخ ابن الشحنہ نے فرمایا کہ کل مجھے بادشاہ نے فرمایا تھا، قُتِلَ مِنَّا وَمِنْكُمْ فمن الشهيد قتيلنا و قتيلكم۔

ابن الشحنہ فرماتے ہیں اس کا جواب فوراً میرے ذہن میں آگیا اور بڑا عجیب و غریب ثابت ہوا۔ میں نے

کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا اس نے کہا کہ ایک جنگ کرتا ہے حصولِ غنیمت کے لیے ۔ دوسرا جنگ کرتا ہے اپنی شہرت کے لیے ، تیسرا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو اور مرنے کے بعد اس کی جگہ بہشت میں ہو۔ اس پر اس نے کہا تھا کہ:

من قتل منا و منکم لاعلاء کلمۃ اللہ فھو الشھید:۔

(جو ہمارا یا تمہارا اس لیے جنگ میں مارا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو وُہ شہید ہے)

جب تیمور لنگ نے میری تقریر سنی تو کہا خوب خوب ۔ مولانا عبدالجبار نے فرمایا آپ نے بہترین تقریر فرمائی اس طریقہ سے ہمارے اور بادشاہ کے درمیان گفتگو کرنے کی سہولت ہوگئی ہم اس سے مانوس ہوگئے وہ ہم سے ۔ اس پر سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا اس نے بہت سے سوالات کیے ہم نے بہتر طریق سے جوابات دیے ۔ آخر میں اس نے کہا بتاؤ تم لوگ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور یزید کے بارے میں کیا کہتے ہو ۔ میں نے جواب دیا کہ حق پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ نہیں تھے ۔ تیمور لنگ نے کہا یُوں کہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم اور یزید فاسق تھا میں نے کہا کہ صاحبِ ہدایہ نے لکھا کہ ظالم حکام کی ملازمت کرنا جائز ہے اور بہت سے صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور میں ملازمت کی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دَور میں حق پر تھے ۔ اس جواب سے تیمور لنگ بہت خوش ہُوا ۔ میرے اور میرے ساتھیوں بلکہ تمام شہر کے علماءِ کرام کے ساتھ نیک سلوک کیا ۔

ف : جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو امورِ مملکت سپرد کیے تو انہی ایّام میں عزیز (قطفیر شوہر زلیخا) فوت ہو گیا ۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱   چو یوسف را خدا داد ایں بلندی
بقدر ایں بلندی ارجمندی

۲   عزیز مصر را دولت زبوں گشت
لوائے حشمت او سرنگوں گشت

۳   دلش طاقت نیاورد ایں خلل را
بزودی شد ہدف تیر اجل را

لہ یہ جواب وقت کی نزاکت کے لحاظ سے صحیح تھا اس لیے کہ خلافت کے دَور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے ۔ جب ان کے وصال کے بعد حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کو خلعت سپرد کر دی تو اب وہ بحیثیت ایک خلیفہ ہونے کے حق پر تھے ۔

۴ زلیخا روی در دیوار غم کرد
زبار ہجر یوسف پشت خم کرد

۵ نہ از جاے عزیزش خانہ آباد
نہ از اندوہ یوسف خاطر آزاد

۶ فلک کو دیر مہر و تیز کین است
درین حرماں سرا کاری این ست

۷ یکے را برکشد چوں خور بافلاک
یکے را افگند چوں سایہ بر خاک

۸ خوش آں دانا بہر کاری و باری
کہ از کارش بگیرد اعتباری

۹ نہ از اقبال او گردن فرازد
نہ از ادبار او جانش گدازد

ترجمہ : ۱۔ جب اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بلندی بخشی اور ان کی شان کے لائق بزرگی عطا فرمائی۔

۲۔ عزیز مصر کی دولت کمزور پڑگئی ان کی حشمت کا جھنڈا سرنگوں ہو گیا

۳۔ اس کا دل اس نقصان کی تاب نہ لا سکا جلدی سے اجل کے تیر کا نشانہ بن گیا۔

۴۔ زلیخا نے اپنا منہ غم کی دیوار میں کیا یوسف علیہ السلام کے ہجر و فراق سے پیٹھ ٹیڑھی ہو گئی۔

۵۔ نہ عزیز کی وجہ سے گھر آباد نہ یوسف علیہ السلام کے غم سے دل شاد۔

۶۔ فلک تو ویسے بھی دیر سے شفقت کرنے اور بہت سخت کینے والا ہے اس دنیا میں تو اس کا کام بھی یہی ہے۔

۷۔ ایک کو سورج کی طرح اونچا دوسرے کو سایہ کی طرح مٹی پر ڈالتا ہے۔

۸۔ خوش قسمت انسان وہ ہے جو اپنے ہر معاملہ میں اس سے اعتبار اٹھا لیتا ہے۔

۹۔ نہ بخت سے سر اٹھاتا ہے نہ بدبختی سے جان گھٹاتا ہے۔

زلیخا نے یوسف علیہ السلام کے نام پر سب کچھ لٹا دیا

منقول ہے کہ جب قطفیر فوت ہوا تو زلیخا نے شاہی بنگلوں کو چھوڑ کر ایک جنگل میں جھونپڑا ڈال دیا اور دُنیوی امور کو بالکل خیرباد کہہ کر یوسف علیہ السلام کی یاد میں وقت بسر کرنے لگی۔ اسی طرح اس نے

مصر کے جنگل میں عرصۂ دراز بسر کیا۔ اس کی وہ پونجی جو اس نے قطفیر کے دورِ اقتدار میں جواہرات وغیرہ جمع کیے تھے وہ سب یوسف علیہ السلام کے نام پر قربان کر دی جب کوئی بھی یوسف علیہ السلام کا ذکرِ خیر اس کے سامنے چھیڑتا تو اسے یوسف علیہ السلام کے عشق میں جواہر و موتی سے مالامال کر دیتی یہاں تک کہ اس کے ہاں کوئی شے بھی باقی نہ رہی سب کچھ یوسف علیہ السلام کے نام پر لٹا دیا۔

ف: مروی ہے کہ جیسے دُوسرے لوگ قحط میں مبتلا ہوئے زلیخا بھی قحط کے تھپیڑوں سے نہ بچ سکی اس نے عوام کی خدمت کے لیے تمام قیمتی جوڑے اور انمول موتی بلکہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا قحط زدہ لوگوں پر خرچ کر دیا اور تمام پونجی غرباء و مساکین پر خرچ کر ڈالی اور یوسف علیہ السلام کے عشق و محبت سے خستہ حال اور بوڑھوں کی طرح کمزور اور نڈھال ہو گئی ؎

جوانی تیرہ گشت از خرچ پیرش
برنگ شیر شد موے چو قیرش

برآمد صبح و شب ہنگامہ برچید
بشکستان او کافور بارید

بر پشت خم آزاں بودی سرش پیش
کہ جستی گم شدہ سرمایۂ خویش

زلیخا کا جھونپڑا

جب یوسف علیہ السلام کے عشق نے اسے نڈھال کر دیا اور ادھر فاقہ اور افلاس کی مار سے کمزور پڑ گئی تو یوسف علیہ السلام کی آمد و رفت والی سڑک پر جھونپڑا ڈال دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کبھی کبھی اس راستے سے گزر جاتے تھے۔ آپ شاہی گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور گھوڑے کی عادت تھی کہ یوسف علیہ السلام سوار ہوتے تھے تو وہ ہنہناتا تھا اور اس کی یہ آواز دو میلوں سے سنائی دیتی تھی۔ جب وہ ہنہناتا تھا تو لوگ سمجھتے کہ اب یوسف علیہ السلام اس پر سوار ہو کر کہیں باہر تشریف لے جانے والے ہیں۔ زلیخا کو جب گھوڑے کی یہ عادت معلوم ہوئی تو وہ بھی گھوڑے کی آواز سن کر جھونپڑے سے نکل کر یوسف علیہ السلام کے راستے پر بیٹھ جاتی۔ جب یوسف علیہ السلام وہاں سے گزرتے تو زور سے پکارتی: اے یوسف علیہ السلام! ایک نگاہِ کرم مجھ غریب پر بھی فرمایئے لیکن یوسف علیہ السلام کثرتِ خدام و حشم اور ان کی سواریوں کے شور سے اس کی آواز نہیں سنتے تھے۔

زلیخا کا کفر ٹوٹا

منقول ہے کہ جب زلیخا تنگ آ گئی تو اپنے بت (جس کی پرستش کرتی اور اسے ہر وقت اپنے پاس رکھتی تھی) سے کہا تو بڑا ذلیل ہے اور ساتھ وہ بھی جو تیری پرستش کرتا ہے تجھے میرے بڑھاپے اور اندھے پن اور فقر و ضعف پر رحم نہیں آتا اور نہ ہی تو نے کبھی میرے ساتھ الفت کی اب میں تجھ سے

بیزار ہوں۔ ۵

۱ ز ہر گوش ہا میزد ز ہر جا
صہیل مرکباں باد پیما

۲ زبس بر آسمان میشد ز ہر سوے
نفیر چاؤ شاں طرقوا گوے

۳ کس از غوغا بحال او نیفتاد
بحالے شد کہ او را کس مبیناد

۴ چو کردی گوش آں حیران و مہجور
ز چاؤ شاں صدائے دور شو دور

۵ زدی افغاں کہ من عمریست دورم
بصد محنت دراں دوری صبورم

۶ ز جاناں تا بکے مہجور باشم
ہمان بہتر از خود دور باشم

۷ بگفتی ایں و بیہوش او فتادی
ز خود کردہ فراموش او فتادی

ترجمہ: ۱۔ ہر طرف سے کانوں میں آواز پڑتی تھی جب اس کے گھوڑے تیز رفتار ہنہناتے۔

۲۔ ہر طرف سے آسمان تک ان کے نوکروں کی آواز جاتی جب وہ کہتے راستہ دو۔

۳۔ شور وغل سے زلیخا کی آواز کسی نے نہ سُنی اور وہ ایسی زبوں حال تھی کہ اسے کسی نے نہ دیکھا۔

۴۔ اس مہجور و حیران کے کان میں جب نوکروں کی آواز پہنچتی کہ دور ہو جا دُور ہو جا۔

۵۔ تو زور سے دھاڑیں مارتی کہ کیا میں عمر بھر مہجور رہوں گا بڑے درد اور دُکھ سر پر ہیں لیکن صبر کر رہی ہوں۔

۶۔ اور محبوب سے کب تک مہجور رہوں گی بہتر یہ ہے کہ اپنے سے ہی دور ہو جاؤں یعنی مر جاؤں۔

۷۔ یہ کہہ کر بیہوش ہو کر گر پڑتی اور اپنے جملہ امور کو بھول کر پڑی رہتی۔

زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا

بُت سے بیزار ہو کر زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا اور کہا میں اس رب تعالیٰ پر ایمان لائی ہوں جو یوسف

علیہ السلام کا فدا ہے اس کے بعد صبح و شام اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوگئی۔

زلیخا کی کرامت

مروی ہے کہ جب حسبِ دستور حضرت یوسف علیہ السلام شاہی گھوڑے پر سوار ہونے تو گھوڑا ہنہنایا۔ لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اب یوسف علیہ السلام اس پر سوار ہو کر تشریف لا رہے ہیں یوسف علیہ السلام کا جلوہ دیکھنے کے لیے لوگ دُور دُور سے آپ کے راستے پر کھڑے ہو گئے۔ زلیخا بھی راستے پر کھڑی ہوگئی۔ جونہی یُوسف علیہ السلام کا گزر ہُوا زلیخا نے کہا پیارے ذرا اس بے نوا زلیخا کی طرف بھی توجہ فرمائیے۔ اور یہ کلمات پڑھے:

سبحان من جعل الملوك عبيدا بالمعصية	پاک ہے وہ ذات جس نے بادشاہوں کو گناہوں
وجعل العبيد ملوكاً بالطاعة۔	کی شامت سے غلام اور غلاموں کو عبادت و
	طاعت کی برکت سے بادشاہ بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ[1] نے ہوا کو حکم فرمایا کہ زلیخا کے یہ کلمات یوسف علیہ السلام کے کانوں میں ڈال دے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کے کان مبارک میں یہی کلمات پہنچے تو ایسے مؤثر ثابت ہوئے کہ بے ساختہ آپ کی چشمان مبارکہ سے آنسو بہہ نکلے۔ زلیخا کی بات سن کر آپ نے ایک غلام کو حکم فرمایا کہ اس بڑھیا کا مقصد پُورا کیجیے۔ غلام نے زلیخا سے کہا آپ کیا چاہتی ہیں؟ زلیخا نے فرمایا: میرا کام صرف یوسف علیہ السلام سے ہے۔ بڑھیا کو غلام نے یوسف علیہ السلام کے قصرِ شاہی میں پہنچا دیا۔ جب یوسف علیہ السلام گھر لوٹے اور شاہی پوشاک اتار کر درویشانہ کپڑے پہن کر عبادت خانہ میں ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثناء میں آپ کو بڑھیا یاد آگئی آپ نے غلام کو بلا کر فرمایا کہ بڑھیا کا کام پُورا کیا تھا یا نہ۔ غلام نے کہا کہ بڑھیا کہتی تھی میرا کام صرف یُوسف علیہ السلام پُورا کر سکتے ہیں اسی لیے مَیں نے اسے آپ کے محل شاہی میں بٹھایا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے لائیے۔ بڑھیا نے حاضر ہو کر کہا: السلام علیکم۔ لیکن یُوسف علیہ السلام سر جھکا کر بیٹھے تھے زلیخا کا سلام ایسا دردناک لہجے سے تھا کہ اس سے یُوسف علیہ السلام پر رقّت طاری ہوگئی اور وعلیکم السلام کہہ کر فرمایا اے بڑھیا! مجھے وہی کلمہ دوبارہ سنائیے جو تو مجھے پہلے سنا چکی ہے۔ زلیخا نے کہا میں نے عرض کیا تھا سبحان من جعل العبيد ملوكا بالطاعة وجعل الملوك عبيداً بالمعصية۔ یُوسف علیہ السلام نے فرمایا کیا خوب تُو نے جو کچھ فرمایا سچ ہی سچ ہے لیکن اب بتائیے تیرا کام کیا ہے۔ زلیخا نے عرض کیا: حضرت! آپ نے مجھے اتنی جلدی بُھلا دیا۔ آپ نے فرمایا تو کون ہے میں نے تجھے نہیں پہچانا۔

---

[1] افسوس کہ ایسی باکرامت زلیخا کو دیو بندیوں مردودیوں نے کافرہ خبیثہ لکھ دیا۔ تفصیل فقیر کے رسالہ فع التاسف فی نکاح زلیخا بیوسف یعنی نکاح زلیخا میں سے۔

۵

بگفت آنم چوں روئے تو دیدم
ترا از جملۂ عالم برگزیدم
فشاندم گنج و گوہر در بہایت
دل و جاں وقف کردم در ہوایت
جوانم در غمت برباد دارم
بدیں پیری کہ می بینی فتادم
گرفتی شاہد ملک اندر آغوش
مرا یکبار تو کردی فراموش

ترجمہ: زلیخا نے کہا میں وہی انسان ہوں جس نے آپ کا دیدار کیا تو آپ کے سوا جملہ عالم کو بھلا کر صرف آپ کو چن لیا۔ آپ کے لیے میں نے اپنا تمام خزانہ لٹا دیا۔ آپ کی محبت میں میں نے دل و جان وقف کر دیے تیرے غم میں میں نے جوانی کو برباد کیا بالآخر یہ بڑھاپا نصیب ہوا جسے آپ دیکھ رہے ہیں آپ نے شاہی ملتے ہی مجھے یکسر بھلا دیا۔

زلیخا کو جوانی ملنا اور یوسف علیہ السلام کے معجزات

زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے عرض کی میں وہی زلیخا ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے وہی ہمیشہ زندہ ہے اور اسے فنا نہیں۔ اور اے زلیخا! تو تا حال دنیا میں ہے تو تو فتنوں کی جڑ اور مصائب و بلایا کی بنیاد ہے۔ زلیخا نے عرض کی: آپ کی جدائی سے تو میرے لیے دنیا مصیبت کا گھر بن گئی۔ زلیخا کا خستہ حال دیکھ کر یوسف علیہ السلام رو پڑے اور فرمایا اے زلیخا! تیرے حسن و جمال کو کیا ہو گیا ہے اور تیری شاہی اور جاہ و حشمت کہاں گئی۔ زلیخا نے کہا مجھ سے اسی ذات نے یہ سب کچھ چھین لیا جس نے آپ کو قید خانہ سے نکال کر اس بہت بڑی شاہی کا مالک بنایا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، اپنی ضرورت بتایئے۔ عرض کی کیا آپ پوری کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ، مجھے اپنے دادا کے بڑھاپے کی قسم ضرور پوری کروں گا۔ زلیخا نے عرض کی میری تین آرزوئیں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے میری آنکھیں واپس آ جائیں۔

۲۔ میرا سابق حسن و جمال لوٹ آئے۔

۳۔ مجھے از سرِ نو جوانی مل جائے۔

کیونکہ آپ کی جدائی سے میں اندھی ہوگئی اور آپ کے فراق سے میرا جسم پگھل گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی تو زلیخا کی آنکھیں بحال اور از سرِ نوجوانی نصیب ہوگئی اور وہی حسن وجمال لوٹ آیا ؎

سفیدی شد ز مشکیں مہرہ اش دور
درآمد در سواد نرگسش دور
جوانی پیریش را گشت ہالہ
پس از چل سالگی شد ہژدہ سالہ

ترجمہ: بال سفید دور ہوکر سیاہ بال اُگ آئے اور نرگس کی آنکھ پھر بحال ہوگئی۔
بڑھاپا گیا جوانی آئی چالیس سال کے بعد اٹھارہ سال کی نوجوان ہوگئی۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اُس وقت زلیخا کی عمر نوّے سال تھی۔

نکاحِ یوسف علیہ السلام بہ زلیخا[1]

زلیخا نے عرض کی، میری ایک آرزو یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ نکاح کرلیں اس پر یوسف علیہ السلام خاموش ہوکر تھوڑی دیر سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اے یوسف علیہ السلام! اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ زلیخا کی یہ آرزو بھی پوری کیجیے ؎

کہ ما عجزِ زلیخا را چو دیدیم
بتو عرض نیازش را شنیدیم
دلش از تیغ نومیدی نخستیم
بتو بالائے عرشش عقد بستیم

ترجمہ: میں نے زلیخا کا عجز دیکھا اس کی نیازمندانہ عرض بھی سُنی اب ہم اس کا دل نہیں توڑتے۔ عرش بریں پر ہم نے اس کا عقد نکاح کردیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ اس سے نکاح کیجیے اس لیے کہ وہ دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ ہے۔

---

[1] دیوبندی اور مودودی نے صرف نکاح کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ زلیخا پر رکیک حملے بھی کیے۔ ان کے دلائل اور فقیر کی تحقیق رفع التاسف میں ملاحظہ فرمائیے۔

اویسی غفرلہٗ

چو فرمان یافت یوسف از خداوند
کہ بندد با زلیخا عقد و پیوند

ترجمہ: یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم سنا کہ وُہ زلیخا کے ساتھ عقد نکاح کریں۔

یہ حکم سن کر یوسف علیہ السلام نے بادشاہِ مصر اور تمام ارکانِ دولت و اساطین سلطنت کو دعوت دی اور ضیافت سے نوازا۔

بقانونِ خلیل و دین یعقوب
بر آئین جمیل و صورت خوب
زلیخا را بعقد خود در آورد
بعقد خویش یکتا گوھر آورد

ترجمہ: خلیل علیہ السلام کے قانون اور یعقوب علیہ السلام کے دین پر بحُسن و خوبی زلیخا کا اپنے ساتھ نکاح کیا گویا اس موتی کو اپنی لڑی میں پرویا۔ یعنی اپنے ساتھ ملایا۔

دعوتِ ولیمہ پر ملائکہ کرام کا نزول ہُوا اور دُولھا دُلہن کے بہشتی جوڑے لائے اور عرض کی اللہ تعالیٰ نے یہ جوڑے بھیجے ہیں اور شادی کی مبارکباد بھی دی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اسی وعدہ کا ایفا ہے جو ہم نے آپ سے کنوئیں میں کیا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے کہا:

الحمد للہ الذی انعم علیّ و احسن الیّ وھو ارحم الراحمین۔	سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے انعامات سے نوازا اور احسان و کرم بخشا وہی ارحم الراحمین ہے۔

یوسف علیہ السلام کی التجا یوسف علیہ السلام نے دُعا مانگی: اے الٰہ العٰلمین! میری التجا یہ ہے کہ مجھ پر اس نعمت کی تکمیل فرما اور مجھے یعقوب علیہ السلام کا دیدار نصیب فرما اور میرے بھائیوں کے لیے ایسا سبب بنا کہ وہ میری ملاقات کے لیے آئیں۔ تُو دُعا کا سننے والا اور ہر شے پر قادر ہے۔

عزیزِ مصر (زلیخا کا پہلا شوہر) نامرد تھا زلیخا کو یوسف علیہ السلام نے خلوۃ خانہ میں بھیجا تو زنانِ مصر زلیخا کے لیے بہترین پوشاکیں اور زیورات لائیں اور دلہن کو سنگارا۔ جب رات کو یوسف علیہ السلام زلیخا کے ہاں تشریف لائے تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا بتائیے زلیخا! وہ بکاری اچھی تھی یا آج کا نکاح۔ زلیخا نے کہا اے میرے پیارے! دراصل وجہ یوں تھی کہ میرا

شوہر سابق نامرد تھا۔ ادھر آپ کے حسن وجمال پر میرا دل بک گیا اس سے میں نے مجبوراً غلطی کی اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اب مجھے ملامت نہ کیجیے ؎

شکیبائی نبود از تو حد من
بخش دامان عفوے از بد من
زجرم کز کمال عشق خیزد
کجا معشوق با عاشق ستیزد

ترجمہ: تجھ بغیر مجھے صبر نہ تھا اب مجھے معاف فرمائیے۔ اس جرم سے عشق سے ہو اس سے معشوق عاشق سے نہیں لڑتے۔

یوسف علیہ السلام جب زلیخا کے ہاں پہلی شب کو تشریف لائے تو زلیخا کو باکرہ پایا۔ زلیخا کی بکارت یوسف علیہ السلام کے لیے باقی رکھی گئی تھی ؎

کلید حقہ از یاقوت تر ساخت
کشادش قفل درّ وی گوہر انداخت

ترجمہ: چابی یاقوت کی ڈبیہ کو لگائی جس سے تالا کھول کر خزانہ میں موتی امانت رکھا۔

یوسف علیہ السلام کی اولاد از زلیخا

زلیخا سے یوسف علیہ السلام کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے:

۱۔ افرائیم
۲۔ میشا

دونوں حسن وجمال میں شمس وقمر کو شرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے حسن وجمال کا ذکر ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے سامنے فخر ومباہات سے بیان فرماتا ہے۔

یوسف علیہ السلام پر زلیخا کے عشق کا غلبہ

اب یوسف علیہ السلام کی زلیخا سے ایسی محبت ہو گئی کہ اس کے بغیر آپ کو سکون وقرار نہیں آتا تھا ؎

چو صد قش برد بیروں از نہایت
در آخر کرد بر یوسف سرایت

زلیخا رحمہا اللہ تعالیٰ کا عشق مجازی عشق حقیقی سے بدل گیا اب اسے طاعت وعبادت کے سوا چین نہیں آتا تھا اس سے یوسف علیہ السلام نے ایک دن اپنی طرف بلایا تو وہ عبادت وطاعت کی طرف جانے لگی تو یوسف علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے تو زلیخا رحمہا اللہ تعالیٰ کا قمیص مبارک پیچھے سے پھٹ گیا۔ زلیخا نے کہا اگر میں نے آپ کا قمیص پھاڑا تھا

تو آج آپ نے میرا قمیص پھاڑا ہے اس کا بدلہ پورا ہو گیا ؎

دریں کار از تفاوت بے ہراسیم
بہ پیراہن دری دراسنہ براسیم
چو یوسف روے او در بندگی دید
وزاں نیت دلش را زندگی دید
بنام او ز زر کاشانہ ساخت
نہ کاشانہ عبادت خانہ ساخت

ترجمہ: اس کام (عشق) میں ہم بے خوف ہیں پیراہن پھاڑنے میں ہم دونوں برابر ہیں۔ جب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو عبادت میں مشغول دیکھا اور اس کے دل کی نیت عبادت میں زندگی بسر کرنے کو ملاحظہ فرمایا اس کا ایک علیحدہ سنہری مکان بنایا وہ مکان نہ تھا بلکہ عبادتخانہ تھا۔

یوسف علیہ السلام نے خلوت خانہ خاص میں ایک پلنگ (جو جواہرات سے مرصع تھا) پر زلیخا کو بٹھا کر یوں کہا: ؎

۱ دور بنشیں پے شکر خداے
کزو داری بہر مولیٰ عطاے
۲ توانگر ساختست بعد از فقیری
جوانی داد بعد از ضعف پیری
۳ بچشم نور رفتہ نور دادت
وزاں پر رو در رحمت کشادت
۴ پس از عمرے کہ زہر غم چشاندت
بتریاک وصال من رساندت
۵ زلیخا ہم بتوفیق الٰہی
نشستہ بر سریر پادشاہی
۶ دراں خلوت سرا می بود خرسند
بوصل یوسف وفضل خداوند

ترجمہ: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی میں دور بیٹھ جو تجھ پر مولیٰ تعالیٰ کی عطا ہوئی۔
۲۔ کہ فقیری کے بعد تجھے دولت مند بنایا ضعیفی اور بڑھاپے کے بعد جوانی بخشی۔

۳۔ آنکھ کا گیا ہوا نور واپس فرمایا اس کے بعد تجھ پر رحمت کا دروازہ کھولا۔

۴۔ بڑی مدت کے بعد تجھے غم سے آزادی بخشی بالخصوص میرے وصال کا تریاک عطا فرمایا۔

۵۔ زلیخا بھی بتوفیق الٰہی بادشاہی کے تخت پر بیٹھی۔

۶۔ اسی خلوت خانہ میں خوش تھی۔ یوسف علیہ السلام کے وصال اور فضلِ الٰہی سے شاد تھی۔

ف: ان دونوں یعنی یوسف و زلیخا رحمہا اللہ کی وفات کا ذکر ہم سورۃ کے آخر میں بیان کریں گے۔

سبق: اے بھائی یاد کیجئے کہ انہوں نے اپنے اعضاء و جوارح کو ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کس مرتبہ علیا پر پہنچایا۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ یوسف (قلب) نے بادشاہ (روح) سے کہا کہ اجعلنی علیٰ خزائن الارض مجھے زمین (جسد) کے خزانوں پر مقرر فرمادے اس لیے کہ ہر شے اور جسم کے ہر عضو کے ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار قہر و لطف کے خزانے ہیں مثلاً آنکھ میں دیکھنے کی ایک نعمت ہے اگر اسے رویۃ آیات و مصانع پر صرف کیا جائے تو لطف آئے گا اور اس سے نفع بھی پائے گا اور اگر اسے لذات و شہوات نفس پر صرف کیا جائے تو حس اسے محفوظ نہ رکھ سکے گا اسی لیے وہ قہر و غضب پائے گا اور نقصان اٹھائے گا۔ اسی طرح باقی اعضاء کا قیاس کیجئے اسی لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا انی حفیظ علیم یعنی نفس کو ضرر سے بچاتا اور اس کے نفع و نقصان کو خوب جانتا ہوں اور ان کے نفع و نقصان کے استعمالات کا مجھے علم ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَکَذٰلِکَ کاف مکنا کی وجہ سے منصوب ہے اور ذٰلِکَ کا اشارہ ان نعمتوں کی طرف ہے جو یوسف علیہ السلام کو نصیب ہوئیں۔ مثلاً قید کی تکالیف سے نجات اور بادشاہ کے ہاں بہت بڑے مراتب حاصل کرنا مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ ہم نے یوسف علیہ السلام کا مرتبہ بلند بنایا فِی الْاَرْضِ مصر کے علاقے میں۔

ف: مصر کا علاقہ ۱۲۰ میل لمبا اور ۱۲۰ میل چوڑا تھا۔ (کذا فی الارشاد)

اور مدارک میں ہے کہ التمکین بمعنے اقدار یعنی قدرت دینا۔

اور تاج المصادر میں ہے مَکَّنَّاہٗ فِی الْاَرْضِ بمعنے بوأناہٗ یا ہا۔ یہ نصحت کی طرح متعدی بنفسہ مستعمل ہے اور لام کے ساتھ بھی۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

نصحتہ و نصحت لہٗ۔

اور ابو علی نے کہا کہ ردف لکم کی طرح اس میں لام محذوف ہے جیسے پڑھا گیا ردفکم۔

یَتَبَوَّاُ مِنْهَا یوسف سے حال ہے یعنی درانحالیکہ ملک مصر کے شہروں میں وہ جہاں چاہیں نزول اجلال فرمائیں حَیْثُ یَشَآءُ جہاں نزول اجلال اور رہائش اور بود و باش چاہیں۔ اس سے یوسف علیہ السلام کی

کمالِ قدرت اور شاہی کے جملہ تصرفات اور سلطنت پر قبضہ و قدرت کا بیان ہے گویا تمام ملک مصر ان کا ایک گھر تھا جیسے گھر والا اپنے گھر میں جس طرح کا تصرف چاہے کر سکتا ہے ایسے ہی یوسف علیہ السلام مصر کے مالک تھے جس طرح چاہتے تصرف فرماتے۔

حدیث شریف بھائی یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اگر وہ اجعلنی خزائن الارض نہ فرماتے تو بادشاہ انہیں اسی وقت ملک کے خزائن سپرد کر دیتا لیکن جونہی یوسف علیہ السلام نے مذکورہ کلمات کہے تو بادشاہ نے ایک سال کے بعد خزانوں کی سپردگی کی۔

یوسف علیہ السلام کی تاج پوشی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب سال سے ایک دن زائد ہوا تو یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو یاد دہانی کرائی بادشاہ نے ایک جشنِ شاہانہ منایا اس میں یوسف علیہ السلام کو بلا کر سر پر شاہی تاج رکھا اور انہیں اپنی مُہر پیش کی اور تلوار گلے میں لٹکائی اور سونے کا تخت بچھایا جس پر جواہر و موتی جڑے ہوئے تھے۔ اس تخت کی لمبائی تیس اور چوڑائی دس ہاتھ تھی اس پر تیس بہترین قالین بچھوائے۔ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو فرمایا تخت سے آپ کی شاہی مضبوط ہوئی اور مُہر کے عطیہ سے آپ کے جملہ معاملات حُسنِ تدبیر سے سرانجام پائیں گے لیکن تاج واپس کر لیجئے اس لیے کہ یہ نہ میرا لباس ہے نہ میرے آباؤ اجداد کا۔ بادشاہ نے عرض کی آپ ضرور پہنیں اس لیے کہ میں نے اسے آپ کی عزت افزائی اور جلال و اکرام کے طور پیش کیا ہے۔ یوسف علیہ السلام تخت نشین ہوئے تو بادشاہ نے نیاز مندی اور عقیدت کے ساتھ حاضر ہو کر تمام شاہی کی کنجیاں پیش کر دیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چوں شاہ از وے بدید ایں کار سازی
بملک مصر دادش سرفرازی
سپاہ را بندۂ فرمان او کرد
زمیں را عرصہ میداں او کرد

ترجمہ: جب بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی یہ کارروائی دیکھی مصر کے ملک میں آپ کو سرفرازی بخشی۔ تمام سپاہ کو ان کے تابع فرمان کیا زمین کو آپ کے تصرف میں دے دیا۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا: ؎

پیر ست چرخ و اختر بخت تو نوجوان
آں بہ کہ پیر نوبت خود با جوان دہد

ترجمہ: بوڑھے آسمان اور ستارے تیرے نوجوان بخت کے تابع ہیں۔ یہی بہتر ہوتا ہے کہ بوڑھا اپنے جملہ امور نوجوان کے سپرد کرے۔

ف: یوسف علیہ السلام نے جب شاہی امور سنبھالے تو اس وقت آپ کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ (کذا فی التبیان)

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں ایک مثالی عادلانہ نظام قائم فرمایا اسی وجہ سے آپ سے مصر کا ہر مرد اور عورت پیار کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیہاتیوں کو حکم جاری فرمایا کہ زمین کا ایک ہاتھ بھی کھیتی سے خالی نہ رہ جائے یہاں تک کہ وادیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں سات سال مسلسل کھیتی باڑی کا کام جاری رہے اور ساتھ ہی ضرورت پوری کر کے بقایا غلہ بالیوں میں محفوظ رہے اس میں پانچواں حصہ حکومت کے سپرد کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جتنا غلہ علاقوں سے حاصل ہو اس کے لیے ایک گودام میں محفوظ کر لیا جائے اسی طرح شاہی جاگیروں کی براہِ راست جتنی کاشت ہو وہ بھی سرکاری گوداموں میں رکھی جائے اسی طرح سات سال خوشحالی کے گزر گئے تو قحط سالی کے سات سال شروع ہو گئے۔ پہلے سال تو آپ نے غلہ قیمتاً دینے کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ پہلے سال اہلِ مصر نے حکومت سے قیمتاً غلہ خریدا یعنی دراہم و دنانیر کے عوض دوسرے سال زیورات کے عوض غلہ بیچا گیا۔ تیسرے سال جانوروں کے عوض۔ چوتھے سال غلاموں اور کنیزوں کے عوض۔ پانچویں سال زمین اور جاگیروں کے عوض۔ چھٹے سال اولاد کے عوض۔ ساتویں سال ان کی اپنی گردنیں یعنی حکومت کی غلامی اختیار کرنے کے بعد غلہ ملتا تھا جب تمام لوگ یوسف علیہ السلام کے غلام اور کنیزیں بن گئے تو سب کے عقول و فہوم متحیر تھے اس لیے کہ ایسی کارروائی نہ دوسرے ممالک کے شاہانِ سابق سے سُنی گئی نہ مصریوں میں ایسا پایا گیا بلکہ جملہ ملوک و شاہان زبان بھی معترف تھے کہ یوسف علیہ السلام جیسا بڑا بزرگ عقیل و فہیم اور دانا زکی بادشاہ نہ دیکھا نہ سُنا جب مکمل سات سال قحط کے ختم ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا اب آپ کیا چاہتے ہیں؟ بادشاہ نے عرض کی میں وہی چاہتا ہوں جو آپ چاہتے ہیں یوسف علیہ السلام نے فرمایا آپ نے میرے رب تعالیٰ کی حکمت کو دیکھا اور اس کی صنعت کو بھی کہ اس نے مجھ جیسے سے اتنا بہت بڑا اہم اور دشوار کام بخیر و خوبی سرانجام کرایا اب میں چاہتا ہوں کہ تمام رعایا کو آزاد کر کے ان کے جمیع اموال و اسباب و زیورات وغیرہ واپس کر دوں۔ بادشاہ نے کہا بسر و چشم آنچہ مرضیِ مولیٰ ہمہ اولیٰ۔

نکتہ: کاشفی نے لکھا کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ بوقتِ خرید و فروخت ان سب کو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے قبضۂ غلامی میں دے دیا تاکہ ان سے کوئی کلمہ بے ادبی اور گستاخی کا نہ نکلے تاکہ نبوت کی توہین نہ ہو (اس نکتے کو دورِ حاضرہ کے منزلہ وہابیہ دیوبندیہ غور سے پڑھیں)

ف: یوسف علیہ السلام کی عادت کریمہ تھی کہ باہر سے آنے والے ہر خریدار کو صرف ایک اونٹ کے وزن کا غلہ دیتے تاکہ امیر و غریب کے درمیان مساوات ہو سکے۔

ف: حضرت یوسف علیہ السلام قحط کے دوران پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے تاکہ آپ بھوکوں کو نہ بھلا دیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

آنکہ در راحت و تنعم زلیست
او چہ داند کہ حال گرسنہ چیست
حال درماندگی کسے داند
کہ باحوال خود فرو ماند

ترجمہ: جو راحت و نعمت میں زندگی بسر کرے اسے بھوکے کے حال کا کیا پتہ۔ عاجزی کا حال وہی جانتا ہے جس نے زندگی میں عاجزی کا منہ دیکھا ہو۔

نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا یہ با تعدیہ کی ہے یعنی ہم اپنی رحمت کے ساتھ دینی دنیوی ظاہری باطنی نعمت سے سرفراز فرمائیں مَنْ نَّشَآءُ جسے چاہتے ہیں یعنی جس کے لیے ہم عطیۂ رحمت کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمیں کوئی نہیں روک سکتا وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اور نیک عمل کرنے والوں کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتے یعنی انھیں ہم دنیا و آخرت میں پوری جزا دیتے ہیں۔

ف: مروی ہے حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن کو دنیا و آخرت کا ثواب عطا فرما دیا جاتا ہے اور فاسق و فاجر یعنی کافر کو صرف دنیا میں اجر ملتا ہے لیکن وہ آخرت کے ثواب سے محروم ہوتا ہے۔ اس کی تائید میں آپ نے یہی آیت پڑھی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محسنین کے لیے بہشت میں بہت بڑے مراتب ہیں، یہاں تک کہ جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ احسان کرتا ہے اسے بھی اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ احسان کا مفہوم اگرچہ کثیر معانی پر آتا ہے۔ لیکن صوفیائے کرام نے فرمایا کہ احسان مشاہدہ و عیان کو کہا جاتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں اور مشاہدہ و عیان ایک حالت کا نام ہے جو ماسوی اللہ کے مکمل طور اعراض کے بعد نصیب ہوتی ہے اسے مشاہدہ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کو بصیرت سے دیکھنا نصیب ہوتا ہے جیسا کہ اسی طرف بعض عارفین نے ایک شعر میں اشارہ فرمایا۔

س

خَيَالُكَ فِيْ عَيْنِيْ وَذِكْرُكَ فِيْ فَمِيْ
وَحُبُّكَ فِيْ قَلْبِيْ فَاَيْنَ تَغِيْبُ

ترجمہ: تیرا خیال میری آنکھ میں اور تیرا ذکر میرے منہ میں اور تیری محبت میرے قلب میں نہ معلوم تم کہاں چھپے ہوئے ہو۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اور ان کے لیے آخرت میں اجر۔ یہ اضافت معمولی ملابست کی وجہ سے ہے اس سے مراد یہ ہے

انہیں دائمی اور غیر منقطع نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا کہ وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ خَیْرٌ بہتر ہے اس لیے کہ وہ فی نفسہٖ افضل و اعظم و دوام ہے۔ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ ان لوگوں کے لیے جو کفر اور خواہش نفسانی سے بچتے تھے جیسے یوسف علیہ السلام نے احسان و تقویٰ کی وجہ سے کنویں کی گہرائیوں سے نکل کر تخت شاہی اور جاہ و جلال لیا۔

س

بدنیا و عقبیٰ کسے قدر یافت
کرا و جانب صبر و تقویٰ شتافت

ترجمہ: دنیا و عقبیٰ میں اسے قدر و منزلت نصیب ہوئی جو صبر و تقویٰ کی طرف دوڑا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ غیر متقی مومن کو وہی مذکورہ بالا نعمت آخرت میں نصیب نہ ہوگی۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ دنیا کی مثال فانی سونے جیسی ہے اور آخرت کی مثال باقی رکھنے والی ٹھیکری کی ہے۔ اس بقا کے لحاظ سے آخرت دنیا سے بہتر ہے اگرچہ اسے مثال کے طور آخرت کو ٹھیکری کہا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا ٹھیکری اور آخرت سونا ہے۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بہشت کس چیز سے پیدا کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی سے۔ ہم نے عرض کی: اس کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟ آپ نے فرمایا، سونے اور چاندی کی اینٹوں پر اور اس کا گارہ مشک خالص اور اس کی مٹی زعفران اور اس کے میدان پر جواہرات اور موتی ہیں۔ جو اس میں داخل ہوگا اسے دائمی نعمتوں سے نوازا جائے گا اسے موت نہیں آئے گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا' نہ اس کے کپڑے پھٹیں گے نہ اس کا شباب بڑھاپے میں بدلے گا بلکہ بہشتی حسن و جمال میں ہر روز اضافہ ہوگا جیسے دنیا میں انسان روزانہ بڑھاپے کی طرف ڈھلتا ہے، ایسے ہی بہشت میں حسن و جمال کی طرف اضافے ہوں گے۔

مسئلہ: بہشت کے حصول کے لیے نیکیاں لازمی اور ضروری ہیں اس لیے کہ نیکیاں بہشت کے بلند درجات کا بیج اور بہشت کے باغات کی اُجرت ہیں۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک دن حمام میں داخل ہوئے تو حمامی نے داخل نہ ہونے دیا اور کہا کہ پیسے ہوں تو آؤ ورنہ جاؤ۔ حمامی کی بات سن کر حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے اور فرمایا کہ جب مجھے شیطان کے گھر میں اجرت کے بغیر داخل نہیں ہونے دیتے نبیوں صدیقوں کے گھر میں کیسے داخل ہونے دیں گے۔

ف: نبیوں صدیقوں کے گھر سے اگر بہشت مراد ہے تو اجرت سے اعمال اگر قلب مراد ہے تو اجرت سے صدق الاحوال مراد ہیں بہرحال جو بھی ہو ان کو عبودیت لازمی ہے اسی لیے کہ تقاضائے حکمت یہی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: للذین امنوا و کانوا یتقون۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کی عبودیت نہیں اس کی آخرت دنیا سے بہتر نہیں اس لیے

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ○ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ
بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ
الْمُنْزِلِينَ ○ فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ○ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ
أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ○ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا
إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا
الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا
أَمِنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حِفْظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ○ وَلَمَّا فَتَحُوا
مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ
إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ○ قَالَ لَنْ
أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ
مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ○ وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا
مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ○ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ۖ مَا كَانَ
يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا
عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○

ترجمہ: اور یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے تو اس کے ہاں حاضری دی تو اس نے انھیں پہچان لیا اور
وہ اس سے انجان رہے اور جب ان کا سامان تیار کر دیا فرمایا اپنے سوتیلے بھائی کو میرے ہاں لے آؤ
کیا نہیں دیکھ رہے کہ میں پورا ناپتا ہوں اور میں سب سے بہتر مہمان نواز ہوں اگر تم اسے میرے پاس
لے کر نہ آئے تو تمہارے لیے میرے ہاں کوئی ناپ نہیں اور نہ ہی تم میرے قریب آنا انہوں نے کہا
ہم اس کے باپ سے اس کی خواہش کریں گے اور یہ کام ہم ضرور کریں گے اور یوسف علیہ السلام
نے اپنے غلاموں سے فرمایا کہ ان کی پونجی ان کے سامان میں رکھ دو۔ شاید وہ اسے پہچانیں جب
وہ اپنے گھر کو لوٹ کر جائیں شاید واپس آئیں پھر جب وہ باپ کی طرف لوٹے۔ عرض کی: اباجی! ہم
سے غلہ روک دیا گیا ہے آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے ہم غلہ لائیں گے اور یقیناً
ہم اس کی حفاظت کریں گے فرمایا کیا اس کے متعلق ویسا ہی اعتبار کروں جیسا پہلے اس کے

بھائی کے بارے کیا تھا تو اللہ تعالیٰ سب سے بڑا نگہبان ہے اور وہی ہر مہربان سے بڑھ کر مہربان ہے۔ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنی پونجی پائی کہ انہیں واپس کر دی گئی ہے۔ عرض کی : ابا جی ! اور ہمیں کیا چاہیے۔ تو یہ ہے ہماری پونجی کہ ہمیں واپس کر دی گئی ہے اور ہم اپنے گھر غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ مزید حاصل کریں گے۔ یہ غلہ تو معمولی ہے۔ فرمایا میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کا عہد دے کر میرے ساتھ یہ معاہدہ نہ کرو گے کہ تم اسے ضرور واپس لاؤ گے مگر یہ کہ تم (قدرتی حادثہ میں) گھر جاؤ جب انہوں نے یعقوب علیہ السلام کو اعتماد دے دیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے ان باتوں کا جو ہم کہہ رہے ہیں اور فرمایا اے میرے بچو ! ایک دروازہ سے نہ جانا بلکہ متفرق دروازوں سے جانا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتا حکم تو سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور تمام بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور کوئی شے انہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتی۔ ہاں یعقوب علیہ السلام کے دل میں ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی بیشک وہ بہت بڑے علم والے ہیں جو ہم نے انہیں سکھایا۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۲۸)

اگر وہ آخرت کو بہتر سمجھتا تو اس کے لیے تیاری کرتا۔ عبودیت اور امتثال با وامر اللہ اور اجتناب عن النواہی میں شان ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ملک و ملکوت میں تصرف کرنے کی طاقت بخشی ہے بشرطیکہ وہ شرع شریف کے مطابق عمل کریں اور طبع کے خلاف رہیں اس لیے کہ نفس کو جب تک مکارہ برداشت کرنے اور ترک شہوات کا مجاہدہ نصیب نہ ہو وہ اس مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ مثلاً یوسف علیہ السلام نے جب طبع اور اس کے تقاضوں کے خلاف کیا اور نفس کو خواہشات سے روکا اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہوئے اور کنویں اور قید خانے کے مصائب اور عبودیت کی تکالیف سر پر رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے ارض مصر کا مالک بنا دیا اور ایسی وسعت بخشی کہ کسی دوسرے بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی اور آپ کا زلیخا کے ساتھ نکاح کرا دیا۔ یہ سب نفس کے مقتضیات کے خلاف کرنے کی وجہ سے ہوا۔

ف : اہل نعمت و اہل محنت کو تقویٰ ضروری ہے۔ اہل نعمت کا تقویٰ شکر میں ہے اسی لیے کہ وہ اہل محنت یعنی مصائب زدہ کو جزع و فزع اور اضطراب سے بچاتا ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے اس لیے کہ تقویٰ کی رسی ٹوٹتی نہیں اور اس کا انجام بھی بخیر ہے اور اس کے سوا یعنی تقویٰ کا خلاف ایسی مضبوطی سے فارغ اور جلد ٹوٹنے والے اور ان کا انجام بھی اتنا اچھا نہیں جیسے ہم

نے بارہا تجربہ کیا۔ اے اللہ! ہمیں طریقۂ ہدایت سے پھسلنے سے بچا اور نفس و ہوا کی اتباع سے محفوظ فرما اور ہمیں اپنے عارفین کی جماعت میں داخل فرما اس لیے کہ وہ تیرے محرم اسرار ہیں اور ہر وقت تیری طرف متوجہ رہتے اور ماسوی اللہ کی محبت سے فارغ ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ مروی ہے کہ اس قحط کے اثرات دُور دور تک پہنچے یہاں تک کہ مصر کے علاوہ بلادِ شام اور کنعان بھی اسی کی لپیٹ میں آ گئے اور اولادِ یعقوب علیہ السلام خصوصیت سے قحط سے متاثر ہوئی اور تنگ ہو کر والد گرامی سے عرض کی کہ مصر کے ملک میں ایک بادشاہ ہے جو تمام قحط زدگان کی امداد کرتا ہے اور غرباء و مساکین اور مسافرین کے ساتھ نوازش فرماتا ہے ؎

ز احسانش آسودہ برنا و پیر
وزو گشتہ خوش دل غریب و فقیر
بخشش ز ابر بہاری فزوں
صفات کمالش ز غایت بروں

ترجمہ: ہر شخص بوڑھا جوان اس کے احسان سے آسودہ ہے اس سے ہر غریب و فقیر خوش ہے ابر بہاری سے بخشش کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے اس کی صفات کمالیہ غایت سے زیادہ۔

اگر اجازت ہو تو ہم وہاں جائیں تاکہ کنعان کی بھوک و افلاس کو دُور کر سکیں۔ آپ نے تمام بھائیوں کو اجازت بخشی اور بنیامین کو اپنی خدمت کے لیے اپنے پاس رکھ لیا۔ دس بھائی گیارہ اُونٹ لے کر مصر کے ملک کو روانہ ہوئے، اور تھوڑی سی پونجی بھی ساتھ لی اس ارادہ پر کہ غلّہ کی قیمت ادا کریں گے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب قحط کے حملے شام کے علاقوں پر ہوئے تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاجزادوں کو بلا کر فرمایا کہ بیٹے! دیکھ رہے ہو کہ قحط کا کیا حال ہو رہا ہے ہم تنگ ہیں۔ صاجزادوں نے عرض کی تو پھر اس کا کیا علاج ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: عزیز مصر کے ہاں جاؤ اور وہاں سے غلّہ خرید کر لاؤ۔ صاحبزادوں نے عرض کی: اباجی! آپ کو معلوم ہے کہ اہل مصر ہمارے وہاں جانے کو کب پسند کر سکتے ہیں فراعنہ تو ہمارے خون کے پیاسے ہیں اور اس کا آپ کو علم ہے پھر جان بوجھ کر ہمیں کیوں بھیج رہے ہیں۔ علاوہ ازیں مصر ظلم و ستم کا گھر تھا اور مصر ارض الجبابرہ کے نام سے مشہور تھا اس لیے کہ وہاں اس دور میں ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ وہاں کا موجودہ منتظم عزیز مصر اہلِ دل اور عادل ہے تم وہاں جا کر اسے میرا اسلام کہہ دینا

امید ہے تمہاری عزت افزائی ہوگی ۔ یہ فرما کر اونٹ ان کے لیے تیار کرائے اور انھیں مصر کی طرف روانہ فرمایا ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وجاء اخوۃ یوسف یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ خریدنے کے لیے مصر میں حاضر ہوئے ۔

ف : مفسرین نے فرمایا کہ جب یعقوب و یوسف علیہما السلام کی ملاقات کا وقت قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سال فرقت کو وصلت سے اور درد والم کو راحت سے تبدیل فرمایا لیکن اس سے قبل اپنی تمام مخلوق کو قحط میں مبتلا کر دیا تاکہ وہی قحط یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے مصر جانے کا سبب بنے اور وہاں سے غلہ حاصل کرنے کے لیے جائیں تو ان کی معرفت و مواصلت ہو ۔ مصر و کنعان کا درمیانی فاصلہ صرف آٹھ میل کا مراحل تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے یوسف علیہ السلام کا معاملہ اوجھل رکھا اور نہ ہی یوسف علیہ السلام کو اس کے متعلق توجہ ہوئی یہاں تک کہ وہی وقت آگیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کی ملاقات کے لیے مقرر فرمایا ۔ کما قال :

فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ پس وہ یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے اور وہ اس وقت مسند شاہی پر نہایت آراستہ و پیراستہ جلوس آرا تھے فَعَرَفَهُمْ انھیں یوسف علیہ السلام نے پہچان لیا یعنی پہلی نظر اور بلا تامل اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اس لیے کہ یوسف علیہ السلام کے فہم کی قوت تیز اور بھائیوں کے ہیئات چنداں متبدل بھی نہیں ہوئے تھے اگرچہ وہ ان سے بچپن میں جدا ہوگئے تھے لیکن سن شعور تھا اور جوان اگرچہ بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھے تب بھی اس کی ہیئت میں ایسا تغیر و تبدل نہیں آجاتا کہ جسے پہچانا بھی نہ جا سکے ۔ علاوہ ازیں یوسف علیہ السلام کے دل میں ان کے تصورات اب تازہ ہوگئے اس قرینہ سے کہ قحط کا حملہ دور کے علاقوں پر ہو چکا ہے اور اس کی لپیٹ سے کنعان بھی نہیں بچ سکا ۔ اب آپ کو انتظار تھا کہ بھائی آئیں گے ان قرائن کے علاوہ نص قرآنی میں واضح ثبوت موجود ہے ۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا جب وہ کنویں میں تھے کہ لَتُنَبِّئَنَّهُم بامرهم هذا وهم لا يشعرون ۔ اس وعدۂ ربانیہ پر یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ بھائی آئیں گے اور قرآن مجید کی آیت سے معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کا جاننا محض قرائن کی بنا پر نہیں بلکہ وحی حق سے تھا اسی لیے جب آپ کے بھائی آپ کے ہاں حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں پہچان لیا وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ۝ حالانکہ وہ یوسف علیہ السلام کے حال سے بے خبر تھے اس لیے کہ عرصہ کثیر گزر چکا تھا ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھائیوں کے نہ پہچاننے کے وجوہ لکھتے ہیں کہ ان کا نہ پہچاننا حق تھا کہ انھیں یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالے ہوئے چالیس سال گزر چکے تھے ۔ اس وقت یوسف علیہ السلام کا بچپن تھا اور اب وہ شباب کی آخری منزل سے گزر رہے تھے ان کا پہلے سے اعتقاد تھا کہ یوسف علیہ السلام فوت ہو چکے ہوں گے اور اس وقت ان کے تصورات سے یوسف علیہ السلام کا خیال بھی ختم ہو چکا تھا اس لیے کہ انھیں یوسف علیہ السلام کی فکر ہی کیا تھی پھر وہ مصر کی شاہی تک پہنچنے کا تصور نہیں کر سکتے تھے کہ اتنی بڑی شاہی اور یوسف علیہ السلام جب کہ انھوں نے کنویں میں ڈالا پھر ایک قافلہ سے کوڑیاں لے کر مفت دے دیا ۔ ان کے خیالات کی دنیا یہاں پہنچتی کیسے

جبکہ یُوسف علیہ السلام سریرِ سلطنت پر تزک و احتشام کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عرفھم بنو د المعرفۃ والنبوۃ بھائیوں کو یوسف علیہ السلام نے معرفت و نبوت کے علم سے پہچانا وھم لہٗ منکرون اور چونکہ ان کے اندر معاصی کی ظلمت باقی تھی اور نور توبہ و استغفار سے بھی محروم تھے اسی لیے یوسف علیہ السلام کی حقیقت کو نہ پہچان سکے اگر وہ یوسف علیہ السلام کی معرفت سے بہرہ ور ہوتے تو انھیں چند ٹکوں کے عوض نہ دیتے۔

عِلمِ غیب نبی

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ اور جب ان کے سفر کا سامان تیار فرمایا یعنی وُہ اشیاء جن کی مسافر کو سفر میں ضرورت پڑتی ہے کھانے پینے و دیگر ضرورت کی اشیاء اور ان کے اونٹوں کے پالان اور غلّہ کی بوریاں اونٹوں پر رکھوائیں۔

ف: المیرۃ بکسر المیم و سکون الیاء یعنی وُہ غلّہ جو ایک شہر سے خرید کر دُوسرے شہر میں لایا جائے۔

قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ یُوسف علیہ السلام نے فرمایا اپنے علاتی بھائی کو بھی میرے پاس لاؤ العلۃ بمعنے الفرۃ اور علاتی اولاد یعنی مختلف ماؤں کی اولاد یعنی جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں انھیں علاتی اس لیئے کہا جاتا ہے کہ ان کے باپ نے پہلے کسی عورت سے نکاح کیا ہوا ہے اس سے بھی اولاد تھی اب اس عورت کے ساتھ تازہ نکاح ہوا اس سے بھی اولاد ہوئی اب ان دونوں کی اولاد (ایک باپ سے) آپس میں علاتی اخوۃ کہلائیں گے۔ ایک ماں باپ کی اولاد کو عینی اخوۃ۔ اور اگر ماں ایک اور باپ مختلف ہوں تو وہ خیفی اخوت کہلاتے ہیں۔ (تفصیل علم المیراث میں ہے)

علم کے باوجود اظہارِ لاعلمی

یہ کلیہ ہم اہلسنت وہابیوں دیوبندیوں کے سامنے بارہا پیش کر چکے ہیں لیکن وہ غریب نہ ماننے کے مریض ہیں اسی لیے ان کے نہ ماننے سے قاعدہ پر کوئی حرج واقع نہیں ہوتا ہم اہلسنت کی تائید میں صاحب رُوح البیان نے یہ قاعدہ یُوں لکھا:

وَلَمْ يَقُلْ بِأَخِيكُمْ مُبَالَغَةً فِي إِظْهَارِ عَدَمِ مَعْرِفَتِهِ لَهُمْ۔

یوسف علیہ السلام نے بِأَخٍ لَّكُمْ فرمایا حالانکہ انھیں بِأَخِيكُمْ فرمانا تھا صرف اسی لیے کہ وہ سمجھیں کہ یوسف علیہ السلام نے انھیں نہیں پہچانا۔ حالانکہ اُوپر آپ پڑھ چکے ہیں اور نص قطعی سے ثبوت دیا جا چکا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو آتے ہی پہچان لیا تھا۔ اب جاننا اور نہ جاننا دُو متضاد باتیں کیوں۔ ہم اہلسنت نے قاعدہ عرض کیا کہ اسرارِ نبوت و الوہیت میں انگشت نمائی کے بجائے سرِ تسلیم خم کرنے میں نجات ہے۔ (فافہم ولاتکن من الوہابیین)

قاعدہ: مَرَرْتُ بِغُلَامِكَ اور مَرَرْتُ بِغُلَامٍ لَكَ میں یہی قانون ہے کہ اگر غلام کو معرفہ کر کے لایا جائے تو اس سے اہل عرب سمجھتے ہیں کہ وُہ غلام کو جانتا ہے اگر نکرہ کر کے لایا جائے تو اس سے انہیں یقین ہوگا کہ وُہ غلام کو

نہیں جانتا۔

سوال : یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی کا علم کیسے ہوا۔ قطع نظر اس کے کہ نبی علیہ السلام کو خدا سے علم حاصل ہوتا ہے لیکن یہاں تو یوسف علیہ السلام کو استعمال نہیں کرنا تھا۔

جواب : یوسف علیہ السلام سے انھوں نے اپنے گیارھویں بھائی کے لیے غلہ مانگا تو آپ اپنی عادت کے خلاف نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آپ ہر آنے والے کو ایک اونٹ کی مقدار غلہ دیتے تھے۔ جب انہوں نے بھائی کے لیے مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں خلافِ عادت آپ لوگوں کے بھائی کے لیے غلہ دے رہا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دُوسری بار تشریف لاؤ تو اسے ساتھ لانا تاکہ تمھاری صداقت معلوم ہو۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ ان کے پاس گیارہ اُونٹ تھے جب دس اُونٹوں کے مطابق غلہ دے دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ گیارھواں اُونٹ کا غلہ بھی عنایت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اونٹوں کے مطابق نہیں بلکہ آنے والوں کی شمار کے مطابق غلہ دیا جاتا ہے اگر تم سچے ہو تو بھائی کو لاؤ۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ پہلے انہوں نے بلا تکلف کوئی باتیں کی ہوں گی اسی لیے اب انھیں صاف جواب دیا کہ غلہ نہیں ملتا جب تک بھائی کو نہ لاؤ گے۔

علم کے باوجود لاعلمی کا دُوسرا ثبوت

مروی ہے کہ جب یُوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو دیکھا تو ان سے پُوچھا تم کون[1] ہو اور کہاں سے آئے ہو اور تمھارا کیا مشغلۂ زندگی ہے اس لیے کہ میں تمھیں نہیں پہچانتا۔ انھوں نے کہا ہم اہلِ شام سے ہیں اور بکریوں کے چرواہے ہیں۔ ہمیں قحط نے ستایا ہے ہم آپ کے ہاں غلہ لینے آئے ہیں۔ یُوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تم مصری عورتوں کو دیکھنے آئے ہو۔ ہمیں تمہارے اس طور طریق سے خطرہ ہے انہوں نے کہا معاذ اللہ ہم ایسی غلطی کب کر سکتے ہیں ہم سب ایک باپ کے بیٹے ہیں اور ہمارا والد بڑا بزرگ اور اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے ان کا اسمِ گرامی یعقوب علیہ السلام ہے۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا : تم کتنے بھائی ہو؟ انہوں نے کہا ہم بارہ بھائی تھے ان میں سے ایک مر گیا ہے آپ نے فرمایا اب کتنے ہو؟ انہوں نے کہا دس آئے ہیں آپ نے پُوچھا : تو گیارھواں؟ انھوں نے کہا وہ اپنے والد گرامی کے پاس ہے۔ اور جو مر گیا ہے اس کی وجہ سے والد گرامی اسے دیکھ کر دل بہلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا

---

[1] حالانکہ قرآن مجید میں پہلے تصریح گزر چکی ہے کہ یُوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا لیکن اب لاعلم بنے بیٹھے ہیں۔ اسے کہتے ہیں علم کے باوجود لاعلمی۔ یہی ہمارا دعویٰ ہے اور اس میں راز ہوتا ہے جسے خدا جانتا ہے یا اس کے انبیاء علیہم السلام۔ (ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)۔ اویسی غفرلہٗ

تم صفائی کا گواہ لاؤ جو مجھے یقین دلائے کہ واقعی تم اشراف ہو اور جو کچھ تم نے حالات سنائے ہیں وُہ حق ہیں[1]۔ انہوں نے کہا یہاں ہمارا کوئی واقف نہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے سے ایک بھائی کو میرے ہاں رہن کے طور چھوڑ جاؤ اور جیسے تم کہتے ہو کہ ہمارا ایک اور بھائی ہے اسے لاؤ اور وہی بھائی اپنے والدگرامی کا پیغام مجھے آکر سنائے جب تک وُہ بھائی نہ آئے گا میں تمہاری تصدیق نہیں کروں گا۔ پس میں قرعہ اندازی کی (جس کا نام قرعہ میں نکلے وہی یُوسف علیہ السلام کے ہاں رہن کے طور رہ جائے) چنانچہ قرعہ بنام شمعون نکلا اُسے یُوسف علیہ السلام کے ہاں چھوڑ کر واپس کنعان چلے گئے۔

اَلَا تَرَوْنَ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اَنِّیْٓ اُوْفِی الْکَیْلَ میں تمہارا غلہ پُورا دے رہا ہوں۔

ف: کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ میں غلہ پُورا دیتا ہُوں کسی کے حق میں کمی نہیں کرتا وَ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ○ حالانکہ میں انتہائی محسن اور اعلیٰ قسم کا مہمان نواز ہوں۔ بلا مبالغہ یوسف علیہ السلام نے جیسے فرمایا تھا ویسے ہی تھے اس لیے کہ مہمان نوازی میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑتے تھے

سوال: کسی پر احسان جتلانا اچھا نہیں بالخصوص یُوسف علیہ السلام کی شان کے تو بالکل خلاف ہے۔ پھر ایسا کیوں۔

جواب: یہ اظہار احسان ومنت کے طور نہیں بلکہ تعمیل کار پر برانگیختہ کرنا مطلوب تھا تاکہ وُہ واپس پہنچ کر سُستی اور غفلت نہ کریں۔

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ اگر تم اپنے بھائی کو میرے ہاں نہ لائے تو پھر تمہیں بھی غلّہ نہ ملے گا۔ یعنی بھائی نہ آیا تو پھر مجھ سے غلہ کی امید نہ رکھنا وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ○ اور نہ ہی میرے پاس آنے کی کوشش کرنا۔

اظہارِ علم قرآن سے یعقوب و یُوسف علیہما السلام پر لاعلمی کی تہمت لگانے والی قوم سوچے کہ ان حضرات کے علوم کی تصریحات کے باوجود لاعلمی ثابت کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے پھر بھی ہم انھیں سمجھانے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علوم سے ایک دُوسرے کے حالات سے باخبر تھے لیکن اسے اظہار کے ماذون من اللہ نہ تھے اور اس عدم اظہار میں بھی ہزاروں حکمتیں مضمر تھیں یہاں بھی یہی بات تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اے یُوسف (علیہ السلام) ! اپنے بھائی بنیامین کو بُلا لیجئے تاکہ آپ کے والدگرامی کے امتحان کی تکمیل ہو۔

چنانچہ صاحب رُوح البیان نے تصریح کی ہے کہ:

قالوا اللہ امر بطلب اخیہ لیعظم اجرابیہ علی فراقہ۔	مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ بھائی کو بلائیے تاکہ تمہارے والد اس کے فراق سے مزید غم زدہ ہوں اور اس طرح سے ان کے اجر میں اضافہ ہو گا۔

---

[1] دیکھیے یوسف علیہ السلام تمام واقعات سے لاعلم بنے بیٹھے ہیں حالانکہ سب کچھ جانتے تھے آخر ایسا کیوں۔ وہی بات بنے گی جو ہم کہتے ہیں کہ اظہار لاعلمی سے واقعی لاعلمی نہیں ہوتی۔ اویسی غفرلہ

ف : وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۔ لا نہی کا ہے اور نون وقایہ کا ہے یا لا نافیہ ہے اور اس کا عطف جزا پر ہے گویا یوسف علیہ السلام نے انہیں فرمایا اگر بھائی کو نہ لاؤ گے تو میرے احسانات وانعامات سے محروم اور میرے قُرب سے دُور ہو جاؤ گے۔

خلاصہ یہ کہ نہی ہو یا نفی یہ اپنے معطوف علیہ یعنی جزا کے حکم میں داخل ہے اور اس کا مجزوم ہونا لا ناہیہ سے ہے یا بوجہ عطف علی الاول کے اور اس کا محل مجزوم ہوتا ہے ۔

الارشاد یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو ان کا سارا حال معلوم تھا صرف انہیں بار بار عوام میں ممتاز کرنا مطلوب تھا کہ آئندہ عوام کے سامنے ان کا معاملہ پوشیدہ نہ رہے بلکہ ان کے ہر معاملہ کی امتیازی شان کو دیکھ کر دل میں متاثر ہوں گے کہ یہ حضرات ممتاز شخصیتیں ہیں ۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ ہم بھائی کو لانے کے لیے والد گرامی سے حیلہ بہانہ کریں گے اور حتی المقدور جدوجہد کریں گے ۔

ف : اس سے ثابت ہُوا کہ حصول مقصد کے لیے انسان کو جدوجہد لازمی ہے۔

اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ○ اور ہم یہ کام کر کے چھوڑیں گے یعنی اس معاملہ میں نہ حد سے تجاوز کریں گے نہ سُستی کریں گے۔ اس میں انہوں نے اپنی چارہ سازی کی پُوری ضمانت دی بلکہ یقین دلایا کہ یہ کام ضرور ہوگا۔ یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وَاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ جائز کام کے حصول کے لیے حیلہ[1] کرنا جائز ہے ۔ ایسا حیلہ نہ صرف عوام کے لیے بلکہ خواص کے لیے بھی جائز ہے جبکہ اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ ہو۔

حکایت منقول ہے کہ چار شخص مالک کی اجازت کے بغیر باغ میں چلے گئے اور انہوں نے باغ کے میوہ جات خُوب کھائے ۔ وہ چار اشخاص یہ تھے :

۱۔ عالم دین

۲۔ علوی

۳۔ فوجی

۴۔ بازاری

جب باغ کا مالک باغ میں پہنچا تو دیکھا کہ باغ ستیاناس کر دیا گیا ہے ۔ سوچا کہ چاروں کو بیک وقت گرفتار کرنا مشکل ہے

---

[1] یہی ہم کہتے ہیں مسئلہ حیلۂ اسقاط میں لیکن وہابی دیوبندی اسکے خلاف ہیں تفصیل فقیر کے رسالہ "حیلۂ اسقاط" میں دیکھیے۔

کیونکہ وہ چار ہیں اور میں اکیلا۔ اب سوائے حیلہ گری کے کام نہ چلے گا۔ چنانچہ یوں حیلہ کیا، ان کے پاس پہنچ کر عالم دین سے عرض کی: حضرت! آپ ہمارے پیشوا ہیں بلکہ ہمارے معاش و معاد کے جملہ امور آپ کے دم قدم اور مبارک قلم کے زیر قلم ہیں آپ کی ذرہ نوازی کہ آپ میرے باغ میں تشریف لائے۔ آپ کا نہایت ممنون ہوں۔ پھر علوی سے عرض کی: حضرت! آپ خاندانِ نبوت و اہلبیت کرام سے ہیں ہم لوگ آپ کے دروازے کے بھکاری اور گدا ہیں اور آپ کے خاندان کی محبت و عقیدت ہمارا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى۔ آپ کا لُطف و کرم کہ آپ نے باغ میں قدم رنجہ فرمایا آپ کی بڑی مہربانی۔ پھر لشکری (فوجی) سے مخاطب ہو کر کہا بھائی! آپ لوگ ہماری جان و مال کے محافظ ہیں آپ حضرات نہ ہوتے تو نہ معلوم ہمارا کیا حشر ہوتا آپ باغ میں تشریف لائے زہے کرم۔ آپ لوگوں پر تو ہماری جان فدا ہے یہ باغ کیا شے ہے۔ آپ کی تشریف آوری کا شکریہ۔ لیکن یہ بدبخت بازاری کون ہے میرے باغ میں آنے والا۔ اس کمبخت کو کس نے کہا ہے میرے باغ میں آنے کا۔ یہ کہہ کر اسے گرفتار کر لیا اور اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے باندھ کر ایک درخت کے نیچے بٹھا دیا۔ پھر فوجی کو کہا کہ علماء کرام و ساداتِ عظام تو ہمارے سر کے تاج ہیں۔ لیکن تمہارا افسوس ہے کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں اس باغ کا بادشاہ کو ٹھیکہ ادا کرتا ہوں۔ سادات کرام و علماء کرام تو ہمارے باغ کیا ہماری جان و مال کے بھی مالک ہیں اور تم بدبخت کون ہو میرے باغ کا نقصان کرنے والے۔ یہ کہہ کر فوجی کو بھی گرفتار کر کے درخت سے لٹکا دیا۔ پھر عالم دین سے کہا آپ کو معلوم ہے کہ سادات کرام کی تمام دنیا نیاز مند اور اپنی تمام ملکیت کا انہیں مالک سمجھتی ہے اور میں بھی منجملہ ان کے جان نثاروں سے ہوں لیکن افسوس تمہارا ہے کہ تم عالم دین ہو کر بیگانے مال پہ ہاتھ صاف کر رہے ہو آپ کو علم ہے کہ غصب کا مال حرام ہوتا ہے سادات کرام پر ہر شے حلال ہے کیونکہ ہم تہِ دل سے ان پر اپنا مال اور جان قربان کرتے ہیں اور تو عالم دین کون ہے کہ پرایا مال کھاتا ہے تجھ سے تو وہ جاہل اچھا ہے جو سارا دن مزدوری کر کے حلال کھاتا ہے۔ یہ کہہ کر عالم دین کو بھی گرفتار کر لیا۔ اب علوی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے مکار و غدار! تم نے غیروں کے مال کو شیرِ مادر سمجھا ہوا ہے تم اپنی قوم کو بھی بدنام کر رہے ہو تمہیں شرم ضرور اور لازمی ہے باغ میں کیوں قدم رکھا کس حیثیت سے تمہیں ایسی جرأت ہوئی۔ کیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرائے مال سے نہیں روکا تم نے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ کہہ کر علوی کو بھی گرفتار کر لیا اور حیلہ گری سے کامیاب ہوا۔ اب ان سے اپنے مال کا خرچہ لے کر لوگوں کی منت سماجت کے بعد ان سب کو چھوڑ دیا۔

ف: اگر شرعاً حیلہ جائز نہ ہوتا تو وہ اکیلا ان چاروں کو کیسے گرفتار کر سکتا تھا بلکہ بری طرح ان سے مار کھاتا اور نقصان سر پر رہتا۔

مسئلہ: اگر حیلہ گری سے کام نہ چلے تو سختی سے کام لے۔ اگر سختی سے کام نہ چلے تو خاموشی بہتر ہے ؎

چو دست از ہمہ حیلتے درگسست حلالست بردن بشمشیر دست

ترجمہ: جب حیلہ سے کام نہ بنے تو تلوار سے کام لینا جائز ہے۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ یوسف علیہ السلام نے اپنے ان ملازموں کو فرمایا جو غلہ کی بھرتول پر مقرر تھے۔ فتیان، فتی کی جمع ہے بمعنے غلام، نوجوان ہو یا بوڑھا۔ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ دبا دو ان کی پونجی ان کی بوریوں میں۔ یہ اس وقت فرمایا جب ان سے غلہ کی قیمت کھری کر لی تھی۔ البضاعۃ البضع سے ہے بمعنے الشق و القطع۔ اور پونجی کو بضاعۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مجموعہ مال کا ایک حصہ ہوتی ہے اور الرحل برتن کو کہا جاتا ہے۔ انسان کی منزل اور ٹھکانے کو بھی رحل کہا جاتا ہے۔ اسی سے ہے فقہا کی وہ عبارت جو عموماً فتاویٰ و متون فقہ میں لکھی ہوتی ہے۔ ونسی الماء فی رحلہ۔ یہاں یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ جس پونجی کے بدلے وہ غلہ لے کر جا رہے ہیں اسے ان کی بوریوں میں ڈال دو۔

ف: وہ پونجی چند جوتے وغیرہ تھے۔ بعض نے کہا کہ چند درہم تھے جیسا کہ مقابلۃ الجمع بالجمع انقسام الاحاد بالاحاد کا متقضی ہے۔

نکتہ: ان کی پونجی یوسف علیہ السلام نے اس لیے لوٹائی کہ ان پر فضل و احسان ہو جائے۔ یا اس ارادہ پر کہ ممکن ہے والد گرامی کے ہاں قحط سالی کی وجہ سے سوائے اسی پونجی کے اور کچھ نہ ہو تو پھر وہ مال کے بغیر غلہ خریدنے کے لیے نہ آسکیں۔ اب اس پونجی کو واپس لوٹانے یا اس کے عوض اور غلہ حاصل کرنے کے لیے آئیں گے۔

لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ امید ہے پہچانیں گے اس کے رد کرنے کا حق یا یوسف علیہ السلام کا احسان و کرم کہ غلہ بھی دیا اور رقم بھی واپس کر دی اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ جب لوٹیں گے اپنے گھر والوں کے ہاں اور اپنے سامان کھولیں گے۔ معرفۃ کا تعلق گھر لوٹنے اور اپنے سامان کھولنے سے ہے لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ ممکن ہے اس وجہ سے میرے ہاں لوٹ آئیں یعنی ان کو معرفت مذکور میرے ہاں لوٹنے کے لیے مجبور کر دے گی۔ اسی طرح سے میرا بھائی بنیامین مجھے مل سکے گا انھیں میرا فضل و کرم اور احسان یاد آئے گا اور مجبور ہو جائیں گے کہ جس بادشاہ نے ہماری میزبانی کا حق ادا کیا پھر غلہ بھی پورا عنایت فرمایا اور ہماری پونجی بھی لوٹا دی۔ اس لیے لازم ہے کہ اس کے ہاں واپس جایا جائے۔ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ جب وہ مصر سے اپنے والد گرامی کی طرف کنعان لوٹے قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ سامان کھولنے سے پہلے کہا ابا جی! ہم سے اناج روکا گیا ہے۔ الکیل، کِلْتُ الطَّعَامَ کا مصدر ہے بمعنی اعطیتہ کیلاً اور اس سے مکیل مراد لینا بھی جائز ہے اس لیے کہ محل بول کر حال مراد لینا بھی جائز ہے یعنی آئندہ کے لیے ہم سے اناج روک دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بار بار اناج دینے کا بھائیوں کے ساتھ یوسف علیہ السلام کا معاہدہ ہو چکا تھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ مصر کے بادشاہ نے حکم دیا کہ اگر ہم بنیامین کو ساتھ نہ لے گئے تو اناج نہیں ملے گا۔ یہ کہہ کر

والدگرامی کو مصر کے بادشاہ کے احسانات اور ان کی مہمان نوازی کا بیان کیا کہ ہم اس کے ہاں حاضر ہوئے تو اس نے ہمارے ساتھ بہت بڑے احسانات کیے اور اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ہمارے خاندان کا فرد ہے کیونکہ ایسے احسانات آلِ یعقوبؑ کا کوئی فرد ہی کر سکتا ہے۔ اور اس نے بنیامین کے لیے شمعون کو رہن رکھ لیا ہے۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا پس ہمارے بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ مصر بھیجئے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ غلہ روکے جانے کا اصل سبب بنیامین کا نہ ہونا ہے نَكْتَلْ ہم جو چاہیں گے غلہ لائیں گے۔ یہ اِكْتِيَالٌ سے ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے، اکتلتُ علیہ (اَیْ اَخَذْتُ مِنْهُ كَيْلًا) یعنی میں نے اس سے غلہ لیا وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ اور ہم اس کی حفاظت کریں گے یعنی اسے کوئی تکلیف پہنچنے نہیں دیں گے اور اسے بسلامت یہاں واپس لائیں گے۔

قَالَ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے اور امن فعل مضارع ہے اَمن و اِئتمانٌ کا ایک معنیٰ ہے کسی کو امین رکھنا اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ اس کا منصوب ہونا مصدر منصوب کی صفت ہے در اصل عبارت یوں ہے:

اِلَّا اَمْنًا كَاَمْنِىْ اِيَّاكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ۔

مِنْ قَبْلُ یعنی مجھے تمہارے اوپر کوئی اعتماد نہیں جیسے اس سے قبل تم نے اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی ایسے کہا تھا لیکن اس کے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہے اسی لیے مجھے تم پر اعتماد نہیں اور نہ ہی تمہاری نگرانی کا کوئی بھروسہ ہے۔ ہاں مجھے بھروسہ ہے تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے اسی کی سپردگی میں بھیجوں گا۔ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ص وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ حافظ تمیز یا للہ درہ فارساً کی طرح حال ہے۔ اللہ سب سے بہتر حفاظت فرماتا ہے اور وہی ارحم الراحمین ہے۔ یعنی اہلِ سماء اور اہلِ ارض سے وہی بڑا رحیم ہے اسی لیے مجھے امید ہے کہ وہ مجھ پر رحم کرکے بنیامین کو محفوظ فرمائے اور مجھے دو مصیبتوں میں مبتلا نہ فرمائے۔

ف: اس سے بنیامین کے بھیجنے کا میلان ظاہر ہوتا ہے جبکہ اس کے بھیجنے میں مصلحت بھی تھی۔

ف: جب یعقوب علیہ السلام نے فاللہ خیر حافظا الخ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اے یعقوب تیرے توکل کی وجہ سے میں تجھے تیرے دونوں صاحبزادے واپس کروں گا۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اسی کی حفاظت پر اعتماد کرے۔ اس کے سوا دیگر کسی کی حفاظت و نگرانی کو خیال میں نہ لائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر ایک اسباب و آلات کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ جملہ امور میں جملہ حالات میں جملہ وسائط و مسائل و اسباب سے مستغنی بالذات ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی کنوئیں میں حفاظت فرمائی۔

معجزہ دانیال علیہ السلام دانیال علیہ السلام کو بخت نصر نے کنوئیں میں ڈال کر اس کے

اندر دو شیر چھوڑ دیے۔ شیر دانیال علیہ السلام کو گزند پہنچانے کے بجائے انھیں چاٹنے لگے اور دُم ہلا کر اپنی نیازمندی کا اظہار کرنے لگے۔ حضرت دانیال کے پاس اللہ تعالیٰ کا قاصد حاضر ہوا۔ دانیال علیہ السلام نے پوچھا، آپ کون ہیں ؟ انہوں نے کہا میں تمہارے رب تعالیٰ کا قاصد ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاں طعام بھیجا ہے۔ دانیال علیہ السلام نے کہا جملہ محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے ذکر کرنے والے کو نہیں بھلایا۔

حضور علیہ السلام کا معجزہ

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب علیہ السلام کی ہر طرح کی حفاظت فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے دُور تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دن آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے اور آپ نے اپنے دونوں موزے مبارک اتارے۔ بعد فراغت ایک پہن کر دوسرے کے پہننے کا ارادہ فرمایا تو ایک پرندے نے اسے اٹھا لیا اور آسمان پر جا کر اُلٹ دیا تو اس سے ایک بہت زہریلا کالا سانپ گرا۔

ف : اسود سالخ سیاہ سانپ کو کہتے ہیں اور اسے سالخ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر سال اپنی کھال اتارتا ہے۔

ف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : یہ ایک اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے دونوں پاؤں پر چلنے والوں اور چار پایوں اور پیٹ کے بل رینگنے والوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

نیک عورت کی کہانی

انیس الوحدۃ فارسی میں لطائف الاخبار سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ایک مرد کی نیک بخت عورت حُسن و جمال میں پری پیکر تھی۔ مرد بوجہ غیرت کے (کہ محبت کا لازمہ ہے) عورت کے لیے نہیں چاہتا تھا کہ اس کی زلف پر ہوا کا گزر ہو اور اس کے چہرہ پر سورج کی روشنی پڑے ؎

باد را اگر خبر از غیرت عاشق بودے

بر سر سنبل زلفش نگزشتے از بیم

ترجمہ : اگر ہوا کو عاشق کی غیرت کا علم ہوتا تو وہ اس کے محبوب کی زلف سے کبھی نہ گزرتی۔

اس شخص نے غیرت سے اپنے گھر کو ایسا محفوظ و مضبوط کیا کہ انسان تو انسان حیوان کو بھی وہاں سے گزرنا مشکل تھا۔ عورت نے چند روز تو اس تنگی و تلخی کو نبھایا لیکن تنگ آمد بجنگ آمد کے طور مرد سے کہا مجھے ایسی مصیبت اور مشقت میں کیوں پھنسا دیا۔ ع

در قفص طلبد ہر کجا گرفتاریست

مجھے اتنا تنگ اور پریشان مت کر اس لیے کہ اگر عورت نالائق اور بدکارہ ہو تو اس کی کوئی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اگر نیک اور پاکدامن ہو تو اسے کوئی بھی بُرائی سے دوچار نہیں کر سکتا فلہذا میری گزارش ہے کہ مجھے مزید تنگ نہ کر اور نہ ہی قید میں رکھ۔ مرد نے ایک نہ مانی بلکہ اس کی تنگی اور قید میں اضافہ کر دیا۔ عورت نے اپنے پڑوس کی ایک بڑھیا سے

گٹھ جوڑ کیا جو اس سے کبھی کبھار ایک سوراخ سے گفتگو کر کے دل بہلاتی تھی۔ اس عورت نے اسے کہا کہ اپنے ہمسایہ فلاں نوجوان کو میرا پیغام پہنچا دے کہ مَیں تیرے اوپر سَو جان سے فدا ہُوں اور تیرے عشق میں عرصہ سے گرفتار ہوں، اور چاہتی ہُوں کہ کبھی ترا دیدار اور پُر ذوق وصال نصیب ہو۔ بڑھیا نے اس نوجوان کو پیغام پہنچا دیا۔ اس نے بھی اس عورت کے حُسن و جمال کا شُہرہ سُنا ہوا تھا۔ جونہی اسے پیغامِ محبت ملا، خوشی سے اُچھلا کودا اور فوراً بڑھیا سے کہنے لگا کہ میری گزارش بھی اسے پہنچا دیجئے کہ: ؎

جاناں بزبانِ من سخن میگوئی
با خود سخن از زبان تو میگوئی

ترجمہ: اے محبوب میری آرزو یہی تھی جو تُو اپنی زبان سے کہہ رہی ہے جیسے تیری زبان سے نکلا ہے وہی میرا مدعا ہے۔

مَیں بھی تو تیرا نادیدہ عاشق ہُوں تجھے سَو جان سے چاہتا ہُوں لیکن تیرا شوہر غیور ہے وہ کس طرح تیرا میرا ملاپ جائز رکھ سکتا ہے۔ عورت نے کہا: ؎

راہ وصل ما بپائے عاشقاں
گر ترا رغبت بود گامے بود

ترجمہ: تیرا میرا وصال عاشقانہ ہے اگر تجھے رغبت ہو تو یہ ایک مرحلہ قدم سے بھی کم ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ تُو مشہور کر دے کہ میں سفر کو کہیں جا رہا ہُوں۔ ایک بہت بڑا صندوق تیار کر کے میرے شوہر کے ہاں بھیج دے اور اسے کہہ دے کہ یہ صندوق پُر از ساز د سامان ہے میں سفر پر جا رہا ہُوں واپسی پر وصول کروں گا۔ چونکہ مجھے تجھ پر اعتماد ہے اس لیے تمہارے پاس رکھ کر باہر جا رہا ہُوں۔ جب وُہ مان جائے تو اس صندوق میں خود داخل ہو جانا اور اپنے نوکر سے کہہ دینا کہ کسی طریق سے صندوق کو میرے گھر میں لے آئے جب میرا شوہر باہر جانے لگا تو: ؎

تو از صندوق خویش بیرون آئے
وز جمالم ہمیشہ می آسائے

ترجمہ: صندوق سے باہر نکل کر آ جانا اور میرے حسن و جمال سے بہرہ ور ہونا۔

نوجوان کو یہ مشورہ پسند آیا۔ اس نے صندوق تیار کرا کے حسبِ مشورہ اس میں داخل ہو کر نوکر کے ذریعہ اس صندوق کو اس شخص کے گھر پہنچا دیا۔ عورت نے گھر میں پڑا ہوا وہ بڑا صندوق دیکھ کر شوہر سے کہا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ فلاں ہمسایہ نے چند روز بطور امانت رکھا ہے اور وُہ خود باہر چلا گیا ہے۔ عورت نے کہا عقل سے کام لے اگر وُہ

واپسی پر کہے کہ اس کے اندر میرے قیمتی جواہرات اور موتی تھے اور تو اس کے برعکس جواب دے تو پھر کیا بنے گا۔ بہتر ہے کہ اس کے گھر کے کسی معتمد اور محلہ کے کثیر التعداد لوگوں کو بلا کر تالہ توڑ کر اندر کے سامان کو دیکھ لے اور اس پر گواہ بنالے تاکہ بعد کو اختلاف و مخاصمت نہ ہو۔ اگر جو محلہ والے اور اس کے رشتہ دار خود جواب دے سکیں۔ چنانچہ عورت کے کہنے پر محلہ کے لوگوں کو اور اس کے معتمد علیہ کو جمع کیا اور اس کے نوکر خاص کو بھی۔ جونہی صندوق کھولا گیا تو اسی شخص کو اس صندوق کے اندر پایا۔ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ جواب دے تو کیا دے۔ عورت نے شوہر سے کہا یہ اس کی غلطی نہیں' یہ ساری کی ساری میری اپنی کارروائی ہے وہ اس لیے کہ میں نے عرض کیا تھا کہ عورت کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس میں شرم و حیا کا مادہ ہو تو اسے کوئی نہیں چھیڑ سکتا۔ اگر اس کے اندر بدکاری ہو تو اسے کوئی قید و بند نہیں روک سکتی۔ میں نے تجھے مشاہدہ کرایا ہے کہ ہم عورتیں ایسی محیر العقول کارروائیاں کر سکتی ہیں۔ اگر میرا اس کے ساتھ قلبی یارانہ ہوتا تو تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ لیکن چونکہ میں فطرۃً عصمت و عزت اور شرم و حیا رکھتی ہوں اسی لیے کوئی بُرائی نہیں کی اور نہ اس کا ارادہ تھا۔ اسی لیے پھر بھی گزارش قبول کرلے کہ مجھے ایسی قید سے بچا اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ چنانچہ مرد نے اپنی عورت کا جب یہ معاملہ دیکھا تو اسے قید سے آزاد کر کے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے حوالے کر دیا۔

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ جب انہوں نے وہ سامان غلہ وغیرہ کی بوریاں جو مصر سے لائے تھے، کھولیں۔

دراصل متاع' مَتَّعَ کا اسم ہے جیسے کلام' کلّم اور سلام' سلّم کا اسم ہے۔ عرب والے جس شے سے منتفع ہوں اسے متاع کہتے ہیں۔ یہاں پر مجازاً کھانے کی بہترین اشیاء مراد ہیں اس لیے کہ کل کا اطلاق اس کے بعض مسمیات پر آتا ہے۔ بعض اہلِ فن نے ایسے مجاز کا حقیقۃً قاصرہ نام رکھا ہے وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ اپنی پونجی کو انہوں نے پایا یعنی غلہ کا عوض جو بادشاہ کو دیا تھا اسے اپنے سامان میں پڑا ہوا پایا رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ان پر فضل و احسان کر کے انہیں واپس کیا گیا ہے۔ انہوں نے بہ قرائن سے سمجھا اور خود آنکھوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی مہمان نوازی اور جود و سخا دیکھ چکے تھے اسی لیے اب اسی پر محمول کیا کہ بادشاہِ مصر نے پونجی واپس کی ہے محض فضل و کرم کے طور۔ قَالُوْا سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ انہیں پونجی کی واپسی کے وقت کیا جواب دیا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ انہوں نے اپنے والد گرامی سے عرض کی ممکن ہے کہ سامانِ سفر کھولنے کے وقت یعقوب علیہ السلام موجود تھے اسی لیے ہم نے والد گرامی سے عرض کیا۔ (کذا فی الارشاد) ہمارے اس قول کی تائید القصص (کتاب) سے بھی ہوتی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں کو فرمایا کہ بیٹو! سامان میرے سامنے لاؤ تاکہ میں تمہارے لیے برکت کی دعا کردوں۔ والد گرامی کے حکم سے سامان ان کے سامنے لائے اور کھول کر دیکھا تو پونجی تمام سامان کے اُوپر رکھی ہوئی پائی۔ اسے دیکھ کر کہا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ط یہ ما استفہامیہ منصوبہ ہے۔ اس کا ناصب نبغی ہے اور وہ بغی سے ہے بمعنی الطلب۔ یعنی اے ابا جی! ہم کو اور کیا چاہیے هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا یہی ہماری پونجی ہے

جسے دے کر ہم نے غلہ خریدا تھا۔ رُدَّتْ اِلَیْنَا ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔ یعنی دراںحالیکہ ہمارے اوپر فضل و احسان کے طور واپس کر دی گئی ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اور بادشاہِ مصر نے تو ہمارے ساتھ مہمان نوازی اور دیگر احسان و کرم میں کمال کر دیا تھا۔ یہ بھی اسی کے اسی جُود و احسان کی علامت ہے۔ اس سے مزید اور کیا چاہیے۔ اس سے ان کا مقصد یہی تھا کہ اس نے ہمارے ساتھ احسان و مروّت کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہم بھی اس کے ساتھ اور مروّت نہ کر سکیں تو کم از کم ایفائے عہد تو ہمارے بس کی بات ہے اسی لیے ان کے حکم کی تعمیل ہوگی وَ نَمِیْرُ اَهْلَنَا اور اپنے اہل وعیال کے لیے غلہ بھی لائیں گے۔ اس کا عطف اس کی مقدار پر ہے۔ یعنی وہ پُونجی ہمیں مل گئی اور پھر اسی کے عوض اور غلہ خرید لائیں گے۔ اور بادشاہِ مصر کے ساتھ ایفاءِ عہد ہوگا تو اس سے مزید احسان و مروّت ہوگی نمیرُ ھمار یمیرُ میرًا سے ہے بمعنے غلہ وغیرہ لانا المیرۃ ہر وہ طعام و غلہ وغیرہ جو ایک شہر سے دُوسرے شہر کی طرف لیجایا جائے۔ اسی طرح اِمتارَ یمتارُ کا معنیٰ ہوگا۔ وَ نَحْفَظُ اَخَانَا اور ہم اپنے بھائی بنیامین کی بُھوک پیاس اور دیگر تکالیف سے نگرانی کریں گے وَ نَزْدَادُ اور بھائی کی وجہ سے زیادہ حاصل کریں گے كَيْلَ بَعِيْرٍ ایک اونٹ کا بوجھ غلہ یعنی ہمارے بھائی کی وجہ سے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ حاصل ہوگا اس لیے کہ بادشاہِ مصر ہر ایک کو ایک اُونٹ کا بوجھ غلہ دیتا ہے ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب صاحبزادوں نے باپ سے بھائی کی رخصت چاہی اور دلائل دیے تو پھر والد نے فرمایا کہ اور غلہ لانے کی کیا ضرورت ہے۔ تو اس کے جواب میں عرض کیا کہ یہ غلہ جو ہمارے اونٹ لائے ہیں بہت تھوڑا ہے اس لیے کہ ہم عیالدار ہیں اور غلہ بہت خرچ آتا ہے قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے فرمایا کہ میں پہلے تمہارا حال دیکھ چکا ہوں اس لیے میں بنیامین تمہارے ہمراہ ہرگز نہیں بھیجوں گا حَتّٰى تُؤْتُوْنِ یہاں تک کہ نہ دو گے مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر پختہ وعدہ کہ جس پر اعتماد کیا جا سکے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر مؤکد کرنے سے ہوگا۔ مَوْثِقًا بمعنے ثقۃً اور یہاں پر بمعنے اسم مفعول ہے یعنی اَلْمَوْثُوْقُ بِهٖ۔

نکتہ : یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ اس معاہدہ کو اس لیے پختہ کر رہے ہیں کہ جو وعدہ اللہ تعالیٰ کے نام سے پختہ کرایا جائے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے اذن سے رہے۔

لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖ تم اسے ضرور لے آؤ گے۔ یہ قسم کا جواب ہے۔ یعنی قسمیں کھاؤ کہ تم بنیامین کو واپس پر ضرور لاؤ گے اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ مگر یہ کہ تمہیں محیط ہو جائے اور تم اس کے گھیرے میں آ جاؤ یعنی تمہارے بس سے معاملہ باہر ہو جائے۔ اس سے ان کی بے بسی یا ان کی ہلاکت اور موت کنایہ ہے اور یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے جب دشمن غالب ہو جائے اور اس سے جان چھڑانا ناممکن ہو جائے یا جب کلی طور پر ہلاکت اور تباہی کا سامنا ہو۔ یعقوب علیہ السلام کے منہ سے نکلی ہُوئی بات کا وہی انجام ہُوا جس سے انھیں خطرہ تھا اسی سے اہلِ عرب نے مثال لی ہے، اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ۔ بلاء کا نزول بولنے کے مطابق ہوتا ہے۔ ایسے ہی یعقوب علیہ السلام نے

یوسف علیہ السلام کے لیے فرمایا اَخَافُ اَنْ یَّاکُلَہُ الذِّئْبُ۔ تو جیسے فرمایا ویسے ہی ہوا۔ چنانچہ ان کے متعلق وہی ہوا جو بھائیوں نے واپس آکر کہا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور یہاں بھی یہی فرمایا لَتَاْتُنَّنِیْ بِہٖٓ اِلَّآ اَنْ یُّحَاطَ بِکُمْ۔ تو بنیامین بھی ایک (ظاہری) مصیبت میں مبتلا ہوئے کہ ان کو مصر میں بادشاہ کے قبضہ میں رہنا پڑا۔ چنانچہ تفصیل آگے آئے گی۔

کملی والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا بات ہے

کاشفی میں لکھا ہے کہ تبیان میں مرقوم ہے کہ میں بنیامین کو تمہارے ہمراہ اس وقت بھیجوں گا جب قسم میں کہو بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و سید المرسلین۔ انہوں نے اپنی قسم میں یہی الفاظ کہے اور وعدہ کیا کہ ہم رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ کی قسم کی وجہ سے بنیامین کے حق میں دھوکا نہیں کریں گے۔

فَلَمَّآ اٰتَوْہُ مَوْثِقَھُمْ جب انہوں نے یعقوب علیہ السلام کے حسبِ ارادہ قسمیں کھا کر وعدہ کیا قَالَ اللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ ۝ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا، جو بات ہم کہہ رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے یعنی وُہ جو ہم قسمیں لے کر ایک دوسرے سے معاہدہ کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے وہی تمام حالات کو جانتا ہے اور وہی سب کی نگہبانی کرتا ہے۔ اس سے یعقوب علیہ السلام کی مراد یہی ہے کہ میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔ اس میں بیٹوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم سے وعدہ دینے پر ایفاءِ عہد کی ترغیب دلائی۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ امور میں تاکید کے بعد بھی توکل علی اللہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ۔

مسئلہ: الکاشفی میں ہے کہ فعل کو اسبابِ ظاہرہ سے متعلق کر کے توکل علی اللہ کرنا جائز ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کے قول لَنْ اُرْسِلَہٗ حَتّٰی تُؤْتُوْنِ سے معلوم ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

گر توکل میکنی در کار کن
کشت کن پس تکیہ بر جبار کن

ترجمہ: ہر کام میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر، کھیتی کر کے سہارا اللہ تعالیٰ پر کر۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ اس عالمِ دنیا میں اسبابِ معتبرہ و غیر معتبرہ کو نگاہ میں رکھے۔ اور یہ بھی محض عبادت کے طور پر ہو بلکہ اپنا دل صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی تقدیر سے متعلق رکھے اور صرف اُسی پر اور اس کی تدبیر پر اعتماد کرے۔ ماسوی اللہ کی ہر شے سے ارادے توڑ دے اسباب کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے اپنی ہمت بلند کر کچھ نہ

سمجھے اس لیے کہ تجرید والا ہر معاملہ کی بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت حاصل کرتا ہے۔ ایسے تجرید والے کا حال یہ ہوتا ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا باہمی تعلقات اپنی گردن سے توڑ دیتا ہے۔ اس کی حالت اُس جانور کی سی ہو جاتی ہے جو اپنے مالک کے اشاروں پر چلتا ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ متجرد اور مسبب کی مثال ان دو غلاموں کی ہے کہ ایک سے فرمائے کہ جاؤ کاروبار کر کے اپنا پیٹ پالو، دوسرے سے فرمائے کہ تم میرے پاس بیٹھے رہو تیرے جملہ امور کی میں خود کفالت کروں گا ان میں جو بھی اپنے مالک کی حکم کے خلاف کرے گا وہ نافرمان اور بے ادب سمجھا جائے گا۔ وہ تباہی وہلاکت کے گڑھے میں پڑے گا۔

ف : جو ایسے مقام پر پہنچے کہ وہاں طعام وغیرہ کا حصول مشکل ہو تو وہ اسم صمد کا ورد کرے تو اسم صمد کی برکت سے اس کا مقصد پُورا ہوگا اور صمدیت' استغناء عن الاکل والشرب کو کہتے ہیں۔

حکایت ایک شخص حج کے ارادہ پر روانہ ہُوا لیکن دل میں معاہدہ کیا کہ کسی سے سوال نہ کرے گا۔ اس کے راستہ میں ایک مقام آیا جہاں ضروریات کی تمام چیزیں ختم ہوگئیں اور اسے کہیں سے حاصل کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ ایک عرصہ تک تو ہمت نہ ہاری لیکن تنگی نے سخت ستایا تو ہمت ہار بیٹھا اور سوچا کہ اگر اسباب حاصل نہ کروں گا تو مر جاؤں گا۔ اور یہ حرام ہے۔ لیکن پھر سنبھل گیا کہ جب عزم بالجزم کر چکا ہُوں تو پھر مرنے کا خوف کیوں جس قافلہ کے ساتھ تھا وُہ بھی اسے چھوڑ کر چل بسا اب قبلہ رُو ہو کر سو گیا کہ اب موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ وہ اسی کشمکش میں تھا کہ سرہانے پر ایک گھوڑ سوار پہنچا جس کے ہاتھ میں کھانے کی چیزیں اور پانی کا لوٹا تھا اور فرمایا اسے کھا پی لے۔ جب کھانے پینے سے فارغ ہوا تو سوار نے فرمایا : کیا قافلے کے ساتھ چلو گے۔ اس نے کہا اب قافلہ کہاں وُہ تو کہیں دُور نکل گیا۔ سوار نے فرمایا، اُٹھیے۔ وہ اٹھ کر ان کے ساتھ چند قدم چلا تھا کہ سوار نے فرمایا : اب ٹھہر جائیے قافلہ پیچھے آ رہا ہے۔

سبق : بقا فنا کے بعد نصیب ہوتی ہے جب تک انسان فناء عن الوجود نہیں پاتا۔ بقا کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

۵

یکجو از خرمن ہستی نتواند برداشت
ہر کہ در کوے فنا در رہ حق دانہ نکشت

ترجمہ : خرمن ہستی سے ایک دانہ بھی نصیب نہ ہوگا جس نے راہِ حق میں فنا کا بیج نہیں بویا۔

وَقَالَ جب یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں کو مصر کی طرف روانہ کرنے کا عزم فرمایا تو انھیں نصیحت کے طور فرمایا يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا اے میرے بیٹو! مصر میں داخل نہ ہونا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ایک دروازے سے بلکہ مختلف دروازوں، مختلف راستوں اور مختلف گلی کوچوں سے پھر پھرا کر شہر میں داخل ہونا۔

نظرِ بد کی تفصیل

یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں کو نظر بد سے بچنے کے لیے فرمایا اس لیے کہ بدنظر اور جادو بر دو کی ضرر رسانی حق ہے۔ یعنی جسے بدنظر اور جادو چل جائے تو اسے مزدود ضرر پہنچتا ہے۔

حکمت: دوسری دفعہ مصر کو روانہ کرتے وقت بدنظر سے بچنے کی وصیت اس لیے فرمائی کہ یہ حضرات بہت حسین و جمیل تھے اور ان کے حُسن و جمال کا شہرہ سارے مصر میں پھیل گیا تھا۔ اور تمام نے سمجھا کہ یہ لوگ بادشاہ کے مقرب ہونے ہیں تو صرف حُسن و جمال کی وجہ سے۔ اس لیے باپ کو خطرہ ہوا کہ اب اکٹھے جائیں گے تو بدنظر کا شکار ہو جائیں گے۔

سوال: پہلی دفعہ بھی تو ان کا حسن و جمال تھا، تو پہلی دفعہ یعقوب علیہ السلام کو بدنظر کا خطرہ کیوں محسوس ہوا۔

جوابِ۱: پہلی دفعہ عوام کی نظروں میں مجہول یعنی غیر معروف تھے عوام کو معلوم نہیں تھا کہ یہ ایک باپ کے بیٹے ہیں اسی لیے ان کی طرف عوام کی نظریں سرسری طور پڑیں اب دوسری بار تو معروف و مشہور ہو چکے تھے کہ یہ ایک باپ کے بیٹے ہیں خصوصیت سے لوگوں کو دیکھنا ہو گا اس سے نظر بد کا خطرہ تھا اسی لیے وصیت فرمائی۔

جوابِ۲: چونکہ یعقوب علیہ السلام کو منجانب اللہ علم حاصل تھا کہ پہلی دفعہ کسی حادثہ کا شکار نہیں ہوں گے اب کی بار حادثہ درپیش تھا۔ اسی لیے آپ نے قبل از وقت آگاہ فرمایا۔ چنانچہ ویسے ہوا جیسے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا[۱]۔ دراصل یہ خوف بنیامین کی وجہ سے تھا۔

ف: لطائف میں لکھا ہے کہ پہلے یعقوب علیہ السلام نے شفقتِ پدری سے وصیت فرمائی پھر اپنی بندگی اور عجز و نیاز کا اظہار فرمایا۔ کما قال:

وَ مَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اور میری تدبیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں بچا سکے گی۔ یعنی نفع دے سکے گی نہ نقصان۔ مِنْ زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لیے۔ شَیْءٍ پر کسی شے سے۔ اس لیے کہ خطرات کا احساس تقدیر ربانی سے نہیں بچا سکتا۔

من جہد ہمی کنم قضا میگوید
بیروں ز کفایت تو کار دگر ست

ترجمہ: میں جد و جہد کرتا ہوں تو تقدیر کہتی ہے تیری تدبیر کسی کام نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہو گا۔

---

[۱] اسی طرح وہابیہ دیوبندیہ اعتراض کرتے ہیں اس کا جواب صاحبِ روح البیان پہلے بیان فرما گئے۔
اویسی غفرلہٗ

سوال[1]: اگر یعقوب علیہ السلام کو علم تھا تو بیٹوں کو عمداً ہلاکت کے منہ میں کیوں دیا اور یہ ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔

اور فرمایا:

خُذُوْا حِذْرَکُمْ۔

جواب: ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام تقدیر ربانی سے ڈرتے ہیں بلکہ اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اور پھر تدبیر اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اسی طرح مامور من اللہ ہیں کیونکہ یہ دنیا اسباب کی ہے اور اسباب کے مطابق کام کرنا لاعلمی کی دلیل نہیں ہوتی اور وہ تدبیر کر کے اُمت کو خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی کا طریقہ سکھاتے ہیں ورنہ ان کا عقیدہ ہم جیسوں سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور اُنھیں یقین ہوتا ہے کہ وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا اور تدبیر کر کے وہ تقدیر کو ٹھکراتے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے اور اسی کی طرف رجوع کرنے کا درس دیتے ہیں۔ (فافہم ولا تکن الوہابیۃ)

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط نہیں ہے حکم مطلقاً سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اجرائے حکم سے اُسے کوئی مانع ہے اس کے سوا اور کسی کا حکم نہیں چلتا بُرا ہو یا اچھا عَلَیْہِ صرف اللہ تعالیٰ پر اس کے سوا اور کسی پر نہیں تَوَکَّلْتُ ج میں نے توکل کیا جو کام بھی کرتا ہوں یا چھوڑتا ہوں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کی ترتیب توکل کے منافی نہیں۔

وَعَلَیْہِ صرف اسی پر اس کے سوا کسی اور پر نہیں فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ○ توکل کرنیوالے توکل کریں۔

قاعدہ: ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا ہر قول و فعل امت کے لیے اقتداء کا موجب ہے۔ اس سے ان کے علم یا عدم علم اختیار یا عدم اختیار کا کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن وہابی دیوبندی لوگ اس قاعدہ کو چھوڑ کر ان کے علوم و اختیار کی نفی کے درپے ہو جاتے ہیں۔ صاحبِ روح البیان نے اس قاعدہ کا اظہار یوں فرمایا ہے:

اَلْفَاءُ لِاِفَادَۃِ السَّبَبِ فان فعل الانبیاء سبب لان یقتدی بھم۔

فاء سببیہ ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کا ہر فعل سبب ہے اس کا کہ ان کی اقتداء کی جائے۔

ف: حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندوں کی اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم میں تین چیزیں لازم ہیں:

---

[1] یہ سوال اور جواب فقیر اویسی نے لکھا ہے۔ تفصیل فقیر اویسی میں ملاحظہ ہو۔

۱۔ مکلف بنانا

۲۔ اجل دینا

۳۔ ان کے امور طے کرنا

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بندوں پر تین امور ضروری ہیں:

۱۔ اس پر توکل کرنا

۲۔ اس کے نبی علیہ السلام کی تابعداری کرنا۔

۳۔ اس پر تادمِ زیست صبر کرنا۔

ف: پہلے تین امور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم واجب کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے یہ امور عطا فرماتا ہے تاکہ وہ اس کی عبادت کرنے کے لائق ہوں ورنہ اللہ تعالیٰ پر کسی شے کے وجوب کا کیا معنیٰ! اور تیسرے تین امور کا مطلب بھی یہی ہے کہ بندوں پر لازم ہے کہ وہ ان امور کو بجا لائیں تاکہ اس کے فضل و کرم کے مستحق ہوں۔

ف: بدنظر کی تاثیر حق اور اس کا بارہا علماء کرام اور عوام نے تجربہ کیا ہے اور ایسے ہی تمام انبیاء عظام علیہم السلام تجربہ کرتے چلے آئے ہیں۔ اور فرمایا:

العین حق۔ یعنی نظر بد کی تاثیر حق ہے۔

کمال خجندی نے فرمایا: ؎

عقل باطل شمرد چشم تو ہر خون کہ کند
ظاہراً بے خبر از نکتہ العین حقست

ترجمہ: عقل اسے غلط کہتی ہے کہ آنکھ تو کوئی نقصان کرتی ہے اس سے تم بے خبر ہو جبکہ واضح قاعدہ ہے کہ العین حق ہے۔

حدیث شریف بدنظر انسان کو قبر میں لے جاتی ہے اور اُونٹ کو ہنڈیا میں۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو بدنظر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلطان الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی آپ آج مغموم معلوم ہوتے ہیں آپ نے فرمایا: حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نظر بد لگی ہے ان کی وجہ سے ملال ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی، آپ سچ فرماتے ہیں اس لیے کہ العین حق۔ وہ اس لیے کہ ہر شے جب اپنے کمال کو پہنچتی ہے تو اس وقت اسے نظر بد لگتی ہے ناقص کو کبھی بدنظر کا اثر نہیں ہوتا۔ ہر کامل کو قضاء قدر آکر

گھٹاتی ہے۔
نکتہ: دراصل نقصان تو قضاء و قدر سے پہنچتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کا سبب آنکھ بنتی ہے اس لیے فعل اسی طرف منسوب ہوتا ہے۔
قاعدہ: اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ ہے کہ اپنے فعل کے صدور کے لیے پہلے کسی شئے کو سبب بناتا ہے اور وُہ فعل اسی سبب کے بعد صادر ہوتا ہے[1]۔ یہی ہم اہلسنت کا مذہب ہے اس لیے کہ عین بھی ذاتی طور پر کوئی تاثیر نہیں بلکہ وہ ایک سبب ہے۔
قاعدہ: ضروری نہیں کہ موثر کی تاثیر قوائے جسمانیہ کی طرف منسوب ہو اور ان کے سوا باقی کسی شے کی طرف منسوب بھی نہ ہو بلکہ کبھی تاثیر محض نفسانی بھی ہوتی ہے۔ مثلاً تختہ کہ جس کا عرض قلیل ہے اسے زمین پر سیدھا ڈالا جائے تو اس پر گزرنے سے کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں ہوتی اگر اسے بڑی اُونچی دو دیواروں پر رکھ کر کسی کو کہا جائے کہ اس پر گزرو تو ڈر کے مارے اس پر کوئی نہیں گزر سکے گا۔ پھر دیکھنے والا محض اس تختہ کو دیکھ کر ہی خوفزدہ ہوجائیگا۔ اس مثال میں تختہ سے ڈرنا محض اسی اونچی دیوار سے گرنے کے خوف سے ہے نہ کہ تختہ کی ذات سے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ تاثیرات نفسانیہ فی نفسہٖ موجود ہیں ان میں قوائے جسمانیہ کو دخیل ماننے کی ضرورت نہیں۔ اس کی دُوسری دلیل یہ ہے کہ جب کسی کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں انسان اس کے ایذا دینے کے درپے ہے تو وہ اس شخص کے متعلق اس کا دل غیظ و غضب سے بھر جاتا ہے۔ اسی غیظ و غضب کی وجہ سے اس کا مزاج اسی کے لیے حدِ اعتدال سے ہٹ کر سخت ہوجاتا ہے اور اس کے مزاج کی سختی کا سبب وہی تصور نفسانی ہے اور حرکات بدنیہ کا مبدا وہی تصورات نفسانیہ ہیں۔
نتیجہ: اس قاعدہ اور امثلہ سے معلوم ہوا کہ جب نفس کا تصور بدن خاص کے تغیر کا سبب ہے تو بعید از قیاس نہیں کہ بعض نفوس کی تاثیر بدن کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جائے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ عقلاً بعید نہیں کہ بعض نفوس تمام ابدان میں اثرانداز ہوتے ہیں نیز سب کو معلوم ہے کہ بدن کے ہر عضو کی اپنی اپنی تاثیر اور ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ ماہیت ہے۔ جب وہ نفوس اپنے ابدان میں بھی اثر ڈال سکتے ہیں بشرطیکہ وہ نفوس (مثلاً عین) ابدان کو دیکھ سکیں اور انھیں تعجب بھی لاحق ہو سکے۔
نکتہ: بعض نے فرمایا کہ بدنظر اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی کہ دیکھنے والا شئی کو جب دیکھتا ہے تو اسے وہ شے اچھی لگتی ہے تو اسے نہ اللہ تعالیٰ کی صفت کا خیال آتا ہے نہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے منظور الیہ (جس کی طرف دیکھا گیا) میں ایک بیماری پیدا کرتا ہے اس کی اچانک نظر کی جنایت بنا کر۔

---

[1] اس قاعدہ کو تاحال وہابیہ نے نہ مانا اگر مانتے تو اولیاء و انبیاء کے وسیلہ کو شرک نہ کہتے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہوتی ہے جو ایسے بندوں سے بطور امتحان کے نازل فرماتا ہے تاکہ حق والا کہہ سکے کہ یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اس کا غیر کہے کہ اس کے غیر سے ہے ایسی نظر بد لگانے سے مواخذہ ہوتا ہے (جبکہ وعمداً نظر بد لگاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ جب کسی بہتر شے کو دیکھے تو کہے ماشاء اللہ یا سبحان اللہ وغیرہ۔ اس نظر بد لگانے والے کو سزا اس لیے ہوگی کہ اس تکلیف کا وہی سبب بنا ہے۔

ف: بعض نے فرمایا کہ جب نظر بد لگانے والا کسی شے پر نظر ڈالتا ہے اور وہ شے اسے اچھی محسوس ہوتی ہے تو مصلحت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شے کو بدل دے تاکہ بندے کا قلب اس شے کے حسن و جمال میں معلق نہ رہے۔

ف: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کی آنکھوں میں جواہر لطیفہ پیدا فرماتا ہے جو کسی کو نظر نہیں آتے وہی جواہر لطیفہ معین (جسے دیکھا جائے) پر پڑتے ہیں تو وہ ضرر پاتا بلکہ بسا اوقات ہلاک اور تباہ ہو جاتا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ بعض ایسے زہریلے سانپ ہوتے ہیں کہ جس انسان پر ان کی نگاہ پڑ جائے تو وہ انسان فوراً مر جاتا ہے۔

ف: ایسے ضرر اور نقصانات کے لیے ضروری نہیں کہ اتصال جسمانی بھی ہو یعنی ان کا ایک دوسرے کا بالمقابل ہونا ضروری ہے نہ ایک دوسرے کو دیکھنا لازمی بلکہ بسا اوقات ایک شے کی دوسری شے کا خیال اور تصور بھی کافی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاسدین کے حسد وغیرہ سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے یہاں تک کہ بعض نے فرمایا ہے کہ بعض نظر بد والے ایسے بدبلا ہوتے ہیں کہ وہ دیکھے بغیر ہی نقصان پہنچا لیتے ہیں۔ جیسے نابینا کی نظر بد اسی قبیل سے ہے کہ اسے کسی شے کی تعریف سنائی جائے تو اس کے منہ سے یا اس کے قلب میں اس شے کا عجیب ہونا تصور میں آجائے تو بھی اس کا یہ تصور بد نظر کا سبب بن جاتا ہے۔

اعجوبہ: بعض نفوس فطری طور ایسے عجیب اثر پیدا کیے جاتے ہیں جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ مثلاً مشہور ہے کہ اقلیم ہند میں ایک ایسی قوم ہے جو کہ جب کسی شے کو اپنے مقصد کے مطابق کرنا چاہتے ہیں تو گوشۂ تنہائی میں اس کا تصور باندھتے ہیں تو وہ شے ان کے تصور کے مطابق ہو جاتی ہے۔ (کذا قال القزوینی)

حکایت منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بلادِ ہند میں کسی علاقہ پر حملہ کیا تو فتحیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ جونہی اس شہر کا محاصرہ کرتے تو بیمار پڑ جاتے آپ نے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا یہاں ایک قوم ہے کہ وہ جس پر مرض ڈالنا چاہیں تو گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس کا تصور کر کے اسے مریض کر ڈالتے ہیں۔ بادشاہ محمود مرحوم نے اپنے لشکریوں کو ڈھول بجانے اور دیگر شور و فغاں کا حکم فرمایا تاکہ ان کے قلوب مشوش ہوں چنانچہ ایسے کیا گیا تو وہ لوگ بادشاہ کو بیمار نہ کر سکے۔ اس طرح سے بادشاہ ان پر فتحیاب ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے تصور کے اندر بہت بڑی تاثیر ہے۔ **ف:** تاثیر المحبۃ[1] اس سے چند قدم آگے ہے۔

---

[1] اہلسنت کے نزدیک تصور شیخ کے قاعدے کا دوسرا نام تصور المحبۃ ہے جسے وہابی دیوبندی شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

حکایت کوئی شخص بدرالدین نامی ایک شخص کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔ اس کا محبوب بدرالدین فوت ہوگیا، اتفاقاً اس کی وفات چودھویں شب کو ہوئی۔ جونہی اس عاشق نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو نام کی مناسبت سے اپنا محبوب بدرالدین یاد آگیا۔ شدتِ غم اور حزن و ملال سے درج ذیل شعر پڑھا؎

شقیقك غیب فی لحدہٖ

و تطلع یا بدر من بعدہٖ

فهلا خنفت و کان الخسوف

لباس الحداد علی فقدہٖ

ترجمہ: تیرا ہم نام قبر میں پوشیدہ ہے اور تو دور سے چمک رہا ہے تو بے نور ہوجاتا تو اچھا تھا اس لیے کہ محبوب کی جدائی کا سوگ ایسے ہونا چاہیے۔

عاشق کا طعنہ سن کر چاند بے نور ہوگیا۔

سبق: سچی محبت کا اثر یہ ہوا کہ چاند بے نور ہوگیا۔ اسی لیے مشہور ہے:

المحبة مقناطیس القلوب۔

اور ارواح کی اجسام میں تاثیر مشہور بلکہ محسوس مشاہد ہے بدنظر کی تاثیر اسی ارتباط الارواح بالاجساد کے قبیل سے ہے چونکہ اسے آنکھ سے قوی رابطہ ہے اسی لیے بدنظر کو عین کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

ف: بعض حکما نے فرمایا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ ڈسنے کے بعد زہریلے جانوروں کو قتل کر دیا جائے ورنہ ان کے ڈسنے سے ڈرنا چاہیے اس لیے کہ ان کے اجسام زہر سے بھرپور ہیں۔ جب تک وہ زندہ رہتے ہیں زہر ان کے اجسام میں گردش کرتی رہتی ہے۔ ان کے اجسام کا اثر ڈسنے کی جگہ پر بھی پڑتا رہے گا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کے مارنے سے زہر کا اثر زائل ہوجاتا ہے۔ یہ کلیہ نہیں بلکہ اس کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہی ہے جو ہمیں تجربے سے حاصل ہوا ہے خلاصہ یہ کہ زہریلے جانور نے کسی کو ڈسا ہے تو اس جانور کو مار دینے سے زہر کا اثر من وجہ زائل ہوتا ہے اگر اسے نہ مارا جائے تو زہر کا اثر بڑھتا رہتا ہے۔ ایسے ہی بدنظر کی حقیقت ہے کہ جب وہ کسی پر اثر انداز ہوتی ہے تو نظر لگانے والے کے نفس کی خباثت سے نظر کا اثر بڑھتا رہتا ہے۔

ف: کبھی انسان کو اپنی بدنظر بھی اثر ڈالتی ہے اور یہ دوسروں کی بدنظر سے زیادہ مہلک ہوتی ہے۔

ف: انسان کی بدنظری سے جنات کی بدنظری سخت تر ہوتی ہے یہاں تک کہ تیر سے بھی اس کی شدت زیادہ ہوتی ہے۔

بدنظری کے علاج کا ثبوت از حدیث شریف بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

حضور علیہ السلام نے ایک گوشہ میں ایک لڑکی کو دیکھا کہ جس کا بیماری سے چہرہ زرد تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا جھاڑ پھونک سے علاج کراؤ اس لیے کہ اس پر جن کی بد نظر کا اثر ہے۔

مسئلہ: جس کے متعلق یقین ہو کہ اس کی نظر بد اثر کر جاتی ہے تو حاکم وقت پر لازم ہے کہ اسے جیل خانے میں بند کر دے اور مرتے دم تک اسے قید میں رکھے اور اس کا نان و نفقہ حکومت ادا کرے۔ اسی میں اس کا اور خلق خدا کا بھلا ہے۔

سیاہ داغ لگانے کا ثبوت

عوام میں عادت ہے کہ جس بچے وغیرہ پر نظر بد کا اندیشہ ہوتا ہے اسکے جسم کے کسی حصہ خصوصاً چہرہ پر کوئلہ کا سیاہ داغ لگاتے ہیں اس کا ثبوت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مندرجہ ذیل روایت میں ہے۔ وہ یہ کہ انہوں نے ایک ملیح (حسین) لڑکے کو دیکھا کہ اسکے رشتہ داروں نے اسے ٹھوڑی پر کوئلے کا سیاہ داغ لگایا ہوا ہے۔ آپ نے سبب پوچھا تو عرض کیا گیا اس لیے کہ اس پر نظر بد کا اثر نہ ہو۔ (سکوتِ صحابی جواز کی دلیل ہے)

کھیتوں میں ہڈیاں اور سیاہ کپڑے ٹانگنے کا ثبوت

اسی قبیل سے ہے جو عوام کھیتوں میں ہڈیاں اور سیاہ جھنڈے ٹانگتے ہیں تاکہ کھیتوں باغوں پر نظر بد کا اثر نہ ہو۔ صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کا از روئے شرع جواز ثابت ہوتا ہے وہ اس طرح کہ نظر بد اپنی شوم نگاہ سے حملہ کرتی ہے تو اس کا اثر پہلے اسی ہڈی اور سیاہی پر پڑتا ہے تو اس کا جوش ختم ہو جاتا ہے۔ پھر دوسری شے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر بیماری کا علاج اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمایا ہے اور ہر شے کی ضد پیدا فرمائی ہے۔

وہابیہ کا رد

ایسے علاج کو وہابیہ دیوبندیہ اور ان کے ہمنوا دوسرے مذاہب شرک و بدعت اور ناجائز و حرام کہتے ہیں۔ جیسے ان کی عادت ہے لیکن ہم اہلسنت ایسے علاج کو جائز سمجھتے ہیں۔ یہی ہمارے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ مبارک تھا۔ (صاحب روح البیان اوپر کی صورتیں لکھ کر آخر میں لکھتے ہیں کہ:)

فالدعوات والانفاس الطیبۃ تقابل الاثر الذی حصل من النفوس الخبیثۃ والحواس الفاسدہ۔

نیک لوگوں فقیروں درویشوں اور اولیائے کرام کے دم درود اور جھاڑ پھونک ان اثرات کو زائل کر دیتے ہیں جو نفوس خبیثہ اور حواس فاسدہ سے پیدا ہوئے۔

(اس کے بعد صاحب روح البیان مندرجہ ذیل احادیث دلائل کے طور لکھتے ہیں:)

جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی بیماری کا ایک دعا سے علاج کیا

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح کو حاضر ہُوا تو آپ بیمار تھے۔ پھر اسی شام کو حاضر ہُوا تو آپ کو تندرست پایا۔ آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام نے آکر مجھ پر چند الفاظ پڑھ کر دم کیا۔ وُہ الفاظ یہ ہیں :

بسم الله ارقيك من كل شیء یؤذیك ومن كل عين وحاسد الله يشفيك -

اللہ تعالیٰ کا نام پڑھ کر مَیں آپ کو دم کرتا ہُوں آپ کو ہر ایذا دینے والی شئے اور ہر بد نظر اور ہر حاسد سے اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام کے دم کرنے سے مجھے آرام ہوگیا۔

مسئلہ : اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جھاڑ پھُونک شرعاً جائز ہے۔ یہی اکثر علماء کرام کا مذہب ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جھاڑ پھُونک قرآنی آیات اور اذکارِ معروفہ سے ہو۔ جن الفاظ کے معانی غیر معلوم ہوں انہیں جھاڑ پھُونک میں پڑھنا مکروہ ہے۔ (یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں)

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے جھاڑ پھونک کا جواز

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا :

هل تنشرت - کیا تُو نے نشو سیکھا ہے؟

عربی میں نشرہ جھاڑ پھونک کو کہا جاتا ہے۔

ف : بعض علماء کرام نے فرمایا کہ جھاڑ پھُونک کی دلیل یہی حدیث ہے کیونکہ اگر جھاڑ پھُونک ناجائز ہوتی تو آپ اس کے استعمال کی اجازت نہ بخشتے۔

سوال : اگر جھاڑ پھُونک جائز ہوتی تو حضور علیہ السلام نے اس سے کیوں روکا۔ چنانچہ سنن ابو داؤد میں مرفوعاً مروی ہے کہ:

النشرة من عمل الشيطان -

جھاڑ پھونک شیطانی عمل ہے۔

جواب ۱ : یہ ایسے جھاڑ پھونک کے متعلق ہے جس کے معانی معلوم نہ ہوں۔

جواب ۲ : یہ ممانعت ایسی جھاڑ پھُونک کے متعلق ہے جو غیر عربی میں ہو اور اس کے معانی معلوم نہ ہوں اس لیے کہ ممکن ہے اس میں کفریہ یا جادو کے الفاظ ہوں۔ جس کے الفاظ قرآن یا ادعیہ مذکورہ معلومۃ المعانی ہوں وہ جائز ہے۔

تعویذات کا جواز

تعویذ لٹکانا جائز ہے جبکہ وُہ قرآنی آیات اور بعض اسماءِ الٰہیہ ہوں، جن سے تجربہ کیا جاچکا ہو کہ دفع بلا کے لیے ان کے لٹکانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ ایسے تعویذات شرعاً جائز ہیں۔

لیکن شرط لگائی جائے کہ بیت الخلاٗ اور جماع کے وقت آتار دیے جائیں۔ اور یہی اولیٰ ہے۔ بعض علماٗ کرام نے فرمایا کہ اگر انہیں کسی محفوظ شے سے چھپایا جائے تو کوئی حرج نہیں کو انہیں بیت الخلاٗ یا جماع کے وقت نہ اتارا جائے۔ آجکل کے غفلت کے دور میں اسی پر عمل ہو رہا ہے خواص کو پہلے پر عوام کو دوسرے طریقہ پر عمل کرایا جائے۔

تعویذات کے جواز کی دلیل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے لیے مندرجہ ذیل عبارت تعویذ کے طور پڑھتے:

اعیذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان و ہامۃ و من کل عین لامہ۔

میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی برکت سے شیطان وہامہ اور ہر عین لامہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

ف: کلمات تامہ وہامہ و لامہ کی تشریح آتی ہے۔ مذکورہ بالا کلمات کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے اہل ایمان سے فرمایا کہ تم بھی ان کلمات کی برکت سے اپنی اولاد کے لیے پناہ طلب کیا کرو اس لیے کہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق علیہم السلام اپنی اولاد کے لیے ان کلمات سے پناہ مانگتے تھے۔

ف: مذکورہ بالا کلمات لکھ کر بچوں کے گلے میں تعویذ کے طور لٹکائے جائیں۔ فقیر اویسی کا آزمودہ تعویذ ہے۔ اس سے بچے بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ حدیث شریف امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح بخاری میں روایت فرمائی۔

حل لغات: کلمات اللہ سے اللہ تعالیٰ کی آسمانی کتابیں یا اللہ تعالیٰ کی صفات مراد ہیں جیسے عزت وقدرت وغیرہما۔ وہ تام اس لیے ہیں کہ وہ ہر نقص وعیب سے پاک ہیں۔

ف: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کلمات اللہ التامہ سے ثابت فرمایا کہ قرآن غیر مخلوق ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق سے استعاذہ نہیں فرماتے تھے اور مخلوق کا ہر کلام نقص وعیب سے خالی نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر عیب ونقص سے پاک صرف کلامِ الٰہی ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہی کامل و اکمل اور تام بلکہ اتم ہے۔

صاحبِ رُوح البیان کی تحقیق (صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ مخلوق سے استعاذہ ثابت نہیں۔ یہ دعویٰ محلِ نظر ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کلام مخلوق سے استعاذہ ثابت ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہے۔

درندوں سے بچنے کا وظیفہ اور محبوبانِ خدا کا تصرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر درندوں اور موذیوں سے خطرہ ہو تو یہ الفاظ پڑھو:

اعوذ بدانیال و بالجب من شر الاسد۔

میں شیر کے شر سے دانیال اور ان کے کنویں کی برکت سے پناہ مانگتا ہوں۔

دانیال اور کنویں کا قصہ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ کے تحت ہم لکھ آئے ہیں اس استعاذ

میں برکت رکھی ہے کہ انسان کسی زبردست دشمن اور موذی کے شر میں پھنسا ہو ان کلمات کو پڑھے تو کامیابی ہوگی۔[1] (کذا فی حیوٰۃ الحیوان)

مسئلہ: یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہے ورنہ جو حضرات بحر توحید میں مستغرق ہیں کہ انھیں اپنی بھی خبر نہیں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ تلاش کریں۔ انھیں غیر اللہ کی طرف پناہ ڈھونڈنا جائز ہے اور چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب بحرِ توحید میں غوطہ زن ہوتے تو فرماتے: اعوذ بك منك۔

الہامہ، ہوام کی جمع ہے جمع حشرات الارض کو کہا جاتا ہے۔ اور خطابی نے فرمایا ہر زہریلے جانور یعنی سانپ بچھو وغیرہ کو ھامہ کہا جاتا ہے۔

سوال: حدیث شریف میں قمل کو ھامہ کہا گیا ہے حالانکہ وہ زہریلی نہیں۔

جواب: مجازاً و استعارۃً اسے ھامہ کہا گیا ہے۔

اللامۃ بمعنے الملمہ الممت بمعنے نزلت ہے۔

سوال: اگر یہ بمعنے مفعول ہے تو پھر اسے الملمہ کہا جاتا۔

جواب ۱: الہامۃ کی مناسبت سے اسے فاعل کے صیغہ پر لایا گیا ہے۔

جواب ۲: فاعل کے معنے پر ہے بمعنے جامعة للشر علی المعیون۔ یعنی جس پر نظر بد کا اثر ہو اس کے لیے کوئی شر کی جمع یہ لمہ یلمہ بمعنے جمعہ۔ مثلاً کہا جاتا ہے: دارك تلم الناس بمعنے تجمعهم یعنی تیرا گھر انھیں جمع کرتا ہے۔

ف: الفتوحات المکیہ میں ہے کہ حروف و اسماء کی تاثیر کا علم بھی ایک کرامت ہے یعنی کرامت کے طور خواص بندگانِ خدا کو ان کی تاثیر معلوم کرائی جاتی ہے ہر ایک کو خواص الاسماء والصفات کا علم نہیں دیا جاتا۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت خواص میں داخل ہیں کہ ہمیں آیات قرآنی و احادیث نبوی و اذکار ماثورہ و اقوال اولیاء کے خواص معلوم ہیں۔

اعجوبہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بدنظر والے کے وضو کے پانی سے جس پر بدنظر کا اثر ہو نہائے تو بدنظر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

مجرب وظیفہ و تعویذ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بدنظر کا اثر زائل کرنے کے لیے آیت وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ پڑھی جائے۔ بدنظر کا اثر زائل کرنے کے لیے

---

[1] محبوبانِ خدا کی شان بھی ذہن میں رہے کہ دانیال کے واقعہ کو ہزاروں سال گزرے لیکن تاثیر اور برکت تاقیامت باقی ہے۔ (ولکن اکثرھم لا یعلمون۔) ـ قوم لا یعقلون۔

اس آیت سے اور کوئی آیت زیادہ نافع نہیں۔ فقیر اویسی غفرلہ یہ آیت لکھ کر گلے میں تعویذ کا تجربہ رکھتا ہے نظر لگ چکی ہو تو زائل ہو جاتی ہے۔ اگر خطرہ ہو تو پہلے لکھ کر دی جاتی ہے۔ فقیر ہر سنی مسلمان پابند صوم وصلوٰۃ کو اس کی عام اجازت دیتا ہے۔

نبوی وظیفہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے سے پہلے سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر دونوں ہتھیلیوں پر دم کرکے اپنے تمام جسم مبارک پر ہاتھ پھیرتے تھے جہاں ہاتھ پہنچ سکے اس کا آغاز سر اور چہرۂ مبارک سے فرماتے۔ اسی طرح ہر رات تین دفعہ کرتے یہ عمل دفع سحر و بدنظر و زہریلے جانوروں اور جملہ امراض وجراحات کے لیے مفید ہے۔

بدنظر سے بچنے اور بچانے کا طریقہ جب کوئی کسی اچھے شے کو دیکھے اور وہ اس کے دل میں پسند آئے اور خطرہ ہو کہ اس پر بدنظر کا اثر ہوگا تو سنت ہے کہ کہے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔ پھر اس کے لیے برکت کی دعا مانگے۔ مثلاً کہے بارک اللہ فیک وعلیک۔

اعجوبہ عالم دنیا میں تین چیزیں عجیب ترین ہیں:

۱۔ بوم یہ اپنے آپ کو حسین ترین سمجھ کر دن کو باہر نہیں نکلتا اس خطرہ سے کہ اسے کسی کی بدنظر کا اثر نہ ہو۔

۲۔ کوکی یہ زمین پر صرف ایک پاؤں پر چلتی ہے اگر دوسرا پاؤں رکھتی بھی ہے تو آہستہ آہستہ اس خطرہ سے کہ زمین میں نہ دھنس جائے۔

۳۔ ایک جانور ہے جو نہروں میں پنڈلیوں کے ذریعے چلتا ہے وہ کوکی کے مشابہ ہوتا ہے وہ "مالک حزین" کے نام سے معروف ہے۔ وہ سیر ہو کر پانی نہیں پیتا اس خطرہ سے کہ پانی ختم نہ ہو جائے۔

ف: طبرستان میں ایک کیڑا ہے جو ایک مثقال یا زیادہ سے زیادہ تین مثقال کے برابر ہوتا ہے وہ تین دن میں ہوتا ہے اور رات کو جگنو کی طرح چمکتا ہے اور دن کو اڑتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کے پر بھی نظر آتے ہیں یہ سبز رنگ کا نہایت نرم اور صاف شفاف ہوتا ہے۔ درحقیقت اس کے پر نہیں ہوتے لیکن دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ اس کے پر ہیں۔ اس کی غذا مٹی ہے لیکن وہ اسے سیر ہو کر نہیں کھاتا اس خطرہ سے کہ مٹی ختم نہ ہو جائے۔ اسی طرح وہ بھوک سے ہی مرتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اسی دور کے کیڑے سے دنیا دار حریص وبخیل انسان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کسی طعام بلکہ روٹی سے سیر نہیں ہوتے اس خطرے سے کہ ان کا مال ختم نہ ہو جائے حالانکہ ان کے ہاں بہت سا مال ہوتا ہے۔

ف: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ جملہ فوائد مذکورہ میں نے مندرجہ ذیل کتب سے لیے ہیں:

① انسان العیون ② شرح الشارق لابن الملک
③ شرح الشرعۃ وابن الملک علی انوار المشارق ④ شرح الطریقۃ المحمدیہ مکروی
⑤ اسرار المحمدیہ ⑥ لغۃ المغرب
⑦ حیٰوۃ الحیوان ⑧ شرح الحکم
⑨ حواشی ابن الشیخ ⑩ حواشی سعد المفتی

وَلَمَّا دَخَلُوْا اور جب یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے مصر میں آئے **مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ** شہر کے ان متفرق دروازوں سے جہاں سے ان کے والد گرامی نے حکم فرمایا تھا۔ یہ جار مجرور محلاً حال ہے اب عبارت یوں ہوگی:

دَخَلُوْا مُتَفَرِّقِيْنَ۔

مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ انہیں یعقوب علیہ السلام کی رائے اور متفرق ہونے نے نہ بچایا **مِّنَ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کی **مِنْ شَيْءٍ** اس شے سے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قضا و قدر میں لکھا تھا۔ یہ جملہ لما کا جواب ہے۔ **اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا** حاجۃً، اِلّا کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ الا بمعنے لکن اور قضٰھا بمعنے اظہرھا ووصّی بھا اور لکن کی خبر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یعقوب علیہ السلام کی رائے تھی کہ ان کے صاحبزادے ایک دروازے سے داخل نہ ہوں باوجودیکہ انہوں نے والد گرامی کی رائے پر عمل کیا لیکن ان سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر نہ ٹل سکی۔ لیکن یعقوب علیہ السلام نے ان پر شفقت کے طور اپنی رائے ظاہر کر دی تاکہ وہ بد نظری سے بچ جائیں اور خصوصیت سے وصیت فرمائی تدبیر کا کوئی معتبر فائدہ نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ صرف دل کو تسلی دیجاتی ہے۔ اس سے یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ تدبیر تقدیر کو ٹالتی ہے۔ البتہ وہ نظر بد سے بچ گئے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے لیے بد نظر تقدیر میں لکھی جا چکی تھی لیکن یعقوب علیہ السلام کی تدبیر سے یہ ٹالی گئی۔ تقدیر وہ تھی جو بنیامین کو مصر کے بادشاہ کے ہاں چھوڑنا پڑا۔ مثنوی شریف میں ہے :-

گر شود ذرات عالم حیلہ پیچ
با قضائے آسماں ہیچست و ہیچ
ہرچہ آید از آسماں سوئے زمین
نے مفر دارد نہ چارہ نہ کمین
حیلہ ہا و چارہ ہا گز اژدہا ئست
پیش الا اللہ انہا جملہ لاست

(باقی ص۵۹ پر)

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ○ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ
مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ○
قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ○ قَالُوْا تَاللّٰهِ
لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ○ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ
كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ○ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِىْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ كَذٰلِكَ نَجْزِى
الظّٰلِمِيْنَ ○ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ
كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ
نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ○ قَالُوْٓا اِنْ
يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِىْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا
لَهُمْ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ○ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ
لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ
اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ○

ترجمہ : اور جب وہ یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی
فرمایا یقین کیجئے میں ہی تیرا بھائی ہوں تو یہ جو کچھ کرتے ہیں اس کا غم نہ کھائیے ۔ پھر جب ان کا سامان
تیار کر دیا تو پیالہ اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا پھر اک منادی نے پکارا اے قافلہ والو ! بے شک
تم چور ہو ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم کیا گم پاتے ہو کہا کہ بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا اور جو اسے لائے گا اس
کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ انعام ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں کہنے لگے خدا کی قسم تمہیں بخوبی علم ہے کہ ہم
زمین مصر میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چوری پیشہ ہیں انہوں نے کہا تو پھر تمہارے ہاں چوری کی کیا
سزا ہے اگر تم جھوٹے ہوئے کہا کہ جس کے سامان میں چوری دستیاب ہو وہی اس کے بدلے میں اس کا
غلام ہوگا ۔ ہمارے ہاں ظالم چوروں کی یہی سزا ہے تو سب سے پہلے ان کے سامان سے تلاشی کا آغاز کیا
اپنے بھائی کے سامان سے پہلے پھر اسے اپنے بھائی کے سامان سے نکال لیا ۔ یوسف علیہ السلام کو
یہی تدبیر ہم نے بتائی بادشاہی قانون میں اسے ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو لے لے مگر یہ کہ خدا تعالیٰ
چاہے ہم جس کے لیے چاہتے ہیں اس کے بہت بڑے درجات بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر

علم والا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر یہ چوری کرے تو اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کرچکا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے ان کی یہ بات دل میں مخفی رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی (بلکہ) فرمایا تم بدترین جگہ ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو باتیں تم بنا رہے ہو کہنے لگے اے عزیز! اس کے والدِ گرامی بہت بوڑھے بڑی عمر کے ہیں تو اسکے بدلے میں ہم میں سے کسی ایک کو لے لو۔ بیشک ہم آپ کو اپنا بڑا محسن مانتے ہیں۔ فرمایا پناہ بخدا کہ ہم لیں مگر اسے جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا بے شک ہم اس وقت ظالم ہوں گے۔ (تفسیر صفحہ ۶۰ پر)

(بقیہ صفحہ ۵۸)

ترجمہ: اگر تمام ذرات عالم حیلہ کریں تو قضائے آسمانی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

جو کچھ بھی آسمان سے زمین پر آتا ہے وہ مفر نہیں نہ اسے ٹالنے کا کوئی چارہ ہے نہ اس سے کیز رکھا جا سکتا ہے۔

تمام حیلے چارے نقصان دہ ہیں الا اللہ کے سامنے سب کچھ معدوم ہے۔

وَاِنَّهٗ اور یعقوب علیہ السلام لَذُوْ عِلْمٍ بہت بڑے علم والے تھے لِّمَا عَلَّمْنٰهُ اس لیے کہ انھیں ہم نے بذریعہ وحی اور دلائل علم عطا فرمایا اسی لیے تو قبل از وقت فرمایا وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تقدیر میں بدنظر لکھی بھی نہیں تھی ورنہ انھیں بدنظر کا اثر ضرور پہنچتا وہ متفرق دروازوں سے جاتے یا ایک سے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی تقدیر نہیں جانتے اور ان کا گمان ہوتا ہے کہ تدبیر سے تقدیر ٹل جاتی ہے ؎

تدبیر کند بندہ و تدبیر نداند

تقدیر خداوند بند بہیر نماند

ترجمہ: بندہ تدبیر کرتا ہے لیکن اسے پتا نہیں کہ تقدیر کے سامنے تدبیر کچھ نہیں کرسکتی۔

تفسیر صوفیانہ ولکن اکثر الناس سے ظاہر بین لوگ مراد ہیں لا یعلمون کہ جو کچھ ہمارے خواص بندگان (انبیاء و اولیا) پر جاری ہوتا ہے وہ رب تعالیٰ کی وحی و الہام و تعلیم سے ہوتا ہے انھیں ہماری تقدیر کے اجراء کا علم ہوتا ہے جس کا ہم حکم دیتے ہیں انھیں خبر ہوتی ہے اور انھیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں بے شمار حکمتیں مضمر ہوتی ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

---

[1] اس تصریح کے باوجود وہابیہ دیوبندیہ یعقوب علیہ السلام پر لاعلمی کی تہمت لگاتے ہیں اسے کہتے ہیں نبوت دشمنی۔

[2] اگر دیوبندیوں وہابیوں کو ان میں شامل کر دیں تو بھی لا باس بہ کما سبحی۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۵۸)

تفسیر عالمانہ

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے۔ یوسف علیہ السلام تخت پر نقاب اوڑھے ہوئے رونق افروز تھے۔ آپ نے پوچھا کون لوگ ہیں؟ عرض کی ہم کنعانی ہیں۔ آپ کے حسب الحکم ہم اپنے بھائی (بنیامین) کے لیے والد گرامی کی منت سماجت کی اور بڑے عہد وپیمان کے بعد انہیں لے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا بہت خوب۔ فرمایا جیسے تم نے وعدہ کو نبھایا مجھے بھی ایفائے عہد میں بہتر پاؤ گے۔ فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ پھر فرمایا کہ دو دو سگے بھائی اکٹھے بیٹھو۔ بہت اعزاز واکرام سے انہیں بٹھایا۔

تبیان میں ہے کہ طعام خانے میں ایک دسترخوان پر بٹھائے گئے۔

کاشفی میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ دو دو سگے بھائی اکٹھے دسترخوان پر کھانا کھائیں۔ جب دو دو سگے بھائی اکٹھے بیٹھ گئے بنیامین اکیلے رہ گئے تو گریہ زاری شروع کر دی یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پر گلاب چھڑکو۔ جب ہوش میں آئے پوچھا اے نوجوان! تم روتے روتے بیہوش کیوں ہوئے۔ بنیامین نے فرمایا کہ آپ کا فرمان ہوا کہ دو سگے بھائی اکٹھے مل کر کھائیں۔ میرا بھی ایک سگا بھائی یوسف نامی تھا۔ مجھے یاد آ گیا ہے اور دل میں خیال گزرا ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ بٹھاتے ان کی یاد میں بے تاب ہو گیا ہوں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا آئیے آج میں آپ کا بھائی بنتا ہوں۔ حکم فرمایا کہ دسترخوان قریب لایا جائے اور ہم دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ دسترخوان لایا گیا۔ اس طرح دو بچھڑے بھائی مل گئے۔ کما قال اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَخَاهُ اپنے بھائی بنیامین کو طعام میں ساتھ ملایا۔ اسی طرح دونوں کا یکجا اٹھنا بیٹھنا ہو گیا اور اکیلے ایک گھر میں راز ونیاز کی باتیں کرتے۔ ایک دن یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے پوچھا: کیا آپ نے شادی کی ہے؟ عرض کی: ہاں۔ پوچھا بچے کتنے ہیں؟ عرض کی: دس۔ بنیامین نے ان کے نام بتائے اور کہا کہ ایک کا نام اپنے مرحوم بھائی یوسف علیہ السلام کے نام پر رکھا ہے۔

ف: القصص میں ہے کہ بنیامین نے کہا کہ تین بچے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک کا نام ذئب (بھیڑیا) ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: نبی علیہ السلام کی اولاد ہوتے ہوئے تم نے درندے کے نام پر اپنے بچے کا نام کیسے تجویز کیا۔ عرض کی سنا ہے میرے بھائی کو بھیڑیا کھا گیا تھا۔ اب بچے کا نام اسی لیے ذئب رکھا ہے کہ اس لفظ سے بھائی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ کہہ کر بنیامین خوب رویا اور یوسف علیہ السلام بھی رو پڑے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: دوسرے کا کیا نام ہے؟ عرض کی: دم (خون)۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: وہ کیسے؟ عرض کی کہ میرے بھائی یوسف کے مرنے کے بعد ان کا خون آلود قمیص لایا گیا۔ اب میں نے بیٹے کا نام یہی رکھا ہے کہ اس سے یوسف علیہ السلام کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اس سے وہ خود بھی روئے اور یوسف علیہ السلام کو بھی رلایا۔ تیسرے کا نام کیا ہے؟ عرض کی: یوسف۔ اس سے بھی اپنے بھائی کی یاد تازہ کرتا ہوں۔ اس سے بنیامین اور یوسف علیہ السلام خوب روئے۔ یوسف علیہ السلام نے دل میں کہا کہ اے

الٰہ العٰلمین! جب حزن وغم سے میرے نوجوان بھائی کی یہ حالت ہے تو میرے بوڑھے باپ کا کیا حال ہوگا۔ اے اللہ! ہمیں موت سے پہلے گلے ملا دے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم چاہتے ہو کہ میں تیرے فوت شدہ بھائی کے قائم مقام ہو جاؤں؟ بنیامین نے عرض کی: آپ جیسا محسن تو ہمیں دنیا میں نہیں ملے گا۔ لیکن آپ یعقوب اور راحیل کے بیٹے تو نہیں ہو سکتے۔ اس سے یوسف علیہ السلام خوب روئے اور اُٹھ کر بنیامین کو گلے لگا لیا اور کہا بھائی! تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ میں ہی تیرا بھائی یوسف ہوں۔ چنانچہ فرمایا:

قَالَ اِنِّیْٓ اَنَا اَخُوْكَ یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں تیرا بھائی یوسف ہوں۔

کاشفی نے لکھا کہ جب کھانا کھانے کے لیے یوسف علیہ السلام نے نقاب کے اندر سے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بنیامین کی نظر یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر پڑی تو رو پڑے۔ یوسف علیہ السلام نے رونے کا سبب پوچھا تو بنیامین نے عرض کی، یہ ہاتھ میرے بھائی یوسف علیہ السلام سے ملتا جلتا ہے۔ یوسف علیہ السلام بنیامین کی درد بھری آواز سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بے ساختہ نقاب اٹھا کر کہا: اے بنیامین! میں ہی تیرا بھائی یوسف ہوں۔

القصص میں ہے کہ جب دونوں اکھٹے کھانا کھانے بیٹھے تو یوسف علیہ السلام نے نقاب ہٹا دیا۔ بنیامین لقمہ اٹھاتے اور گھور گھور کر یوسف علیہ السلام کو دیکھتے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: یہ کیوں؟ عرض کی، میرا بھائی یوسف (علیہ السلام) آپ کا ہمشکل تھا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی تیرا بھائی یوسف ہوں۔

فَلَا تَبْتَئِسْ غم نہ کھائیے۔

تہذیب المصادر میں ہے کہ الابتیاس بمعنٰی اندوہگین ہونا۔

بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ بھائیوں کے ان گندے کرتوتوں سے جو انھوں نے ہمارے ساتھ کیے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر عظیم احسان فرما کر ہم بچھڑے ہوؤں کو ملایا۔ لیکن فی الحال آپ انھیں بتائیں نہیں اس راز کو بالکل مخفی رکھنا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض مقامات پر راز چھپانا مستحب ہے۔ یعنی ایسے مقامات پر جہاں راز مخفی رکھنے سے مقاصد کا حصول آسان ہو۔

حدیث شریف اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے راز کو چھپاؤ۔

مسئلہ: ضیافت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مہمان نوازی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے مہمان نواز تھے یہاں تک کہ مہمان کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔

حدیث شریف حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا میں بہشت کے بالاخانوں کی تمہیں خبر دوں؟ ہم سب نے عرض کی: آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ بہشت کے بالاخانے جواہر موتی سے ہیں جنہیں اندر باہر برابر طور پر

دیکھا جا سکتا ہے۔ اس میں نعمتیں اور لذتیں اور سرور ایسے بے نظیر ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آ سکتا ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کی یہ بالاخانے کن لوگوں کے لیے ہیں ؟ آپ نے فرمایا: ان لوگوں کے لیے جو اپنے بھائیوں کو السلام علیکم کہتے اور طعام کھلاتے اور نفلی روزہ رکھتے اور رات کو اس وقت نماز پڑھتے ہیں جس وقت لوگ محوِ خواب ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خسارہ والوں کو راہ نہیں دکھاتا بلکہ نصرت الٰہی و تائید ایزدی صالحین کو نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غار میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

اور خسارے والے یوسف علیہ السلام کے بھائی تھے کہ جنھوں نے یوسف علیہ السلام پر حسد کی وجہ سے انھیں سخت اذیتیں پہنچائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دو بھائیوں یوسف علیہ السلام و بنیامین اور باپ یعقوب علیہ السلام اور بیٹے یوسف علیہ السلام کو ملایا اگرچہ بہت بڑی مدت کے بعد۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ الجهاز بمعنی المتاع وھو کل ما ینتفع به یعنی ان کا اناج تیار کرا کر ہر ایک کو اونٹ کا بوجھ غلہ دے دیا اور زادِ راہ کے لیے مزید بہت سی چیزیں بھی عنایت کیں۔

ف: القصص میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا کیا تم لوگ جلد واپس جانا چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے حکم فرمایا کہ ان قافلے والوں کو تیار کرو اور غلہ بھر کر اونٹوں پر لاد دو اور ایک زائد اونٹ کا غلہ دے دو۔ اپنے سامنے سامان اچھی طرح تیار کر کے بڑی عزت و احترام کے ساتھ روانہ کیا۔

ف: مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنا تعارف کرایا تو بنیامین بے ہوش ہو کر یوسف علیہ السلام کے گلے لگے اور زبانِ حال سے کہہ رہے تھے: ؎

ایکہ می بینم بہ بیداریست یارب بخواب
خویشتن را در چنیں راحت پس از چندیں عذاب

ترجمہ: یا اللہ! یہ خواب ہے یا بیداری کہ میں اپنے آپ کو بہت بڑے عذاب سے نکل کر خوشی و راحت میں پاتا ہوں۔

پھر یوسف علیہ السلام کا دامن پکڑ کر بنیامین نے کہا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اباجی پہلے بھی میری جدائی سے بہت تکلیف اٹھا چکے ہیں اب آپ یہاں رہیں گے تو انھیں مزید رنج پہنچے گا۔ جب بنیامین نے اصرار کیا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا؛ اس کی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ میں آپ کو کسی معاملہ میں گرفتار کروں۔ اگر منظور ہو تو۔ بنیامین نے عرض کی؛ مجھے منظور ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ شاہی پیالہ آپ کے سامان میں چھپا دیتے ہیں جب آپ لوگ روانہ ہوں گے تو بلالیں گے۔ بنیامین نے مان لیا۔ جب قافلہ سامان لے کر روانہ ہوا تو جَعَلَ السِّقَايَةَ السقایۃ یعنی المشربہ بکسر المیم یعنی وہ برتن جس میں پانی پیا جاتا ہے پیالہ اور غلہ کا پیمانہ چھپا یا گیا اور پیمانہ سونے کا تھا اور پیالہ چاندی کا۔

مسئلہ : پہلی شریعتوں میں چاندی کے پیالوں میں پانی پینا جائز تھا یا وہ پیالہ بلوری یا سبز زمرد یا سرخ یاقوت کا تھا، جس کی قیمت دو سو دینار تھی۔ اسی میں یوسف علیہ السلام پانی پیتے تھے۔

ف : کواشی میں ہے بادشاہ مصر جس پیالے سے پانی پیتا تھا وہ چاندی کا تھا اور اس پر موتیوں کا جڑاؤ تھا بھائیوں کے اعزاز میں اسی کے ساتھ ان کا غلہ بھرا تھا۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ پہلے اس پیالے میں بادشاہ پانی پیتا تھا پھر اسے طعام کی نفاست اور بھائیوں کی عزت و احترام کے پیش نظر پیمانہ کے طور استعمال کیا۔

فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ اپنے بھائی بنیامین کے کجاوے میں۔

جب وہ صاحبان مصر سے شام کی طرف روانہ ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ایک خاص آدمی ساتھ بھیجا تاکہ انھیں شام کو جانے والے راستے پر پہنچا دے۔

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ یوسف علیہ السلام کے نوکروں میں کسی ایک نے اعلان کیا اس کا نام افرائیم تھا۔

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ قافلے والو۔ دراصل عیر اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس پر بوجھ لادا جائے اور اسے عیر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آتا جاتا ہے اس سے اصحاب العیر مراد ہیں۔ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ بے شک تم چور ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ خطاب یوسف علیہ السلام کے حکم سے کیا گیا وہ اس لیے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو باپ سے چرایا تھا۔

سوال : بنیامین بھی ان میں تھا وہ تو یوسف علیہ السلام کی چوری کرنے میں شامل نہیں تھے۔

جواب : تغلیباً کہا گیا ہے۔

سوال : وہ یوسف علیہ السلام کو والد گرامی کی اجازت سے لے گئے تھے پھر وہ چور کیسے۔

جواب : چونکہ انہوں نے والد گرامی کو دھوکہ دے کر یوسف علیہ السلام کو لیا تھا۔ دھوکہ کی مشابہت کی وجہ سے انہیں چور کہا گیا۔

ردِ شیعہ شیعہ اس مثال کو تقیہ کے دلائل میں شامل کرتے ہیں حالانکہ اس مثال کو تقیہ سے دور کا واسطہ

بھی نہیں اسے توریۃ و تعریض کہا جاتا ہے۔ توریۃ و تعریض اور تقیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے[1] اس لیے انبیا علیہم السلام سے توریہ و تعریض تو ثابت ہے لیکن تقیہ جیسی لعنت سے انھیں ملوث نہیں کیا جا سکتا۔

ف: توریۃ یہ ہے کہ ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو ذومعنی ہو جس سے مخاطب کی مراد کچھ ہو اور متکلم کی کچھ۔ اور تقیہ تو کھلم کھلا جھوٹ ہوتا ہے۔

توریۃ کے دلائل

۱۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کے قریب نزول اجلال فرمایا تو آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر ابوسفیان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس سے قریش اور اپنے لیے اور آپ کے اصحاب کے بارے میں رائے پوچھی۔ اس نے کہا آپ کون ہیں۔ ابوسفیان کو جتنی معلومات تھیں سب بتا دیں۔ پھر پوچھا آپ دونوں کون ہیں۔ آپ نے فرمایا:

نحن من ماء دافق۔

(ہم ٹپکنے والے پانی سے ہیں)

آپ نے اس سے وہی معنیٰ مراد لیا کہ جس سے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اس سے ابوسفیان نے سمجھا کہ یہ کوئی عراقی ہیں۔ اہل عراق کو پانی کی طرف اس لیے منسوب کیا جاتا ہے کہ وہاں پانی بکثرت ہوتا ہے۔

۲۔ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بموقعہ ہجرت غار سے باہر نکل کر مدینہ طیبہ کی طرف جا رہے تھے آپ کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی کافر نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ میرے رہبر ہیں۔ (اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رہبر دین مراد لیا اور سامع نے دنیوی راستہ دکھانے والا سمجھا) (کذا فی انسان العیون)

مسئلہ: کذب مصلحت آمیز بوقت شدید ضرورت جائز ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؏

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

ترجمہ: مصلحت آمیز دروغ راستی فتنہ انگیز سے بہتر ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کے نوکروں نے از خود انھیں چور کہا اس لیے کہ یوسف علیہ السلام نے وہ راز سوائے بنیامین کے اور کسی کو نہ بتایا تھا ادھر پیمانہ واقعی گم ہو گیا تھا تو نوکروں کو خطرہ محسوس ہوا کہ اس سے ہم یوسف علیہ السلام کے عتاب میں نہ آ جائیں اس لیے جلدی سے انھیں کہا تم چور ہو۔

---

[1] تفصیل فقیر کی کتاب "چشمۂ نور افزا شرح آئینہ شیعہ نما" میں ہے۔

ف : القصص میں ہے کہ یہ بلانے والے یوسف علیہ السلام کے صاحبزادے تھے اور یوسف علیہ السلام کے حکم سے
چچاؤں کو بلایا۔ لیکن یوسف علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے بھی اس خبر کو مخفی رکھا ادھر یوسف علیہ السلام کے نوکروں نے
سامان کی پڑتال کی تو پیمانہ نہ ملا اور وہاں پر سوائے یوسف علیہ السلام کے ان بھائیوں کے اور کوئی نہ تھا۔ جب روانہ ہوئے
تو نوکروں کو ان پر غالب گمان ہوا کہ وہی چوری کے طور لیجا رہے ہیں اسی لیے اپنی بدگمانی کے تحت پکارا کہ تم چور ہو۔

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ واقبلوا' قالوا کی ضمیر سے حال ہے اور یہ اس لیے کہ وہ اعلان سُن کر
اور اپنے لیے چوروں کا لقب سُن کر تھرا گئے۔ کیونکہ یہ امر ان سے کوسوں دور اور ان کی فطرت اور عادت سے بعید تھا اسی لیے
اعلان کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا مَاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝ کیا شے گم ہوگئی ہے۔ یہ فقدت الشئ بمعنی عدمتہ
ہے۔ جب کسی شے کو گم کر بیٹھے تو کہتا ہے، فقدتہ یعنی میں نے اسے گم پایا بلکہ جو شے کسی سے بلا ارادہ گم ہو جائے اس کے لیے
یہی فعل استعمال کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ تم سے کیا شے گم ہوگئی۔ قَالُوْا اعلان کنندگان نے کہا
نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ شاہی پیمانے گم ہو گئے ہیں۔ دونوں مقامات پر ماضی کے بجائے مضارع استعمال کرنے میں
پیمانے کی گمشدگی کو قریب لانے کے لیے ہے۔ پھر اعلان کنندگان نے اپنی جانب سے اخوۃ یوسف علیہ السلام کو تلقین کی کہ
وہ سمجھیں کہ وہ انھیں یقیناً چور نہیں سمجھ رہے بلکہ محض اس تصور سے کہ لاشعوری سے پیمانہ سامان میں چلا گیا ہو۔ چنانچہ کہا وَلِمَنْ
جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ اور جو اس پیمانے کو سامان کی شے سے پہلے خود بخود ظاہر کر دے، تو مجرم نہیں ورنہ تم مجرم ہو۔ خلاصہ
یہ کہ اعلان کنندگان نے کہا کہ جو تم میں چور کی نشان دہی کر دے یا اس کے سامان سے نکال دے تو اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا
غلہ انعام میں ملے گا اور وہ انعام بطور احسان ہوگا۔ وَاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝ اور اس کی ادائیگی کا میں ضامن ہوں اگر پیمانہ
نہ ملا تو بادشاہ مجھے متہم کریگا۔ یہ اعلان کنندہ کا اپنا قول ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو جانوروں کے بوجھ اٹھانے کا اہل ہو وہ بادشاہوں کے پیالوں کا
کب مستحق ہو سکتا ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ اخوۃ یوسف علیہ السلام نے کہا بخدا
تمھیں معلوم ہے کہ ہم تمہاری زمین مصر میں فساد پھیلانے نہیں آئے تھے۔

ف : قسم میں تعجب کا معنی ہے انھیں اس لیے تعجب لاحق ہوا کہ وہ اس کام سے فطرۃً نفرت رکھتے تھے لیکن یہاں انھیں
ایسے برے فعل کی طرف کیوں منسوب کیا گیا۔

ف : تا واؤ قسمیہ کے عوض ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے اس لیے کہ تا قسمیہ صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ اب معنی یہ ہوا
کہ اے لوگو! تم بھی عجیب ہو تم پہلے متعدد بار آنا چکے ہو اور ہماری دیانت سے بخوبی واقف ہو اور پھر امانت کی حفاظت
ہماری فطری عادت ہے، تمھیں پورے طور معلوم ہے اور جس گندے فعل کی ہم پر تہمت باندھ رہے ہو اس سے ہم بالکل

بیزار ہیں۔ جب یہ بات ہو تو پھر تم ہمیں کیوں کہتے ہو تم چور ہو۔

ف : لنفسد بمعنے لنسرق ہے۔ اس لیے فساد کے سبب سے گندا فعل سرقۃ ہے۔

وَمَا كُنَّا سَارِقِيْنَ ۝ اور ہم نہ چور ہیں اور نہ کبھی چوری جیسی لعنت ہمارے نام منسوب ہوئی ہے۔

سوال : شام کے علاقوں میں تو واقعی ان کا یہی ریکارڈ تھا لیکن مصر میں اس غیبی دلیل کو کیسے یہاں چسپاں کر رہے ہیں۔

جواب : چونکہ ان کے حالات کا مشاہدہ اہلِ مصر نے کیا اور وہ ایسا واضح اور روشن ہو گیا کہ سب کو اس کا اعتراف تھا ایسے موقع پر غیبی دلائل موجودہ صورت پر استعمال کرنا جائز ہیں۔

قَالُوْا یوسف علیہ السلام کے نوکروں نے کہا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ یہاں مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت فماجزا سرقۃ الصواع عندکم الخ یعنی تمہاری شریعت میں پیمانہ کی چوری کی سزا کیا ہے اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ اگر تم اپنے انکار میں جھوٹے ثابت ہوئے تو قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ انہوں نے کہا اس کی جزا وہی ہے جس کے ہاں پیمانہ پایا گیا فِيْ رَحْلِهٖ اس کے سامان میں یعنی چور کو سامان کے مالک کا غلام بنایا جائے گا۔

مسئلہ : حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم تھا کہ چور کو سامان کے مالک کا غلام بنایا جاتا جیسے ہماری شریعت میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔

فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ اسی حکم کی تقریر ہے یعنی اس کی جزا یہی ہے کہ ہم چور تمہارے حوالے کر دیں گے نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ہم ظالم چور کو سزا دیں گے۔ یہ حکم مذکور کی تاکیدِ در تاکید اور سرقۃ کی قباحت کا اظہار ہے۔

ف : یہ انہوں نے اپنی براءت پر پورے بھروسہ کے طور کہا۔ یعنی انہیں یقین تھا کہ نہ ہم نے چوری کی ہے نہ ہم چور کو ان کے حوالے کریں گے حالانکہ اندرونی معاملہ سے وہ بالکل بیخبر تھے۔

فَبَدَاَ جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس لوٹائے گئے تو یوسف علیہ السلام نے سامان کی تلاشی شروع کی بِاَوْعِيَتِهِمْ اپنے دوسرے دس بھائیوں کے سامان کی قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ اپنے بھائی بنیامین کے سامان کی تلاش سے پہلے تاکہ یوسف علیہ السلام پر تہمت نہ ہو کہ انہوں نے عمداً ایسا کیا ہے۔

ف : مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے نوکروں نے کہا کہ اپنے اونٹ بٹھلا کر سامان اتارو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سامان جلد تر اتار دیے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ہم اس معاملہ میں بے قصور ہیں۔ چنانچہ پہلے بڑے بھائی کا سامان دیکھا پھر اس سے چھوٹے کا پھر اس سے چھوٹے کا، یہاں تک کہ بنیامین کی باری آئی تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا : اس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ اس نے ایسی غلطی نہیں کی ہو گی۔ بھائیوں نے کہا نہیں اس کا سامان بھی کھولو۔ کیونکہ آپ کو اس سے زیادہ پیار تھا اور اسے آپ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ چنانچہ جب بنیامین کا سامان کھولا۔ کما قال :

ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا پھر نکال لیا اس پیمانہ کو۔ یہ ضمیر صواع کی طرف راجع ہے اس لیے کہ مذکر و مونث

دونوں طرح مستعمل ہے۔ مِنْ وِّعَاءِ اَخِیْهِ ط اپنے بھائی کے سامان سے جب گمشدہ پیمانہ بنیامین کے سامان سے ملا تو شرمساری سے سب کے سر جھک گئے اور زبانیں گنگ ہوگئیں۔ پھر بنیامین سے ہر شے چھین کر یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دی گئی۔ بھائی اسے عبرانی میں گالیاں دینے لگے اور کہتے تھے کہ اے چور! تجھے کونسی بھوک تھی کہ تو نے بادشاہ کا پیمانہ چرایا اور تیری وجہ سے اب ہم ہمیشہ تکلیف میں مبتلا رہیں گے جیسے تیرے بھائی ابن راحیل (یوسف علیہ السلام) سے ہم شدائد و مصائب میں مبتلا رہے۔ بنیامین نے جواب دیا، بلکہ راحیل کے دونوں بیٹوں کو تم نے مصائب و مشکلات میں مبتلا رکھا۔ یوسف علیہ السلام پر ظلم و ستم کیا اور مجھے تمہی نے چور بنایا حالانکہ پیمانہ تمہارے سامان سے نکلا ہے۔ بنیامین نے کہا اگر پہلی بار تم اپنی پونجی اپنے سامان میں چرا کر لے گئے ہو تو میں نے بھی چوری کی ہے۔ یعنی جیسے پہلی بار پونجی لیجانے سے تم بے خبر ہو ایسے ہی میں اس چوری سے بے خبر ہوں۔ اس پر روبیل نے کہا کہ واقعی بنیامین سچا ہے یہاں پر بنیامین کو خیال گزرا بتادوں کہ یہی مصری محسن یوسف علیہ السلام ہیں لیکن انہیں یوسف علیہ السلام کی وصیت یاد آگئی خاموش ہوگئے کَذٰلِكَ اس کا منصوب ہونا علی المصدریہ اور کاف زائدہ ہے تاکہ مشارٌ الیہ کی عظمت شان پر دلالت کرے اسی طرح اس کے اسم اشارہ کا مابعد بھی عظمت پر دلالت کرتا ہے یعنی اسی حیلہ عجیب کی طرح۔ یعنی بھائیوں کا یعقوب علیہ السلام کی شریعت کا قانون۔ اس سے انہیں گمان تک نہ تھا کہ اس افتاد کے بعد ہم خود اس کی زد میں آجائیں گے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کِدْنَا لِیُوْسُفَ یعنی ہم نے تدبیر بنائی تاکہ یوسف علیہ السلام کا مقصد حاصل ہو اسی لیے اس کے حصول کے لیے چند تجویزیں بنائی گئیں۔ مثلاً پیمانہ چھپانا اور پھر اسے تلاش کرنا اور تلاشی میں بنیامین کا سامان بعد میں کھولنا۔ یہ لام فَیَکِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا کی لام کی طرح نہیں اس لیے کہ وہ لام ضرر کی ہے یہاں لام نفع کی ہے جیسا کہ وہ عام طور پر نفع کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

ف : الکید بمعنے مکر و دھوکہ۔ یعنی دل کے ارادے کے خلاف کسی کو وہم میں ڈالنا۔

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ یہ جملہ مستانفہ اور تدبیر مذکور کی تعلیل اور سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے تدبیر مذکور عمل میں کیوں لائی۔ جواب میں فرمایا مَا كَانَ الخ یعنی یوسف علیہ السلام کے لیے لائق نہیں تھا کہ اپنے بھائی کو بادشاہِ مصر کے قانون کے مطابق بھائیوں سے لیتے اس لیے کہ بادشاہ مصر کا قانون چور کو مارنا اور چوری کا دوہرا مال وصول کرنا تھا چور کو غلام بنانا اس کے قانون میں داخل نہ تھا اگر بادشاہ کے قانون پر عمل ہوتا تو یوسف علیہ السلام کا مقصد پورا نہ ہوتا اور یوسف علیہ السلام کی یہ تمام کارروائی اپنی طرف سے نہیں تھی اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے مطابق یعنی مذکورہ تدبیر اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت سے ہوئی۔

ف : الکواشی میں ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی کے قانون پر عمل نہ کرتے تو بنیامین کو اپنے پاس رکھنے پر قدرت نہ پاتے۔

بحر العلوم میں ہے کہ حیلہ شرعیہ (جس سے مصالح دنیویہ اور منافع دینیہ کا حصول مطلوب ہو) کا ثبوت اسی آیت سے ہے

ردِّ وہابیہ اس کی دوسری دلیل ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے ملتی ہے۔ کما قال ہ(لایوب علیہ السلام)

وخُذ بيدكَ ضِغثاً۔

تاکہ ایوب علیہ السلام زوجہ کو دُرے بھی نہ ماریں اور اپنی قسم میں حانث بھی نہ ہوں[۱]۔

اس کی تیسری دلیل ابراہیم علیہ السلام کا قول کہ اپنی زوجہ کے لیے فرمایا:

ھِیَ اختی۔ یہ میری بہن ہے۔

تاکہ بادشاہ کافر کے ظلم سے نجات ہو۔

عقلی دلیل: جملہ شرائع میں مصلحتیں ہی مصلحتیں ہوتی ہیں اور حیلے صرف اسی لیے ہوتے ہیں کہ انسان وقوع مفاسد سے بچنے کی راہیں حاصل کرکے مفاسد سے بچ سکے[۲]۔

ف: یوسف علیہ السلام کے متعلق اسی حیلہ شرعیہ میں بہت بڑے منافع و فوائد مضمر تھے۔ اسی لیے یوسف علیہ السلام نے اسی حیلۂ شرعیہ کی تلقین فرمائی ہے تاکہ اسے استعمال کرکے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ سکیں اسی لیے یہ حیلہ احسن اور بہتر سمجھا گیا اور جو لوگ حیلہ کو ناجائز سمجھتے ہیں ان کے ذہن سے اس کے قبائح کا تصور ختم ہو۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ ہم درجات بلند کرتے ہیں مثلاً علم کے بہت بڑے بلند مراتب۔ اس کا منصوب ہونا علی المصدریۃ یا علی الظرفیۃ ہے یا نزع الخافض ہے در اصل الی درجات تھا اور نرفع کا مفعول مَّنْ نَّشَآءُ تقاضائے حکمت اور داعی مصلحت کے مطابق ہم رتبہ بلند کرنا چاہتے ہیں جیسے یوسف علیہ السلام کے مراتب بلند کیے گئے وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ۝ اور مخلوق میں ہر صاحب علم کے اوپر علم میں بہت بڑے مراتب والا یعنی ہر صاحب علم سے اور بڑا علم والا ہوتا ہے یہاں تک کہ سب سے بڑا علم والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ؎

دست شد بالائے دست ایں تاکجا
تاکہ بیزدان کہ الیہ المنتہیٰ
کان یکے دریاست بے غور و کراں
جملہ دریا ہا چو سیلے پیش آں

ترجمہ: ہر صاحب قدرت کے اوپر بڑی قدرت والا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے

---

[۱] اس کی تفصیل سورۂ ص میں آئیگی انشاء اللہ

[۲] یہی وہ راز ہے جس سے وہابیہ محروم ہیں اور ہم اہل سنت حیلۂ اسقاط میں یہی دلائل پیش کرتے ہیں۔

کہ اس کے اوپر اور کوئی قدرت والا نہیں۔ ایک وہ دریا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں تمام دریا اس کے آگے سیلاب کی طرح بہہ جاتے ہیں۔

حکایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے جب اسے مسئلہ بتایا تو اس نے کہا اس میں فلاں غلطی ہے۔ آپ نے فرمایا تو صحیح کہتا ہے میں غلطی پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا وفوق کل ذی علم علیم۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نرفع درجٰت من نشاء ہم اپنے میں جس کے لیے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں یعنی ہم اسے علم عطا فرماتے ہیں کہ وہ بشریت کے کڑموں سے نکل کر توفیق ایزدی سے عبودیت کی بلندیوں تک پہنچے وفوق کل ذی علم علیم جسے ہم ترقی کا علم دیتے ہیں اس کے اوپر اور صاحب علم ہوتا ہے جو علم مخلوق سے جہاں پہنچا ہے اسے اور علم قدیم عطا ہوتا ہے کہ جس کے ذریعہ سے ایسی بلندی پر پہنچتا ہے کہ اس کے آگے جانا مشکل ہے یعنی اس خوش بخت کو سیر الی اللہ باللہ فی اللہ نصیب ہو جاتی ہے اور یہ وہ پیمانے ہیں جو انسانیت کے برتن میں نہیں سما سکتے بلکہ اس کے لیے وہ قلب وسعت رکھتا ہے جو عرش الٰہ ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْا جب پیمانہ بنیامین کے سامان سے نکلا تو مارے شرم کے تمام بھائیوں کے سر جھک گئے اور سخت رسوائی ہوئی تو اب اپنی بیزاری کا اظہار کرنے کے لیے کہا اِنْ یَّسْرِقْ اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ اس لیے کہ اس سے قبل اس کے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے بھی چوری کی تھی۔

ف: یوسف علیہ السلام کی اس چوری کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں صحیح تر یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے حران (بفتح الحاء المہملہ وتشدید الراء) ایک بستی کا نام ہے جو دمشق میں واقع تھی میں اپنے نانے کا بُت چرایا تھا۔ جب انہیں والدہ بی بی راحیل نے اپنے بیٹے (حضرت یوسف علیہ السلام) کو فرمایا کہ اس بت کو اٹھا کر توڑ دے تاکہ تیرا نانا بُت پرستی چھوڑ دے۔ یوسف علیہ السلام نے والدہ کے حکم سے وہ بُت اٹھا کر توڑ دیا پھر اسے گندگی میں پھینک دیا۔ اس قول کی تائید حدیث ذیل سے ہوتی ہے:

الفردوس میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نانے کا بُت (سونے چاندی سے بنا ہوا) چرایا اور اسے توڑ کر راستے میں پھینک دیا۔ بھائیوں نے اسی چوری کی عار دلائی۔

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ابتداء امر میں انسان کامل تہمت کو قبول کرتا ہے اور اس دور میں اس پر شہوات دنیویہ نفسانیہ کی چوری کا الزام لگتا ہے اور انتہائے امر میں امور اخرویہ روحانیہ کے لیے مختص ہو جاتا ہے۔ ان دونوں مراتب میں بہت بڑا فرق ہے۔

یوسف علیہ السلام کی چوری کا دوسرا قول

مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا ایک کمر بند تھا جو آپ کی اولاد میں سب سے بڑے کو وراثۃً ملتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے بعد اسحاق علیہ السلام کو ملا ان کے بعد اسحاق علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کو اور یوسف علیہ السلام کو اسی پھوپھی نے پالا اور اسے آپ کے ساتھ بہت محبت تھی یہاں تک کہ اسے یوسف علیہ السلام کے بغیر ایک لمحہ قرار نہ آتا تھا۔ جب یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو گھر لیجانا چاہا تو آپ کی پھوپھی نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام اس کے گھر رہیں۔ اسی لیے حیلہ بنایا کہ وہی کمر بند یوسف علیہ السلام کو ایسے طریقے سے دیں کہ چور ثابت ہو جائیں اور کمر بند کا یوسف علیہ السلام کو علم بھی نہ ہو ———— چنانچہ جب رات ہوئی تو بی بی نے اس کے کپڑوں کے اندر کو نبا ندھ دیا۔ جب صبح کو یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو لیجانا چاہا تو بی بی نے اعلان کیا کہ کمر بند گم ہے تمام موجود لوگوں کی تلاشی لی گئی ان میں یوسف علیہ السلام کی تلاشی کرنے پر یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے اندرونی حصے سے ملا۔ بی بی نے کہا بھائی یعقوب آپ کے قانونِ شرع کے مطابق اب یوسف میرے قبضہ میں رہے گا۔ چنانچہ بی بی کی وفات تک یوسف علیہ السلام اس کے پاس رہے۔ اسی چوری کے بارے میں کہا کہ اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو پہلے اس کے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے بھی چوری کی تھی۔

فَاَسَرَّهَا يُوسُفُ یوسف علیہ السلام نے اس دلسوز طعنہ کو دل میں چھپایا۔

ف: غیظ و غضب سے دل کے درد کو الحزازۃ کہا جاتا ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: الحواشی میں ہے کہ فاسرھا کی ضمیر کلمہ انہ سرق کی طرف راجع ہے۔

فِیْ نَفْسِہٖ اپنے دل میں اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اسے اپنے اصحاب میں چھپایا جائے۔ جیسے واسررت لہم اسرارا میں ہے۔ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ اور نہ انھیں قولاً ظاہر کیا نہ فعلاً۔ ان سے درگزر کے طور یا حوصلہ کی وجہ سے قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اخوۃ یوسف علیہ السلام اس قول کو بار بار دہراتے تو آپ نے انھیں کیا کہا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو فرمایا کہ تم ہی مرتبہ کے لحاظ سے بہت بُرے ہو اس لیے کہ تم نے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کو اپنے والد گرامی سے چرایا الٹا اس پاکدامن پر افترا کرتے ہو۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو تین مقامات پر اپنے کیے کی فوراً جزا ملی:

۱۔ جب زلیخا کے ہاں طبعی ارادہ فرمایا تو قید خانے میں بھیجے گئے۔

۲۔ جب بادشاہ کے شرابی خادم سے فرمایا اذکرنی عند ربک تو کئی سال قید خانے میں گزارنے۔

۳- جب اپنے بھائیوں کو اِنکم لساسا قون فرمایا تو بھائیوں نے فوراً کہا ان یسرق فقد سرق اخٌ لہ
ن قبل۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس لئے
کہ اس کے علم کا کوئی انتہا نہیں لیکن تم جو کچھ کہہ رہے ہو سراسر غلط اور جھوٹ ہے کیونکہ ہم نے کبھی چوری نہیں کی تم بُرے
طریق سے ہمارے اوپر افترا کر رہے ہو۔

ف: اَعْلَمُ افعل التفضیل کے معنی میں نہیں بلکہ یہاں مبالغہ مطلوب ہے کیونکہ اس میں بھائیوں کے علم اللہ تعالیٰ
کے مقابلے میں لاکر اللہ تعالیٰ کے علم کے لیے افضلیت کا اظہار نہیں فرما رہے ہیں اس لیے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے
مقابلے میں تو لاشئے تھا۔

بحر العلوم میں ہے کہ تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اس لیے کہ وہی حقائق الامور کو خوب
جانتا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ تم میرے بھائی بنیامین پر چوری کا الزام لگا رہے ہو حالانکہ وہ اس قباحت سے
کوسوں دُور ہے۔

سوال: اگر اعلم کو اپنے معنی تفضیل میں رکھا جائے تو اس میں ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ
شرکت ہے کیونکہ افعل کا صیغہ شرکت کا مقتضی ہے۔

جواب: یہ شرکت ان کے گمان کے مطابق ہے کہ انہوں نے اپنے لیے علم کا دعویٰ کیا کہ سرق اخٌ لہ من قبل اور
یہ دعویٰ علیٰ سبیل الجزم کیا۔ (کذا فی الحواشی السعدیہ)

بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ

مروی ہے کہ اخوۂ یوسف نے عزیزِ مصر سے کہا کہ بنیامین کو چھوڑ دو۔ پھر روبیل نے کہا بادشاہ
بنیامین واپس کر دو ورنہ میں ایسی چیخ ماروں گا کہ اس سے مصر کی حاملہ عورتیں اپنے حمل گرا دیں گی۔ یہ کہہ کر جوش
سے اس کے جسم کے بال کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ کپڑوں سے باہر نکلنے لگے۔ یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا قاعدہ تھا
کہ جب وہ غضب ناک ہوتے تو ان کے غضب کی کوئی تاب نہ لا سکتا یہاں تک کہ جب تک ان کی اپنی نسل کا کوئی آدمی
ان کے جسم پر ہاتھ نہ پھیرتا یوسف علیہ السلام نے جب بھائی کی یہ کیفیت دیکھی تو اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ اٹھ کر اسکے
جسم پر ہاتھ پھیر دے۔ جب صاحبزادے نے ہاتھ پھیرا تو اس کا غصہ ختم ہو گیا۔ پھر دوبارہ جوش کیا تو یوسف علیہ السلام نے
خود اُٹھ کر پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ پھر گلے سے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا اور فرمایا کہ اے عبرانیو! تم سمجھتے ہو کہ تمہارے سے بڑی
طاقت والا اور کوئی نہیں۔

ف: جب روبیل کو یوسف علیہ السلام کے صاحبزادے نے ہاتھ لگا کر اس کا غصہ کم کیا تو اس نے کہا یہاں یعقوب

علیہ السلام کی اولاد کے بچے کی بُو آتی ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: یعقوب کون؟

؎

خدائے کہ بالا و پست آفرید

زبردست ہر دست آفرید

ترجمہ: جس رب تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا وہ زبردست ہے اس نے ہر طاقت والے پر اور بڑی طاقت والا پیدا فرمایا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

گرچہ شاطر بود خروس بجنگ

چہ زند پیش باز روئین چنگ

گربہ شیر است در گرفتن موش

لیک موشست در مصاف پلنگ

ترجمہ: اگرچہ مرغا لڑائی میں بڑا چالاک ہے لیکن لوہے کے ہاتھ والے سے اسے مقابلہ کی کیا تاب۔
اگرچہ بلی چوہے کو پکڑنے میں شیر ہے لیکن شیر کے سامنے تو چوہے کی طرح کمزور ہے۔

قَالُوْا جب بھائی کو چھڑانے کا ہر حربہ ناکام دیکھا تو عاجزی کے طور عرض کیا یٰٓاَیُّھَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَیْخًا کَبِیْرًا اے عزیز اس لڑکے کا باپ بوڑھا ہے اس کے سن کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے فراق کی تاب نہیں لا سکے گا اس لیے کہ یوسف علیہ السلام کے فوت ہونے کے بعد اب اسی بنیامین سے اس کی محبت کا سہارا ہے فَخُذْ اَحَدَنَا مَکَانَهٗ اس کے بدلے رہن کے طور ہمارے میں سے کسی ایک کو لے لو خواہ اسی کو ہی اپنا غلام بنا لے اس لیے کہ ہمارے ساتھ اسی کی محبت و الفت نہیں ہے اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ہم آپ کو اپنے لیے بہت بڑا مہربان پاتے ہیں۔ آپ نے ہماری خوب مہمان نوازی فرمائی ہے اس سے ہمیں امید ہے کہ اب ہمارے اوپر احسان فرمائیں گے۔ قَالَ یوسف علیہ السلام نے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ اس میں مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اس سے کہ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ لا گرفتار کریں مگر ہم تو اسے گرفتار کریں گے جس کے سامان میں ہمارا پیمانہ پایا گیا ہے اور یہ تمہارا فتویٰ ہم تمہارے فتویٰ کے خلاف عمل نہیں

لہ اس سے ثابت ہوا کہ علم کے ہوتے اظہار لاعلمی جائز ہے اور انبیاء علیہم السلام سے ایسے سرزد ہوئے۔ (ولکن الوہابیہ لایعقلون)

کر سکتے اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝ جب ہم اسے گرفتار کریں جو ہمارے پیمانہ کا چور نہیں اگرچہ وہ اس پر راضی ہو تو ہم تمہارے مذہب کے مطابق ظالموں سے ہوں گے اور یہ ہمیں گوارہ نہیں۔

ف : بحر العلوم میں کہ اذًا ان کو جواب میں فرمایا اور وہ دراصل شرط محذوف کی جزا ہے۔ یعنی اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم ظالم متصور ہوں گے۔

وہابی کُش تفسیر مذکورہ بالا ظاہری معنیٰ پر محمول ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ فرمایا ہے کہ میں بہ بنائے مصلحت بنیامین کو اپنے ہاں ٹھہراؤں۔ اگر میں اس کے خلاف کروں تو میں ظالم متصور ہوں گا اس لیے کہ وحی الٰہی کے خلاف عمل ہوگا اور وہ ہمارے لیے بڑا ظلم ہے اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کے خلاف عمل بھی ظلم ہے کیونکہ الہام وارادات ربانی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر وارد فرماتا ہے اسی لیے اولیاء وانبیاء علیہم السلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ جو کام کریں وہ وحی والہام کے مطابق ہو اس کے خلاف عمل کرنے میں ظلم اسی لیے ہوگا کہ حکم الٰہی کا عمل موقع ومحل کے خلاف ہوگا اسی لیے انبیاء واولیاء ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہوتے ہیں جب تک انھیں اللہ تعالیٰ سے امر یا خبر نہ ہو تو نہ وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں نہ اس کی اتباع کرتے ہیں۔

ولیہ کاملہ کی کرامت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مریدنی تھی اس کا ایک لڑکا تھا وہ کسی استاد کے ہاں پڑھنے جاتا تھا ایک روز اسے ایک استاد صاحب نے چکی کی طرف کام بھیجا۔ وہ لڑکا پانی میں ڈوب گیا۔ استاد نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا اس کی ماں کو مطلع کر کے تعزیت بھی کریں۔ جب اس بی بی کے ہاں پہنچے تو بی بی کو پہلے صبر کی تلقین کی پھر رضا وتسلیم کا سبق دیا۔ بی بی نے کہا: مرشد! آج اتنی بڑی تقریریں کیوں؟ مرشد (سری سقطی) نے فرمایا: تیرا بیٹا نہر میں ڈوب کر مر گیا ہے۔ بی بی نے کہا: میرا بیٹا؟ سری سقطی نے کہا: ہاں تیرا بیٹا۔ پھر سری سقطی نے صبر اور تسلیم ورضا کی تلقین کی۔ لیکن بی بی نے نہ مانا اور کہا کہ میرے رب نے ایسے نہیں کیا۔ سری سقطی نے کہا: بی بی! صبر کیجئے اور رضا کے سامنے سر جھکایئے۔ بی بی نے کہا: مجھے موقعہ پر لے چلو۔ جب سری سقطی اور بی بی اور دوسرے لوگ نہر پر پہنچے تو بی بی نے کہا: میرا بیٹا کہاں اور کس جگہ غرق ہوا ہے۔ نشان دہی کی گئی تو بی بی نے آواز دی: اے بیٹے محمد۔ (اس لڑکے کا نام محمد تھا) لڑکے نے نہر کے اندر سے کہا: لبیک امی۔ بی بی نے آواز سن کر نہر کے اندر جا کر بیٹے کے ہاتھ سے ہاتھ ملا کر نہر سے باہر نکالا اور اسے زندہ گھر لے گئی۔ سری سقطی دیکھ کر حیران ہو گئے اور واقعہ حضرت جنیدؒ کو سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ بی بی اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کر چکی تھی کہ اسے اپنے متعلق ہر معاملہ سے باخبر رکھا جائے چونکہ اس معاملہ کی اسے خبر نہیں دی گئی تھی اس لیے انکار کر دیا اور کہا میرے رب تعالیٰ نے ایسے نہیں کیا۔ چنانچہ اسی معاہدے پر پہنچنے کو

(باقی ص ۷۵ پر)

فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝ ارْجِعُوا إِلَىٰ أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ۝ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ۝ قَالُوا أَإِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

ترجمہ: پھر جب اس سے مایوس ہوئے تو تنہائی میں جا کر سرگوشی کرنے لگے ان کے بڑے نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بیشک تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا عہد لیا تھا اور اس سے قبل تم نے یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں کیسی کمی کی تھی میں تو یہاں سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ مجھے میرے والدگرامی اجازت دیں یا مجھے اللہ تعالیٰ حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے اپنے والدگرامی کے پاس جا کر عرض کرو اباجی آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے گواہی نہیں دی مگر اس بات کی جس کا ہمیں علم تھا اور ہم غیب کے نگہبان نہیں تھے اور اس بستی والوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں۔ اور بے شک ہم سچے ہیں۔ فرمایا بلکہ تمہارے نفس نے تمہیں کوئی حیلہ بنا دیا ہے۔ پس صبر اچھا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ

ان سب کو میرے ہاں لائے گا بیشک وہی علیم اور حکمت والا ہے اور ان سے منہ پھیر کر کہا ہائے افسوس یوسف (علیہ السلام) کی جدائی پر۔ اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں تو وہ غصّہ کھاتا رہا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف (علیہ السلام) کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ مرنے کے قریب یا ہلاک ہونے والوں سے ہو جائیں۔ فرمایا میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے وہ علوم جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور میرے بیٹو جا کر یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کا پتا کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔ پھر وہ جب یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے عرض کی اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے ہم تھوڑا سا سرمایہ لے کر آئے ہیں تو آپ ہمیں پورا ناپ دیجیے اور ہم پر خیرات کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ خیرات والوں کو نیک بدلہ دیتا ہے۔ فرمایا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے ساتھ کیا کیا تھا جب جاہل تھے انہوں نے کہا کیا آپ ہی یوسف (علیہ السلام) ہیں۔ فرمایا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا بیشک جو کوئی تقویٰ اور صبر کرتا ہے تو بیشک اللہ تعالیٰ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم خطا کار تھے۔ فرمایا آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے یہ میری قمیص لے کر جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرہ پر ڈالو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اپنا تمام کنبہ میرے ہاں لے آؤ۔

(بقیہ ص ۷۰)

زندہ واپس[1] لے آئی۔

ف: ظلم تین قسم ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف حکم دینا۔

۲۔ ظلم کی طلب کرنا۔

۳۔ غیروں کی مجالس میں بیٹھنا۔

سبق: جس نے ظلم یا کسی اور صغیرہ وکبیرہ کا ارتکاب ہو تو اسے فوراً توبہ واستغفار کرنی چاہیے۔

ف: جس بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے تو اس کی نظروں میں گناہ ایک بہت بڑا صدمہ بنا دیتا ہے۔ اسی لیے وہ اس

---

[1] یہی واقعہ دیوبندیوں کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے بھی "الافاضات الیومیہ" میں نقل کیا ہے۔

ہم یوسف علیہ السلام کے بارے میں متہم ہیں۔ اور واقعی ہم یوسف علیہ السلام کے متعلق مخلص بھی نہیں فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ یہ مفارقت کے معنی کو متضمن ہے اسی لیے یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے بمعنیٰ لن افارق الارض مصر میں مصر کی زمین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اس معنی پر لن ابرح اگرچہ افعال ناقصہ سے ہے لیکن یہاں تامہ ہے اس لیے کہ الارض متکلم پر محمول نہیں ہوسکتی حَتّٰى يَأْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ یہاں تک کہ مجھے والدگرامی ملک شام کی طرف لوٹنے کی اجازت بخشیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شام کی طرف لوٹنا بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اجازت پر موقوف تھا اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ یا اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی فیصلہ فرمائے کہ میں شام کی طرف جاؤں تو اس سے نقض معاہدہ کا الزام نہ ہو یا کسی وجہ سے بنیامین کا چھٹکارا ہو جائے وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اسی لیے کہ وہ حق و عدل کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں فرمائے گا۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں مداہنۃ اور میل الی الباطل نہیں اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ تم اباجی سے جا کر عرض کرو کہ تمہارے بیٹے بنیامین نے چوری کی ہے وَمَا شَهِدْنَآ اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ واقعی اس نے چوری کی ہے اس لیے ہم اس پر چوری کی گواہی نہیں دیتے اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا مگر جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ یہی کہ شاہی پیمانہ اس کے سامان سے نکلا تھا جسے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ اور وہ حال جو ہم سے مخفی ہے حٰفِظِيْنَ ۝ اس کے ہم نگران نہیں یعنی ہمیں حقیقۃ الامر کی کوئی خبر نہیں کہ حق وہ ہے جو ہم نے دیکھا یا اس کے برعکس اگرچہ ہم نے آنکھوں سے دیکھا کہ چوری کا مال بنیامین کے سامان سے نکلا لیکن حقیقۃ الامر سے ہم یکسر بے خبر ہیں نہ معلوم انہوں نے بنیامین کے سامان میں شاہی پیمانہ عمداً رکھ کر اسے چور بنایا یا واقعی اس نے چوری کا ارتکاب کیا وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا (ربط:) چونکہ یوسف علیہ السلام کے بارے میں انھیں پہلے تہمت لگ چکی تھی اسی لیے بڑے بھائی نے انھیں بار بار سمجھایا اور ایک اور طریقہ بتایا کہ جس سے ان پر تہمت کا وہم و گمان نہ رہے۔ چنانچہ انھیں سمجھایا کہ والدگرامی سے کہنا اور آدمی بھیج کر مصر والوں سے پوچھئے کہ حقیقت حال کیا ہے تاکہ ہماری صداقت اظہر من الشمس ہو جائے وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ اور اس قافلہ سے پوچھ لیجیے جو ہمارے ساتھ مصر سے اناج لے آئے ہیں اس سے یعقوب علیہ السلام کے کنعانی ہمسائیگان مراد ہیں وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ اور بے شک ہم اس واقعہ میں سچے ہیں۔ یہ وصیت کر کے وہ یوسف علیہ السلام کے پاس چلا گیا یوسف علیہ السلام نے فرمایا آپ کیوں واپس آ گئے۔ اس نے کہا میرے بھائی کو غلام بنا لیا مجھے اس کے ساتھ ملا لیجیے اور ہمارے ساتھ حسب دستور احسان و کرم فرمائیے۔ قَالَ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ یعقوب علیہ السلام کے ہاں پہنچے تو انہوں نے کیا کہا؟ جواب دیا کہ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بَلْ سابق مضمون سے اعراض ہے یعنی ان کے کلام میں دعویٰ متضمن ہے کہ ہم بنیامین کے معاملہ میں بالکل بری ہیں اور جو کچھ بنیامین کے ساتھ ہوا اس میں ہمارا فعلاً و قولاً کسی قسم کا دخل نہیں۔ گویا یعقوب علیہ السلام نے ان کے دعویٰ سے اعراض کر کے فرمایا جو کچھ تم بیان کر رہے ہو معاملہ یوں نہیں بلکہ در اصل بات یہ ہے کہ سَوَّلَتْ

لَکُمۡ تمہارے لیے سنگاراا اور آسان کیا ہے اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا تمہارے نفسوں نے معاملہ کو یعنی تمہارے وہ امور جن کا تمہیں ارادہ تھا اسے تم نے کر لیا یعنی نہ تم فتویٰ سناتے (کہ چور کی سزا غلام بنانا ہے) نہ وہ بنیامین کو گرفتار کرتا ورنہ بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ ہماری شریعت کا قانون اسی طرح ہے کیونکہ یہ فتویٰ دینِ یعقوب علیہ السلام کے مطابق تھا ورنہ بادشاہ کا قانون تو اور تھا۔ خلاصہ یہ کہ نہ تم فتویٰ دیتے نہ بادشاہ بنیامین کو گرفتار کرتا اسے اتفاقی امر سمجھے کہ وہاں یعقوب علیہ السلام نے تخمینہ سے صاحبزادوں پر الزام لگایا تو صحیح نکلا لیکن یہاں واقعہ کے خلاف ہوا۔ یہ دراصل صاحب روح البیان کا خیال ہے ورنہ یہاں بھی یعقوب علیہ السلام نے واقعہ کے عین مطابق فرمایا ہے اس لیے کہ بنیامین نے چوری کی ہی نہیں تھی۔

ف: شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ انسان ایک دفعہ جھوٹ بولے تو بعد میں ہزار بار سچی بات کہنے سے بھی اس کا اثر زائل نہیں ہوتا۔ مثلاً ابنائے یعقوب علیہ السلام نے پہلے جھوٹ کہا تو اب اگرچہ سچ کہہ رہے ہیں لیکن یعقوب علیہ السلام نہ مانے بلکہ فرمایا بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ ؕ

کسے را کہ عادت بود راستی
خطا گر کند در گزارند ازو
وگر نامور شد بنا راستی
وگر راست باور ندارند ازو

ترجمہ: کسی کی عادت سچ بولنے کی ہو تو اس کی خطا سے درگزر کیا جاتا ہے اگر جھوٹی بات کرنے میں اس کی شہرت ہو جائے تو بارہا سچ بولے تب بھی اس کا اعتبار نہ ہو گا۔

فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ پس میرا معاملہ صبر جمیل ہے۔ صبر جمیل یہ ہے کہ انسان اپنی تکلیف کا شکوہ بندوں سے نہ کرے۔

حکایت حضرت ابوالحسن نے فرمایا کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ میری نگاہ ایک حسینہ وجمیلہ عورت پر پڑی۔ میں نے چپکے سے کہا کہ ایسا حسین اور پُررونق چہرہ قبل ازیں کبھی نہیں دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت غم وحزن سے فارغ ہے۔ اس عورت نے میری بات سُن لی اور کہا بھائی جان! آپ نے غلط سمجھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں سراپا حزن وملال ہوں اور مصائب وتکالیف سے میرا دل زخمی ہے بلکہ میں سمجھتی ہوں میرے جیسا دُکھی کوئی اور نہ ہوگا۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ کہا کہ ایک دفعہ میرے شوہر نے میرے دو بچوں کے سامنے بکری کا بچہ ذبح کیا اور تیسرا بیٹا شیرخوار میری گود میں تھا ان دونوں نے بکری کے بچے کو ذبح ہوتے اچھلتا کودتا دیکھا تو تماشہ کے طور ایک نے دوسرے کو ذبح کر دیا۔ میں طعام پکانے میں مصروف تھی۔ بڑے بچے نے چھوٹے کو ذبح کر ڈالا۔ پھر ڈر کے مارے پہاڑ کی جانب بھاگا تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔ میرا شوہر اس کی تلاش میں نکلا تو اسے پیاس نے گھیر لیا تو وہ اس کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ ذبح شدہ بچے کو اور بھیڑیے کے کھائے ہوئے کو اور شوہر کو دیکھنے چلی تو شیرخوار بچہ جل کر مر گیا۔ وہ ہانڈی کے پاس

بیٹا تھا اس نے رینگ کر ہانڈی پر ہاتھ ڈالا۔ ہانڈی اُلٹ گئی تو اس کے گرم پانی اور بوٹیوں نے شیر خوار بچے کا چمڑا جلا دیا۔ میری نوجوان شادی شدہ لڑکی کو پتہ چلا تو وہ اس صدمے کی تاب نہ لا سکی، بیہوش ہو کر زمین پر گری اور ڈھیر ہو گئی۔ اب اس تمام خاندان سے میں تنہا رہ گئی ہوں۔ حضرت ابوالحسنؒ نے فرمایا میں اس کی درد بھری کہانی سن کر حیران و ششدر رہ گیا۔ کہا: بی بی! اتنے بڑے حادثے سے کیسے جان بچائے پھر رہی ہو۔ بی بی نے کہا: بھائی! صبر اور جزع کا فرق جسے معلوم ہوتا ہے وہ کبھی غلطی نہیں کرتا سوائے اس کے کہ وہ صبر کرے کہ صبر کا حسن ظاہر اور اس کا انجام بہتر ہے اور جزع فزع کرنے والے کو کسی قسم کا اجر و ثواب نہیں بلکہ سخت سزا۔ مجھے اس کے بیان سے حیرانی ہوئی۔ وہ مندرجہ ذیل اشعار پڑھتی ہوئی چلی گئی ؎

صبرت وکان الصبر خیر معول

وھل جزع یجدی علیّ فاجزع

صبرت علی ما لو تحمل بعضہ

جبال غرور اصبحت تتصدع

ملکت دموع العین حتی رددتہا

الی ناظری فالعین فی القلب تدمع

ترجمہ: میں نے صبر کیا اور صبر اچھا عمل ہے مجھے جزع کچھ فائدہ دیتا تو میں ضرور جزع فزع کرتی۔
میں نے صبر کیا اگر یہ بوجھ پہاڑوں پر ڈالا جاتا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔
میں نے اپنے آنسوؤں کو قابو کر کے انھیں واپس کر دیا البتہ دل کی آنکھ آنسو بہا رہی ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ط شاید اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے ہاں لے آئے۔ یعنی یوسف علیہ السلام اور بنیامین اور تیسرا جو مصر میں خود بخود ٹھہر گیا تھا۔ پہلی دفعہ جب یوسف علیہ السلام کو بھائی جنگل میں لے گئے وہ بارہ تھے۔ یوسف علیہ السلام گم ہونے تو گیارہ باقی رہ گئے۔ پھر بنیامین اور تیسرے کو مصر میں چھوڑ آئے تو باقی نو رہ گئے تھے۔ اسی بنا پر یوسف علیہ السلام نے صیغہ جمع فرمایا۔ اس سے یعقوب علیہ السلام کے علم کا ثبوت ہے کہ انھیں علم تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ تھے ورنہ جمع کا صیغہ لانے کا کیا معنیٰ۔ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ بیشک وہی اللہ تعالیٰ حزن و ملال کو خوب جانتا ہے الْحَكِيْمُ ۝ بڑی حکمت والا ہے۔ اس نے جس مصیبت میں مبتلا فرمایا اس کی کوئی حکمت ہوگی۔

ف: آزمائش و امتحان تین قسم ہے:

۱۔ بندوں کو کسی عمل کی سزا پر فوراً مصیبت میں مبتلا فرمانا۔

۲۔ آزمائش میں اس لیے مبتلا کرنا تاکہ وہ اپنا ما فی الضمیر ظاہر نہ کرے جس سے مخلوق کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک اس کا کتنا مرتبہ ہے۔

۴۔ محض بندے کی کرامت اور قربت الٰہی کے اضافہ کے لیے جیسے یوسف صرف ارادہ زلیخا سے اور بادشاہ کے شرابی نوکر اذکرنی عند ربك الخ کہنے سے کئی سال جیل میں رہے۔

دوسری مثال یعقوب علیہ السلام کی ہے۔ مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے ایک گائے کے بچھڑے کو اسکی ماں کے سامنے ذبح کیا اور بچھڑے کی ماں شور مچاتی رہی۔ اور وہب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اے پیارے! ہم نے آپ کو کئی سال مغموم رکھا اور اسی سال یوسف علیہ السلام کو تجھ سے کیوں جدا رکھا۔ یعقوب علیہ السلام نے عرض کی، یا اللہ! تو بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: اس لیے کہ آپ نے ایک دن بکری کا بچہ ذبح کرکے گھر میں کھانا پکایا لیکن اپنے ہمسایہ کو کچھ نہ دیا۔

بعض کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام سے آزمائش کا سبب ایک لونڈی کے بچے کی خرید بنی اس لیے کہ آپ نے بچے کو خرید لیا اور اس کی ماں کو نہ خریدا۔ اس کی ماں اپنے بچے کے فراق میں روتی رہی یہاں تک کہ وہ اندھی ہوگئی۔

بعض مواقع صرف آزمائش کے لیے ہوتے ہیں جیسے ایوب علیہ السلام کی آزمائش کرکے ان کے لیے خود فرمایا:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ۔

تیسری قسم یعنی آزمائش صرف قرب و کرامت کی وجہ سے ہو۔ جیسے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام نے کوئی خلاف اولیٰ عمل نہ کیا اور نہ ہی اس کا ارادہ فرمایا لیکن تاہم انھیں مصیبت میں مبتلا کیا گیا یہاں تک کہ انھیں ذبح کرکے ان کا سر مبارک ہدیہ کے طور بنی اسرائیل کی ایک زانی عورت کے ہاں بھیجا گیا۔

مسئلہ: جتنی اقسام ہم نے بیان کیں سب میں بوجہ صبر و عدم اضطراب اجر و ثواب برابر ہے۔

حکایت ایک شخص رات کو نفل دوگانہ دیگر اوراد پڑھنے کے لیے اٹھا تو اسے سردی سے سخت تکلیف ہوئی۔ اس وجہ سے وہ رو پڑا۔ اسی اثناء میں اسے نیند آگئی۔ خواب میں دیکھتا ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اس بندے کی کیا سزا ہے جسے ہم اپنی عبادت کے لیے اٹھنے کی توفیق بخشیں اور دوسروں کو غفلت کی نیند میں سلائے رکھیں اس پر بیدار ہوا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی مانگی اور استغفار کی۔

حکایت حضرت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے استاد ابو علی دقاق کو آخری عمر میں کہتے سنا کہ ہر حالت میں حفظ توحید کی حفاظت کی وجہ سے بیماری بڑھ گئی اس کے بعد صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا کہ اگر تجھے احکام الٰہی میں مقراض سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو صبر سے کام لینا لازمی ہے یہاں تک کہ جسم کا کوئی حصہ بھی حرکت نہ کرے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

عاشقاں را اگر در آتش می پسند د لطف یار
تنگ چشم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ : عاشقوں کو لطفِ محبوب اگر آگ میں ڈالنا پسند کرتا ہے تو پھر وُہ عاشق بڑا بد بخت ہے جو چشمۂ کوثر کو دیکھے۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ جب یعقوب علیہ السلام نے ان سے مکروہ اور اندوہناک خبر سُنی تو اس سے روگردانی فرمائی۔ کاشفی نے لکھا کہ جب یعقوب علیہ السلام نے از غایت ملال اپنی توجہ بیت الاحزان کی جانب مبذول فرمائی۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

رو اے ہمدم تو در بزم طرب با دوستاں خوش زی
مرا بگزار تا تنہا دریں بیت الحزن می روم

ترجمہ : اے میرے ساتھی ! تم خوش و خرم ہو کر بزمِ طرب میں جا کر دوستوں کے ساتھ زندگی بسر فرمائیے۔ مجھے اکیلا بیت الحزن میں چھوڑ دے میں وہیں جانا پسند کرتا ہُوں۔

وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ الاسف بمعنے اشد الحزن والحسرۃ یعنی سخت ترین حزن و حسرت کو اَسَفٌ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ در اصل یَا اَسَفِیْ تھا۔ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو کر پھر یا تخفیفاً الف سے تبدیل کی گئی ہے اس لیے کہ فتحہ اور الف کسرہ اور یاؔ سے زیادہ خفیف ہیں۔ اسی اسف کو ندا دیتے ہُوئے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا : اے حسرت اور حزن ! آجا ، حاضر ہو جا ، یہی تیری حاضری کا وقت ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گر چہ یُوسف زما شوی غائب
ہمچو یعقوب ما و یا اسفا

ترجمہ : اگر تم مجھ سے یُوسف علیہ السلام کی طرح غائب ہو جاؤ گے تو ہم یعقوب علیہ السلام کی طرح کہیں گے یا اسفا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

یوسف عزیز م رفعت اے برادران رحمی
کز غمش عجب دیدہ ام حال پیر کنعانی

ترجمہ : اے میرے یُوسف عزیز ! تیری بلندی کا کیا کہنا۔ اے بھائیو ! رحم کرو اس کے غم سے پیر کنعانی کا حال عجیب و غریب دیکھا ہے۔

سوال : یعقوب علیہ السلام تو اس وقت بنیامین اور اس کے ساتھ رہنے والے یہودا وغیرہ کا نام لیتے اس لئے کہ اس وقت تازہ زخم انہی کی جدائی و فراق سے ہوا تھا اس وقت یوسف علیہ السلام کو درد بھری آواز سے یاد کرنیکا کیا معنی ؟

جواب ۱ : تاکہ معلوم ہو کہ یعقوب علیہ السلام کو سب سے بڑا صدمہ یوسف علیہ السلام کی جدائی کا تھا اسی لیے اس موجودہ درد کے وقت پرانا درد تازہ ہو گیا اسی لیے انہیں یاد فرمایا تاکہ انہیں یقین ہو کہ یوسف علیہ السلام کی جدائی کا زخم دل پر تاحال مزید گھاؤ لگا رہا ہے ۔

جواب ۲ : تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ان تمام مصائب کا اصل سبب یوسف علیہ السلام ہیں ۔ نہ ان سے پیار ہوتا نہ یوں صدمے ہوتے ۔

جواب ۳ دہابی کش : دراصل یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی زندگی کا علم تھا اور ان کے تمام حالات سے باخبر تھے لیکن عدم اظہار پر مامور من اللہ تھے اب چونکہ اس کے اظہار کا وقت قریب آگیا اسی لیے اب قرآن سے بتایا پھر اسے مراتب بتائیں گے۔[۲] صاحبِ روح البیان نے اسی طرف اشارہ فرمایا :

ولانہ واثقاً بحیاتہما عالماً بمکانہما طامعاً فی ایابہما۔	یعقوب علیہ السلام کو ان کی حیات کا علم تھا اور ان کے رہنے سہنے کو جانتے اور ان کے لوٹنے کی اُمید رکھتے تھے ۔

سوال : یوسف علیہ السلام پر فرض تھا کہ وہ والدِ گرامی کو مطلع کرتے تاکہ ان کی پریشانی دور ہوتی ۔[۱]

جواب : یوسف علیہ السلام والدِ گرامی کی طرح مامور من اللہ تھے اسی لیے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ملی انہوں نے اطلاع دینے کی جرأت نہ فرمائی ۔ یہ راز ہوتے ہیں ۔ (مابین الانبیاء والاولیاء ومعبودھم الا لہ جل جلالہ ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون)

حدیث شریف انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا بوقتِ مصیبت ، یہ صرف حضور علیہ السلام کی امت کا خاصہ ہے ۔ اس سے قبل کسی امت کو بوقتِ مصیبت اس کلمے کے کہنے کی اجازت نہیں تھی ۔

ف : یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قدر بڑے مصائب میں مبتلا ہونے کے باوجود کبھی انا للہ وانا الیہ راجعون نہ پڑھا بلکہ یا اسفیٰ علیٰ یوسف فرمایا ۔

---

[۱] دفع التاسف عن علم ابی یوسف میں اس کی تفصیل پڑھیے ۔

[۲] یہ سوال و جواب دورِ حاضرہ کے معتزلہ وہابیہ کے اعتراضات میں بڑا کام دیتا ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

ابو میسرہ نے کہا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بہشت میں داخل فرمایا تو حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھوں گا کہ جناب نے
الجوبہ اپنے والدگرامی کو اتنے سال کیوں پریشان رکھا تھا۔ نہ آپ نے انہیں خط لکھا نہ انہیں اپنے حالات سے آگاہ فرمایا تاکہ وہ غم والم سے تسکین پاتے۔

صاحب روح البیان کا ابو میسرہ کو جواب اور وہابیوں دیوبندیوں کا ردِ بلیغ

(صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ ابو میسرہ کی جرأت بیجا ہے اور انہیں صحیح حدیث شریف کا مضمون یاد نہ رہا ورنہ یوسف علیہ السلام کو جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم سُنایا کہ آپ نے والدگرامی کو نہ خط لکھنا ہے نہ اطلاع دینی ہے ورنہ[1] انبیاء علیہم السلام کی شان سے بعید ہے کہ اپنے والدین سے ایسا ناروا سلوک رکھیں۔ ہم عام آدمی ایسے نہیں کر سکتے اور ایسے اولوالعزم رسل کرام علیہم السلام اس طرح کیسے کر سکتے ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے والدگرامی سے صرف آٹھ مراحل کے فاصلے کی دُوری پر تھے۔

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ اور یعقوب علیہ السلام کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئیں اور ان کے سفید ہونیکا موجب یوسف علیہ السلام کی جدائی سے گریہ اور آنسو بہانا تھا۔ اس لیے کہ طبی اصول ہے کہ جب آنکھوں سے آنسو بکثرت نکلیں تو آنکھیں سفید ہو جاتی ہیں جیسے شعیب علیہ السلام کے متعلق مروی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں آنسا روئے کہ نابینا ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کی بینائی لوٹا دی۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام خوب روئے یہاں تک کہ بصارت چلی گئی۔ یہی قول صحیح تر ہے۔[2] جیسے فَارْتَدَّ بَصِيْرًا سے معلوم ہوتا ہے ؎

ز گریہ بر سر مردم یقین کر خانۂ چشم
فرو رود شبِ ہجراں از بس کہ بارانست

ترجمہ: لوگوں کا بہت رونا آنکھوں کی بینائی کے چلے جانے کا سبب ہے۔ پھر اس کا کیا حال ہوگا جو محبوب کے فراق میں ہر وقت آنسوؤں کا مینہ برساتا ہے۔

ف: مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام یُوسف علیہ السلام کے فراق سے اسّی سال مسلسل روتے تھے تھوڑے سے لمحے میں بھی آپ کی چشم ہائے مبارک سے آنسو نہیں رُکے اور رُوئے زمین پر یعقوب علیہ السلام جیسا اور کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم تر نہیں تھا۔

سوال: یعقوب علیہ السلام کی چشمان مبارک کی بینائی یُوسف علیہ السلام کے فراق و اشتیاق سے کیوں چلی گئی؟

---

[1] یہی حال یعقوب علیہ السلام کا تھا لیکن وہابی یعقوب علیہ السلام کی لاعلمی کی رٹ لگائے جارہے ہیں۔
[2] دیکھو اس توجیہ پر جسے رُوح البیان نے فرمایا ورنہ انہیں عام نابینا کہنا ناجائز ہے ایسے ہی حضرت شعیب علیہ السلام۔

جوابؔ : تاکہ اولاد کو دیکھ کر مزید حزن و ملال کا اضافہ نہ ہو۔ اس لیے قاعدہ ہے کہ ایک شئے کو دیکھنے سے دُوسری شے یاد آجاتی ہے۔ یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ایک قسم کی شفقت اور رحمت تھی۔

جوابؔ۲ : صرف یعقوب علیہ السلام کے اظہار رفعت کے پیش نظر، اس لیے کہ شہود جمال الٰہی کا مرکز حضرت یوسف علیہ السلام تھے جب وہ اوجھل ہو گئے تو غیروں کو دیکھنا گوارہ نہ تھا اس لیے بینائی کو بھی روپوش کر لیا گیا۔ جب یوسف علیہ السلام مل گئے تو بینائی بھی لوٹا دی گئی۔

اس جواب کی دلیل حدیث مندرجہ ذیل سے ہے :

حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے روایت کر کے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل!

حدیث قدسی ۱ اس بندے کی جزا کیا ہونی چاہیے جس کی آنکھیں چھین لی جائیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یاالٰہ! ہمیں کیا معلوم ہم تو اسی قدر جانتے ہیں جس قدر تُو نے ہمیں علم عنایت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کی جزا یہ ہے کہ وہ شخص ہمیشہ میرے گھر میں رہ کر میرے چہرۂ اقدس کو دیکھتا رہے۔ یعنی وہ دیدار الٰہی سے سرفراز ہو۔

حدیث شریف ۲ اللہ تعالیٰ کا دیدار قیامت میں سب سے پہلے نابینا کو نصیب ہو گا۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ جمال یُوسفی جمال مطلق کا ایک مظہر تھا اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے

مزید تائید اپنی تجلی خاص سے یُوسف علیہ السلام کو نوازا۔ اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام اور تمام اہل مصر وغیرہ ان کی محبت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جب یوسف علیہ السلام جدا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی بینائی بند کر دی گئی تاکہ جمال مطلق کے مظہر کے سوا کسی غیر کو نہ دیکھیں۔

سبق : اس میں اشارہ ہے کہ سالک جب تک اپنی ظاہری بینائی کو فنا نہیں کرتا اس وقت تک سے جمال مطلق کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ ؎

ہر محنتی مقدمہ راحتے بود
شد ہمزبان حق چوں زبان کلیم سوخت

ترجمہ : ہر محنت و مشقت راحت کا مقدمہ بنتی ہے موسیٰ علیہ السلام زبان جلا کر ہی کلیم اللہ بنے۔

عارف جمال مطلق کا عین السر سے مصر یعنی وجودِ انسانی میں مشاہدہ کرتا ہے اور قویٰ و حواس

فائدہ صوفیانہ تمام اس کے زیر فرمان ہوتے ہیں۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ تکالیف و مصائب کے وقت افسوس کرنا اور طبعی[1] رونا جائز ہے اس لیے کہ

---

[1] ہم نے طبعی رونے کی قید اس لیے لگائی ہے کہ شیعہ پارٹی ماتم حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے مذہب میں ایک اعلیٰ مقام (باقی برصفحہ آئندہ)

اضطراری آنسو بہانے کو نہیں روکا جا سکتا اور نہ ہم ایسے رونے سے روکا جا سکتا ہے اور ہم رونے کے روکنے کے مکلف ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دیتے ہیں حالانکہ ان کا یہ تمام ماتم اختیاری ہونے کے علاوہ ایک مستقل فن کاری پر مشتمل ہوتا ہے جسے بجائے شرعی اہمیت حاصل کرنے کے ایک تماشہ اور کھیل بن چکا ہے۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۹ ۲ دسمبر ۱۹۶۰ء میں موجودہ دَور کے ماتم کی صورت بیان کی گئی ہے ناظرین مضمون کو دیکھ کر اندازہ لگائیں کہ ماتم ایک شرعی مسئلہ ہے یا فنکاری۔ جن بزرگوں نے بنی نوع انسان کو صبر کی پیہم تلقین کی۔ صبر کے فوائد سے آگاہ کیا اور صبر کو شرف انسانیت تسلیم کیا اور کرایا انہوں نے بھی غم کی شدت میں ایسی اضطراری حرکات کیں جنھیں مختصراً ماتم کا نام دیا جا سکتا ہے اس طرح شدتِ غم میں ہاتھوں کی اضطراری حرکت ہی ماتم کہلائی۔ غمِ حسین کی نوعیت وکیفیت کا صحیح اندازہ کون لگا سکتا ہے اور اس غم کے اظہار کے لیے ماتم میں جو فرق ہے اس پر بات ہو سکتی ہے کہ اضطرار جب اختیار کی صورت میں ظاہر ہوتا تو ماتم آہستہ آہستہ فن کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور جب مقررہ دنوں میں مقررہ راستوں سے ماتم جلوس گزرنے اور گزارنے کا اہتمام ہو تو اس فن میں جزئیات بھی کمالات کی متقضی ہوتی ہیں۔ عشرہ محرم سوگ کے ساتھ ساتھ ماتم کا عشرہ بھی ہے۔ سوگ کی صورتوں میں فن کا لحاظ کم رکھا جاتا ہے صرف سوگ کی علامتوں پر زور دیا جاتا ہے مثلاً سیاہ پوشی، بارگاہوں کا عزا داران درو بست، علم و نشان کی تزئین و تنصیب، مجالس عزا کا انعقاد جن میں اہلبیت رسالت کے فضائل و مصائب اور مناقب و نوائب کا بیان ہوتا ہے۔ مرثیہ خوانی اور سلام کی پیشکش بلاشبہ مجالسِ عزا اور محافلِ غم میں بھی پڑھنے والوں کو کسی قدر فنِ تقریر یا فنِ ادائیگی کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے لیکن یہاں غم اس فن پر حاوی رہتا ہے جن لوگوں نے لاہور میں میر عوض علی کو سوز پڑھتے سُنا ہے وہ اس امر کی تصدیق کریں گے کہ ان کی سوز خوانی میں فنِ موسیقی کا کتنا لحاظ رکھا جاتا تھا تاہم سوز کی رقت آفرینی فن پر غالب آجاتی تھی لیکن ماتم کا معاملہ فن کے لحاظ سے کچھ یُوں ہے کہ فن ماتم پر غالب آجاتا ہے ماتم کا ایک طریقہ تو بہت سادہ ہے کہ مجلس کے اختتام پر عزادارانِ حسینؑ قیام کرتے ہیں اور نوحہ خوانی کے ساتھ ماتم کرتے ہیں یہ ماتم اکہرے ہاتھ سے بھی ہوتا ہے اور نوحے یا مرثیے کی لئے میں تیزی آجائے تو دوتھپڑ بھی مارے جاتے ہیں اور ماتم دونوں ہاتھوں سے ہوتا ہے لیکن ماتم میں فن زیادہ تر اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب ماتمی جلوس نکلتے ہیں ان جلوسوں میں نشان عزا تو محض عَلم ہوتے ہیں کہیں مزارِ امام حسین رضی اللہ عنہ شبیہہ تعزیے کی صورت میں ہوتی ہے۔ شبیہہ تعزیے کی صورت میں ہوتی ہے اور کہیں ذوالجناح نشانِ عزا ہوتا ہے یہ ماتم عموماً عزاداروں کے قیام کے ساتھ ساتھ ان کی رفتار سے بھی متعلق ہوتا ہے۔ یعنی ماتم دار حلقہ بنا کر اور ایک مقام پر رُک کر ماتم بھی کرتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ جلوس کو آگے بھی بڑھاتے جاتے ہیں۔ جلوس کے ماتم میں سینہ زنی ہوتی ہے تو اس کا رنگ اضطراری نہیں اختیاری ہوتا ہے بلاشبہ بنیاد تو اس ماتم کی بھی غم حسین ہوتا ہے لیکن سینہ زنی میں ہم آہنگی اور اس آہنگ کی سُست اور تیز صُورتیں ماتم پر فن کو غالب کر دیتی ہیں۔ سینہ زنی کے علاوہ ماتمی جلوس میں زنجیروں کا ماتم بھی ایک مخصوص انداز و آہنگ کے ساتھ ہوتا ہے ان زنجیروں کے پھل تلوار کی دھار (باقی بر صفحہ آئندہ)

اس لیے کہ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو شدائد کے وقت اضطراری آنسو بہانے کو روک سکیں۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوالسیف القین کے گھر گئے یہ وہ صاحب ہیں جن کے گھر حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ہو رہی تھی آپ نے حضرت ابراہیم کو گود میں لے کر انھیں چوما اور سونگھا۔ پھر دوسری دفعہ ہم ابوالسیف کے گھر گئے تو حضرت ابراہیم پر سکرات طاری تھی انھیں دیکھ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمانِ مبارکہ سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی بچے کی وفات پر آنسو بہا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ رحمت کی علامت ہے۔ یہی کلمات طیبہ منہ مبارک سے نکلے تو اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰) کی طرح تیز ہوتے ہیں اور زنجیر کی زد چونکہ کاندھے اور کمر پر پڑتی ہے اس لیے چند لمحوں کے ماتم میں ہی ماتم دار خون میں تر بتر ہو جاتا ہے۔ ماتمی جلوس میں تلواروں کے ماتم کا دستور بھی ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ماتم دار تلوار کو پیشانی پر مارتا ہے بسا اوقات شدید جذبات میں تلوار کا گھاؤ گہرا بھی ہوتا ہے اس لیے تلوار کے ماتم میں یہ اہتمام بھی ہوتا ہے کہ ماتم کرنے والے کے پیچھے ایک صاحب چوبی دستہ اس طرح لے کر کھڑے ہوتے ہیں کہ تلوار کا زیادہ دباؤ اس دستے پر سہارا لیتا ہے اور ماتم دار کی پیشانی پر تلوار کی زد اتنی ہی پڑتی ہے کہ مہلک ثابت نہ ہو۔ اختیاری ماتم کی ایک صورت انگاروں پر ماتم کرنا کہ لکڑیوں کا بھاری الاؤ جلا کر انگارے زمین پر پھیلا دیے جاتے ہیں اور اس سے پہلے کہ وہ کجلائیں ماتم دار برہنہ پا ان انگاروں پر سے ماتم کرتے ہوئے گزرتے ہیں اس طرح ماتم کی ان اختیاری صورتوں میں غم کی شدت پر فن کی مہارت غالب رہتی ہے اور ماتم داروں کو زیادہ گزند نہیں پہنچتا اس وقت سوال ماتم کے جواز یا عدم جواز کا نہیں بلکہ بات صرف اضطراری ماتم اور اختیاری ماتم میں غم کے ساتھ اگر دوسری باتوں کا لحاظ نہ رکھا جائے تو ماتمی جلوس میں بے لطفی پیدا ہونے کا امکان ہے۔ سینہ زنی میں تو صرف آہنگِ ماتم ہی کا خیال رکھا جاتا ہے لیکن تلوار کے ماتم میں پاؤں کی حرکات بھی ایک خاص ضابطے کی پابند ہوتی ہیں۔ اور اس طرح اس میں بھی فن اپنی جھلک دکھاتا رہتا ہے۔ ایک سو یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ماتم داروں نے ماتم کی مختلف صورتیں اختیار کر کے اسے فن تک پہنچایا ہے یا غمِ حسین کی تاثیر ہے کہ اس نے انسانی خون فولادی زنجیر اور تلوار کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کہ یہ چیزیں بھی عزاداری میں شامل ہو گئی ہیں۔ یہاں بات فن کی نہیں رہتی بلکہ محبت و عقیدت کے دائرے میں آجاتی ہے اور یہ فیصلہ سوگوارانِ حسین ہی کر سکتے ہیں کہ اضطراری ماتم اور اختیاری ماتم میں کونسی چیز عزاداری حسین کے شایانِ شان ہے۔ بینوا توجروا۔ ——— ان کوائف کو پڑھ کر منصف مزاج خود جواب دے کیا یہ ماتم شرعی ہو سکتا ہے۔ سنجیدہ طبقہ تو ایسے ماتم کو دیکھ کر مارے شرم کے سر جھکا دیتا ہے اور غیر سنجیدہ اور بے عقل کو زہر بھا سکتے ہیں انکے اپنے مذہب بلکہ جن شیعہ علماء کرام نے انھیں اس گندی رسم سے روکا تو ان لوگوں کو وہابی شیعہ کا ذیل خطاب ملا۔

آنسو پاک چشمان مبارک سے گرے اور فرمایا کہ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور قلب کو غم اور حزن لاحق ہوتا ہے۔ لیکن ہم زبان سے صرف وہی بات کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی رضا پر مشتمل ہو گی۔ پھر حضرت ابراہیم کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے بیٹے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے اس وقت وہ ڈیڑھ سال کے تھے۔

شیعوں اور عوام جہال کا رد شیعہ روافض اور عوام جہال کا چیخنا چلانا، بین کرنا، طمانچے مارنا، سینہ کوبی کرنا اور گریبان چیرنا اور کپڑے پھاڑنا ناجائز ہے اور یہ جاہلوں کا کام ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی صاحبزادی کے بیٹے کی فوتیدگی کے وقت گریہ فرمایا تو عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ گریہ فرماتے ہیں حالانکہ ہمیں آپ نے رونے سے بارہا روکا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اضطراری رونے سے نہیں روکا البتہ دو احمق آوازوں سے منع کیا ہے:

۱۔ فرح (خوشی) کے وقت

۲۔ ترح (غم) کے وقت

نکتہ: المغرب[1] میں ہے کہ الحمق بمعنے نقصان العقل اور بین یعنی ترنم فی اللعب کی آواز کو حماقت سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کے مرتکب (ہر دو) عقل سے محروم اور احمق ہیں۔

ف: رونا تین قسم ہے:

۱۔ من اللہ ــــــ یعنی اللہ تعالیٰ کی توبیخ و تہدید سے۔

۲۔ الی اللہ ــــــ یعنی اللہ تعالیٰ کے شوق و محبت میں۔

۳۔ علی اللہ ــــــ یعنی ذوق فراق سے۔

ف: یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے درمیان اس لیے فراق روا رکھا گیا کہ یعقوب علیہ السلام کی محبت ۲ و ۳ کی قسم سے تھی اس لیے کہ محبوب اپنے محب کو محنت و مشقت میں ڈالتا ہے۔

اعجوبہ انبیاء علیہم السلام سے تین حضرات نابینا ہوئے:

۱۔ اسحٰق علیہ السلام

۲۔ یعقوب علیہ السلام

۳۔ شعیب علیہ السلام

---

[1] نام کتاب لغت

اور اشرافِ اقوام سے مندرجہ ذیل حضرات نابینا ہوئے ؛

۱۔ عبدالمطلب بن ہاشم

۲۔ امیّہ بن عبد شمس

۳۔ زہرہ بن کلاب

۴۔ مطعم بن عدی

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مندرجہ ذیل حضرات نابینا ہوئے۔ ان میں بعض حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں بعض آپ کے وصال کے بعد نابینا ہوئے۔

۱۔ البراء بن عازب — ۲۔ جابر بن عبداللہ
۳۔ حسان بن ثابت — ۴۔ الحکم بن ابی العاص
۵۔ سعد بن ابی وقاص — ۶۔ سعید بن یربوع
۷۔ صخر بن حرب ابوسفیان — ۸۔ عباس بن عبدالمطلب
۹۔ عبداللہ بن الارقم — ۱۰۔ عبداللہ بن عمر
۱۱۔ عبداللہ بن عباس — ۱۲۔ عبداللہ بن عمیر
۱۳۔ عبداللہ بن اوفی — ۱۴۔ عتبان بن مالک
۱۵۔ عتبہ بن مسعود الہذلی — ۱۶۔ عثمان بن عامر ابوقحافہ
۱۷۔ عقیل بن ابی طالب — ۱۸۔ عمرو بن ام مکتوم المؤذن
۱۹۔ قتادہ بن نعمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

فَهُوَ كَظِيمٌ[1] ○ اپنی اولاد پر غصہ سے بھر گئے لیکن اسے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ ع

دردیست دریں سینہ کہ گفتن نتوانیم

(سینہ میں بہت زیادہ درد ہے جسے ہم بیان نہیں کر سکتے)

---

[1] اس آیت کریمہ سے شیعہ (روافض) نے ماتم حسین علیہ السلام پر استدلال کیا ہے۔ فقیر ان کے جوابات قارئین کی نذر کرتا ہے:

۱۔ قاعدہ اسلامی ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی شرائع منسوخ العمل ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے ہوتے ہوئے ہم کسی پہلی شریعت پر عمل کرنے کی مکلف نہیں ہیں۔ (باقی صفحہ ۹۰ پر)

قَالُوْا تَاللّٰہِ تَفْتَؤُ یہ دراصل لَا تَفْتَؤُ تھا۔ لا کو حذف کیا گیا ہے بوجہ عدم التباس کے۔ کیونکہ اگر اس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸)

۲۔ یعقوب علیہ السلام کے رونے کو ماتم حسینی سے کیا تعلق جبکہ اس میں ہزارہا بدعات اور بے شمار خرافات ہیں۔

۳۔ مصیبت پر آنسو تو بہائے جاتے ہیں لیکن ماتم حسینی کی کیفیت میں کیا ہوتا ہے۔ وہ سب کو معلوم ہے اور پھر یعقوب علیہ السلام کو دیکھیے کہ انہوں نے باوجود رونے کے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا اور دل ہی دل میں کڑھے اور نوحہ ماتم ان سے سرزد نہ ہوا۔

۴۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اصل واقعہ سامنے رکھیے اور ان کے غم و حزن کا نتیجہ بھی سُنیے۔ تفسیر میں آپ نے پڑھا کہ جب بنیامین کو مصر میں ٹھہرایا گیا تو اس سے یعقوب علیہ السلام کا غم از سرِ نو تازہ ہو گیا تھا کہ مصیبت پر مصیبت آگئی تو آپ نے ماجرا سن کر کہا فصبرٌ جمیلٌ یعنی میں بہتر صبر کروں گا۔ جب آپ پر صدمہ کی شدت ہو گئی تو آپ علیحدگی اختیار کر کے گوشہ نشین ہو گئے کما قال تعالیٰ؛

وَ تَوَلّٰی عَنْھُمْ۔

پھر فرمایا:

یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ۔ (یعنی آہ یوسف)

لیکن اس صدمے کو ایسا دبایا، اور دل ہی دل میں ایسے کڑھے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں۔ کما قال تعالیٰ:

وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰہُ مِنَ الْحُزْنِ فَھُوَ کَظِیْمٌ۔

اور لغت میں اَسَفٌ بمعنے شدتِ حزن و حسرت ہے نہ کہ شیعوں کا چلانا اور شور مچانا۔ کَظَمٌ بمعنے غصہ کو روکنا اور اسے ظاہر نہ ہونے دینا۔

اس تقریر سے واضح ہے کہ شیعوں کے نوحہ و ماتم بالخصوص شیعوں کے مصنوعی حسینی ماتم کو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ غور و فکر اور انصاف سے دیکھا جائے تو مصنوعی ماتم حسینی حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم کی نقیض اور اس کے متضاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ یعقوب علیہ السلام تو گوشۂ تنہائی میں کڑھتے رہے اور یہ ماتمی بہادر گلی کوچوں میں مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں اور پھر یعقوب علیہ السلام کو دیکھیے کہ حقیقی غم سے آنکھیں سفید ہو گئیں اور یہ لوگ ماتم سے فراغت پاتے ہیں تو غم سے نڈھال ہونے کے بجائے مزید موٹے تازے اور ہٹے کٹے بن جاتے ہیں کیونکہ کڑھائی کا حلوہ اور دیگر مرغن اشیاء مل جاتی ہیں۔ نفس کی شرارت کا یہ عالم کہ غیر محرم عورتوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا ان کا معمول بن جاتا ہے۔ منصف مزاج تو اسے ماتم نہیں کہے گا متعصب غالی کے ہم ذمہ دار نہیں۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھیے۔

اثبات ہو تو لام و نون یا ان کا ایک ہونا لازم ہوتا ہے۔ تَذْكُرُ يُوسُفَ بیٹوں نے کہا: ابا جی آپ یوسف علیہ السلام کو غم و حزن سے ہمیشہ یاد کرتے رہتے ہیں حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا یہاں تک کہ آپ مریض اور قریب المرگ ہو چکے ہیں اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ یا جان سے فارغ ہونے والے ہیں۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ محب (عاشق) کے لیے خلقِ خدا کی ملامت ضروری ہے۔ عالمِ دُنیا میں پہلے ملامتی حضرت آدم علیہ السلام ہیں جنہوں فرشتوں نے طعنہ مارا اتجعل فیھا من یفسد فیھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت یہ ملامت سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ہوئی اس لیے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کو اتجعل فیھا الخ خطاب کر کے گویا ملامت کی۔ ۰۰ اس لیے کہ حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

کما قال: يُحِبُّهُمْ اسی لیے عوام محبین کو ہمیشہ ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ سچے عاشق کی علامت یہ ہے کہ وہ ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا ؎

ملامت کن کہ مرا چندانکہ خواہی
کہ نتواں شستن از زنگی سیاہی

ترجمہ: جتنا تیرا جی چاہے مجھے ملامت کر لے اس لیے کہ زندگی سے سیاہی دُھلنے کی نہیں۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ البث سخت قسم کی پریشانی کہ جس سے صبر کرنا مشکل ہو تو وہ بے صبری کی وجہ سے اپنی شکایت ظاہری کرے یا اسے عوام میں مشہور کرے۔ صاحبزادوں نے یعقوب علیہ السلام کو تسلی کے ساتھ ملامت و شکایت کی تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی پریشانی کا اظہار تمہارے سامنے نہیں کرتا اور نہ کسی اور کو کہ جس سے تم مجھے تسلیاں دو بلکہ میں اپنی پریشانی وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اور حزن اللہ تعالیٰ کو پیش کرتا ہوں اور اسی کی جناب میں التجا اور اسی کے دروازہ پر تضرع و زاری کرتا ہوں اس لیے کہ میری پریشانی اور غم وہی دُور فرمائے گا ؎

راز گویم بخلق و خوار شوم
با تو گویم بزرگوار شوم

ترجمہ: مخلوق کو اپنا راز پیش کروں تو خوار ہوں گا تجھے عرض کرتا ہوں کیونکہ تجھی سے مجھے بزرگی اور عزت ملے گی۔

ف: حزن، بث سے عام ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب عام کا خاص پر عطف ڈالا جائے تو اس سے اس عام کے بقایا افراد مراد ہوتے ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ میں اپنے حزن عظیم اور حزن قلیل کے متعلق صرف اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا۔

سوال: پہلے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا فصبرٌ جمیل۔ اس کے بعد بے صبری کیوں؟ مثلاً فرمایا: یا اسفیٰ علیٰ یوسفؑ۔ اور فرمایا: انما اشکو ا بثی و حزنی صبر اور شکوہ سے اجتماع النقیضین لازم آتا ہے۔

جواب: یعقوب علیہ السلام نے اپنے نفس کی شکایت اپنے خالق سے کی ہے اور وہ جائز ہے جیسے ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی:

رَبِّ إِنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔

باوجود اس شکایت کے اللہ تعالیٰ نے صابر کا خطاب دیا۔ کما قال:

إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ۔

یعقوب علیہ السلام نے شکایت کی ہے تو اسی سے، اور روتے ہیں تو اسی کی جناب میں۔ اس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ معذور ہیں اس لیے کہ نفس کو شکوہ شکایت من الغیر سے روکنا اور اسے غیر کی طرف جھکنے سے باز رکھنا اور تکالیف برداشت کرنا اور اسے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے سامنے سر جھکانے کا کام حقیقی صبر ہے۔ لسان حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کسی نے ...

ے

کل شی من الملیح ملیح

لکن الصبر عنہ غیر ملیح

ترجمہ: محبوب کی طرف سے ہر شے محبوب ہے لیکن صبر کر کے اسے محبوب کو عرض نہ کرنا اچھا نہیں۔

اور فرمایا: ے

والصبر عنك فمذموم عواقبه

والصبر فی سائر الاشیاء محمود

ترجمہ: تیری جناب میں گزارشات نہ کرنا برا ہے تمام معاملات میں غیروں کو شکوہ نہ سنانا بہتر ہے۔

نکتہ: عاشق محبوب کی درگاہ کے بغیر صبر نہیں کر سکتا اسی لیے وہ اپنی محتاجی اور اپنا حال محبوب کی درگاہ میں پیش کرتا رہتا ہے تضرع و حکایات کا اظہار در اصل عشق کی زبان ہیں شکایت اور جزع و فزع کا اظہار عشق کے مخالف ہے۔

عاشق رومی قدس سرہ نے فرمایا: ے

بشنو از نے چوں حکایت می کند

از جدائی ہا شکایت می کند

ترجمہ: نے سے سنیے یہ کیسی باتیں کرتا ہے یہ اپنی جدائی کی شکایت کرتا ہے۔

یعنی واقعی حال عاشق کا شکوہ کے طور بات کرنا اپنے حال کی حکایت کرنا اور اپنے محبوب کی جناب اپنی تضرع و زاری اور عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔

تفسیر نبوی علیٰ صاحبہ السلام

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نے یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کی آنکھیں کیسے چلی گئیں ۔ اور آپ کی کمر کیوں ٹیڑھی ہوگئی ۔ آپ نے فرمایا کہ آنکھیں یوسف علیہ السلام کی جدائی سے اور کمر بنیا مین کے فراق سے ٹیڑھی ہوگئی ۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کیا آپ غیروں کے سامنے شکوہ کر رہے ہیں ۔ آپ نے فرمایا : میری پریشانی اور حزن وغم اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہے ۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا : اللہ ہی جانتے اور آپ ۔ یہ کہہ کر جبریل علیہ السلام واپس چلے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے گوشہ تنہائی اختیار کر لیا ۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کی : یا اللہ ! اپنے بوڑھے بندے پر رحم فرمائیے اس کی بینائی بھی گئی اور کمر بھی ٹیڑھی ہوگئی ۔ مجھے اپنے دونوں بچوں کو واپس کر دے تاکہ میں انہیں ایک بار تو سونگھ لوں پھر جیسے تیری مرضی ۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے ، عرض کی : آپ کو اللہ تعالیٰ سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے : اے یعقوب علیہ السلام ! آپ کو خوشی ہونی چاہیے ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے دونوں صاحبزادے مر بھی گئے ہوں تب بھی انہیں قبر سے اٹھا کر تیرے سامنے لاؤں گا تاکہ انہیں دیکھ کر تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں ۔ اور ساتھ یہ بھی فرماتا ہے کہ میں نے آپ کی بینائی کیوں ضبط کی اور آپ کی کمر کیوں ٹیڑھی کی ہے اور اخوۃ یوسفؑ نے ان کے ساتھ ایسا کیوں کیا ؟ یعقوب علیہ السلام نے لاعلمی کا اظہار کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دفعہ آپ کے ہاں ایک یتیم مسکین حاضر ہوا وہ روزے دار بھی تھا اور آپ ایک بکری اپنے بچوں کے لیے ذبح کر کے پکانے کے بعد کھا رہے تھے لیکن اس یتیم مسکین کو کچھ نہ دیا اور میں اپنی مخلوق کے کسی ایک فرد کے لیے ایسا نہیں چاہتا چہ جائیکہ یتیم و مسکین ہو ۔ اب آپ طعام پکا کر مساکین و یتامیٰ کو کھلائیے ۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام ہر شام کو طعام پکا کر اعلان کرتے تھے کہ کوئی روزہ دار ہو تو میرے لنگر خانے پر تشریف لائے ۔ جب صبح ہوتی تو طعام پکا کر اعلان ہوتا کہ جس نے کھانا کھانا ہو وہ یعقوبی لنگر میں آجائے (ذکرہٗ فی الترغیب والترھیب)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نخواہی کہ باشی پراگندہ دل
پراگندگان از خاطر مہل
کے نیک بیند بہر در سرائے
کہ نیکی رساند بخلق خدائے

ترجمہ : اگر تم چاہتے ہو کہ کبھی پریشانی نہ ہو تو پریشان لوگوں کا خیال دل سے محو نہ ہونے دے وہ شخص دونوں جہانوں میں لذیذ پھل کھاتا ہے جو رب ذوالجلال کی مخلوق کے ساتھ نیکی کرتا ہے ۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ اور میں اللہ تعالیٰ کے لُطف وکرم سے جانتا ہُوں مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وہ جو تم نہیں جانتے۔
اسی لیے مجھے امید ہے کہ وُہ مجھ پر رحم اور لُطف وکرم فرمائے گا اور مجھے اپنے مقصد میں ناکام نہیں کرے گا اور میں ہی وحی اور الہام ربانی سے یُوسف علیہ السلام کا زندہ ہونا جانتا ہُوں تم نہیں جانتے۔

علم یعقوب علیہ السلام

مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خواب میں ایک فرشتہ کو دیکھا اس سے پوچھا کہ میرا یُوسف زندہ ہے یا مرگیا ہے؟ فرشتے نے عرض کی: وُہ زندہ ہیں۔

وہابی کُشس حوالہ

صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کو لاعلم کہنا جہالت ہے اس لیے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے زندگی کے تمام حالات ان کے خواب سے معلوم کر لیے تھے اور انھیں یقین تھا کہ جب تک اس کے بھائی (والد و والدہ) سجدہ نہیں کریں گے اس وقت تک وہ نہیں مریں گے۔

یُوسف علیہ السلام نے والد گرامی کا حال جبریل علیہ السلام سے پوچھا

مروی ہے کہ یُوسف علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام سے پُوچھا کہ میرے والد گرامی کا کیا حال ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: انھیں اللہ تعالیٰ نے صبر جمیل عطا فرمایا ہے انھیں ان کی مفارقت پہ آزمایا ہے وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ پھر یوسف علیہ السلام نے پوچھا، وہ میری جُدائی میں کتنا روئے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی، ایسی ستر عورتیں جن کے نوجوان بچے مرجائیں جس قدر وہ روتی ہیں ان سب کے برابر یعقوب علیہ السلام روئے ہیں۔
یُوسف علیہ السلام نے پُوچھا، میرے والد گرامی کا اجر وثواب کتنا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: انھیں ستر شہیدوں کا ثواب ملے گا اور ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اندریں اثنا اللہ تعالیٰ پر معمولی طور بھی بدگمانی نہیں کی۔

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا (ربط:) سدی نے فرمایا کہ جب صاحبزادوں نے یعقوب علیہ السلام کو مصر کے بادشاہ کے اخلاق و عادات و کمالات سنائے تو انھیں محسوس ہُوا کہ وہ نبی یُوسف علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ اسی لیے صاحبزادوں نے فرمایا: اے میرے بیٹو! مصر جاؤ فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ اور یُوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ۔

حلِ لغات: تَحَسَّسُوْا بمعنے انھیں اپنے حواس سے معلوم کرو۔ اس لیے کہ تحسس بمعنے شے کو حاسہ کے ساتھ تلاش کرنا۔ تہذیب المصادر میں لکھا ہے تحسس اور تجسس ایک شے ہے اور الاحیاء میں ہے کہ بالجیم بمعنے تطلع الاخبار اور بالعین بمعنے المراقبۃ بالعین ہاور انسان العیون میں ہے کہ اگر حا سے ہو تو فحص الشخص عن الاخبار بنفسہ اگر جیم سے تو الفحص عنہا بغیرہ مراد ہوتا ہے اور تَحَسَّسُوْا کو یہاں تَحَسَّسُوْا پڑھا جائے تَجَسَّسُوْا کسی قرات میں نہیں ہے۔

ف: اس سے یُوسف و بنیامین علیہما السلام مراد ہیں اور تیسرے کا نام اس لیے نہیں لایا گیا کہ وُہ اپنے اختیار سے مصر میں ٹھہرا تھا اس لیے اس کے لیے چنداں فکر نہیں تھی۔

سوال: علامہ آلوسی نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام نے پہلے تو ان سے روگردانی فرمائی ہو کر وہ رنج و غصّہ کی علامت ہے اور یہاں لطف اور شفقت سے کام لیا غصہ اور شدت کا اظہار کیا۔

جواب: وہ روگردانی اگرچہ بیٹوں سے تھی لیکن اس سے ان کے ساتھ غصہ نہیں تھا بلکہ اپنے اندر و دل کی طرف توجہ فرمائی اور اس وقت اضطرار شکوہ مطلوب تھا غیر کسی سے روگردانی کر کے پھر اس کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آنا ایک دوسرے کی ضد نہیں ہوتا بلکہ ان میں تقدم و تاخر ہو۔

ف: صاحبزادوں نے عرض کی کہ دنیا میں کی کوشش تو ہم کرتے ہیں لیکن یوسف علیہ السلام کا تلاش کرنا عبث ہے کیونکہ انہیں بھیڑیا کھا گیا ہے اور اس کو زمانہ گزر گیا۔

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔ الیأس یعنی انقطاع الرجاء۔ الاصمعی نے کہا کہ نسیم کی وہ ہوا جس سے انسان کو سکون حاصل ہو اسے روح کہا جاتا ہے۔

قاعدہ: را، واؤ، حا کی ترکیب میں اس حرکت و اہتزاز کا معنی ہوتا ہے جس شے سے انسان لذت پائے اور اس کی وجہ سے حرکت میں آجائے ———— الاراشی میں ہے دراصل قلب کے غم سے راحت پانے کو روح کہا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس راحت سے نا امید نہ ہو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہو اور بعض نے رُوْحِ اللّٰہِ (بضم الراء) بھی پڑھا گیا ہے یعنی وہ رحمت جس سے بندگانِ خدا کو زندگی میں نصیب ہوتی ہے۔

اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف کافر ہی نا امید ہوتے ہیں اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم ہوتا ہے نہ صفات کا ورنہ عارف باللہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی بھی نا امید نہیں ہوتا خواہ نصیب ہوں یا نہ ہوں اور وہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا کو ہر وقت اپنے سامنے رکھتا ہے۔ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم اور اس کی رحمت ہر ایک کے قریب ہے۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنے والا فاسق و فاجر بندہ اس بندے سے اقرب الی اللہ ہے جو عبادت گزار تو ہے لیکن اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امیدی ہے۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ میرا ایک ولی فوت ہوا اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ کا انتظام کیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو دیکھا کہ رشتہ داروں نے اس کے فسق کی وجہ سے اسے گندگی کے ڈھیر پر تجہیز و تکفین کے بغیر پھینک دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ! اس کے بارے میں مخلوق سے تو نے تمام باتیں سنیں ان کے باوجود بھی تو اسے اپنا ولی کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وجہ یہ ہے کہ اس نے موت کے وقت میرے سامنے [illegible]

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر مسلم پر واجب ہے کہ وہ یُوسف (قلب) اور بنیامین (سِر) کو تلاش کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی ان کی خوشبو سے ناامید نہ ہو اس لیے کہ جو اپنے قلب کو پالیتا ہے تو اسے خدا تعالیٰ مل جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز اہلِ ایمان (اولیاء اللہ) کے قلوب ہیں اور اس نے اپنے طالبین سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو مجھے تلاش کرتا ہے وُہ مجھے پالیتا ہے۔ کما قال اَلَا مَنْ طَلَبَنِیْ وَجَدَنِیْ۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کو قلب میں تلاش کرے قالب میں اس کی تلاش عبث ہے۔ اسی طرح اس کا وجدان بھی قلب میں ہوگا۔ جیسا کہ مُوسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یااللہ! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو میری خاطر اپنے قلوب میں عجز و نیاز رکھتے ہیں یعنی میری محبت سے ان کے قلوب سرشار ہیں۔

اور انہ لا یائئس من روح اللہ الا القوم الکفرون میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طلب کا ترک اور اس کے وجدان سے ناامیدی کفر ہے۔

مثنوی شریف میں ہے، ؎

۱ کرکران وکر شتا بندہ بود
آنکہ جو بندہ ست یابندہ بود

۲ در طلب زن دائما تو ہر دو دست
کہ طلب در راہ نیکو رہبر ست

۳ لنگ و لوک و خفتہ شکل بے ادب
سوے او می خیز و او را می طلب

۴ کہ بگفت و کہ بخاموشی و کہ
بوے کردن گیر ہر سو بوے شہ

۵ گفت آں یعقوب با اولاد خویش
جستن یوسف کنید از حد بیش

۶ ہر حسے خود را درین جستن بجد
ہر طرف رانید شکل مستعد

۷ گفت از روح خدا لا تایئسو
ہمچو گم کردہ پسر رو سو بسو

۸ از رہ حس دہان پرسان شوید
گوش را بر چار راہ او نہید

۹ ہر کجا بوے خوش آید بو برید
سوے آں سر کاشناسے آن سدید

۱۰ ہر کجا لطفے بینی از کسے
سوے اصل لطف رہ یابی عسی

۱۱ ایں ہمہ خوشہا ز دریا ییست ژرف
جزو را بگزار و بر کل دار طرف

ترجمہ : ۱۔ کمزور سے کمزور بھی جدوجہد کرے تو کامیاب ہو۔ کیونکہ جو بھی کسی کو تلاش کرتا ہے اسے ضرور پاتا ہے۔

۲۔ طلب الٰہی میں دائمی ہاتھ پاؤں مارو یعنی جدوجہد کرو کیونکہ نیک راہ میں قالب بہترین رہبر ہے۔

۳۔ کمزور اور ناقص بن کر زندگی ضائع مت کر بلکہ اس کی طلب کر اور اس کی طرف جدوجہد کر۔

۴۔ اسی کے لیے گفتگو اسی کے لیے خاموشی۔ ہر معاملہ اسی کے لیے کیجئے ہر لحظہ اسی کا تصور جمائیے۔

۵۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے فرمایا: یوسف علیہ السلام کو خوب ڈھونڈو۔

۶۔ ہر گلی کوچہ چھان مارو اور اس کی تلاش میں جدوجہد کرو اور اس معاملہ میں سستی نہ کرو۔

۷۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔ ایسے تلاش کرو جیسے کوئی گم شدہ بچے کو تلاش کرتا ہے۔

۸۔ جہاں سے معمولی گھات لگ جائے وہاں سے پُوچھو اور اس کے ہر راہ میں کان رکھو۔

۹۔ جہاں سے اس کی خوشبو سونگھو اسی طرف دوڑو اور پُوچھو۔

۱۰۔ ایسے ہی قاعدہ ہے کہ جس سے لطف دیکھو اس سے اصل لطف کی طرف راہ حاصل کرو۔

۱۱۔ اس لیے کہ دریائے بے کنار کا قانون ہے کہ جزو سے کُل حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی بعض اولاد کو حکم فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو خط لکھیں۔ جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحٰق ذبیح اللہ ابن ابراھیم خلیل اللہ الی عزیز مصر۔

اما بعد! فانا اھل بیت موکل بنا البلاء اما جدی ابراھیم فانہ ابتلی بنار نمرود فصبر وجعلھا اللہ علیہ برداً و سلاماً و اما ابی اسحٰق فابتلی بالذبح فصبر ففداہ اللہ بذبح عظیم و اما انا فابتلانی اللہ بفقد ولدی یوسف فبکیت علیہ حتی ذھب بصری و نحل جسمی و قد کنت ابتلی بھذا الغلام الذی امسکتہ عندک وزعمت انہ سارق و انا اھل بیت لا نسرق و لا نلد سارقا فان رددتہ علی و الا دعوت علیک دعوۃ تدارک السابع من ولدک۔ والسلام

یہ یعقوب اسرائیل (بندۂ خدا) بن اسحاق ذبیح اللہ ابن ابراہیم خلیل سے عزیز مصر کی طرف مراسلہ ہے۔

اما بعد! یاد رکھیے ہمارے گھرانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی رہی۔ مثلاً میرے دادا ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے آزمایا گیا۔ انہوں نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے نار کو گلزار بنا دیا اور اسحاق علیہ السلام میرے والد گرامی کو ذبح سے آزمایا گیا۔ انہوں نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ذبح عظیم بھیجا جو ان کی طرف سے فدیہ بنا اور مجھے میرے بیٹے یوسف (علیہ السلام) کی گمشدگی سے آزمایا گیا۔ میں اس کے فراق سے رویا اس سے میری آنکھیں چلی گئیں اور میرا جسم کمزور پڑ گیا۔ اب دوبارہ میں اسی نوجوان سے آزمایا گیا ہوں جسے آپ نے روک رکھا ہے اور آپ کا خیال ہے کہ وہ چور ہے حالانکہ ہمارا گھرانہ چوری سے پاک ہے بلکہ ہمارے گھرانے میں تو چور پیدا ہوتا ہی نہیں بہتر ہے آپ میرا لڑکا واپس بھجوا دیں ورنہ میں ایسی دعا کروں گا جو آپ کی سات پشتوں تک اثر کرے گی۔

فقط والسلام۔

یہ خط لکھ کر اپنے صاحبزادوں کو دیا اور معمولی سی پونجی مثلاً تھوڑی سی پشم اور گھی وغیرہ تیار کر کے انہیں مصر کی طرف روانہ کیا۔ پہلے اس بھائی کو ملے جو مصر میں خود رہ گیا تھا پھر سارے مل کر یوسف علیہ السلام کو ملے اور قَالُوا یٰٓاَیُّھَا الْعَزِیْزُ

عرض کی: اے بادشاہ قادر غالب! مَسَّنَا ہمیں پہنچاہے وَ اَھْلَنَا اور ہمارے اہل کو وہ جو ہمارے گھر میں ہیں الضُّرُّ فقر و ضرورت وکثرت عیال وقلت طعام وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ اور لائے ہیں ہم پونجی تھوڑی اور بالکل معمولی جسے دیکھ کر آپ جیسا بادشاہ قبول نہ کرے بلکہ تاجر تو اسے منہ بھی نہ لگائیں اس لیے کہ تاجروں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور پھر وہ حقیر بھی تھی اور ایسی شے بادیہ نشین شہر میں اور بادشاہوں کے ہاں لائیں تو اس کی حالت کو دیکھ کر خود لانے والوں کو شرمندگی ہوتی ہے اور پونجی پشم اور تھوڑا سا گھی تھی اور بس۔ بعض نے کہا کہ وہ صنوبر اور تھوڑے سے بادام وغیرہ یا چند کھوٹے دراہم تھے کہ جنہیں کوئی نہ لے۔ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ پس ہمارے لیے غلہ مکمل عنایت ہو۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہمیں ان کھوٹے دراہم کے عوض اتنا غلہ عنایت فرمائیے جتنا آپ کھرے دراہم کے عوض عنایت فرماتے ہیں وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا اور ہمارے اُوپر احسان فرمائیے اور چشم پوشی کے طور پر یہی کھوٹی پونجی قبول فرمائیے۔ التصدق بمعنے التفضل (احسان و کرم فرمانا) کے ہے۔ اور عرف میں ہر وہ عمل جس سے انسان ثواب پائے اسی لیے عرف میں اللّٰھم تصدق علی نہ کہا جائیگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو بندوں سے ثواب طلب نہیں کرتا بلکہ کہا جائے گا اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ۔ یا کہا جائے گا تفضل علی۔ یا کہا جائے گا اِمْنُنْ عَلَیَّ۔ یہ ترجمہ اس مذہب کے مطابق ہے جو صدقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متعلقین کے لیے سب کے لیے حرام سمجھتا ہے اگر وہ مذہب اختیار کیا جائے جو صرف ہمارے نبی علیہ السلام کے لیے خاص کرتا ہے تو اس نظریہ پر تصدق حقیقی صدقہ کے معنیٰ میں ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ○ بیشک اللہ تعالیٰ احسان وکرم کرنے والوں کو بہتر اور اعلیٰ جزا سے نوازتا ہے۔

اعجوبہ ضحاک نے کہا کہ اِنَّ اللّٰہ یجزیك کے بجائے المتصدقین اس لیے کہا کہ انہیں اس وقت یقین نہیں تھا کہ یوسف علیہ السلام (بادشاہ مصر) اہل ایمان بھی ہے یا نہ۔ صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ ضحاک کا وہم ہے اس لیے کہ اگر ان کی مراد اخروی ثواب تھی تو جمع کے صیغے میں یوسف علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ اگر دنیوی جزا مراد ہو تو بھی حرج نہیں اس لیے کہ جزا کا لفظ دنیوی معنیٰ پر بھی ہوتا ہے۔

حکایت حضرت الشیخ ابوالربیع نے فرمایا کہ میں نے ایک دیہاتی عورت کی تعریف سُنی کہ اس کی بکری سے دُودھ اور شہد نکلتا ہے۔ میں نے اس کا مشاہدہ چاہا اور اس کے گاؤں میں پہنچا اور اس کا مہمان ٹھہرا۔ اس نے بکری کا دُودھ نکالا تو میں نے آنکھوں سے دیکھا کہ اس سے واقعی دُودھ اور شہد نکلا میں نے اس سے سبب پُوچھا تو اس نے کہا کہ ہمارے ہاں بکری تھی جس کے دُودھ پر ہمارا گزارا تھا ایک رات کو ہمارے ہاں مہمان تشریف لایا۔ مہمان نوازی ہمارا شیوہ ہے۔ ہم نے وہی بکری ذبح کرکے اس کو کھلا دی۔ اس سے صرف رضائے الٰہی مقصود تھی۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بکری عنایت فرمائی ہے اور یہ مریدین کے دل میں چرتی ہے۔ یعنی ہمارے دل اس سے خوش ہیں اور اس کی برکت سے ہمارا رزق فراخ ہے۔ اور دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے اور تمہیں رزق فراخ عطا فرمائے۔

سبق : اعتقاد صحیح اور نیت خالص اور نیک دلی میں بہت تاثیر ہے۔

حکایت سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ ایک علاقہ سے گزرے جہاں گنا دبکثرت تھا۔ گنا دوالے نے ایک گنا سلطان محمود کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے چوسا تو بڑی لذت محسوس کی۔ بادشاہ کو خیال ہوا کہ اس پر بھی محصول اور ٹیکس ضروری ہے اس لیے کہ اس سے نفع بکثرت کمایا جاتا ہوگا۔ اس ارادہ کے بعد بادشاہ نے دوسرا گنا چوسنا چاہا تو گنا بدمزہ اور بالکل خراب نکلا۔ اسی قبیلے کے بوڑھے سردار نے جب یہ کہانی سنی تو فرمایا کہ بادشاہ کی نیت بگڑی ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی شاہی میں ظلم و بدعت کی رسم کا اجراء کرے یا اس کا اجراء کر چکا ہے۔ بادشاہ اس بوڑھے سردار کی بات سن کر تائب ہوا اور دل میں جو ارادہ تھا اسے ختم کر دیا۔ پھر اور گنا منگوا کر چوسا تو پہلے کی طرح نہایت لذیذ اور میٹھا پایا۔

سبق : نیت کی تاثیر یوں ہی ہوتی ہے۔

مسئلہ : ضروری نہیں کہ صدقہ صرف مال سے ہو بلکہ ہر نیکی میں صدقہ ضروری ہے۔ مثلاً دو انسانوں میں عدل و انصاف کرنا غریبوں کی امانت ادا کرنا کسی سے نرم گفتگو کرنا نماز کی طرف چلنا راستہ سے ایذا دینے والی شئے کو ہٹانا وغیرہ۔ اسی طرح نوافل بھی۔

ف : بعض لوگوں نے کہا کہ نوافل کا لفظ صرف نماز نفل کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اہل اللہ (صوفیا کرام) نے فرمایا کہ یہ خیال غلط ہے۔ نوافل کا لفظ نماز نفل سے مخصوص نہیں بلکہ ہر زائد عبادت کو نفل سے تعبیر کیا جائے گا۔

حدیث شریف قدسی لا یزال عبدی الخ میرا بندہ نوافل سے میرے قریب ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ پھر جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کے کان ہوتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کا بیان فرمایا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ نوافل خیرات و صدقات وغیرہا میں مشغول رہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ یکے در بیابان سگے تشنہ یافت

برون از رمق در حیاتش نہ یافت

۲ کلہ دلو کرد آن پسندیدہ کیش

چو حبل اندران بست دستار خویش

۳ بخدمت میان بست و باز د کشاد

سگ ناتوان را دمی آب داد

۴ خبر داد پیغمبر از حال مرد
کہ داور گناہان او عفو کرد

۵ الا گر جفا کاری اندیشہ کن
کرم پیشہ گیر و وفا پیشہ کن

۶ کسے با سگے نیکوئی گم نہ کرد
کجا گم شود خیر با نیک مرد

۷ کرم کن چنان کت بر آید ز دست
جہانبان در خیر بر کس نبست

۸ گرت در بیابان نباشد چہے
چراغی بنہ در زیارتگہے

۹ بقنطار زر بخش کردن ز گنج
نہ چندانکہ دینارے از دست رنج

۱۰ برد ہر کسے بار در خورد زور
گرانست پائے ملخ پیش مور

ترجمہ : ۱۔ ایک آدمی کو جنگل میں پیاسا کتا ملا، اس میں معمولی سی زندگی باقی رہ گئی تھی۔
۲۔ اس پسندیدہ طریقے والے نے اپنی ٹوپی کو ڈول بنایا اپنی دستار کو رسی بنا کر ڈول سے باندھا۔
۳۔ خدمت کے لیے کمر باندھی اور بازو کو کھولا۔
۴۔ پیغمبر سے اس کو یہ خبر ملی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف کر دیے ہیں۔
۵۔ خبردار اگر ظلم کرتا ہے تو فکر کر۔ کرم اور وفا کا طریقہ اختیار کر۔
۶۔ جس کی کتے کے ساتھ نیکی کی ضائع نہیں ہوئی۔ پھر کہاں گم ہوتی ہے نیکی انسان کی۔
۷۔ کرم کا طریقہ اختیار کر، اس لیے کہ جو کام تجھ سے ہوگا وہ ضائع نہ ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کا دروازہ کسی پر بند نہیں کیا۔
۸۔ اگر جنگل میں کنواں نہ ملے تو زیارت گاہ اولیا پر دیا جلا۔[1]

---

[1] اہلسنت کو اپنے اسلاف کا طریقہ نصیب ہو اگر مزارات پر روشنی کرنا جائز نہ ہوتی تو شیخ سعدی قدس سرہٗ ایسا نہ لکھتے۔

۹۔ بہت سا مال تیرے خزانہ میں سے خرچ ہو اس کا اتنا ثواب نہیں جیسا کہ تکلیف سے ایک دینار خرچ کیا جائے۔

۱۰۔ ہر ایک اپنی لیاقت کے مطابق بوجھ اٹھاتا ہے چیونٹی کو ٹڈی کا پاؤں بھی بوجھل لگتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ میں اشارہ ہے کہ طالبِ حق پر لازم ہے کہ وہ اپنی محتاجی اور فقر و فاقہ اور اپنی کوتاہی و تقصیر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرے اس لیے کہ فنا محبوب کا محبوب عمل ہے اور اسی عاجزی سے ہی انسان اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ اسی لیے منقول ہے کہ جونہی بھائیوں نے عجز و نیاز کیا یوسف علیہ السلام کو رحم و کرم نے مغلوب کر دیا اور چہرۂ اقدس سے نقاب ہٹانے پر مجبور ہو گئے۔ نقاب ہٹا کر تمام جدائی و فراق کے درد و آلام دُور فرما دیے۔

سبق: اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت بایزید بسطامی سے فرمایا کہ ہمارے ہاں عبادت کی کمی نہیں ہمارے حضور میں عجز و نیاز اور فقر و احتیاج کی قدر و قیمت ہے۔ (یہ نقل بارہا تفسیر ہٰذا میں گزرا ہے)

ف: اس سے یہ وہم کہ عبادت ضروری نہیں بلکہ عبادت کی برکت سے ہی یہ مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ دیکھیے اخوۂ یوسف نے اگرچہ غلطیاں کیں لیکن عملی زندگی صحیح رکھی بالآخر انھیں عجز و انکساری کا مرتبہ ملا۔ تب یوسف علیہ السلام نے انھیں گلے لگایا۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ حتی المقدور عبادت میں کوتاہی نہ کرے

لیکن اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم و عمل پر مغرور بھی نہ ہو بلکہ فنا و عجز سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے اور درمیان میں انانیت کو اٹھائے تاکہ معرفت و قربت اور وصلت نصیب ہو۔

حضرت بایزید قدس سرہٗ نے عرض کی: ؎

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست
نیستی و حاجت و عجز و نیاز آوردہ ام

ترجمہ: اے کریم! میں ایسی چار چیزیں لایا ہوں جو تیرے خزانے میں نہیں (۱) نیستی (۲) ضرورت (۳) عاجزی (۴) نیاز۔

ف: مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا عجز و نیاز دیکھا تو دل پر سخت اثر پڑا۔ دل نے بے ساختہ ہو کر چاہا کہ اُنھیں اپنا تعارف کرا دے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ جب یوسف علیہ السلام کے ہاں یعقوب علیہ السلام کا خط پہنچا تو خط کو تخت کے کنارے رکھ دیا۔ اس کے بعد اسے پڑھا اور پڑھ کر یوسف علیہ السلام کو بے ساختہ رونا آیا۔

بالآخر آپ نے اپنا تعارف کرایا قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ کہا کیا تم یوسف

علیہ السلام کے بارے میں اپنی غلطی محسوس کر کے تائب ہوئے؛

سوال : تم نے یہ معنیٰ کہاں سے نکال لیا؛

جواب : یوسف علیہ السلام نے ملزوم بول کر اس کا لازم مراد لیا ہے۔

ف : بنیامین کے ساتھ غلطیوں کی تفصیل یہ ہے کہ یوسف سے اسے علیحدہ رکھنے کا پروگرام اور انہیں کئی قسم کی اذیتیں پہنچانا اور ذلیل و خوار کرنا علاوہ ازیں ایسے اور امور جنہیں بیان کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اسی لیے اپنا اور بھائی کا معاملہ اجمالی طور بیان فرمایا؛ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ ۝ کیا اس وقت تم اس فعل کی قباحت سے بے خبر تھے یا تم اس سے لاعلم تھے کہ یوسف علیہ السلام ایسے بہت بڑے مراتب پائیں گے۔

ف : یہ کلمات مشفقانہ طور اور ان سے دینی خیر خواہی کے تحت کہے تاکہ انہیں توبہ کی توفیق نصیب ہو۔ اس سے ان کو عتاب کرنا اور رسوا کرنا مطلوب نہ تھا۔ یہی انبیاء علیہم السلام کی شان ہے کہ وہ حقوق اللہ کو اپنے حقوق پر ترجیح دیتے ہیں۔

مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے والدگرامی کا خط پڑھا تو رو پڑے اور ان کو مندرج ذیل خط لکھا؛

یوسف علیہ السلام کا والدگرامی کو خط کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الیٰ یعقوب اسرائیل اللہ من ملک مصر اما بعد! فیاایہا الشیخ فقد بلغنی کتابك وقرأته واحطت به علما وذکرت فیه اٰبائك الصالحین وذکرت انهم کانوا اصحاب البلایا فانهم ان ابتلوا وصبروا وظفروا فاصبر کما صبروا۔ والسلام	مصر کے بادشاہ سے یعقوب (بندۂ خدا) کی طرف یہ خط ہے۔ اما بعد! اے شیخ! آپ کا خط مجھے ملا اور میں نے اسے پڑھا اور مندرجہ کوائف سے آگاہی ہوئی آپ نے اس میں اپنے آباء صالحین کا ذکر فرمایا اور لکھا ہے کہ وہ آزمائشوں والے تھے اور آپ نے لکھا ہے کہ انہوں نے ان آزمائشوں پر صبر کیا ہے اور کامیاب ہوئے ہیں۔ آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ بھی صبر کیجئے۔ فقط والسلام

ف : مروی ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے خط کا جواب پڑھا تو فرمایا؛

واللہ ماھذا کتاب الملوك ولکنه کتاب الانبیا علیہم السلام ولعل صاحب الکتٰب ھو یوسف علیه السلام۔	بخدا یہ جواب شاہانہ نہیں بلکہ ایسے جوابات انبیاء لکھتے ہیں اور مجھے یقین ہے یہ جواب لکھنے والا خود یوسف ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یوسف علیہ السلام نے نقاب ہٹایا اور تاج سرِ مبارک سے علیحدہ کیا۔ ان کی نگاہ یوسف علیہ السلام کی شکل و شمائل پر پڑی۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ انہوں نے کہا کیا تم یوسف علیہ السلام ہو؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی یقیناً آپ یوسف علیہ السلام ہیں کہ ایسا جمال باکمال تو صرف یوسف علیہ السلام کا ہو سکتا ہے۔ ؎

کہ دارد از ہمہ خوباں رخ چنیں کہ داری

تبارک اللہ ازیں روئے نازنیں کہ تو داری

ترجمہ : تیرے جیسا چہرہ اور کس کے نصیب۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک ہے سبحان اللہ تیرا نازنین چہرہ کیا خوب ہے۔

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں یوسف ہوں اور یہ میرا سگا بھائی (بنیامین) ہے۔

ف : بھائی کا ذکر اپنے تعارف میں بطور مبالغہ کے کیا اور بنیامین کی شان کی بلندی کو ظاہر کرنے اور اسے اپنے ساتھ کمالات میں شریک کرنے کے لیے کہا۔

کا قال قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا گویا یوسف علیہ السلام نے انھیں فرمایا کہ تم نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا کہ ہمیں آپس میں جدا کیا اور ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی۔ اب یقین کر لو کہ میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے کہ ہمیں ملایا اور وحشت کے بعد انس نصیب فرمایا اِنَّهٗ بیشک شان یہ ہے کہ مَنْ يَّتَّقِ جو اپنے جمیع احوال میں تقویٰ کرتا اور اپنے نفس کو ان امور سے بچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب سے بنتے ہیں وَيَصْبِرْ اور تکالیف اور مشقتوں پر صبر کرتا ہے جیسے اہل و عیال اور وطن کی جدائی اور قید وغیرہ یا طاعات کی مشقت یا وہ گناہ جس سے نفس لذت پاتا ہے پر صبر کرتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ المحسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ محسن وہ ہے جو تقویٰ و صبر کا جامع ہو۔

ف : جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو تخت پر بڑی شان و شوکت سے بیٹھا دیکھا تو انہوں نے چاہا کہ ان کے قدموں پر گریں تو یوسف علیہ السلام خود تخت سے نیچے اُتر کر بھائیوں کو گلے لگا لیا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا بھائیوں نے کہا بخدا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر جمال و کمال اور جاہ و مال دے کر فضیلت بخشی ہے وَاِنْ اور بیشک ہمارا حال یہ ہے کہ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝ ہم ہیں خطاکار یہ خطئ سے ہے بمعنی عمداً گناہ کرنا اور خطا بمعنے بلا عمد گناہ کرنا یعنی ہم نے عمداً آپ سے کیا جو کچھ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی اور ہمیں ذلیل و خوار فرمایا اس میں ان کی توبہ و استغفار کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے یوسف علیہ السلام نے انھیں فرمایا قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ آج تم پر کوئی ملامت نہیں اور نہ ہی تمہارے کسی گناہ کو تمہارے سامنے

ذکر کروں گا۔ تثریب از ثرب ۔ یعنی کرش کو چربی گھیرے ۔ یہاں بمعنی ازالۃ الثرب ہے ۔ وہ اس لیے کہ عار دلانا اور رُسوا کرنا انسان کے جسم سے چربی کو مٹانا ہے۔ تفعیل میں شدت مطلوب ہے۔ (کذا فی الکواشی)

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ تقریع بھی انسان کی عزت مٹاتی اور چہرے کی رونق کو ختم کرتی ہے ۔ اسی طرح تثریب ۔ اور الیوم ' تثریب کا مفعول فیہ ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ آج تمہارے لیے ملامت اور رسوائی کا دن ہے لیکن جب آج میری طرف سے تمہیں رُسوائی اور ذلت نہ ہوگی تو باقی ایام میں کس طرح ملامت اور رسوائی نہ ہوگی ۔

اس کے بعد فرمایا ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے یہ ان کے لیے مغفرت کی دُعا ہے کہ ان سے جتنی غلطیاں ہوئیں ان سب کے لیے بخشش کا سوال کیا ۔

ف : جب اسی دن یوسف علیہ السلام نے اپنے حقوق معاف فرمائے تو ان سے حق العبد معاف ہُوا ۔ پھر جب انہوں نے توبہ کی تو ان سے حقوق اللہ معاف ہو گئے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے ۔ اسی لیے بعد کو ان کے لیے فرمایا : یغفر اللہ لکم ۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ پہلے انھیں ان کی خطاؤں کو ظاہر فرمایا ۔ چونکہ یوسف علیہ السلام رفعِ منزلت کا سبب بنے تھے اسی لیے ان کے لیے فرمایا ، یغفر اللہ لکم ۔

ف : مروی ہے کہ اس کے بعد یوسف علیہ السلام لُطف و کرم سے انھیں اپنے ہاں صبح و شام اکٹھے بٹھا کر کھانا تناول فرماتے ۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم نے آپ کے ساتھ کیا کیا اور آپ کتنا لطف و کرم فرما رہے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ میں اس وقت مصر کا بادشاہ بن گیا ہوں ۔ لیکن مجھے اسی پہلی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو چند ٹکوں میں بک کر آئے اور ہمارے بادشاہ بن بیٹھے لیکن جب سے تم میرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے ہو تو میری وقعت ان کے دل میں بیٹھی ہے اور یقین کرتے ہیں یہ سب بھائی اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں ۔

حضور علیہ السلام کا یوسفی عمل مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کعبہ معظمہ کے دروازے میں کھڑے ہو کر قریش مکہ سے فرمایا اب بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا کروں ؟ انہوں نے کہا ہمیں آپ کے ساتھ نیک گمان ہے اس لیے کہ آپ کریم اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں اور اب آپ ہم پر قادر ہیں جیسے چاہیں کریں ۔ آپ نے فرمایا ؛ آج میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہا لا تثریب علیکم الیوم ۔

حضور علیہ السلام کا علم غیب مروی ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام قبول کرنے کیلیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں سمجھایا کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دو تو کہنا ، لا تثریب علیکم الیوم ۔ جب ابو سفیان

حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہی الفاظ دہرائے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

غفر اللہ لک و لمن عندہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے اور اسے بھی جس نے آپ کو یہ کہہ کر سکھایا۔

وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ○ اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کو ارحم الراحمین کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: اس لیے کہ جتنے بھی عالم پر رحمت کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک ذرہ ہے، جب مخلوق رحمت کرتی ہے تو خالق کیوں نہ رحمت فرمائے گا۔ ؎

بآہی بسوزد جہانے گناہ
باشکی بشوید درون سیاہ
بدرماندہ رحمت شاہی دہد
بدرماندگان ہرچہ خواہی دہد

ترجمہ: ایک آہ سے سارے جہان کے گناہ جلا دیتا ہے ایک آنسو سے سیاہ دل کی جو سیاہی دھو دیتا ہے، عاجز کو شاہی دیتا ہے، بے سہاروں کو جو چاہتا ہے تو بخش دیتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ نہ یوسف کہ چنداں بلا دید و بند
چو حکمش رواں گشت و قدرش بلند

۲ گنہ عفو کرد آل یعقوب را
کہ معنی بود صورت خوب را

۳ بکردار بدشان مقید نہ کرد
بضاعات مزجات شان رد نکرد

۴ ز لطف ہمیں چشم داریم نیز
بریں بے بضاعت ببخش اے عزیز

۵ بضاعت نیاوردم الا امید
خدایا ز عفوم مکن نا امید

ترجمہ: ۱ یوسف علیہ السلام نے بہت قید و بند اور تکلیف دیکھی جب اس کا حکم ہوا تو

دکھ دُور ہو گئے اور ان کی قدر بلند ہو گئی۔

۲۔ انہوں نے آلِ یعقوب کے گناہ بخش دیے اور قاعدہ ہے کہ احسن صورت کے اندر معنیٰ ہوتا ہے۔

۳۔ ان کے بُرے کردار کی وجہ سے انھیں مقید نہ کیا بلکہ ان کی پُونجی بھی رد کی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے لُطف کی ہمیں بھی امید ہے اے اللہ! ہماری اس معمولی کمی کو دیکھ کر بخش دے۔

۵۔ اور ہماری پُونجی تو تیری رحمت پر امید رکھنا ہے اے اللہ! ہمیں معاف فرما اور ہمیں ناامید نہ کر۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ کبھی بندے کا گناہ وصالِ الٰہی کا سبب اور اس گناہ سے قربِ حق نصیب ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہی گناہ اس کی توبہ کا سبب اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا موجب بنتا ہے۔

ف: ابو سلیمان درانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا کوئی عمل اور زیادہ نافع نہ ہوا سوائے اس کے کہ جو ان سے خلاف اولیٰ سرزد ہُوا تو ہمیشہ اس کی وجہ سے بارگاہِ حق میں گڑگڑاتے رہے یہاں تک کہ واصل باللہ ہوئے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ارحم الراحمین میں اشارہ ہے کہ ارحم بایں معنیٰ ہے کہ بہت سے امور میں اپنے پیارے محبوب بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جنھیں عام بندے سمجھتے ہیں کہ یہ امور ان کے لیے نقصان دہ ہیں حالانکہ وہ امور ان کے لیے بظاہر نقصان دہ ہوتے ہیں درحقیقت وہ انھیں بہت بڑے منافع پہنچاتے ہیں یہاں تک کہ ان کو مخالف سے طلب رضامندی اور معافی کا موقعہ بھی نہیں دیا جاتا بلکہ انھیں حکم ہوتا ہے کہ وہ از خود انھیں معاف فرما کر ان کے لیے استغفار کریں تاکہ اس طرح وہ اس کی رحمت کے زیادہ سے زیادہ مستحق بنیں۔

حکایت مروی ہے کہ ایک شخص پر نزع طاری تھی اور کلمہ شہادت اس کی زبان پر نہیں چل سکتا تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی۔ آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے اور اسے کلمۂ شہادت کی تلقین فرمائی۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ اپنی زبان پر کلمۂ شہادت نہ لا سکا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا یا روزے نہیں رکھتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ کا بڑا پابند تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا اس نے والدین کی نافرمانی تو نہیں کی۔ سب نے عرض کی: ہاں یہی وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کی والدہ کو میرے ہاں لاؤ۔ وہ حاضر ہُوئی تو وہ بہت بوڑھی، لاغر اور نابینا تھی۔ آپ نے فرمایا: کیا تُو اسے معاف نہیں کرتی، کیا تُو نے اسے جہنم کی آگ کے لیے نو ماہ پیٹ میں اٹھائے رکھا، کیا آگ کے لیے تُو نے اسے دو سال دُودھ پلایا۔ اگر تو معاف نہیں کرتی تو ماں کی مامتا کہاں گئی۔ (ماں نے معاف کر دیا۔ اس نوجوان کی زبان کلمۂ شہادت کے لیے کھل گئی۔

نکتہ: اس سے معلوم ہُوا کہ ماں بیٹے کے لیے رحیم تو ہو سکتی ہے رحمانہ نہیں۔ اسی قلتِ رحمت کی وجہ سے اس نے اپنے بیٹے کے لیے آگ میں جلنے کو گوارہ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے اور رحیم بھی۔ اسی لیے بندوں کے گناہوں سے

اسے کوئی نقصان نہیں اور رحیم ہونے کی وجہ سے اپنے بندوں کو جہنم میں ڈالنے کو گوارہ نہیں فرمائے گا اگرچہ ستر سال کلمۂ شہادت پڑھ کر بھی گناہ کرتا رہے۔

ربط: یوسف علیہ السلام نے جب انھیں تعارف کروایا اور انھیں یوسف علیہ السلام کے متعلق یقین ہو گیا تو ان سے پوچھا کہ میری جدائی میں والدِ گرامی پر کیا گزری انہوں نے کہا کہ وہ تو آپ کی جدائی میں بینائی دے بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا اے میرے بھائیو! میرا قمیص لے جاؤ۔ بقمیصی "اذھبوا" کی ضمیر سے حال ہے اور باء طلابستہ یا مصاحبتہ کی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ باء تعدیۃ کی ہو ہم نے ترجمہ میں باء تعدیۃ کی اختیار کی ہے۔

ف: یہ وہی قمیص مبارک تھا جو ابراہیم علیہ السلام سے وراثۃً یوسف علیہ السلام کو نصیب ہوا۔

قصۂ قمیص کا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذھبوا بقمیصی الخ سے وہی قمیص مبارک مراد ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ یعنی جب ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اس کا قصہ یوں ہے: جب ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بہشتی قمیص دے کر بھیجا اور ایک گہوارہ بھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو قمیص پہنا کر اس گوارہ میں بٹھایا پھر دونوں اکٹھے بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ پھر وہی قمیص ابراہیم علیہ السلام نے اسحاق علیہ السلام کو پہنایا۔ اور اسحاق علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کو اور یعقوب علیہ السلام نے اسے سونے کی چھوٹی سی ڈبیہ میں بند کر کے اسکا تعویذ بنا کر یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈالا تاکہ ان پر بدنظر کا اثر نہ ہو۔

ف: تبیان میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کو اس وقت گلے میں ڈالا جب انھیں بھائی کنویں میں ڈالنے کے لیے لے گئے اور اس سے بہشت کی خوشبو آتی تھی اور اس کی تاثیر یہ تھی کہ جو بیمار یا آفت زدہ پہنتا تو اسے شفا نصیب ہو جاتی۔

فائدہ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یوسف علیہ السلام (قلب) کا قمیص بہشتی پوشاکوں سے ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنے جمال کے انوار سے ایک پوشاک پہناتا ہے جب اسے یعقوب (روح) اعمیٰ کے چہرے پر ڈالا جاتا ہے تو وہ روح صاحبِ بصیرت ہو جاتا ہے۔

خرقۂ مشائخ کا ثبوت

یہی راز ہے اولیاء کرام مشائخ عظام کے خرقۂ خلافت میں جو کہ وہ اپنے مریدین کو نوازتے ہیں تاکہ خرقہ کی برکت مریدین کے ارواح پر اثر انداز ہو اور وہ حُبِ دنیا اور اس کے تصرف کے اندھے پن سے محفوظ ہوں۔

ف: بعض حفاظ الحدیث کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن بصری کو خرقۂ خلافت سے نوازا تھا یہ صریح جھوٹ ہے[1]۔ خرقۂ خلافت تو بڑی بات ہے۔ حضرت حسن بصری کو حضرت علی رضی اللہ عنہ

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

سے سماعِ حدیث بھی حاصل نہیں۔

خرقۂ خلافت کو وہابی دیوبندی عبث اور بدعت اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس کے رد میں صاحب روح البیان
ردِّ وہابیہ نے لکھا:

یقول الفقیر ھٰذا من سنۃ المشائخ	فقیر کہتا ہے کہ یہ مشائخ قدست اسرارہم کا طریقہ ہے
قدس اللہ اسرارھم فانھم لبسوا الخرقۃ	کہ وہ خرقہ پہنتے اور پہناتے ہیں۔ اس سے تبرک
والبسوھا تبرکاً وتیمناً وھم قد فعلوا	تیمن مطلوب ہوتا ہے اور انھیں منجانب اللہ
ذٰلک بالھام من اللہ تعالیٰ واشارۃ	الہام ہوتا ہے۔ اس پر کسی کو لائق نہیں کہ اسے
فلیس لاحد ان یدعی انہ من الزیادات و	بدعت قبیحہ یا زیادۃ فی الدین سے تعبیر کرے۔
القبیحۃ۔	

حکایت وہابی کُش صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ میں نے بلدہ قونیہ میں حضرت الشیخ صدرالدین قدس سرہٗ کی مزار اقدس کے قریب کتب خانے کے حجرے میں ایک کپڑا مبارکہ کی زیارت کی ہے، جسے نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ صاحب مزار کو اللہ تعالیٰ نے بہشت سے پوشاک بھجوائی تھی اس کپڑے مبارک کو پانی کے ایک تھال میں دھو کر مریضوں کو پلایا جاتا ہے۔ میں نے بھی اس مبارک پانی کو اس نیت سے پی لیا کہ میری ظاہری باطنی بیماریاں دُور ہو جائیں والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا پس اسے والدگرامی کے چہرے پر لگاؤ تو اس کی برکت سے آنکھوں والے ہو جائیں گے۔ یہاں یأت بمعنے یصیر ہے جیسے کہا جاتا ہے جاء الیںنا محکماً بمعنے صار محکماً۔

اور میرے ہاں جب تشریف لائیں گے تو بینا ہوں گے ان کی چشمان مبارک پر سفیدی جو ضعف سے چڑھ گئی ہے وہ دُور ہو جائیگی اور ان کے اندر روشنی لوٹ آئے گی۔ اس معنٰے کی تائید وَاْتُوْنِیْ سے ہوتی ہے اور انھیں میرے ہاں لے آؤ یعنی تم خود بھی واپس آنا اور انھیں بھی ساتھ لے آنا۔ اس میں مخاطبین کی تغلیب ہے یعنی جو غائب تھے ان کے لیے علیحدہ صیغہ کی بجائے مخاطب کے صیغہ سے کام لیا گیا ہے بِاَھْلِکُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ یعنی اپنی عورتیں اور اولاد اور غلام سب آجاؤ۔

فائدہ شیعہ کُش لفظ اھل کا اطلاق ازواج و غلام اور لونڈیوں، اقارب و اصحاب اور تمام متعلقین پر ہوتا ہے۔

(باقی بر صفحہ ۱۱۱)

(حاشیہ صفحہ ۱۰۸) ۖ یہ ان حضرات کی اپنی رائے تھی ورنہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن بصری کو خرقۂ خلافت سے نوازا۔ حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ثبوت میں ایک کتاب لکھی ہے اور حضرت مولانا فخر الدین دہلوی نے بھی فخر الحسن نامی کتاب لکھی

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ اِنِّي لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُونِ ○ قَالُوا تَاللّٰهِ
اِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ الْقَدِيمِ ○ فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۚ
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ قَالُوا يٰاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا
اِنَّا كُنَّا خٰطِئِينَ ○ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○ فَلَمَّا
دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِينَ ○ وَرَفَعَ
اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ
قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۖ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِّنَ
الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۚ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيلِ
الْاَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا
وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِينَ ○ ذٰلِكَ اَنْۢبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ اَجْمَعُوا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ○ وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ
وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ ○

ترجمہ : اور جب قافلہ (مصر سے) جُدا ہوا تو (یہاں کنعان میں) ان کے والدگرامی نے فرمایا بے شک میں
یُوسف (علیہ السلام) کی خوشبُو پاتا ہُوں اگر مجھے بہکا ہُوا نہ سمجھو۔ بیٹوں نے کہا خدا کی قسم آپ پرانی محبّت
میں مبتلا ہیں۔ پھر جب خوشخبری دینے والا آیا اُس نے وُہ کرتہ یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈالا۔
اس وقت اس کی آنکھوں کی روشنی لوٹ آئی فرمایا میں تمھیں نہیں کہتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ سے وہ علوم جانتا
ہُوں جو تم نہیں جانتے۔ بیٹوں نے کہا اباجی! ہماری کوتاہیوں کی معافی مانگیے بیشک ہم خطا کار ہیں۔ فرمایا میں
عنقریب اپنے رب تعالیٰ سے تمہاری بخشش چاہوں گا بیشک وُہی غفور رحیم ہے۔ پھر جب وہ یوسف (علیہ
السلام) کے ہاں آئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور فرمایا کہ خدا (تعالیٰ) چاہے تو
مصر میں امن سے داخل ہو جاؤ اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب اس کے لیے سجدہ میں
گر گئے اور یوسف علیہ السلام نے کہا اباجی! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے بیشک میرے رب تعالیٰ نے
اسے سچ کر دیا اور بیشک اس نے میرے اُوپر احسان کیا جب اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ سب کو
گاؤں سے لے آئے بعد اس کے کہ میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان شیطان نے ناچاقی کرا دی تھی

بیشک میرا رب تعالیٰ جس بات کو چاہے آسان کر دے بیشک وہی علیم اور حکمت والا ہے اے میرے رب مجھے تُو نے ایک سلطنت بخشی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام کار سکھایا اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے اور دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے مجھے وفات دے درانحالیکہ میں مسلمان ہوں اور مجھے ان کے ساتھ ملا جو تیرے نیک بندے ہیں ۔ یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب انہوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کیا تھا اور وہ مکر و فریب کر رہے تھے اور اکثر لوگ آپ کتنا ہی چاہیں ایمان نہیں لائیں گے اور آپ ان سے اُجرت نہیں مانگتے یہ نہیں مگر سارے جہان والوں کی نصیحت ۔

(بقیہ ص ۱۰۹) ف : مروی ہے کہ یہودا نے کہا کہ قمیص مبارک میں لیجاتا ہوں اس لیے کہ جب یوسف علیہ السلام کو ہم نے کنوئیں میں ڈالا تو خون سے لتھڑا ہوا قمیص میں لے گیا تھا ۔ جیسے اس وقت میں نے انہیں غمگین کیا تھا ویسے اب انہیں خوش بھی کروں گا ۔ اور سر اور پاؤں سے ننگا ہو کر چلا ۔ اسے سات روٹیاں بطور زادِ راہ دی گئیں ۔ خوشی میں پیراہن کو اٹھا کر چلا ۔ ابھی روٹیاں باقی تھیں کہ مصر سے کنعان پہنچ گیا ۔ اور یہ مسافت دو سو چالیس میل تھی ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یوسف علیہ السلام نے پیراہن دے کر بھائیوں کے لیے مصر تک پہنچنے کا سامان بھی اور سواریاں بھی مہیا کر دی تھیں ۔

(تفسیر آیات صفحہ ۱۱۰)

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ یہ فَصَلَ مِنَ الْبَلَدِ فُصُولًا سے ہے یعنے شہر سے جدا ہوا اور اس کی آبادیوں اور دیوار سے نکل گیا ۔

کاشفی نے لکھا کہ اور اس وقت کہ قافلہ مصر کی آبادی سے نکل کر جنگل کی حدود میں داخل ہوا قَالَ اَبُوهُمْ تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے پوتوں اور دیگر ساتھ رہنے والوں سے فرمایا اِنِّي لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ بیشک میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پاتا ہوں یہ اَوْجَدَهُ اللّٰهُ سے ہے یعنے جعلہٗ واجدا ریح ما عبق ای لزق ولصق من ریح یوسف یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا پانے والا اس خوشبو کو جو یوسف علیہ السلام سے مس ہو کر نکلی ، اور یہ فاصلہ اسی فرسخ (دو سو چالیس میل) کا تھا ۔ جب یہودا نے یوسف علیہ السلام کا پیراہن مبارک لیا اور چلا تو کہا : ؎

ایہا السالکون قوموا و اعشقوا

تلک ریاح یوسف فاستنشقوا

ترجمہ : اے سالکو اٹھو اور عشق پیدا کرو ، یہی یوسف علیہ السلام کی خوشبو ہے اسے سونگھو ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

بوئے پیراہان یوسف را ندید
آنکہ حافظ بود یعقوبش کشید

ترجمہ: یوسف علیہ السلام کے پیرہن مبارک کی خوشبو سونگھی اس کے نگران سے یعقوب علیہ السلام نے کھینچا۔

فائدہ صوفیانہ یہ شعر اہل سلوک و سکر اور اہل زہد اور عشاق کے حال کی ترجمانی کرتا ہے اس لیے کہ زاہد اپنے ساتھ والی ہر شے سے بے خبر ہوتا ہے جیسے گدھے پر لدی ہوئی کتابوں کا کوئی پتا نہیں ہوتا۔ اور عاشق ہر مظہر سے اسرار الٰہی کی خوشبو سونگھتا ہے بلکہ اس کی ناک میں نفس رحمانی کی خوشبو مہکتی رہتی ہے۔ اگر زاہد ہزار سال بھی زندگی بسر کرے تو بھی نفس رحمانی کی خوشبو سے محروم رہے گا۔

فائدہ وہابی کُش اہل حقیقت فرماتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے امتحان کا دور ختم ہوا اور راحت و فرحت کے آغاز کا وقت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی خوشبو دور سے ان کے ہاں پہنچادی اور آزمائش کے دور میں باوجودیکہ یوسف علیہ السلام قریب کے مکان میں تھے ان کی اطلاع سے انھیں منع فرما دیا تھا۔ قاعدہ ہے کہ آزمائش کے دور میں ہر آسان امر مشکل تر ہو جاتا ہے اور راحت آسانی کے زمانہ میں ہر مشکل کام آسان تر ہو جاتا ہے۔

اعجوبہ مروی ہے کہ ریح صبا نے اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی کہ قمیص اٹھانے والے بشیر سے پہلے مجھے اجازت ہو تاکہ اس سے پہلے میں تیرے پیارے پیغمبر کو مژدۂ بہار سناؤں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست منظور فرمائی۔ اسی لیے یعقوب علیہ السلام کو ہوا نے جلد تر خوشخبری دی۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دیر می جنبد بشیر اے باد بر کنعان گزر
مژدۂ پیراہن یوسف ببر یعقوب را

ترجمہ: خوشخبری سنانے والا تو بڑی دیر کے بعد کنعان پہنچے گا فلہذا اے بادِ صبا! تم جلدی سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پیراہن یوسف علیہ السلام کی خوشخبری سناؤ۔

نکتہ: اسی وجہ سے ریح (صبا) مشرق کی جانب سے چلتی ہے بہت نرم و نازک ہوتی ہے۔ جب چلتی ہے تو انسانی ابدان راحت و فرحت سے لبریز ہو جاتے ہیں اور دلوں کو محبوب یاد آجاتے ہیں اور ان کی ملاقات کے شوق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وطن کی طرف روح کو اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔

؎

أيا جبلى نعمان بالله خليا

نسيم الصبا يخلص الى نسيمها

فان الصبا ريح اذا ما تنفست

على نفس مهموم تجلت همومها

ترجمہ: اے نعمان کے دو پہاڑو! تمہیں خدا کی قسم نسیم کو چھوڑ دو تاکہ وہ اپنی نسیم کو چھوڑے اس لیے کہ اس کی خوشبو سے غمناک لوگوں کے غم ٹل جاتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

با صبا ہمراہ بفرست از رہت گلدستۂ

بو کہ بوئے بشنویم از خاک بستان شما

ترجمہ: صبا کے ساتھ اپنے راہ سے گلدستہ بھیج وہ خوشبو جو میں سُونگھتا ہوں وہ تمہارے باغ کی ہے۔

ف: تبیان میں ہے کہ ہوا چلی تو قیص کی ہوا کو دو سو چالیس میل کی مسافت سے لے کر یعقوب علیہ السلام کے ہاں لے آئی قبل اس کے کہ یہودا ان کے ہاں حاضر ہو تو یعقوب علیہ السلام کو اس سے بہشت کی خوشبو آئی۔ آپ نے یقین فرمایا کہ یہ دنیوی خوشبو نہیں ہے سوائے اس کے کہ بہشت کا قمیص ہو۔ اور بہشت کا قمیص سوائے یوسف علیہ السلام کے اور کسی کے پاس نہ تھا۔ یہ بھی منجملہ ان کے غیب جاننے کی ایک دلیل ہے۔

ف: اس سے اس مسئلہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ قمیص جس بیمار پر پھیرا جاتا وہ شفایاب ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ خاصیت اسی بہشتی قمیص کی تھی یوسف علیہ السلام کی ذاتی خوشبو نہ تھی۔ (یہی قاضی بیضاوی کا مذہب ہے)

سوال: اسے ریح یوسف کیوں کہا گیا ہے ریح قمیص یوسف کہا جاتا۔

جواب: ملابست و مناسبت سے ایسی اضافات عام آتی ہیں۔

ف: کتاب الانسان من کتاب البرہان امام جلاکی نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ جب انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی اور اس کی کثافت بڑھتی گئی تو اس کے حواس اس کثافت کے ان حجب سے اپنے مدرکات میں گھٹتے گئے جو انسان کی ذات پر اس کی فطرت کی وجہ سے طاری ہوتی ہے۔ بہرحال ذات انسان کا جوہر جب لطیف ہوتا ہے اور اس کی لطافت بڑھتی رہتی ہے تو اس کے تمام جوارح و اعضاء کو تقویت پہنچتی ہے اور ان کے ادراک میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے انسانوں کو دیکھا گیا ہے کہ میل دو میل یا اس سے کم و بیش دُور کی مسافت سے خوشبو سُونگھتے ہیں اور جس کی

لطافت عام انسانوں سے لطیف تر ہوتی ہے تو وہ ان معروف خوشبوؤں کے علاوہ دیگر قسم کی خوشبو بھی سونگھ لیتا ہے ۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کا حال ہے کہ انہوں نے فرمایا :

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ ۔

لیکن یاد رہے کہ ایسے کشف صرف اہل اللہ کو نصیب ہوتے ہیں ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

بود وائے چشم باشد نور ساز
شد ز بوئے دیدۂ دیدۂ یعقوب باز

بوئے بد مر دیدہ را تارے کند
بوئے یوسف دیدہ را یاری کند

بوئے گل دیدی کہ آنجا گل بود
جوش مل دیدی کہ آنجا مل بود

ترجمہ : بہت سی نگاہیں نور ساز ہوتی ہیں ۔ مثلاً خوشبو سونگھی تو یعقوب علیہ السلام کی بینائی بحال ہو گئی بدبو آنکھوں کو خراب کرتی ہے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنکھوں کی بینائی میں مدد کرتی ہے پھول کی خوشبو وہاں ہو گی جہاں پھول ہو گا شراب کا جوش وہاں ہو گا جہاں شراب ہو گا ۔

؎

۱ آن شنیدی داستان بایزید
کہ ز حال بوالحسن پیشین چہ دید

۲ روزے آں سلطان تقوی میگذشت
با مریدان جانب صحرا و دشت

۳ بوئے خوش آمد مرا او را ناگہاں
از سواد رے ز سوے خارقان

۴ ہم بر انجا نالۂ مشتاق کرد
بوے را از باز استنشاق کرد

ترجمہ : ۱ ۔ تم نے بایزید کی داستان سنی ہو گی کہ ابوالحسن کی پیدائش سے پہلے ان کا حال معلوم کر لیا ۔

۲ ۔ ایک دن وہ صاحبِ تقویٰ جنگل و بیابان کی طرف اپنے مریدین کے ساتھ گزرے ۔

۳ ۔ اچانک انہوں نے ایک خوشبو رے اور خرقان کی بستی سے سونگھی ۔

۴ ۔ وہاں پر عشاق کی طرح گریہ کیا اور وہ خوشبو ہوا سے سونگھی ۔

۵ چون درو آثار مستی شد پدید
یک مرید او را ازاں دم بر رسید

۶ پس بپرسیدش کہ ایں احوال خوش
کہ برونست از حجاب پنج وشش

۷ گاہ سُرخ وگاہ زرد وگہ سپید
می شود رویت چہ حالست و نوید

۸ مے کشی بوے و بظاہر نیست گل
بے شک از غیبست و از گلزار گل

۹ گفت بوے بوالعجب آمد یمن
ہمچنانکہ مصطفیٰ را از یمن

۱۰ کہ محمد گفت برست صبا
از یمن می آیدم بوے خدا

۱۱ از اویس و از قرن بوی عجب
مر نبی را مست کرد و پر طرب

۱۲ گفت ازیں سو بوی یاری می رسد
اندریں دہ شہریارے می رسد

ترجمہ : ۵۔ جب آپ میں آثار مستی کے دیکھے گئے ایک مرید کو اس حال کا علم ہوگیا۔
۶۔ اس نے آپ سے یہ حال پُوچھا کہ یہ معاملہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔
۷۔ آپ کسی وقت سُرخ، کسی وقت زرد اور کسی وقت سفید ہوجاتے تھے اسی لیے مرید نے کہا یہ ماجرا کیسا ہے۔
۸۔ آپ خوشبُو سُونگھتے ہیں حالانکہ یہیں کوئی پھُول نظر نہیں آتا معلوم ہوتا ہے یہ کوئی غیبی گل ہے۔
۹۔ آپ نے فرمایا یہ وہی غیبی خوشبو ہے جیسے حضور علیہ السلام نے یمن سے غیبی خوشبو سُونگھی۔
۱۰۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یمن سے رحمٰن کی خوشبو آتی ہے۔
۱۱۔ وُہ یمنی خوشبو اویس قرنی کی تھی (رضی اللہ عنہ)۔
۱۲۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یہاں سے یار کی خوشبو پہنچی اس بستی میں حقیقت کا شہنشاہ رہتا ہے۔

۱۳ بعد چندیں سال می زاید شہی
می زند بر آسمانہا خرگہی

۱۴ رویش از گلزار حق گلگون بود
از من او اندر مقام افزون بود

۱۵ چیست نامش گفت نامش بوالحسن
حلیہ اش وا گفت از گیسو ذقن

۱۶ قد او ہم رنگ او وہم شکل او
یک یک وا گفت از گیسو و رو

۱۷ حلیہاے روح او را ہم نمود
از صفات و از طریق و جاد بود

لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ اگر مجھے تم کم عقل نہ سمجھو تو ۔ یعنی تنسبونی الی الفند بمعنے الخرف و نقصان العقل و فساد الرأی من ھرم ۔ (بڑھاپے کی وجہ سے کسی کو کم عقلی اور فساد رائے کی طرف منسوب کرنا) مثلاً کہا جاتا ہے، شیخ مفند ۔ عجوز مفندۃ نہیں کہا جاتا اس لیے کہ عورت مرد کی طرح ذاتی طور پر بڑھاپے میں کم عقل اور ناقص رائی کا شکار نہیں ہوتی بلکہ عورت (اغلباً) فطرۃً کم عقل ہوتی ہے بڑھاپا ہو یا نہ ہو۔ اور لَوْلَا کا جواب محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے :

لولا تنفیدکم لصدقتمونی ۔

ف : الفند بمعنے بوڑھا ہونا۔ یعنی بڑھاپے کا جنون یعنی کم عقل اور نقص رائی انبیاء و اولیاء کرام علی نبینا علیھم السلام پر طاری نہیں ہوتی اس لیے کہ یہ نقص ہے اور یہ حضرات ایسے نقائص وعیوب سے پاک ہوتے ہیں۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ حاضرین مجلس نے کہا بخدا آپ حیرت قدیمی میں

ترجمہ : ۱۳ ۔ چند سالوں کے بعد اسی بستی میں پیدا ہو گا جس کے مراتب آسمان کی چوٹی تک پہنچیں گے۔

۱۴ ۔ اس کا چہرہ گلزار حق کی ایک شاخ ہے اس کا مرتبہ میرے سے زائد ہے۔

۱۵ ۔ اس کا اسم گرامی ابوالحسن ہے پھر آپ نے اس کا حلیہ داڑھی، ٹھوڑی، زلفیں وغیرہ بیان فرمایا۔

۱۶ ۔ اس کا قد، رنگ، بال غرضیکہ ہر عضو کا علیحدہ علیحدہ نقشہ بتایا۔

۱۷ ۔ اس کے حلیے کی تمام باتیں بتائیں اس کے تمام طریقے اور صفتیں بتائیں۔

تاحال قائم ہیں جو آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے عشق ومحبت سے ہوئی تھی کہ ہروقت ان کے ذکر میں گم رہتے اور اس امید میں ہیں کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کے سوا اکثر ذہنوں میں یہ بات راسخ تھی کہ یوسف علیہ السلام فوت ہوگئے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ عاشق کے لیے ملامت لازمی ہے: ؏

یا عاذل العاشقین دع فئة

اضلها الله کیف ترشدها

مکن بنامہ سیاہی ملامت من مست

کہ آگہست کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت

ترجمہ: اے عاشقوں کے ملامت گرو! اس گروہ کو کچھ نہ کہو انہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا۔ یہ کسی طرح بھی سیدھے راستے پر نہیں آسکتے۔ مجھ مست کو ملامت کر کے تضیعِ اوقات مت کرو اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ تقدیر نے اس کے لیے کیا لکھا ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اس میں اَنْ زائدہ اور صلہ کا ہے۔ دو فعلوں کی تاکید اور اتصال کے لیے واقع ہوا ہے اب ان کا اتصال ایسا ہوگیا ہے کہ گویا ایک جزو ہو کر ایک ہی وقت میں واقع ہوئے ہیں۔ پس جب خوشخبری دینے والا یعنی یہود علماء حاضر ہوا اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ قمیص مبارک کو یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا فَارْتَدَّ بَصِيْرًا تو یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہوگئیں حالانکہ اس سے قبل آپ کی بینائی چلی گئی تھی۔ اب آپ کی قوت بحال ہوگئی جبکہ اس سے قبل بڑھاپے کے علاوہ حزن وملال سے بہت بڑے کمزور ہوگئے تھے۔ ؎

داشت در بیت حزن جامی جلے

فجاءہ منك بشیر فنجا

ترجمہ: جامی حزن کے گھر میں سکین تھا تیری طرف سے خوشخبری دینے والا آیا تو نجات پائی۔

تفسیر صوفیانہ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ جب حضرت یوسف (قلب) سے یعقوب (روح) کی طرف انوار جمال کا قمیص آیا القاہ علی وجهه فارتد بصیرا روح کو انوار جمال الٰہی نصیب ہوا تو روح کو بصیرت نصیب ہوئی حالانکہ وہ دنیوی تعلقات اور ان کے تصرفات میں پھنس کر اندھا ہوگیا تھا۔ جب قلب سے واردات نصیب ہوئے تو بصیرت نصیب ہوئی۔ ؎

ورد البشیر بما اقر الاعینا

وشفی النفوس فنلن غایات المنی

وتقاسم الناس المسرة بينهم
قسما فكان اجلّهم حظا انا

ترجمہ: خوشخبری دینے والا خوشخبری لایا جس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور نفوس کو شفا ملے اور وہ اپنے مقاصد کو پالیں اور اس سے لوگوں نے خوشی کو آپس میں بانٹا۔ سب سے زیادہ محظوظ تو میں ہی ہُوا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ قلب ابتداً تکمیل معاملات میں روح کی محتاج ہے جب وہ کامل ومکمل ہوئی اور اسے فیضانِ حق کے قبول کرنے کی صلاحیت نصیب ہوئی تو انتہاءً اس نے قربت کے مصر میں خلافت؟ حاصل کی اور روح اس کا محتاج ہے اس لیے کہ وہ انوارِ حق سے منور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قلب نورِ الٰہی کی نار قبول کرنے کے لیے بمنزلہ چراغ کے اور رُوح بمنزلہ تیل کے ہے۔ چراغ ابتداءً نار کو قبول کرنے کے لیے تیل کا محتاج ہوتا ہے اور تیل چراغ کا محتاج ہے لیکن انتہاءً اس کے برعکس کہ چراغ کے واسطہ سے ہی وہ نار کو قبول کرتا ہے اس لیے کہ تیل چراغ اور اس کے آلات کے بغیر نار کو قبول نہیں کرسکتا۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے! کیا میں نے تمہیں مصر کو بھیجتے وقت نہیں فرمایا تھا کہ جاؤ یُوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اذن وعطا سے جانتا ہوں اور یوسف علیہ السلام اور کشائش امور تم نہیں جانتے۔

ف: مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خوشخبری سُننے والے سے پُوچھا کہ یُوسف علیہ السلام کس حال میں تھے؛ خوشخبری دینے والے نے عرض کی: وہ تو مصر کے بادشاہ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں شاہی کو کیا کروں گا مجھے بتائیے کہ وہ کس دین پر ہیں؛ اس نے عرض کی: وہ دینِ اسلام پر ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اب اس کی نعمت مکمل ہوگئی۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ بیٹوں نے کہا: اباجی! ہمارے لیے رب تعالیٰ سے ہماری بخشش کا سوال کیجئے اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ بیشک ہم خطاکار ہیں یعنی عمداً غلطی کرنے والے کہ ہم نے یُوسف علیہ السلام اور بنیامین کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور آپ کے بھی مجرم ہیں کہ آپ کو ان سے جُدا کرکے ناراض کیا اب آپ ہی ہماری بخشش کا سوال کیجئے ورنہ ہم تباہ وبرباد ہوجائیں گے قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (قاعدہ) اکابر اولیاء وانبیاء کے وعدوں میں سوف، عسیٰ لعل کے الفاظ صدقِ الام اور ان کی جد وجہد اور ان سے یقینی اور قطعی طور وقوع پر دلالت کرتا ہے ان الفاظ سے ان کا اپنے وقار کا اظہار اور ترکِ عجلت مطلوب ہوتی ہے۔ اس قانون پہ یعقوب علیہ السلام کا وعدہ سمجھیے۔ گویا یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں کو فرمایا کہ میں تمہارے لیے دعا یقیناً

مانگوں گا اگرچہ دیر کے بعد۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف : شعبی سے مروی ہے کہ سوف استغفر لکم الخ کا معنی یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے فرمایا کہ میں یوسف علیہ السلام سے مل کر ان سے پوچھوں گا اگر وہ تمہیں معاف کردیں تو پھر میں تمہارے لیے بخشش مانگوں گا ورنہ نہیں اس لیے کہ وہ مظلوم تھے اور مظلوم کا معاف کرنا پہلے ضروری ہے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ یعقوب علیہ السلام نے ان کی معافی کو یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے ساتھ معلق فرمایا۔

ف : جب وہ یوسف علیہ السلام کے ہاں مصر میں تشریف لائے تو جمعہ کی شب کو سحر کے وقت اور وہی عاشورہ کی شب تھی نماز میں مشغول ہوئے۔ جب فراغت پائی تو دعا مانگی :

اے اللہ تعالیٰ ! یوسف علیہ السلام کے بارے میں میرا جزع و فزع اور قلتِ صبر کو معاف فرما اور مجھ سے اور میری اولاد سے جو کچھ یوسف علیہ السلام کے متعلق کوتاہی ہوئی وہ بھی بخش دے۔

یوسف علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے پیچھے کہتے آمین۔ اور اخوۂ یوسف بھی نہایت عجز و انکساری سے اور بڑے خشوع و خضوع سے کھڑے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے یعقوب علیہ السلام ! ہم نے آپ سب کو بخش دیا۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام بیس سال کے کچھ اوپر تادمِ زندگی اپنے بیٹوں کے لیے ہر جمعہ کی رات دعا مانگتے تھے۔

نکتہ : صاحبِ روح البیان کے پیرو مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے قول یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرّاحمین اور یعقوب علیہ السلام کے قول سوف استغفر لکم ربی انّہٗ ھو الغفور الرّحیم میں بہت بڑا فرق ہے وہ یہ کہ یوسف علیہ السلام کے قلب پر غیبی واردات سے آپ کو معلوم ہوا کہ یہ مراتب و درجات اور انعام و اکرام بھائیوں کی وجہ سے نصیب ہوا۔ اور دوسرا یہ بھی غیب سے وارد ہوا کہ ان کے لیے استغفار کرنی چاہیے۔ اسی لیے فرمایا :

یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرّاحمین۔

یعنی اے بھائیو ! اللہ تعالیٰ تمہارے لیے میرے اور ابا جان اور تمام مخلوق سے زیادہ رحیم ہے۔ اسی لیے میرے اور تمہارے اوپر وہی رحم فرمائے گا۔ آپ کے لیے استغفار ضروری ہے اس لیے کہ میں نے تمہاری وجہ سے ہی اتنے بڑے مراتب و درجات اور کمالات حاصل کیے ہیں۔ اگر تم مجھے صدمات نہ پہنچاتے تو مجھے یہ درجات حاصل نہ ہوتے۔ تمہارے اوپر اس کی رحمت و مغفرت نہ ہوتی تو تم مجھے ایسے مصائب و تکالیف میں مبتلا کرنے پر قادر نہ ہوتے اور نہ ہی مجھے ظاہری نعمت یعنی اتنی بڑی سلطنت نصیب ہوتی اور باطنی کمالات نصیب ہوتے۔ اور یعقوب علیہ السلام کے قلب پر اس قسم کے واردات نہیں ہوئے بلکہ ان کی ان کے ظاہری کردار پر نظر تھی کہ انہوں نے اپنے بھائی کو اور مجھے رنج و محن اور تکالیف و مصائب میں ڈالا۔ اسی لیے ان کی ان کے استغفار کی طرف توجہ نہ ہوئی اور فرمایا یہاں تک کہ غیب سے تمہارے لیے استغفار کی اجازت ہوئی تو خلوصِ قلب اور صدق دلی سے ان کے لیے دعا مانگی۔ قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ ہے ،

وسوف استغفرلکم۔

یعنی عنقریب میرے قلب پر تمہاری بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملے گی تو دعا مانگوں گا۔ فلہٰذا عجلت ذکرہ۔

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وہ غفور رحیم ہے۔ بایں معنیٰ ہے کہ چونکہ اس نے تمہاری جانب سے ہمارے اُوپر رنج و محن نازل فرمائے اور وہ ہمارے لیے انعامات کا سبب بنے ہیں اسی لیے وہ تمہارے اُوپر رحم فرما کر تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اگر اس کا تمہارے لیے رحمت و مغفرت کا ارادہ نہ ہوتا تو وہ تمہیں ہمارے لیے انعامات و احسانات کا سبب نہ بناتا۔

خلاصہ یہ کہ یعقوب و یوسف علیہما السلام کا ان تکالیف میں مبتلا ہونا بظاہر دُکھ درد تھا لیکن ان کے لیے نعمت و راحت تھی۔ نعمت بظاہر زحمت، درحقیقت رحمت تھی۔ اس کے برابر پر حمد ہے انعام سے نوازے یا تکلیف دے۔

قاعدہ صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اخوۃ یوسف علیہ السلام کو بھی جمال و جلال سے نوازے۔ پھر انھیں والد گرامی کی طرف سے قبض و جلال سے نوازا۔ اور بھائی یوسف علیہ السلام کی طرف سے انھیں بسط و جمال سے، یہاں تک کہ تجلیٰ اولیٰ سے مرتبۂ صبر کو پا لیا اور مرتبۂ شکر کو تجلی ثانی سے۔ اس لحاظ سے ان کی تربیت قبضتین و یدین سے ہوئی۔ اس معنے پر ان کا مرتبہ جامع المرتبین ہوا۔ اگر ان پر تجلی دونوں جانب سے قبضہ واحد اور ید واحدۃ سے ہوتی تو طریقہ قدیمہ کے خلاف ہوتا اس لیے اس کا طریقہ ہے کہ کسی تجلی سے نوازتا ہے تو دو مختلف صورتوں سے، بلکہ دو شخصوں کو تجلی سے نوازتا ہے تو بھی دو مختلف صورتوں سے۔ یہی وجہ ہے کہ دو شخص ایک ہی صورت کے نہیں ہوتے۔ اگرچہ ایک ہی بارے میں، اس لیے کہ ان دونوں کا ایک تجلی کا ہونا تحصیل حاصل کے مترادف ہے اور تحصیل حاصل ایک عبث فعل ہے اور اللہ تعالیٰ عبث امور سے منزہ اور پاک ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے والد گرامی کے ہاں قمیص مبارک روانہ کرنے کے ساتھ بہت سا سامان بھیجا اور دو سو سواریاں روانہ کیں تاکہ ان پر سوار ہو کر تمام اہل و عیال، نوکر چاکر، غلاموں اور کنیزوں کو کنعان سے مصر لے آئیں۔ یوسف علیہ السلام کا پیغام پہنچتے ہی یعقوب علیہ السلام مصر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

کمال خجندی نے کہا: ؎

کرد شیریں دہن ما خبر یار عزیز
کہ ز مصرت دگر اینک شکر می آید

ترجمہ: مجھے یار عزیز کی خبر سے خوش کر دیا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے ابھی میٹھا بول پہنچا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد اور دیگر اہل و عیال کے ساتھ سواریوں پر سوار ہو کر مصر کو روانہ ہوئے ۔ جب یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے تو یوسف علیہ السلام کو اطلاع دی گئی ۔

ے

صبا ز دوست پیامے بسوئے آورد
بمہمانِ کہن دوستی بجا آورد
برائے چشم ضعیف رمد گرفتۂ ما
ز خاک قدیم محبوب توتیا آورد

ترجمہ : صبا دوست سے پیام لائی ۔ قدیم مہمان کے ہاں دوستی کی خبر لایا ۔
ہماری درد رسیدہ آنکھ کے لیے محبوب کے قدموں کی خاک لائی جو وہی ہمارے لیے توتیا ہے ۔

یعقوب علیہ السلام کا استقبال

جونہی یعقوب علیہ السلام مصر کے نزدیک ہوئے تو یوسف علیہ السلام اور بادشاہ ریان چار ہزار فوج اور تین ہزار سوار سمیت اور شہر کے رؤسا و عظما بلکہ مصر کے تمام عوام استقبال کے لیے حاضر ہوئے اور ہر سوار کو چاندی کی ڈھال اور سونے کا جھنڈا دیا گیا ۔ اس طرح مصر کے تمام جنگل آراستہ و پیراستہ نظر آتے تھے اور تمام لوگ صف بہ صف کھڑے ہو گئے اور یہ سب کے سب غلام اور سواریاں یوسف علیہ السلام کی ملکیت تھیں ۔ یعقوب علیہ السلام جب لشکر کے قریب پہنچے آپ کے پیچھے پیچھے آپ کی اولاد در اولاد کا ایک بہت بڑا قافلہ تھا ۔ یوسف علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر متعجب ہوئے تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی آپ اس لشکر سے تعجب کر رہے ہیں ذرا اوپر دیکھیے تمام فرشتے حاضر ہیں اور آپ کے سرور سے مسرور ہو رہے ہیں حالانکہ اس سے قبل آپ کے حزن و ملال سے محزون تھے یعقوب علیہ السلام نے لشکر کو دیکھ کر پوچھا ان میں میرے یوسف (علیہ السلام) کہاں ہیں ؛ جبریل علیہ السلام نے عرض کی ، وہ جو چھتری کے نیچے شان و شوکت سے آ رہے ہیں ۔ یعقوب علیہ السلام دیکھ کر بے ساختہ سواری سے اُترنے لگے ۔ آپ کو نیچے اتارا گیا اور یوسف علیہ السلام کے شوق سے یہودا کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پیدل چل پڑے ۔ ے

راہ نزدیک و بماندم سخت دیر
سیر گشتم زیں ہواری سیر سیر
سرنگوں خود را از اشتر در فگند
گفت سوزندم ز غم تا چند چند

ترجمہ : راہ نزدیک ہونے کے باوجود بھی سخت دیر ہو گئی اس سست رفتار سواری سے تنگ

آگیا ہوں۔ اپنے آپ کو اونٹ سے نیچے دے مارا اور فرمایا کہ کب تک مجھے یہ سواری غم سے جلاتی رہے گی۔

جب یعقوب علیہ السلام سواری سے نیچے اُترے تو جبریل علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی آپ کے والدگرامی پیدل چل رہے ہیں۔ آپ بھی سواری سے نیچے اُتر کر پیدل چلیں۔ یوسف و یعقوب تیزی سے ایک دوسرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جب ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے پہلے سلام کرنے کا ارادہ فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ اے یوسف! اپنے والدگرامی کو پہل کرنے دیجئے کیونکہ وہی افضل و احق ہیں۔ اس لیے یعقوب علیہ السلام نے کہا: السلام عليك يا مذهب الاحزان۔

ے

چہ جور ہا کہ کشیدند بلبلاں از دے
بہوئے آنکہ دگر نو بہار باز آید

ترجمہ: بلبلوں نے اس سے آتنا دکھ اس لیے اٹھایا تاکہ باغ کی خوشبو سے تازہ بہار نصیب ہو۔

دونوں باپ بیٹا خوشی سے گلے لگے اور رونے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر ملائکہ آسمانی رو پڑے اور اس منظر سے تمام لشکر میں ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ خوشی سے گھوڑے ہنہنائے اور ملائکہ نے تسبیح پڑھی۔ اور خوشی کے طبلے اور نقارے بجائے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت قائم ہوگئی۔ ے

چہ خوش حالیست روئے دوست دیدن
پس از عمرے بیک دیگر رسیدن
بکام دل زمانے آرمیدن
بہم گفتن سخن و ز ہم شنیدن

ترجمہ: کیا ہی مبارک ساعت ہے کہ محبوب کا چہرہ دیکھا کہ بڑی مدت کے بعد ہم بچھڑے ہوئے ملے اور دل مراد بر آئی اور ایک دوسرے سے گفت و شنید کا موقع ملا۔

اٰوٰی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ ابویہ میں یوسف علیہ السلام کے والد اور آپ کی خالہ مراد ہے۔ جس کا نام لیا بی بی تھا۔ کیونکہ آپ کی والدہ راحیل بنیامین کی پیدائش کے بعد فوت ہوگئی تھیں اور بنیامین کا اسم گرامی بھی اسی مناسبت سے رکھا گیا کہ ان کی زبان میں یامین بمعنے وجع الولادۃ ہے۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث) یا وہ الرائیہ تھی یعنی موطؤۃ الاب

لہ تربیت کنندہ

اسے اس لیے ماں کہا گیا کہ وہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے یا اس لیے کہ خالہ بھی ماں ہوتی ہے جیسے چچا کو اب کہا جاتا ہے۔
اب معنی یہ ہُوا کہ انھیں یوسف علیہ السلام نے اپنے خاص محل میں لے جا کر گلے لگایا کیونکہ یوسف علیہ السلام ان حضرات کو بعد از استقبال اپنے خاص محل میں لے گئے اور وہاں پھر دوبارہ گلے ملے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ مصر کے نزدیک ایک جگہ تھی جہاں یوسف علیہ السلام نے اپنا ایک خصوصی محل تیار کرایا ہُوا تھا استقبال کے بعد اپنے والدین کو اپنے محل خاص میں لے گئے اسی لیے پہلے والدین کو پھر بھائیوں کو گلے لگایا اور سب سے خیریت دریافت کی اور سب کے ساتھ درجہ انتہائی درجہ کی نوازش فرمائی۔

وَقَالَ اور مصر میں داخل ہونے سے پہلے فرمایا، ادْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مصر میں داخل ہو جاؤ انشاء اللہ بھوک اور خوف و دیگر جمیع تکالیف سے امن میں رہو گے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کی ولایت سے پہلے کنعانی لوگ مصر کے بادشاہوں سے ہراساں رہتے تھے ان کی اجازت کے بغیر کنعانی مصر میں نہیں آ سکتے کیونکہ وہ شرارتی لوگ تھے اور مشیت دخول و امن سے متعلق ہے دو فعلوں کے متعلق کی مثال عرب میں مشہور ہے، جیسے غازی کو کہا جاتا ہے:

ارجع سالماً غانماً ان شاء اللہ۔

یہاں بھی مشیت سلامت و غنم سے متعلق ہے۔ اب اصل عبارت یوں ہوگی:

اُدخلوا آمنین۔

اس کا ذوالحال اُدخلوا کا فاعل ہے۔ وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ اور اپنے والدین کو اونچا بٹھایا۔ یعنی جب یعقوب علیہ السلام کا قافلہ مصر میں پہنچا تو یوسف علیہ السلام نے انھیں اپنے تخت شاہی پر بٹھایا۔ یعنی جب یعقوب علیہ السلام کا قافلہ مصر میں پہنچا تو یوسف علیہ السلام نے انھیں اپنے تخت شاہی پر بٹھایا۔ اس وقت یہ بہتر مردوں عورتوں کا قافلہ تھا اور جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تھے تو ان کے ساتھ بنی اسرائیل چھ لاکھ پانچ سو نوتے (یا ستر سے کچھ اوپر) افراد تھے۔ یہ تعداد بوڑھوں اور بچوں کے علاوہ ہے کیونکہ بچے بوڑھے لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ عَلَى الْعَرْشِ وہ شاہی بلند تخت جس پر یوسف علیہ السلام بیٹھتے تھے یعنی والدین کو اعزاز و اکرم کے طور اپنے ساتھ اوپر بٹھایا اگرچہ بھائیوں کو بھی اپنے شاہی محل میں لے گئے تھے لیکن وہ شاہی تخت کے بجائے نیچے بہترین تختوں پر بٹھایا۔ لیکن والدین کی کیفیت نمایاں تھی اس لیے کہ اُنھوں نے دُکھ اور تکلیف بہت زیادہ اٹھائی اسی لیے انھیں ممتاز رکھا گیا اسی طرح کل قیامت میں ان کے بھائی ان کے ساتھ بہشت میں ہوں گے لیکن مراتب میں والدین اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین سے بہت کم درجہ پر ہوں گے۔ یہی کیفیت دُنیا میں اہل جفا کی ہوگی کہ جس قدر تکالیف و مصائب میں مبتلا ہوں گے اسی قدر درجات علیا سے نوازے جائیں گے۔

خواب سحر گاہی کی تشریح

حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سچا خواب وُہ ہوتا ہے جو صبح کے وقت دیکھا جائے۔ ظاہر ہے کہ سحر رات کے آخری اور دن کی آمد کے پہلے حصّے کو کہا جاتا ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ رات غیب و ظلمت کی مظہر ہے اور دن زمانۂ کشف وضوح کا نام ہے اور مغیبات و مقدرات غیبیہ کی سیر کا منتہیٰ پہلے علم الٰہی میں ہوتا ہے پھر عالم معانی وارواح میں چونکہ زمانۂ سحر استقبال کمال انکشاف و تحقیق کا زمانہ ہے اسی لیے جو شے اس وقت نظر آئے گی ظہور و تحقیق کے قریب تر ہوگی۔ اسی طرف سیدنا یوسف علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ:

ھذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلھا ربی حقاً۔

یعنی خواب کی حقیقت اسی وقت ہوتی ہے جب حس میں ظہور پذیر ہو جائے اس لیے کہ اسی میں ہی سورۃ ممثلہ سے مقصد ظاہر اور صحیح نتیجہ برآمد ہوگا۔ اسی لیے شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر نے ھذا تاویل رؤیای الخ کا معنی اس طرح بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی صورت کو ظاہر فرمایا جو پہلے خیال کے پردوں میں تھی۔ اسی بنا پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الناس نیام۔ لوگ خواب میں ہیں۔

دیکھیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غفلت کی وجہ سے بیداری کو بھی خواب کی ایک قسم بتایا ہے کیونکہ غافل انسان نیند والے کی طرح معانی غیبیہ و حقائق الٰہیہ سے بے خبر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یوسف علیہ السلام کے قد جعلھا ربی حقا کی مثال اس شخص کی ہے کہ وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اس نے ایک خواب دیکھا پھر اسی خواب سے بیدار ہو کر اسی خواب کو یاد کیا کہ میں نے ایسے ایسے دیکھا اور اس نے اسی خواب میں اس کی تعبیر بھی دی حالانکہ اسے اس وقت علم نہیں کہ میں تو یہی بات خواب میں دیکھ کر اس کی تعبیر بیان کر رہا ہوں پھر وہ جب اصلی (پہلے) خواب سے بیدار ہوتا ہے تو کہتا ہے میں نے ایسے ایسے دیکھا تھا گویا میں اس وقت بیدار تھا اور بیداروں کی طرح ایسے تعبیر دی یہ یوسف علیہ السلام کے اس خواب کو دیکھنے کے بعد مشاہدہ کیا تو اسی شخص کی طرح فرمایا۔ چنانچہ مثنوی شریف میں ہے ؎

این جہان را کہ بصورت قائمست
گفت پیغمبر کہ حلم نائمست
او گمان بردہ کہ این دم خفتہ ام
بے خبر زان کوست در خواب دوم

ترجمہ: یہ جہان جو ایک صورت پر قائم ہے حضور نے فرمایا کہ یہ خواب کے حلم میں ہے اسے

گمان ہوتا ہے کہ میں سو رہا ہوں حالانکہ اسے خبر نہیں کہ وہ خواب میں ڈوبا ہوا ہے۔

محمدی و یوسفی تعبیر کے درمیان فرق حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ادراک میں بہت بڑا فرق ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کو محسوس بنا کر دکھایا ہے اس لیے کہ خیال صرف محسوسات کو ہی پا سکتا ہے لیکن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے برعکس محسوسات کو بھی خیال سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ وہ بھی ایک تجلی حق ہیں اور اس کے اندر معانی غیبیہ مضمر ہوتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے صورِ حسیہ کو حق کہا ہے اور صورِ خیالیہ کو ان کا غیر بتایا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ تجلیاتِ حق اور معانی غیبیہ صرف صورِ حسیہ میں ہیں اور صورِ خیالیہ میں نہیں لیکن ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صورِ حسیہ و خیالیہ کو تجلیِ حق و معانی غیبیہ کا محل بنایا ہے۔ اس سے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک کتنا اعلیٰ و اشرف ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ آپ کی وراثت سے ایسے علل و آثار سے اولیائے کاملین بھی سرشار ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ یعقوب سے روح اور زوجہ سے نفس اور اولاد قویٰ و اوصاف بشریہ و حواس اور یوسف سے قلب مراد ہے اور قلب بمنزلہ عرش کے ہے اور حقیقت میں حضرت انسان کا قلب عرش رحمٰن ہے اور وہ سجدہ دراصل اسی عرش رحمٰن کو تھا اسی ظاہری کو سجدہ نہیں کیا گیا۔

یوسف علیہ السلام نے ان شاء اللہ فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو رسائی نہیں ہو سکتی جب تک جذبہ مشیت دستگیری نہ فرمائے۔ اٰمنین یعنی جب رسائی ہو گئی تو اس کے بعد حضرت حق سے انقطاع نہ ہو گا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ طریق وصول میں اتنی جد وجہد کرے کہ اس کی بصیرت کی نگاہ کھلے اور ظلمت سے بچ جائے۔ پھر وہ نہیں کتنا کہ وہ کہاں ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ایں جہاں پر آفتاب و نور ماہ
او بہشت سر فرو بردہ بچاہ
کہ اگر حقست پس کو روشنی
سر ز چہ بردار و بنگر اے دنی
جملہ عالم شرق و غرب آں نور یافت
تا تو در چاہی نخواہد بر تو تافت

ترجمہ: یہ جہاں آفتاب و چاند کے نور سے پُر ہے لیکن تُو نے گمنامی میں سر چھپایا ہوا ہے کہ اگر وہ حق ہے تو اس کی روشنی کہاں۔ اور تم سرنگوں سے نکال کر اچھی طرح دیکھو تمام جہان نے مشرق

سے مغرب تک اس نور سے استفادہ کیا جب تک تم ایسے ہی سر چھپائے رہو گے نور نہ پا سکو گے۔

ف یہ نور معاصی و شرور پر صبر کرنے اور طبیعت و نفس کی شریعت و طریقت کی اصلاح اور وجود کو بیت الخلوۃ میں بند کرنے سے حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ حقیقت کا نور نصیب ہو جاتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

آنکہ پیرانہ سرم صحبت یوسف بنواخت
اجر صبریست کہ در کلبۂ احزان کردم

ترجمہ: وہ میرا بڑھاپا جس نے یوسف کو پالیا اسے اس صبر کا اجر ملا ہے جو میں نے عرصہ تک غم و حزن میں گزارا۔

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں واصلین سے بنا وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ الکواشی میں لکھا ہے کہ اس کا مفعول محذوف ہے در اصل احسن بی صنعہ احسان کبھی الیٰ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور کبھی بؔ کے ساتھ، جیسے وبالوالدین احسانا - اب جملہ ہذا کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے۔ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ جس وقت کہ اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا۔

سوال: کنویں سے نکلنے کا ذکر کیوں نہیں فرمایا۔

جواب ۱: تاکہ بھائی رسوانہ ہوں اور انسان کا دوسرے پر مکمل احسان یہی ہے کہ درگزر کرنے کے بعد اس کی غلطی کا کبھی اعادہ نہ کرے۔

۲۔ قید خانہ میں کفار کے ساتھ رہنا سہنا تھا اور کنویں میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ۔ کنویں میں اگرچہ بظاہر قید میں تھے لیکن درحقیقت یہ قید نہیں تھی۔

۳۔ کنویں کی قید میں نچے (نابالغ) تھے اور بچوں پر ادائیگی شکر غیر ضروری ہوتی ہے۔

۴۔ کنویں کی تکلیف کو ایک عرصہ گزر چکا تھا اور وہ نسیاً منسیاً ہو گئی تھی۔ مصر کے قید خانے سے نکلے ہوئے قریب کا زمانہ گزرا تھا اسی لیے اسے یاد فرمایا۔

ان تمام وجوہ سے پہلی وجہ راجح تر ہے اور اس قسم کا بیان زلیخا کے حق میں ارجع الی ربک فاسئلہ ما بال النسوۃ التی میں گزر چکا ہے کہ وہاں زلیخا کا نام نہ لیا تو دیگر عورتوں کے متعلق فرمایا، ما بال النسوۃ الخ۔

لقمان کی حکمت

حضرت لقمان نے فرمایا کہ میں نے چار ہزار انبیاء علیہم السلام کی خدمت کی ہے ان سے میں نے آٹھ حکمتیں خصوصیت سے حاصل کیں:

۱۔ نماز میں قلب کی حفاظت

۲و۳۔ غیر کے گھر میں دونوں آنکھوں کی حفاظت

۹۔ لوگوں کی مجلس میں زبان کی حفاظت

۷۔ دو باتوں کو ہر وقت یاد کرنا ضروری ہے: اللہ تعالیٰ اور موت۔

۸۔ دو باتوں کو بھلانا ضروری ہے: کسی پر احسان کو اور اسی سے تکلیف پہنچنے کو۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات میں ہے کہ مجھے حب وجود کے قید خانے سے نکالا سے حُب البشریہ نہیں فرمایا اس لیے کہ وجود سے نکالنے کی نعمت بشریت کے کنویں سے نکالنے کی نعمت سے بہت بڑی ہے۔

وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ اور تمہیں دیہات سے لے آیا ہے۔ القاموس میں ہے کہ البدو، بادیہ شہر کے برعکس یعنی دیہات، کیونکہ دیہات میں جنگلات آنکھوں کے سامنے حائل ہوتے ہیں اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کو دیہاتی اس لیے فرمایا کہ ان کی وجہ معاش جانوروں پر تھی اس لیے کہ جانوروں کی چراگاہوں کی مناسبت پر کہیں مستقل ٹھکانہ نہیں تھا اسی لیے خیمہ جات اپنے ساتھ رکھتے جہاں جانوروں کی چراگاہیں سرسبز حاصل ہوتیں وہیں ڈیرے ڈال دیتے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یعقوب علیہ السلام اور آپ کی اولاد کا بسیرا ملک شام میں فلسطین کے نزدیک تھا اور وہ کنعان کے بھی قریب تھے۔ اسی لیے یوسف علیہ السلام نے شکرانہ کے طور کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قید خانہ سے تخت نشین بنایا اور آپ حضرات کو دیہات سے میرے ہاں پہنچایا تاکہ اکٹھے ہو کر باقیماندہ زندگی بسر کریں۔

مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ اس کے بعد میرے اور میرے بھائیوں کے مابین شیطان نے فساد ڈلوایا۔ نزغ بمعنے افسد وحرش واغزی۔ نزع الرائض الدابہ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب جانور کو چلانے والا اس کی پیٹھ پر نوکدار لکڑی چبھوئے تاکہ وہ تیز چلے اور متحرک ہو۔ اسے شیطان کی طرف منسوب کر کے اظہار احسان میں مبالغہ فرمایا۔

ف: صاحب روح البیان نے فرمایا: اس فعل کی نسبت نفس اور شیطان دونوں کی طرف کرنی چاہیے اس لیے کہ شر کا اصل معدن یہی دونوں ہیں اگرچہ ہر فعل کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ بیشک میرا رب تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے بہتر تدبیر فرماتا ہے اور اپنی حکمت وصواب سے ہر ایک کے ساتھ لطف وکرم فرماتا ہے۔ ہر مشکل سے مشکل کام اس کی تدبیر کے آگے سہل ہے۔

ف: الکواشی میں ہے کہ وہ جس کے لیے چاہے لطف فرماتا ہے۔ لطف پوشیدہ احسان کو کہا جاتا ہے۔

ف: امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ اس اسم کا استحقاق اس ذات کے لیے ہے جو مصالح کے دقائق وغوامض کو جانتی ہو اور اسے دقیق ولطیف امر کا علم ہو اور ان مصالح کی حقدار کو سختی کی بجائے نرمی سے عطا فرمائے۔

ف: جب رفق فی الفعل اور لطف فی الادراک کا اجتماع ہوتا ہے تو معنیٰ لطف مکمل ہو جاتا ہے اور اس کا کمال فی العلم و الفعل صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور بس۔

ف: بندے کو اس اسم کا حصہ یوں نصیب ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ دعوت الی اللہ اور ہدایت الی سعادۃ الآخرہ میں سختی کی بجائے نرمی کرے۔ نہ ان سے تعصب رکھے نہ ان سے جھگڑے۔ اور لطف کی احسن وجہ یہ ہے کہ اس میں شمائل اور پسندیدہ سیر اور اعمال صالح کے ساتھ قبول حق کا جذبہ ہو الفاظ مزینہ کے بجائے امور مذکورہ بالا زیادہ موثر اور لطیف تر ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

پند فعلے خلق را جذاب تر
کہ رسد در جان ہر با گوش کر

ترجمہ: مخلوق کو عمل کے اظہار سے نصیحت کا زیادہ اثر ہوتا ہے یہاں تک کہ اس سے گونگے بھی فائدہ پاتے ہیں۔

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ بے شک جمیع مصالح و تدابیر کے جملہ وجوہ کو وہی جانتا ہے۔ الحکیم اس کا ہر فعل حکمت کے مقتضا کے مطابق ہے۔

ف: اسم علیم و حکیم کی تقدیم و تاخیر کی حکمت اسی سورۃ کے اوائل میں ہم نے بیان کی ہے۔

علم یعقوب علیہ السلام مروی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی کے پنجہ میں پنجہ ملا کر انہیں اپنے خزانوں کی طرف لے گئے۔ پہلے انہیں چاندی اور سونے کے، پھر کپڑوں اور ہتھیاروں کے، اسی طرح سب خزانے دکھاتے ہوئے کاغذ کے کارخانوں میں لے گئے اور کاغذوں کی ایجاد یوسف علیہ السلام کی مرہونِ منت ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بیٹے! کاغذوں کے اتنے بڑے کارخانوں کے باوجود آپ نے میرے ہاں ایک خط بھی نہ لکھا حالانکہ آپ مجھ سے صرف آٹھ مراحل کے فاصلے پر تھے ؎

صد بار شد از عشق تو ام حال دگرگوں
یکبار نگفتی فلاں حال تو چوں شد

ترجمہ: تیرے عشق میں میرا حال کئی بار دگرگوں ہوا تو نے کبھی ایک دفعہ بھی نہیں پوچھا کہ تیرا حال کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے روکا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ ان سے روکنے کی وجہ دریافت کریں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: آپ خود ہی بلوا کر ان سے پوچھ لیجئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ نے کیوں روکا؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔ جب آپ نے فرمایا: اخاف ان یاکله الذئب اللہ نے فرمایا یہ میرے بجائے بھیڑیے سے کیوں ڈرتے ہیں۔

عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

۱ زلیخا چون ز یُوسف کام دل یافت
بوصل دائمش آرام دل یافت

۲ تمادی یافت ایام وصالش
دران دولت ز چہل بگزشت سالش

۳ پیاپے داد آن نخل برومند
بر فرزند بل فرزند فرزند

۴ مرادے در جہاں در دل نبودش
کہ بر خوان امل حاصل نبودش

ترجمہ: ۱۔ جب زلیخا نے یوُسف سے مراد پائی اور اس کے دائمی وصال سے آرام پایا۔
۲۔ اس کے وصال سے کافی مدت گزری یعنی چالیس سال باہم بسر کیے۔
۳۔ انھیں چالیس سالوں میں مراد کے پھل خوب کھائے اور اولاد بھی پیدا ہوئی۔
۴۔ اب اس کی کوئی مراد باقی نہ رہی کیونکہ جملہ مرادیں پا لی تھیں۔

اولاد یوُسف علیہ السلام از بی بی زلیخا

راعیل یعنی بی بی زلیخا سے یوسف علیہ السلام کی اولاد کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ افرائیم
۲۔ میشا
۳۔ رحمۃ زوجہ ایوب علیہ السلام

افرائیم کے بیٹے نون کے بیٹے یُوشع علیہ السلام تھے جو مُوسیٰ علیہ السلام کے خلیفۂ خاص مشہور ہیں۔ جب یعقوب علیہ السلام یُوسف علیہ السلام کے محل خاص میں تشریف لے گئے تو یُوسف علیہ السلام کی اولاد حاضر ہو کر دادا جان کے سامنے باادب کھڑی ہو گئی۔ یُوسف علیہ السلام نے سب کا تعارف کرایا۔ یعقوب علیہ السلام انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد یُوسف علیہ السلام نے والد گرامی کو اپنی زوجہ بی بی زلیخا کا حال سُنایا اور فرمایا کہ یہ تمام بچے اسی کے بطن سے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے بی بی زلیخا کو بلایا۔ زلیخا حاضر ہوئی اور اس نے یعقوب علیہ السلام کے ہاتھ چُومے اور عرض کی آپ ہمارے اسی محل خاص میں قیام فرمائیں۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے یہ شاہانہ رہائش ناپسند ہے۔ مجھے ایک جھونپڑا اس طرح کا تیار کرا دو جیسے کنعان میں میرے لیے تیار کرایا گیا۔ آپ کی حسب خواہش جھونپڑا تیار کر دیا گیا اور آپ اس میں خوشی منتقل ہو گئے۔

مختارِ کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش گاہ

سہیلی نے فرمایا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدے (حجرے) کھجوروں کی لکڑیوں سے تیار کیے گئے تھے اور اسے گارے سے مضبوط کیا گیا تھا۔ چند ایک حجرے پاک پتھروں سے بنائے گئے۔ لیکن تمام حجروں کی چھتیں کھجور کی لکڑیوں کی تھیں۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی چشم دید شہادت

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قریب البلوغ تھا۔ لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں میں آنا جاتا تھا۔ یہ خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی بات ہے۔ وہ حجرے اتنے چھوٹے تھے کہ میں ان کی چھتوں کو ہاتھ لگا لیتا تھا۔ پھر حضرت عثمان بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ازواجِ مطہرات کے وصال کے بعد ان حجروں کو توڑ کر مسجد نبوی تیار کرائی۔

اختیارِ کُل کا ثبوت

بعض تابعین رضی اللہ عنہ کو اسی روز بہت بڑا گریہ کرتے دیکھا گیا۔ اور فرماتے کہ کاش! یہ حجرے پاک نہ ہوتے تو لوگ مکانات کی تعمیر میں حرص و ہوا میں مبتلا نہ ہوتے اور ایسے مکانات میں سکونت اختیار فرماتے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کی سکونت کے لیے پسند فرمائے حالانکہ اختیار کا عالم یہ تھا کہ:

مفاتیح خزائن الارض بیدہ علیہ السلام۔ تمام زمینوں کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں تھیں۔ (روح البیان ج ۴ ص ۳۲۴)

یہ صرف اس لیے کہ لوگ مکانات میں تکاثر و تفاخر نہ کریں۔ (کذا فی التبیان)

حدیث شریف مسلمان کا وہ مال بہت بُرا ہے جو تعمیرات میں خرچ کیا جائے۔

حکایت بہلول دانا

حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ ہارون کے محل شاہی کی دیوار پر لکھا کہ اے ہارون بادشاہ! تو نے مٹی کو (مکان بنا کر) بلند کیا لیکن دین کو خاک میں ملا دیا اور تو نے چونے کو اونچا کیا۔ لیکن نص (قرآن وحدیث) کو ضائع کر دیا۔ تو نے اتنا بڑا مکان اپنی جیب سے بنایا تو تو فضول خرچ ہے اور اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اگر تُو نے یہ مال عوام کے خُون پسینے سے بنایا تو تُو ظالم ہے۔ اور ظالموں کو بھی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا۔

وفات یعقوب علیہ السلام

مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے ہاں چوبیس سال زندہ رہے۔ جب وصال کا وقت قریب ہُوا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے شام میں اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ یعقوب علیہ السلام کا وصال ہوا تو ان کو ساگوان کے

صندوق میں رکھ کر خود یوسف علیہ السلام بنفس نفیس ملک شام میں دفنانے کے لیے لے گئے۔ حسنِ اتفاق سے اسی روز عیصٰؑ کا انتقال ہُوا۔ جیسے دونوں حضرات والدہ کے پیٹ میں اکٹھے رہے ویسے ہی ایک قبر میں مدفون ہوئے۔ عیص اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو سینتالیس تھی۔ (کذا فی تفسیر ابی الیث)

یُوسف علیہ السلام والدگرامی کو دفنا کر مصر واپس تشریف لائے اور والدگرامی کے وصال کے بعد صرف تیس سال زندگی بسر فرمائی اور آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔ جب یُوسف علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے تمام اوصاف مکمل طور پر جمع فرمائے اور شاہی اسباب عروج پر پہنچے اور کاروبار بھی احسن طریق سے سُلجھ گئے اور دیکھا کہ اب معاملات میں کسی قسم کی کمی نہیں رہی لیکن آخر تابکے، ہر کمالے را زوال۔ اور دنیا کی تمام نعمتیں مٹ جائیں گی۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

اذا تم امردنا نقصہ

توقع زوالا اذا قیل تم

ترجمہ: جب معاملہ مکمل ہوتا ہے تو اس کے نقص کا آغاز بھی ہوجاتا ہے جسے تم سنو کہ وہ مکمل ہوگئی تو سمجھ لو کہ اب اس کے زوال کا وقت آگیا ہے۔

اسی لیے یُوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حُسنِ خاتمہ کے ساتھ موت چاہی

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ یُوسف علیہ السلام نے خواب میں والدگرامی کو دیکھا وہ فرماتے ہیں: بیٹے! میں تیری دید کا بہت بڑا مشتاق ہُوں۔ تین دنوں کے اندر اندر میرے ہاں حاضر ہوجاؤ۔ یُوسف علیہ السلام بیدار ہُوئے تو تمام بھائیوں کو بلایا اور وصیتیں کیں اور اپنی مملکت کا ولیعہد یہودا کو مقرر فرمایا۔ صاحبزادگان کو ان کے سپرد کیا۔ فرمایا پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں مناجات عرض کی:

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ بیشک تو نے میری مِلک کر دیا یا دنیا کے ایک بہت بڑے حصّے کا مالک بنا دیا یعنی مصر کی شاہی بخشی۔ ہم نے ایک حصّہ سے اس لیے تعبیر کیا کہ یوسف علیہ السلام بظاہر تمام دنیا کے بادشاہ نہ تھے۔

ف: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یُوسف علیہ السلام میں تمام دنیا کی بادشاہی کرنے کی قابلیت تھی۔ لیکن صرف ایک حصّہ کی شاہی کی۔ اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں باوجودیکہ کائنات کی شاہی سونپی گئی لیکن آپ نے اپنے افعال وصفات سے ملک شاہی کو ایسا فنا فرمایا کہ آپ کے وجود سے سوائے تجلیات حق کے اور کوئی شے ظاہر نہ ہُوئی اور آپ کی یہ وہ شاہی تھی کہ جس کا مقابلہ کوئی اور شاہی نہیں کرسکتی۔

---

[1] یعنی یعقوب علیہ السلام کے جڑواں بھائی۔

مثنوی شریف میں ہے :

پس رجال از نقل عالم شادمان

وز بقا اش شادمان ایں کودکان

ترجمہ : اللہ والے عالم دنیا سے چلے جانے سے اور بچے اس کے اندر زندہ رہنے سے خوش ہوتے ہیں۔

ہمچنیں باد اجل بر عارفان

نرم و خوش ہمچون نسیم یوسفان

آتش ابراہیم را دندان نزد

چوں گزیدہ حق بود چونش گزد

ترجمہ : عارفین کے لیے اجل ایسے ہی نرم و خوش ہے جیسے یوسفی نسیم ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نقصان نہ پہنچایا اس لیے کہ وہ برگزیدہ حق تھے ، انھیں آگ کیسے نقصان پہنچاتی۔

حدیث شریف اَلْمَوْتُ تُحْفَۃُ الْمُؤْمِن ۔ موت مومن کا تحفہ ہے اس لیے کہ موت مومن کے لیے قید خانہ ہے کیونکہ مومن اس میں ہمیشہ دکھ اور تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ بالخصوص نفس شیطان کا مقابلہ اور شہوت کے دفع کرنے کی پریشانی وغیرہ وغیرہ ۔ مومن موت سے ان تمام تکالیف سے نجات پاکر دائمی راحت و فرحت کی آغوش میں آجاتا ہے۔

اسی بنا پر بزرگان کا فرمان ہے کہ اُمرا کی موت فتنہ اور علماء کی موت مصیبت اور اغنیاء کی موت محنت اور فقرا کی موت راحت ہوتی ہے۔

حدیث شریف جسے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی محبت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو چاہتا ہے اور جو اللہ تعالےٰ کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ ہم سب موت سے گھبرا جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا نام گھبراہٹ نہیں بلکہ وہ گھبراہٹ مراد ہے جو عین موت کے وقت ہوتی ہے۔ اور اس وقت تو مومن کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کے ہاں ایک فرشتہ خوشخبری لاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری دو گے تو تمہارے لیے فلاں فلاں نعمتیں تیار ہیں۔ اس طرح سے اس بندے کو اللہ تعالیٰ کی حاضری کا بہت شوق ہوگا۔ وہ چاہے گا ابھی دیر نہ ہو میں مر جاؤں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو جاؤں۔ اور فاجر یا کافر جب مرجاتا ہے تو اس کے ہاں ڈر سنانے والا فرشتہ تشریف لاتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ عذاب کی خبر

سنا تا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاضری نہ دوں اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے حضور ایسے بندے کی حاضری نہیں چاہتا۔

ف : اللہ کی محبت کے معنے یہی ہیں کہ وہ اپنے بندے کو فضل وکرم اور عطائے بیکراں سے نوازتا ہے۔ اور کافر سے کراہت کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ اسے اپنی رحمت سے دُور اور توفیق خیر سے محروم اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا فرماتا ہے۔

ف : حضرت یوسف علیہ السلام نے ایمان پر خاتمہ کی دُعا اس لیے مانگی تاکہ آپ کی اُمت بھی اسی طرح دُعا مانگے۔ جسے اپنے خاتمے کا خطرہ رہتا ہو اسے خاتمہ ایمان کی دُعا مانگنی چاہیے۔ یوسف علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے خاتمہ ایمان پر بھی ہو گا اور پیغمبر کی اقتدا بھی نصیب ہو گی۔

سوال : حضرت یوسف علیہ السلام کو خاتمہ کا کون سا خطرہ تھا تم اہلسنت کہتے ہو کہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں۔

جواب : غیب جاننا اللہ تعالیٰ کے اذن وعطا سے ہوتا ہے اور واقعی انبیاء علیہم السلام کو اپنے بلکہ اپنی تمام امت کے خاتمے کا علم ہوتا ہے۔ یہ بدبخت وہابیہ و دیوبندیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے خاتمے کا علم نہ تھا۔[1] ان کا خاتمہ ایمان کی دُعا مانگنا اپنے لیے نہیں ہوتا بلکہ ان کا ہر عمل اپنی امت کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے تاکہ اُمت انبیاء علیہم السلام سے استفادہ کرے (چنانچہ صاحب رُوح البیان نے اس طویل بحث کو دو لفظوں میں ختم فرمایا ہے کہ):

لان ظواھر الانبیاء علیہم السلام کانت لنظر الامم الیھم لیعلموا موضع الشکر من موضع الاستغفار۔

وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ اور مجھے صالحین میں شامل فرما۔ یہاں پر صالحین سے ان کے آباء کرام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ مجھے ان حضرات کے ساتھ بہشت میں داخل فرما۔ یا ان سے عام صالحین مومنین مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ مجھے نعمت وکرامت میں ان کے ساتھ شامل فرما۔ در اصل یہ کلمہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے مستعمل ہے کیونکہ انہی حضرات کے احوال کامل اکمل اور خیر وبرکت کے جامع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے:

وادخلناھم فی رحمتنا انھم من الصالحین۔

سوال : سعدی المفتی نے فرمایا کہ صلاح (نیکی) مبتدی سالک کی صفت ہے۔ یوسف علیہ السلام تو اکابر انبیاء علیہم السلام سے تھے تو پھر انھیں اس صفت سے کیوں موصوف کیا گیا اور انہوں نے اس معمولی مرتبہ والوں کے ساتھ الحاق کی دعا کیوں مانگی۔

جواب : یہ ان کی کسر نفسی پر مبنی ہے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے اکثر معاملات میں کسر نفسی کرتے ہیں۔ جیسے ہمارے

---

[1] براہین قاطعہ

آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے۔

جوابؔ: صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ مذکورہ بالا جواب سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور یہ جواب نہایت ناموزوں اور انبیاء علیہم السلام کی شان کے منافی ہے۔ دراصل سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ کو ابتدائی غلطی اولٰئك الذین انعم اللہ علیہم من النبیین (الایۃ) کی ترتیب سے ہُوئی ہے کہ آیت مذکورہ میں صالحین کا ذکر آخر میں ہے فلہٰذا وہ درجہ میں کم ہیں۔ حالانکہ ان کی توجہ اس حقیقت سے ہٹ گئی کہ صلاحیت ایک ایسے بہت بڑے مرتبے کا نام ہے جو جمیع مراتب کا جامع ہے کیونکہ لفظ صالح ہر شہید و صدیق و نبی کو حاوی ہے کیونکہ جب ترقی کرے تو شہید بنتا ہے پھر مزید ترقی کرے تو صدیق۔ اس کا آخری مرتبہ نبوت ہے۔

سوال: اگر شہید میں صلاحیت کا مفہوم موجود ہے تو پھر اسے صالح کیوں نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح صدیق اسی طرح نبی۔

جواب: یہ صفت غلبہ کی وجہ سے ہے جیسے انسان تو ہر کوئی ہے لیکن جب کسی کو امارت نصیب ہوتی ہے تو اسے امیر کہا جاتا ہے اور جب وزارت ملتی ہے تو وزیر۔ اس طرح جس صفت کا غلبہ ہو گا اسی نام سے مشہور ہو گا۔ اسی طرح ولایت کے درجات ہوتے ہیں۔ انسان جس درجہ کو حاصل کرے گا اسی صفت سے موسوم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو بھی صالحین کہا ہے۔ کما قال،

انھم من الصالحین۔

اور فرمایا:

وھو یتولی الصالحین۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ کامل انتہا کے بعد ابتداء کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی لیے توفنی مُسلماً پہلے کہا تو یہ فنافی اللہ کی طرف، پھر الحقنی بالصالحین میں بقا باللہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اسی لیے صوفیا کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! مجھے فنا نصیب فرما، اس کے بعد بقاء عطا فرما۔ مجھ میں میری انانیت مٹ جائے اور تیری ذات میں بقا حاصل ہو اور تیری بقا ازلی ابدی ہے اچھی طرح سمجھ لو اسے سمجھدار و!

فؔ: کاشفی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یُوسف علیہ السلام نے زلیخا کو واقعۂ موت کا خواب سنایا اور بی بی نے آپ کو مذکورہ بالا دعا مانگتے سُنا اور انھیں یقین تھا کہ یُوسف علیہ السلام کی دُعا مستجاب ہو گی اور وہ ان کے نزدیک مصیبت عظیم ہو گی کیونکہ برسہا برس کی جُدائی کے بعد وصال نصیب ہوا۔ اب جدائی کیسے برداشت ہو گی اسی لیے بی بی زلیخا خوب روئیں، گریہ و دُعا مانگتیں۔

ندارم طاقت ہجران یوسف | زتن کش جان من با جان یوسف
بقانون وفا نیکو نباشد | کہ من باشم بدنیا او نباشد

دگر با من نسازی همره او را   مرا بیرون بر اول آنگه او را

بدیگر روز یوسف بامدادان   که شد دلها ز فیض صبح شادان

برکرده لباس شهریارے   برون آمد باهنگ سوارے

چو پا در یک رکاب آورد جبریل   بدو گفتا مکن زین بیش تعجیل

امان نبود ز چرخ عمر فرسائے   که ساید در رکاب دیگرت پائے

عنان بگسل ز آمال امانی   بکش پا از رکاب زندگانی

چو یوسف این بشارت کرد از و گوش   ز شادی شد برو هستی فراموش

ز شاهی دامن همت بر افشاند   یکے از وارثان ملک بر خواند

بجاے خود شه آن مرز کردش   بخصلتهاے نیک اندر ز گردش

دگر گفتار زلیخا را بخوانید   بمیعاد وداع من رسانید

بگفتند او ز دست غم زبونست   فتاده درمیان خاک و خونست

ندارد طاقت این باد جانش   بحال خویش بگذار آن جنانش

بکف جبریل حاضر داشت سیبی   که باغ خلد ازان میداشت زیبی

چو یوسف را بدست آن سیب بنهاد   روان آن سیب را بوئید و جان داد

چو یوسف را ازان بو جان بر آمد   ز جان حاضران افغان بر آمد

زلیخا گفت این سوز و فغان چیست   پر از غوغا زمین و آسمان چیست

بدو گفتند کان شاه جوان بخت   بسوے تخته رو کرد از سر تخت

وداع کلبۂ تنگ جهان کرد   وطن بر اوج کاخ لا مکان کرد

ز هول این سخن آن سرو چالاک   سه روز افتاد همچون سایه بر خاک

چو چارم روز شد زان خواب بیدار   سماع آن ز خود بردش دگر بار

سه بار اینسان سه روز از خود همی رفت   بداغ سینه سوز خود همی رفت

چهارم بار چون آمد بخود باز   ز یوسف کرد اول پرسش آغاز

جز این از وے خبر بازش ندادند   که همچون گنج در خاکش نهادند

بیک جنبش ازین اندوه خانه   بخلوت گاه یوسف شد روانه

گهی فرقش همی بوسید و که پائے   فغان میزد ز دل کای وای من وای

فرو رفتہ تو ہمچون آب در خاک | بہ بیرون ماندہ من چون خار و خاشاک
چو درد و حسرتش از حد بدون شد | برسم خاک بوسی سرنگوں شد
بچشمان خود انگشتان در آورد | دو نرگس را ز نرگدان بر آورد
بخاک وے فگند از کاسۂ سر | کہ نرگس کاشتن در خاک بہتر
بخاکش روئے خون آلودہ بنہاد | بمسکینی زمین بوسید و جان داد
خوش آن عاشق کہ در ہجران چنان مرد | بخلوت گاہ جانان جان چنان برد
نخست از غیر جانان دیدہ برکند | وزان پس نقد جان برخاکش افگند
ہزاران فیض بر جان و تنش باد | بجانان دیدۂ جان روشنش باد
حریفان حال او را چون بدیدند | فغان و نالہ بر گردون کشیدند
زگرد فرقش رخ پاک کردند | بجنب یوسفش در خاک کردند[1]

ف : القصص میں ہے کہ یوسف علیہ السلام سے پہلے ہی زلیخا کا انتقال ہوگیا۔ اس سے یوسف علیہ السلام کو سخت ملال ہوا۔ بی بی زلیخا کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا وقتِ وصال قریب ہوا تو آپ نے صاحبزادے افرائیم کو شاہی عنایت فرمائی۔

عجیب واقعہ مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے اہل وعیال اور جملہ اخوۃ اور آل اولاد اور جملہ اہلِ ایمان کو ساتھ لے کر مصر سے نکلے تو جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ انہوں نے دریائے نیل میں ایک راستہ نکال دیا اس میں ایک مقام پر رہنے لگے۔ آپ کی عقیدت سے بہت سے لوگ وہاں جمع ہوگئے۔ وہیں پر دو شہر بنوائے گئے ان کا نام "حرمین" رکھا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ایک عرصہ تک وہاں قیام پذیر رہ کر دنیا سے کوچ کر گئے۔ تو مصریوں نے آپ کے مدفن کے متعلق جھگڑا کیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یوسف علیہ السلام کا مزار ان کی جانب سے ہو تا کہ وہ مزار اقدس سے تبرک و یمن حاصل کریں اور آپ کے مزار اقدس کے طفیل انہیں خوشحالی نصیب ہو۔

ف : معلوم ہوا زمانۂ قدیم سے اہلِ ایمان کا یہی عقیدہ رہا کہ مزارات سے برکاتِ دنیویہ نصیب ہوتے ہیں۔

اس پر جنگ و جدل تک نوبت پہنچی۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ ایک سال ان کا مدفن شہر مصر کی جانب ہو، دوسرے سال دوسری جانب۔ چنانچہ جس سال جانبِ مصر مزار مبارک رکھا گیا وہ جانب خوشحال ہوگئی اور دوسری طرف قحط سالی۔ پھر دوسری جانب مزار کو تبدیل کیا گیا تو وہ سمت خوشحال ہوگئی اور دوسری سمت قحط کی زد میں آگئی۔ اس کے بعد سب نے اتفاق کیا کہ مزار شریف دریائے مصر کے درمیان میں ہو۔ چنانچہ آپ کے لیے سنگِ مرمر کا ایک صندوق بنوا کر دریا کے درمیان زنجیروں سے باندھ دیا گیا۔

---

[1] ان اشعار کا ترجمہ "نکاح یوسف و زلیخا" نامی رسالہ میں دیکھیے۔ (اویسی غفرلہ)

۱ شگاف سنگ قیرانداے کردند
میان قعر نیلش جاے کردند

۲ یکے شد غرق بحر آشنائی
یکے لب تشنہ در بر جدائی

۳ بہ بین حیلہ کہ چرخ بے وفا کرد
کہ بعد مرگش از یوسف جدا کرد

۴ نمی دانم کہ با ایشان چہ کین داشت
کہ زیر خاکشان آسودہ نگذاشت

ترجمہ: ۱۔ سخت پتھر میں سوراخ کر کے دریائے نیل میں رکھے گئے
۲۔ ایک بحر آشنائی میں غرق، دُوسرا جدائی سے تشنہ لب
۳۔ فلک کی بے وفائی کا حال دیکھیے کہ موت کے بعد اسے یوسف سے جُدا کر لیا۔
۴۔ معلوم نہیں اسے عشاق سے کینہ کیوں ہے کہ انھیں مرنے کے بعد بھی آسودہ نہیں چھوڑتا۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یُوسف علیہ السلام کا مزار شریف

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر باہر تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ یُوسف علیہ السلام کے جسدِ اطہر کو بھی ساتھ لے جائیں اور ان کے جسد پاک کو بیت المقدس میں دفن کر دینا کیونکہ ان کی وصیت تھی کہ جب بنی اسرائیل یہاں سے ہجرت کر کے کہیں جائیں تو ان کا جسم اطہر بھی ساتھ لے جائیں۔ چنانچہ ان کے ارشادِ گرامی کی تعمیل کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مزار اقدس کی تلاش بسیار کی۔ لیکن مزار نہ مل سکا۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ جسے ان کے مزار کا علم ہو وہ مجھے اس کی خبر دے۔ ایک بڑھیا نے عرض کی: مجھے ان کے مزار کا علم ہے مگر اس شرط پر بتاؤں گی جب آپ ایفاء کا وعدہ کریں گے وہ یہ کہ آپ مجھے مصر میں نہ چھوڑیں بلکہ آپ ساتھ لے جائیں۔ مُوسیٰ علیہ السلام نے ایسا کرنے کا وعدہ فرمالیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں آپ کے ساتھ بہشت میں رہوں۔ یہ شرط سن کر مُوسیٰ علیہ السلام نے ذرا توقف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہُوا کہ اے مُوسیٰ! آپ اس بڑھیا کے ساتھ وعدہ فرمالیں۔ اس پر مُوسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا کے ساتھ وعدہ فرمالیا۔

مُوسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ جب چاند طلوع کرے اس وقت سب اپنے گھروں سے نکل کر باہر آجانا۔ اب ادھر یُوسف علیہ السلام کا معاملہ سنگین ہوگیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! جب تک یُوسف علیہ السلام کا

فرو رفتہ تو ہمچون آب در خاک | برون ماندہ من چون خار و خاشاک
چو درد و حسرتش از حد بدان شد | برسم خاک بوسی سرنگوں شد
بچشمان خود انگشتان در آورد | دو نرگس را ز نرگسدان بر آورد
بخاک وے فگند از کاسۂ سر | کہ نرگس کاشتن در خاک بہتر
بخاکش روئے خون آلودہ بنہاد | بمسکینی زمین بوسید و جان داد
خوش آن عاشق کہ در ہجران چنان مرد | بخلوت گاہ جانان جان چنان برد
نخست از غیر جانان دیدہ برکند | وزان پس نقد جان بر خاکش افگند
ہزاران فیض بر جان و تنش باد | بجانان دیدۂ جان روشنش باد
حریفان حال او را چون بدیدند | فغان و نالہ بر گردون کشیدند
زگرد فرقش رخ پاک کردند | بجنب یوسفش در خاک کردند [۱]

ف: القصص میں ہے کہ یوسف علیہ السلام سے پہلے ہی زلیخا کا انتقال ہوگیا۔ اس سے یوسف علیہ السلام کو سخت ملال ہوا۔ بی بی زلیخا کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا وقتِ وصال قریب ہوا تو اپنے صاحبزادے افرائیم کو شاہی عنایت فرمائی۔

عجیب واقعہ مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے اہل وعیال اور جملہ اخوۃ اور آل اولاد اور جملہ اہلِ ایمان کو ساتھ لے کر مصر سے نکلے تو جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ انہوں نے دریائے نیل میں ایک راستہ نکال دیا اس میں ایک مقام پر رہنے لگے۔ آپ کی عقیدت سے بہت سے لوگ وہاں جمع ہوگئے۔ وہیں پر دو شہر بنوائے گئے ان کا نام "حرمین" رکھا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ایک عرصہ تک وہیں قیام پذیر رہ کر دنیا سے کوچ کر گئے۔ تو مصریوں نے آپ کے مدفن کے متعلق جھگڑا کیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یوسف علیہ السلام کا مزار ان کی جانب سے ہو تاکہ وہ مزار اقدس سے تبرک وتیمن حاصل کریں اور آپ کے مزار اقدس کے طفیل انہیں خوشحالی نصیب ہو۔

ف: معلوم ہوا زمانۂ قدیم سے اہلِ ایمان کا یہی عقیدہ رہا کہ مزارات سے برکاتِ دنیویہ نصیب ہوتے ہیں۔

اس پر جنگ وجدل تک نوبت پہنچی۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ ایک سال ان کا مدفن شہر مصر کی جانب ہو، دوسرے سال دوسری جانب۔ چنانچہ جس سال جانبِ مصر مزار مبارک رکھا گیا وہ جانب خوشحال ہوگئی اور دوسری طرف قحط سالی۔ پھر دوسری جانب مزار کو تبدیل کیا گیا تو وہ سمت خوشحال ہوگئی اور دوسری سمت قحط کی زد میں آگئی۔ اس کے بعد سب نے اتفاق کیا کہ مزار شریف دریائے مصر کے درمیان میں ہو۔ چنانچہ آپ کے لیے سنگِ مرمر کا ایک صندوق بنوا کر دریا کے درمیان زنجیوں سے باندھ دیا گیا۔

۱ شگاف سنگ قیراندا سے کردند
میان قعر نیلش جاسے کردند
۲ یکے شد غرق بحر آشنائی
یکے لب تشنہ در بر جدائی
۳ بہ بین حیلہ کہ چرخ بے وفا کرد
کہ بعد مرگش از یوسف جدا کرد
۴ نمی دانم کہ با ایشان چہ کین داشت
کہ زیر خاکشان آسودہ نگذاشت

ترجمہ ۱۔ سخت پتھر میں سوراخ کر کے دریائے نیل میں رکھے گئے
۲۔ ایک بحر آشنائی میں غرق، دوسرا جدائی سے تشنہ لب
۳۔ فلک کی بے وفائی کا حال دیکھیے کہ موت کے بعد اسے یوسف سے جدا کر لیا۔
۴۔ معلوم نہیں اسے عشاق سے کینہ کیوں ہے کہ انھیں مرنے کے بعد بھی آسودہ نہیں چھوڑتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یوسف علیہ السلام کا مزار شریف

عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر باہر تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے جسدِ اطہر کو بھی ساتھ لے جائیں اور ان کے جسد پاک کو بیت المقدس میں دفن کر دینا کیونکہ ان کی وصیت تھی کہ جب بنی اسرائیل یہاں سے ہجرت کر کے کہیں جائیں تو ان کا جسم اطہر بھی ساتھ لے جائیں۔ چنانچہ ان کے ارشادِ گرامی کی تعمیل کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مزار اقدس کی تلاش بسیار کی۔ لیکن مزار نہ مل سکا۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ جسے ان کے مزار کا علم ہو وہ مجھے اس کی خبر دے۔ ایک بڑھیا نے عرض کی: مجھے ان کے مزار کا علم ہے مگر اس شرط پر بتاؤں گی جب آپ ایفا کا وعدہ کریں گے وہ یہ کہ آپ مجھے مصر میں نہ چھوڑیں بلکہ آپ ساتھ لے جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کرنے کا وعدہ فرما لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں آپ کے ساتھ بہشت میں رہوں۔ یہ شرط سن کر موسیٰ علیہ السلام نے ذرا توقف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اے موسیٰ! آپ اس بڑھیا کے ساتھ وعدہ فرمالیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا کے ساتھ وعدہ فرما لیا۔

موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ جب چاند طلوع کرے اس وقت سب اپنے گھروں سے نکل کر باہر آجانا۔ اب ادھر یوسف علیہ السلام کا معاملہ سنگین ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! جب تک یوسف علیہ السلام کا

معاملہ درست نہ ہو جائے اس وقت تک چاند طلوع نہ ہو۔

چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام بُڑھیا کو لے کر دریائے نیل میں چلے گئے یہاں تک کہ بُڑھیا نے نشان دہی کی اور عرض کی: پانی کو یہاں سے ہٹاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ دریائے نیل کے ایک کونے سے یُوسف علیہ السلام کے مزار کا صندوق ظاہر ہُوا۔

ایک روایت میں ہے کہ دریا کے ایک گوشے سے دریا کی مٹی ہٹانے کے لیے بڑھیا نے کہا۔ انہوں نے مٹی ہٹائی تو یُوسف علیہ السلام کا صندوق ملا۔ بعض روایات میں ہے کہ دریائے نیل کے کنارے ایک ستون کا نشان بتایا گیا جہاں سے صندوق ملا۔

سوال: پہلے تو تم نے بتایا کہ صندوق کو زنجیر کے ساتھ باندھا گیا اب کہتے ہو کہ دریا کے کنارے کو کھودا گیا۔

جواب: زنجیر کو پہلے دریا کے کنارے باندھا گیا تھا، بڑھیا نے اسی زنجیر کی نشان دہی کی۔ پھر اسی زنجیر کے ذریعے وہ صندوق ملا جس کے ساتھ یُوسف علیہ السلام کا صندوق مبارک بندھا ہُوا تھا۔ اسی سے موسیٰ علیہ السلام سنگِ مرمر کے صندوق سے نکال کر اپنے ساتھ لے گئے۔

بڑھیا کی کہانی

انیس الجلیس میں ہے کہ مُوسیٰ علیہ السلام کے ہاں تین سو سالہ بوڑھا حاضر ہُوا اور عرض کی کہ یُوسف علیہ السلام کے مزار کا علم صرف میری والدہ کو ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اپنی والدہ کے پاس لے چل میں اس سے خود پُوچھوں گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اس بڑھیا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ ایک جگہ آرام فرما تھی۔ آپ نے اس سے پُوچھا کہ بی بی! آپ کو یُوسف علیہ السلام کے مزارِ مبارک کا علم ہے؟ اس نے عرض کی: ہاں، میں ان کے مزار مبارک کو جانتی ہُوں لیکن اس شرط پر بتاؤں گی کہ آپ میرے لیے دُعا مانگیں کہ میں سترہ سالہ نوجوان ہو جاؤں اور دُوسری شرط یہ ہے کہ جتنی عمر میں گذار چکی ہُوں اتنی مجھے اور مل جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے دُعا فرمائی اور پُوچھا: تیری کتنی عمر گزری ہے؟ عرض کی، نو سو سال۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے دعا فرمائی وہ بڑھیا ایک ہزار آٹھ سو سال عمر بسر کی۔ ان شرائط کے بعد اس بی بی نے موسیٰ علیہ السلام کو یُوسف علیہ السلام کا مزار دکھایا۔

ف: یُوسف علیہ السلام کا مزار دریائے نیل کے درمیان میں اسی لیے رکھا گیا تاکہ تمام مصر میں خوشحالی یکساں طور پر ہو۔

ف: یُوسف علیہ السلام کے دخولِ مصر اور مُوسیٰ علیہ السلام کے خروج کے درمیان چار سو سال کا عرصہ گزرا۔

ف: بنی اسرائیل میں سب سے پہلے نبی حضرت یُوسف علیہ السلام ہیں۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ مصر کو عمالقہ سے فراعنہ نے حاصل کیا۔ بنی اسرائیل ان کے ماتحت رہے اور یُوسف علیہ السلام کے دین پر تھے یہاں تک کہ مُوسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو فراعنہ سے نجات بخشی۔

حکایت حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاں میمون بن مہران ایک رات شب باش ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز

ساری رات موت کو یاد کر کے روتے رہے۔ میمون نے کہا: حضرت جی! آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ کے ذریعے دین کی بہت بڑی خدمت ہوئی آپ نے سنت کو زندہ کیا اور بدعت کو مٹایا۔ اور آپ کے زمانہ مبارک میں عالم دنیا میں خیر کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ کیا میں صالح آدمی یعنی یوسف علیہ السلام کی طرح نہ ہوں، کیونکہ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جملہ امور کا مالک بنایا۔ لیکن موت سے پہلے آپ نے دُعا مانگی، توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ ے

گرت ملک جہان زیر نگین است

بآخر جاے تو زیر زمین است

ترجمہ: اگرچہ تمام جہان تیرے زیر فرمان ہو بالآخر تیرا ٹھکانا زمین کے نیچے ہے۔

ذٰلِكَ اے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! یوسف علیہ السلام کی خبر مذکور مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ ان خبروں سے ہے جو آپ سے مخفی تھیں نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ہم آپ کو جبریل علیہ السلام کے ذریعے خبر دیتے ہیں۔ یہ ذٰلک کی دُوسری خبر ہے۔ وَمَا كُنْتَ اور آپ حاضر نہ تھے لَدَيْهِمْ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے نزدیک اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ جب اُنہوں نے یُوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کا پختہ ارادہ کیا تھا۔

ف: اَلْاِجْمَاعُ کسی کام کے لیے پختہ ارادہ کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں:

اَجْمَعْتُ الْاَمْرَ وَعَلَيْهِ بمعنی میں نے فلاں کام کے لیے پختہ ارادہ کیا ہے۔

وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ اور وُہ یُوسف علیہ السلام اور اپنے والدگرامی کے ساتھ دھوکہ کرتے تھے جبکہ ان سے عرض کیا کہ یُوسف علیہ السلام کو اُن کے ہمراہ بھیج دیں۔

ف: اس میں کفار کے ساتھ تہکم مطلوب ہے بایں معنیٰ انھیں یقین تھا کہ حضور علیہ السلام ان کے واقعات میں موجود نہ تھے اور نہ ہی کسی سے یُوسف علیہ السلام کا واقعہ تفصیلی طور پر پڑھا اور نہ سُنا اور نہ ہی آپ ایسی قوم میں پیدا ہُوئے یا نشست و برخاست کی جنہیں یُوسف علیہ السلام کا واقعہ معلوم تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے یُوسف علیہ السلام کا مکمل اور صحیح واقعہ بیان فرمایا تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی کہ سوائے وحی ربانی کے آپ کو یہ واقعہ معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور علیہ السلام اپنی طرف سے مذکورہ بالا حالات کے پیشِ نظر کس طرح یُوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن کفار نے پھر بھی انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں تہکماً فرمایا گویا انھیں کہا کہ اے میرے محبوب علیہ السلام کے منکرو! اور ان سے مقابلہ کرنے والو! سوچو کہ جب انھیں یہ واقعہ کسی سے سنایا نہیں گیا اور نہ کسی سے آپ نے پڑھا ہے اور نہ وُہ خود اس واقعہ کے وقت موجود تھے۔ پھر بھی حرف بحرف واقعات بیان فرماتے ہیں اب بھی علم کا انکار کرتے ہو یہ تمہاری بیوقوفی ہے یا یقین کرو۔ وحی ربانی سے انھیں معلوم ہُوا ہے اور وحی ربانی سے جاننے والا نبی ہوتا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود اور کفارِ مکہ نے یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے حرف بحرف صحیح بتا دیا اس کے باوجود یہود اور کفار نے انکار کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم محزون وملول ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

وَمَا اَکْثَرُ النَّاسِ اور انھیں اکثر لوگ یعنی اہلِ مکہ وغیرہ وَلَوْ حَرَصْتَ اگرچہ آپ ان کے ایمان کے لیے حرص اور آیات کے اظہار میں مبالغہ نہ فرمائیں۔

ف: شئے کو صحیح طریق پر طلب کرنے میں جدوجہد کرنے کو حرص کہا جاتا ہے۔

بِمُؤْمِنِیْنَ سرکشی اور کفر میں پختگی کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کریں گے۔

ف: یہ بھی منجملہ در حقیقت قضا و قدر کے اسرار و رموز سے ہے اس لیے کہ ان کے ایمان نہ لانے کی ازلی استعداد غیر مجعولہ اور ان کے اعیانِ ثابتہ کے مقتضیات سے ہے۔

سوال: اگر یہی معاملہ تھا تو مکلف بنانے کا کیا فائدہ، جس کے متعلق وُہ جانتا ہے کہ فلاں واقعہ ہونے والا نہیں۔

جواب: استعداد ازلی کے اظہار کے لیے تاکہ واضح ہو کہ ان میں سعید کون ہے اور شقی کون اور اس سعادت و شقاوت کا اہل کون۔

سوال: عالمِ دنیا میں کافر زیادہ کیوں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔

جواب: دراصل انسان کامل کا اظہار مطلوب تھا اگرچہ ہزاروں میں ایک۔

وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ اور آپ ان سے غیبی خبروں کی اطلاع دینے اور قرآن کی ہدایات بیان کرنے پر سوال نہیں کرتے مِنْ اَجْرٍ مال لینے کا۔ جیسے وہ دوسرے خبر دینے والوں کو دُنیا و دولت لٹاتے ہیں اس سے ان کو بتانا مطلوب ہے کہ ہمارا ان پر ایک احسانِ عظیم ہے کہ بلا اجر بہتر مبلغ انھیں بخشا ہے لیکن تکذیب کر رہے ہیں ہم نے انھیں مہلت دے رکھی ہے۔ اِنْ هُوَ نہیں ہے یہ قرآن اِلَّا ذِكْرٌ مگر اللہ تعالیٰ کی نصیحت لِّلْعٰلَمِیْنَ تمام جہان والوں کے لیے، یعنی بلاتخصیص ہم نے قرآن بھیجا تاکہ سب کے سب اس پر عمل کر کے نجات حاصل کریں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ دعوۃ و ارشاد اسی طرح جملہ امورِ خیر میں لوگوں سے نفع کی امید نہ رکھی جائے۔ اس لیے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو شئے خالص اللہ کے لیے ہو اس میں دُنیا و آخرت کے اغراض کو ہرگز نہ ملایا جائے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

عاشقاں را شادمانی و غم اوست

دست مزد و اجرت خدمت ہم اوست

ترجمہ: عاشقوں کو غم اور خوشی ہے تو صرف محبوب کی۔ اس کی مزدوری یہی ہے کہ وہ محبوب کی خدمت کرتا رہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ لاہوتیہ ناسوتیہ کی محتاج نہیں اس لیے کہ لاہوتیہ ذاتی طور بلکہ مکمل کرنیوالی ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تعٰ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ ط وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ط اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ حَتّٰىٓ اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا لا فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ ط وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ط مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ ع

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمینوں میں کتنی نشانیاں ہیں جن پر لوگ گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردان ہیں اور ان کے اکثر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر وہ مشرک ہیں کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت مصیبت بن کر آئے یا اچانک ان پر قیامت آجائے اور انھیں خبر بھی نہ ہو میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمائیے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بُلاتا ہوں میں اور میرے تابعدار دل کی بصیرت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو پاک ہونا لائق ہے اور میں مشرک نہیں اور ہم نے آپ سے پہلے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر مردوں سے کہ جنھیں ہم وحی سے نوازتے رہے وہ سب شہر کے باشی تھے۔ کیا یہ لوگ زمین پر نہیں گھومے پھرے تو دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا اور بیشک دارِ آخرت ان کے لیے بہتر ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے یہاں تک کہ رسل کرام علیہم السلام (قوم سے) مایوس ہوئے اور لوگوں نے سمجھا کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا اس وقت ان کے ہاں ہماری مدد آئی جس کے لیے ہم نے چاہا تو وہ بچایا گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے پھیرا نہیں جاتا بیشک ان کے قصوں سے عقل والوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے اور یہ کوئی بناوٹی بات نہیں لیکن یہ اپنے سے پہلے امور کی تصدیق اور ہر شے کا مفصل بیان ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَاَيِّنْ حضرت جامی قدس سرہٗ نے شرح الکافیہ میں لکھا ہے کہ حروف و کنایات میں سے ایک حرف کاین بھی ہے اور یہ مبنی اس لیے ہے کہ کاف تشبیہ اَیّ پر داخل ہوا ہے۔ اَیّ اگرچہ معرب ہے

لیکن چونکہ اس کے دو جز مت کر یک جز ہو گئے ہیں اس طرح سے اس میں انفرادی معنیٰ پیدا ہوا ہے اسی لیے اس کا مجموعہ کمہ خبریہ کی طرح مفرد ہے اسی لیے اسے مبنی علی الساکن پڑھا گیا اس کا آخری حرف نون مِن کے نون کی طرح ساکن ہے۔ یہ تنوین تمکین کا نہیں اس لیے اس کے آخر میں نون ساکن لکھا جاتا ہے ورنہ تنوین کی کوئی شکل نہیں۔ مِّنْ اٰیَةٍ بہت سے آیات صانع کے وجود اور اس کی توحید اور اس کی صفات علم و قدرت وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں میں۔ یہ آیت کی صفت ہے آسمان و زمین کی آیت جیسے سورج چاند ستارے بارش، دریا، نہریں، درخت وغیرہ۔ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا یہ کاین کی خبر ہے یعنی آیت پر گزرتے اور ان کا مشاہدہ کرتے ہیں وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ اور وہ ان سے روگردانی کرتے ہیں ان میں تفکر نہیں کرتے اور نہ ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں حالانکہ قرآن مجید ان آیات کو کھول کر اور واضح کر کے بیان کرتا ہے۔ جو شخص قرآن مجید پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف نہیں ہوتا تو اسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندے! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو میرا کلام پڑھ کر مجھ سے روگردانی کرتا ہے تو توبہ نہیں کرتا پھر تو میرا کلام پڑھنا چھوڑ دے۔

شانِ نزول جب مشرکین نے وکاین من اٰیة الخ سنا تو کہا ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو پیدا فرمایا۔ ان کے اس قول پر یہ آیت نازل ہوئی؛

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ اور ان کے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معبودیت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں مشرکینِ عرب حج کے موقعہ پر پڑھتے تھے:

لبیك لا شریك لك الا شریك لك تملكه وما ملك۔

اور اہلِ مکہ یہ بھی کہتے؛

اللہ ربنا وحدہٗ لا شریك له والملئکة بناته۔

ان کی عبارت سے واضح ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید میں ہی شرک کا ارتکاب کر جاتے اور بت پرستی کے پجاری کہتے:

اللہ ربنا وحدہٗ والاصنام شرکاؤہ فی استحقاق العبادة۔

اور یہودیوں نے کہا؛

ربنا اللہ وحدہ وعزیر ابن اللہ۔

اور نصاریٰ نے کہا؛

ربنا اللہ وحدہ والمسیح ابنه۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وما اکثرهم اکثر مخلوق باللہ اور اس کی طلب میں الا وهم مشرکون مگر وہ مشرک ہیں بوجہ ایمان نہ لانے کے اس سے عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ کو طلب کریں گے پھر اللہ تعالیٰ کو پائیں گے یہ بھی صوفیا کرام کے نزدیک شرک ہے۔ بلکہ یہ کہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو

اللہ تعالیٰ کی مدد سے پائیں گے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ آقا اور بندہ کے درمیان سبب کا تصور شرک ہے اور صرف مسبب پر نظر ہو تو یہی عین توحید ہے کیونکہ موحد کی نظروں میں سوائے خدمت حق کے ہر شے فانی اور گم ہے۔

حکایت حضرت واسطی نیشاپور میں تشریف لائے تو شیخ ابو عثمان مغربی سے پوچھا کہ تمہارے شیخ نے تمہیں شغل میں مشغول رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ فرماتے ہیں کہ نیکی بہت زیادہ کرو لیکن اسے دل میں نہ لاؤ۔

حضرت واسطی نے فرمایا کہ تمہارا شیخ تمہیں مجوسیت کا سبق دے رہا ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ تمہیں انانیت کو فنا کرنے کا سبق دیتا تاکہ فنا کے بعد بقا نصیب ہوتی۔

تفسیر عالمانہ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ کیا وہ مشرکین بے خوف ہیں کہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے جو انہیں گھیرے اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً بغتۃً مصدر حال کے قائم مقام ہے۔ یعنی ان کے ہاں اچانک آجائے جس کی پہلے کوئی علامت نہ ہو وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور وہ اس سے لاشعور ہوں یعنی ان کی وہ تیاری نہ کر سکیں۔

سوال: بغتۃ اور وھم لایشعرون کا ایک ہی مفہوم ہے اور یہ بلاغت کے خلاف ہے کہ ایک ہی مفہوم کے دو کلمے ایک ہی جملہ سے واقع ہوں۔

جواب: وھم لایشعرون بمعنی وھم غافلون ہے۔ یعنی وہ امور دنیا میں سخت مشغول ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:
تاخذھم وھم یخصمون۔ اس اعتبار سے تکرار لازم نہ آیا۔

اچانک کی موت کی تفصیل ۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ اچانک کی موت غضب الٰہی کی گرفت کا نتیجہ ہے۔
ف: حدیث شریف میں لفظ اسِفٌ واقع ہے بکسر السین بمعنی غضبان۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اچانک کی موت پر اللہ تعالیٰ کے غضب کے آثار ہیں جو مغضوب بندے پر پڑے تو اچانک مر گیا اور الفجاءۃ بالمد مع الضم وبالقصر مع فتح الفا بمعنے البغتۃ یعنی وہ موت جس سے پہلے مرض وغیرہ کے سبب کے بغیر بندے کو اچانک گھیر لے۔

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ میں گدھے کی موت سے کراہت کرتا ہوں۔ عرض کی گئی کہ گدھے کی موت کیسی ہے؟ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچانک کی موت گدھے کی موت کا دوسرا نام ہے۔

نکتہ: ایسی موت سے کراہت اس لیے کہ اچانک کی موت سے غفلت سے مرنے پر بندے مومن کو نہ عذر گناہ کا موقع نصیب ہوا اور نہ تجدید توبہ کا موقع مل سکا اور نہ ہی حقوق العباد ادا کر سکا یا بخشوا سکا۔

مسئلہ: اولیاء، صلحاء، علماء اور انبیاء علیہم السلام کے لیے اچانک کی موت رحمت ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام اچانک ہی واصل باللہ ہوئے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا: اچانک کی موت صالحین کو ہوتی ہے۔

ف: پہلی روایت کے جواب میں بعض مشائخ نے کہا کہ اچانک کی موت اس انسان کے لیے مکروہ ہے جو دنیوی امور میں پھنسا ہو اسے وصیت کرنے کی ضرورت تھی اور گناہوں سے توبہ کرنی تھی وغیرہ وغیرہ۔ اور اللہ والے چونکہ دنیوی معاملات سے بالکل فارغ ہوتے ہیں۔ اسی لیے اچانک کی موت ان کے لیے راحت و رحمت اور شفقت ہوتی ہے۔ (کذا فی شرح الترغیب المسمی بالفتح القریب)

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اچانک مرتے ہیں انھیں خضر علیہ السلام قتل کرتے ہیں۔

اعجوبہ (کذا فی انسان العیون)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اس گھڑی کی طرف جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت و عشق اچانک نصیب ہوتا ہے اور اس کے لیے کوئی سبب ہوتا ہے تو اچانک نصیب ہوتا ہے۔ اسی لیے عشاق نے فرمایا،

العشق عذاب الله۔ عشق عذاب الٰہی ہے۔

ف: عشق محبت سے اخص ہے کیونکہ عشق ایک زائد محبت کا نام ہے اور وہ ذکر محبوب کے وقت قلب کو ہیجان پیدا ہوتا ہے اور لقائے محبوب کے لیے پھڑکنے کو عشق سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: بعض اہل ریاضت کہتے ہیں عاشق کے دل میں شوق بمنزلہ چراغ کے ہے اور عشق بمنزلہ تیل کے ہے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اسیر عشق شو کآزاد باشی
غمش بر سینہ نہ تا شاد باشی
نے عشقت دہد گرمی و مستی
دگر افسردگی و خود پرستی

ترجمہ: عشق کا قیدی ہو تاکہ آزاد ہو جائے۔ اس کا غم سینے میں رکھ تاکہ خوشی حاصل ہو۔ عشق تجھے گرمی اور مستی دے گا افسردگی اور خود پرستی بھی۔

تفسیر عالمانہ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْٓ فرمائیے یہی دعوت الی الایمان والتوحید میرا راستہ ہے۔ طریق و سبیل دونوں مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں۔ اس جملہ کی خود تفسیر فرمائی کہ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ میں بلاتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی اس کے دین و اطاعت اور قیامت کے ثواب موعود کی طرف عَلٰى بَصِيْرَةٍ بیان و حجت بصیرۃ واضح کے ساتھ جو خود صاحب بصیرت ہو ورنہ اندھے سے رہبری کیسی اَنَا یہ ادعو کی ضمیر مستتر کی تاکید ہے وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ

اس کا عطف ادعو پر ہے۔ یعنی میں اور وہ جو میرے تابعدار ہیں دعوت الی الایمان دیتے ہیں۔ وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ سبحان تسبیح کا اسم اور فعل مقدر سے منصوب ہے یعنی اُسَبِّحُ اللّٰہَ تَسْبِیْحًا بمعنی انزھہ تنزیھا من الشرکاء میں اس کی شرکاء سے تنزیہ بیان کرتا ہوں وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اور میں مشرکین سے نہیں ہوں اس کا عطف سبحان اللّٰہ پر اور عطف الجملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ انفاس المجالس میں ہے کہ قل ھٰذہٖ سبیلی یعنی توحید ذاتی کی طرف بلانا میرا ذاتی طریقہ ہے اس کے بعد ادعو میں اس کی تفسیر فرمائی کہ میں ذات احدیہ کی طرف بلاتا ہوں جو جمیع صفات کی جامع ہے عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ اور جو بھی اسی میرے راستہ کی دعوت دیتا ہے وہ میرا تابع ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

این چنیں فرمود آں شاہ رسل
کہ منم کشتی دریں دریائے کل
یا کسے کو در بصیرتہائے من
شد خلیفہ راستی بر جائے من
کشتی نوحیم در دریا کہ تا
رو نگردانی ز کشتی اے فتا

ترجمہ: شاہِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اس دُنیا میں کشتیِ نوح کی طرح ہوں اور وُہ بھی جو میرے راستہ پر چل رہا ہے وہی میرا جانشین ہے۔ ہم کشتی نوح ہیں ہم سے تجھے روگردانی نہ کرنی چاہیے۔

ف: تمام انبیاء علیہم السلام جو حضور علیہ السلام سے پہلے گزرے تمام توحید ذات احدیہ کی دعوت دیتے رہے سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کہ وہ قطبِ توحید تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اتباع کا حکم فرمایا کما قال ثم اوحینا الیك ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا اس میں ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباع التفصیل کا حکم نہیں بلکہ یہ اتباع باعتبار الجمع کے ہے کیونکہ تفاصیل الصفات کے مظہر صرف ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی لیے آپ کو خاتم کا لقب ملا۔

وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ اور میں اس کی تنزیہہ بیان کرتا ہوں۔ بلکہ حضور علیہ السلام داعی الی ذاتہٖ ہیں۔ وما انا من المشرکین اور میں مقامِ توحید میں غیر کا اثبات نہیں کرتا۔

ف: بعض نے فرمایا کہ الداعی الی اللہ میں اشارہ ہے کہ آپ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور الداعی الی السبیل میں

مخلوق کو نفس کی شراکت کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دُوسری دعوت کی اجابت بکثرت ہُوئی اس لیے کہ اس میں طبیعت کو دخل ہے اور جس میں طبیعت کو دخل ہو وُہ تعداد میں زیادہ ہوتی ہے کیونکہ طبیعت کثرت کو چاہتی ہے۔

ف : اتباع سے عام مراد ہے۔ ظاہر ہو یا باطن پہلا اتباع عوام کو اور دُوسرا اہلِ حقیقت کو نصیب ہُوا۔ اور دعوۃ علی البصیرۃ اس وقت نصیب ہوتی ہے جب قولاً فعلاً و حالاً اتباع محمدی نصیب ہو۔ اور اتباع سے بظاہر یہی نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔

حکایت و کرامت ایک فقیہ (عالم دین) حضرت ابومسلم مغربی رحمۃ اللہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے فقیہ نے حضرت ابومسلم مغربی کو قرآن مجید پڑھتے سُنا تو فنِ تجوید کے لحاظ سے ان کی قرأت میں بہت زیادہ غلطیاں تھیں۔ دل میں گھبرائے کہ اتنا زیادہ سفر کیا افسوس کہ رائیگاں گیا۔ اگر یہ اللہ والا ہوتا تو تلاوتِ قرآن میں غلطیاں نہ کرتا۔ پھر وہ تہجد کے لیے اُٹھے تو فقیہ پر دو شیروں نے حملہ کر دیا ان کے خوف سے بھاگے اور آہ و فغاں کی تو ان شیروں کو حضرت ابومسلم مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھگا دیا۔ پھر فقیہ سے آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے تلاوتِ قرآن مجید میں غلطی کی ہے تو آپ نے ایمان میں غلطی کی ہے۔ ہم لوگ باطن کی تصحیح کی کوشش کرتے ہیں اسی لیے ہم سے خلقِ خدا ڈرتی ہے اور تم ظاہر کو سنوارتے ہو اسی لیے مخلوق سے ڈرتے ہو۔

حکایت و کرامت ابن ہارون الرشید منقول ہے کہ ہارون الرشید بادشاہ کے ایک بیٹے نے بقاء کو فنا پر ترجیح دی ایک دن اسے والد نے فرمایا کہ آپ نے مجھے بادشاہوں کے سامنے رسوا کیا۔ ہارون الرشید کے بیٹے نے ایک پرندے کو بلایا تو وُہ اڑ کر فوراً اس کے پاس حاضر ہو گیا۔ اس کے بعد والد کو کہا کہ آپ بھی بلائیے۔ ہارون الرشید کے بلانے پر وہ پرندہ نہ آیا۔ اس پر بیٹے نے کہا کہ آپ نے مجھے اولیاء کے سامنے رُسوا کیا اس لیے کہ آپ دنیا کی بندشوں میں بند ہیں۔

ف : بصیرۃ ایک قوتِ قلبی کا نام ہے وُہ قلب جو نورِ قدس سے منور ہو اسی قوت سے قلب اشیاء کے حقائق و بواطن کو ایسے دیکھتی ہے جیسے ظاہری آنکھ اشیاء کی ظاہری شکلوں اور صورتوں کو۔ اسے حکماء قوۃ عاقلہ نظریہ اور قوت قدسیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف : بنی آدم کے قلوب دراصل فطرۃً اسی بصیرت کی طرف مائل ہیں۔ لیکن ذاتی طور شہوت اعراض عن الطاعات و العبادات میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ بصیرت تاریک ہو جاتی ہے۔ اسی بصیرتِ قلبی کی وجہ سے بلقیس سلیمان علیہ السلام پر اور سحرۂ فرعون موسٰی علیہ السلام پر ایمان لائے۔

مسئلہ : حضرت سہل محب اللہ نے فرمایا کہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے اقوال و افعال و احوال کی اقتداء کی جائے۔

حکایت حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک روز ابراہیم پاشا نے مجھ سے تاویلاتِ سُلمی کے

متعلق طنزاً سوال کیا۔ میں نے نفیس جواب دیا کہ ان کا مرتبہ بلند ہے اور ہم ان کے اقوال کو نہیں سمجھ سکتے۔ فلہذا آپ اس کے درپے نہ ہوں اور مجھے اس بارے میں معاف کریں۔ مثنوی شریف آپ کے سوال کے جواب کے لیے کھولتے ہیں۔ اس کا پہلا شعر آپ کے سوال کا جواب ہوگا انہوں نے مان لیا۔ مثنوی شریف کو کھولا تو یہ شعر برآمد ہوا۔ ؎

رہرو راہ طریقت ایں بود

کاو باحکام شریعت می رود

ترجمہ: تم سیدھی راہ پہ چلو یہی راہِ طریقت ہے اور سیدھا طریقہ یہی ہے جو شرع دا حکام کے پابند ہے۔

اس سے پاشا مرحوم نے تعجب کیا اور آئندہ کے لیے تمام اولیاء اللہ پر اعتراض کرنے سے توبہ کی۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا ہم نے آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام مرد (انسان) بھیجے فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا۔ اس میں مشرکین کا رد ہے کہ انہوں نے کہا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً۔ یہ حضور علیہ السلام کی نبوت کے لیے بطور تعجب کے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ آپ کی نبوت سے تعجب کرتے ہیں حالانکہ سب سے پہلے ہم نے تمام انبیاء علیہم السلام مرد اور انسان بنا کر بھیجے اس لیے کہ استفادہ جنس بشریت سے ممکن ہے اور فرشتے تو غیر جنس ہیں اور لطیف۔ اور انسان کثیف۔ ان سے افادہ و استفادہ کی صورت نہیں ہوسکتی۔ اگر کسی فرشتے کو بھی نبی بنا کر بھیجا جاتا تب بھی وہ بشری لباس پہن کر آتا۔

ف: رِجَالًا کی قید سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کسی عورت کو نبی نہیں بنایا کیونکہ عورت کے لیے پردہ نشینی ضروری ہے۔ ان کے کمال کا انتہا صدیقیت ہے نہ نبوت، جیسے بی بی آسیہ و مریم و خدیجہ و فاطمہ و عائشہ رضی اللہ عنہا۔ کاشفی نے سجاح کاہنہ کے متعلق لکھا کہ جب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو کسی شاعر نے اس کے لیے لکھا۔ ؎

اضحت نبیتنا انثی نطوف بها

و لم تزل انبیاء اللہ ذکرانا

ترجمہ: ہماری نبی عورت ہے اس کے ہاں آتے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مردوں میں کسی کو نبی نہیں بنایا۔

نُوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ ہم آپ کو وحی بھیجتے ہیں یعنی ملائکہ کرام کے ذریعے وحی بھیجتے رہے مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی وہ دیہاتوں سے نہیں بلکہ شہروں سے تھے کیونکہ دیہاتیوں میں اکثر جہل وقسوۃ وجفا ہوتا ہے۔

ف: شہر کو قریۃ کہنا جائز ہے۔

شہر اور دیہات کا فرق بڑے شہر اور دیہات وقصبہ جات میں فرق ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ ناقدر شناس لوگوں میں نہ ٹھہرو اس لیے کہ ناقدر شناس لوگوں اور گورستان میں ٹھہرنا برابر ہے۔ ناقدر شناس سے دیہاتی لوگ مراد ہیں۔ حدیث شریف میں لفظ الکفور ہے۔ یہ کفر کی جمع ہے۔ اس سے وہ دیہات مراد ہیں جو تہذیب و تمدن سے کوسوں دور ہوں کیونکہ ان پر جہالت اور بدعت کے مراسم کا غلبہ ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ده مرو ده مرد را احمق کند
عقل را بے نور و بے رونق کند

۲ ہرکہ پیغمبر شنو اے مجتبیٰ
کور عقل آمد وطن در روستا

۳ ہرکہ در رستا بود روزے و شام
تا بماہی عقل او نبود تمام

۴ تا بماہے احمقے با او بود
از حشیش ده جز اینہا چہ درود

۵ وانکہ ماہے باشد اندر روستا
روزگارے باشدش جہل و عمیٰ

ترجمہ: ۱۔ دیہات میں نہ جاؤ کیونکہ دیہات انسان کو احمق اور عقل کو بے نور اور بے نور بناتے ہیں۔
۲۔ اے برگزیدہ انسان! پیغمبر کی بات سن، انھوں نے فرمایا کہ دیہات میں عقل اندھی ہو جاتی ہے۔
۳۔ جو صبح و شام دیہات میں بسر کرے اس کی عقل کبھی مکمل نہیں ہوگی۔
۴۔ احمق کی معیت میں انسان احمق ہو جاتا ہے۔
۵۔ اگرچہ پہلے بڑا عاقل ہو لیکن دیہات میں چند روز رہنے سے بے عقل اور جاہل ہو جائے گا۔

سوال: یعقوب علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجاء بکم من البدو یعنی اور وہ تمہیں دیہات سے لائے۔ اور تم دیہات کی مذمت کر رہے ہو۔

جواب: یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد دیہاتی نہیں تھے صرف اپنے جانوروں کی وجہ سے وہ شہر سے دور دیہات میں رہتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ رسالت کے مستحق صرف رجال ہیں اور وہ بھی منتهی، جو وحی الٰہی کے حامل ہوں۔ من اهل القرى سے مراد یہ ہے کہ ملکوت والوں سے تعلق رکھتے ہوں انہیں ملک و اجساد کے

بد ان سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اسی لیے صوفیاء کا قول مشہور ہے کہ،

الرجال من القرٰ ی۔

مثنوی شریف میں ہے، ؎

دہ چہ باشد شیخ واصل نا شدہ
دست در تقلید در حجت زدہ
پیش شہر عقل کلی این حواس
چون خران چشم بستہ در خراس

ترجمہ، بستی کیا ہے شیخ غیر واصل کا دوسرا نام ہے وہ شیخ جو صرف تقلید تک محدود ہو۔ عقل کے شہر کے سامنے یہ حواس ایسے ہیں جیسے گدھے کی آنکھیں باندھ دی جائیں۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کیا یہ کفار شام ویمن اور عاد وثمود کے علاقوں میں نہیں جاتے ۔یعنی انھیں چاہیے کہ جائیں فَیَنْظُرُوْا پس چاہیے لنظر عبرت سے دیکھیں کَیْفَ کَانَ کیسے ہے عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ انجام ان مشرکوں اور مکذبین (جو پہلے شرک وتکذیب) کی نحوست سے تباہ ہوئے ان کے حالات کو دیکھ کر ڈریں اور شرک وتکذیب سے بچ جائیں ورنہ انھیں بھی ان کی طرح عذاب گھیرے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ اسباب کا تماثل تماثل فی المسببات کا موجب بنتا ہے۔
وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ بیشک دارِ آخرت یعنی بہشت اور اس کی نعمتیں خَیْرٌ دنیا اور اس کی لذت سے بہتر ہیں۔ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ان لوگوں کے لیے جو کفر وشرک اور معاصی سے بچتے ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا وہ اپنے عقول کو استعمال کر کے سمجھیں کہ واقعی آخرت کی نعمتیں بہتر ہیں ؎

چہ نسبت چاہ سفلی را بنزہتگاہ روحانی
چہ ماند گلخن تیرہ بکاشنہائے سلطانی

ترجمہ، چاہ سفلی کو نزہت گاہ روحانی سے کیا نسبت ۔ اسی طرح جھونپڑوں کو شاہی محلوں سے کیا نسبت۔

عیسٰی علیہ السلام کی پند ونصیحت حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے ہمنشینوں سے فرمایا کہ مُردگان کی صحبت سے بچو اس سے تمہارے قلوب مردہ ہو جائیں گے۔ عرض کی گئی مردگان کون ہیں! فرمایا: مُردگان وہ ہیں جو دنیا کی رغبت اور محبت میں غرق ہیں۔

صحابۂ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی دلیل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین سے فرمایا کہ تم سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہ افضل ہیں اگرچہ تم اعمال صالح اور خیر میں بلند قدر ہو۔ عرض کی گئی: کیوں؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ وہ دنیا کی رغبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کا تصور آخرت سے بندھا رہتا تھا۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَايْـَٔسَ الرُّسُلُ حتّٰی کی غایت محذوف ہے اس پر سابق کلام دلالت کرتا ہے۔ در اصل عبارت یوں تھی:

لا یغرھم تمادی ایامھم فان من قبلھم امھلوا حتی ایس الرسل من النصر علیھم

فی الدنیا او من ایمانھم لانھما کھم فی الکفر مترفھین متما دین فیہ من غیر رادع۔

انھیں درازی ایام دھوکہ میں ڈالے اس لیے کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو اتنی مہلت نصیب ہوئی کہ انبیاء و رسل علیہم السلام ان پر فتح و نصرت سے ناامید ہو گئے۔ یا ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے بوجہ ان کے کفر میں منہمک ہونے کے اور دنیا میں خوشحال اور دنیوی امور میں بہت کامیاب ہونے کے کہ ان کو کسی فرد بشر کا خطرہ نہیں تھا۔

وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا تخفیف الذال بصیغہ مجہول۔ اور انہوں نے گمان کیا کہ بیشک وہ مکذوب ہیں مکذوب ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ایسے کلام سے مخاطب ہو جس کا کلام واقع کے مطابق نہ ہو اور وہ سمجھے کہ میری خبر کو کاذب سمجھا جائے گا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام نے گمان کیا کہ انھیں مدد نصیب ہو گی لیکن ان کے نفوس ان کے خیال کے خلاف کی تردید کرتے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ جب وہ کمزور اور مغلوب ہوئے تو انھیں خیال گزرا کہ شاید وہ وعدہ جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا تھا ممکن ہے اس کے خلاف ہو گیا ہو۔ یہ خیال انھیں بشری تقاضا پر گزرا۔ اس کی دلیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھا:

وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ متی نصر اللہ۔

ف: یہاں ظن سے مراد ان کا وہ خیال ہے جو وسوسہ اور خطرہ نفس کے مشابہ دل میں گزرا اور وہ عموماً بشری تقاضوں کے مطابق دل میں آتے ہیں۔ اس میں کسی ایک تصور کو ترجیح نہیں ہوتی ہم نے یہ عدم ترجیح کی تقریر اس لیے کی کہ ایسا غلط خیال عام مسلمانوں کو نہیں آتا چہ جائیکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے جائز رکھا جائے کیونکہ مخلوق سے اللہ تعالیٰ کا عرفان زیادہ رکھتے ہیں۔ اور خلف وعدہ سے بلند و بالا ہے۔

جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ان کے ہاں اچانک ہماری فتح و نصرت پہنچی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کفار پر مہلت نے طول پکڑا تو انبیاء علیہم السلام نے خیال فرمایا کہ انہیں دنیا میں فتح و نصرت نصیب نہ ہو گی لیکن اچانک ان کے ہاں علامت کے بغیر فتح و نصرت پہنچی فَنُجِّیَ بنون واحدۃ و تشدید الجیم و فتح الیاء بصیغہ مجہول از تنجیۃ پس نجات دے گئے مَنْ نَّشَآءُ جیسے ہم چاہیں۔ یہ نائب فاعل ہے ان سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور وہ مومنین مراد ہیں جو ان کے تابعدار تھے

ان کے نام کی تصریح اس لیے نہیں کی کہ نجات کے اہل صرف وہی تھے ان کی شان میں ان کا کوئی شریک نہیں تھا۔ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ جب ہمارا عذاب نازل ہوتا ہے تو وہ مجرمین سے نہیں ٹلتا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے۔ حتی اذا استایئس الرسل میں اشارہ ہے کہ رسل کرام علیہم السلام کو فتح ونصرت ابتلائے نجات دینے والی اور اُمم مکذبہ کو عذاب میں ہلاک کرنے والی ہے۔ پھر اس معنی کی تاکید ولا یرد باسنا عن القوم المجرمین سے فرمائی۔ یہاں مجرمین سے مکذبین مراد ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مطیعین سے عذاب ٹل جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ یہ ضمیر رسل کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کی طرف راجع ہے۔ قصص سے ان کی خبریں مراد ہیں۔ اسے بکسر القاف پڑھا گیا ہے۔ یہ قصہ کی جمع ہے یعنی ان کے قصوں میں عِبْرَةٌ یہ اعتبار کا اسم ہے۔ یعنی نصیحت حاصل کرنا لغت میں کسی شے سے کے تامل کے ساتھ درپے ہونا۔ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ عقل والوں کے لیے یعنی وہ لوگ جو شے جس کی ملاوٹ اور اس کی طرف جھکاؤ کے بغیر صرف عقل سے بات کو سمجھتے ہیں۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یہ وہ نصیحت ہے جسے آنے والی نسل کے عقل والے حاصل کریں گے پھر وہ جرأت نہیں کریں گے جیسے ان گزشتہ لوگوں سے اسباب (کفر و تکذیب وغیرہ) سرزد ہوئے تو وہ عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ گئے بلکہ وہ ایسے اسباب سے اجتناب کریں گے کیونکہ انہیں یقین ہوگا کہ اگر ہم وہی اسباب عمل میں لائیں گے تو ہمارے ساتھ بھی وہی ہوگا جو ان کے ساتھ ہوا۔ پھر وہ اسباب عمل میں لائیں گے جو فتح ونصرت اور نجات کا موجب بنیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قصہ عقل والوں کے لیے تدبر و تفکر کا بہترین ذریعہ ہے اور سب کو یقین ہونا چاہیے کہ وہ خداوند قدوس جو یوسف علیہ السلام کو غلامی سے مصر کی بادشاہی بخشنے پر قادر ہے۔ وہی خدا قادر ہے کہ وہ اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اعزاز اور فتح ونصرت بخشے۔

ف: سلمی جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اولی الالباب سے اصحاب اسرار مراد ہیں اس لیے کہ اس قصہ سے صرف ارباب اسرار ہی عبرت حاصل کرتے ہیں اور کلام کے حقائق ایسے قلوب پر رونما ہوتے ہیں ؎

دلے دریابد اسرار معانی
کہ روشن شد بنور جاودانی

ترجمہ: دریا میں بے شمار اسرار و معانی ہیں لیکن یہ اس پر ظاہر ہوتے ہیں جسے نورِ جاودانی نصیب ہو۔

مَا كَانَ اور قرآن اور وہ جو اس میں مذکور ہے وہ نہیں ہے حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى بات گھڑی ہوئی کہ جسے کسی بشر نے اپنی طرف سے افترا کیا ہو وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ لیکن یہ تصدیق کرتا ہے ان کتب

سماویہ کی جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں اور ان کی صحت پر دلیل اور حجت ہے اور وہ کتابیں بذات خود معجزات نہیں تھیں جب تک ان مجموعہ کتب کی سچائی کی قرآن مجید نے شہادت نہیں دی وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ اور دین کے جملہ امور کو بیان کرنے والا ہے اس لیے کہ وہ جملہ امور تفصیل یا اجمال کے لحاظ سے اسی سے مستند ہوتے ہیں کیونکہ ہر امر کی بنیاد قرآن حدیث اور اجماع وقیاس سے مضبوط ہوتی ہے یا پچھلے تینوں بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی سے مستند ہوتے ہیں وَهُدًى اور گمراہی سے ہدایت دینے والی ہے وَرَحْمَةً اور عذاب سے رحمت ہے لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ایسی قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور ان چاروں لفظوں کا منصوب ہونا لٰكِنْ کی وجہ سے ہے کیونکہ یہاں لکن عاطفہ ہے اور اس کا عطف کان کی خبر پر ہے۔

ف: قرآن مجید جمیع مراتب کا جامع ہے۔ اس میں دین کی ظاہر اور باطن دونوں کی تفصیل ہے۔ دین کا ظاہر مومن بالایمان الرسمی کو مفید ہے اور دین کا باطن مومن بالایمان الحقیقی العیانی کو فائدہ بخشتا ہے نیز قرآن مجید علی العموم بھی ہدایت ہے اور علی الخصوص بھی، اور یہ عذاب جہنم سے بھی نجات دہندہ ہے اور عذاب فرقت وقطیعہ سے بھی اس لیے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے انوار و اسرار سے واقف اور مطلع ہوتا ہے تو وہ ذوق وحضور وشہود کی بہشت میں داخل ہو کر بلائے بشریت و وجود سے امن پاتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں جنہیں حقائق کے تجلیات حقائق الانفس پھر حقائق القرآن نصیب ہوتے ہیں۔ یہ تینوں نسخے ایسے ہیں جن کی تلاوت ضروری ہے اور ان تینوں نسخوں کا اصل مراد منشاء حقائق الرحمٰن کا نتیجہ ہے انہی چاروں نسخوں کا کتب اربعہ میں ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کے وعظ سے نصیحت حاصل کرے اور اس کے حقائق سے ہدایت پائے اور اس کے اخلاق کے مطابق اپنی عادت بنائے۔ اس کے الفاظ کی تلاوت سے کوتاہی نہ کرے۔

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

منع القرآن بوعده و وعيده

مقل العيون بليلها لا تهجع

فهموا عن الملك العظيم كلامه

فهما تذل له الرقاب وتخضع

ترجمہ: قرآن اپنے وعدہ وعید سے ان آنکھوں کو برائی سے روکتا ہے جو رات کو بیدار رہیں ایسے لوگ براہ راست اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید سمجھتے ہیں جس سے انہیں دائمی تواضع و انکسار نصیب ہوتا ہے۔

یاالٰہی! قرآن مجید کو ہمارے قلوب اور اعضاء کی فطرت بنا دے (آمین)
سورۂ یوسف کی تفسیر رجب شریف کی اوسط تاریخوں ۱۱۰۳ھ میں ختم ہوئی۔

فقیر اویسی بفضلہٖ تعالیٰ اس کے ترجمہ سے ۲۲ صفر المظفر ۱۳۹۵ھ میں بروز ہفتہ بوقت اشراق فارغ ہوا۔ وصلی اللہ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمدٍ و علیٰ اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

نوٹ: سورۂ یوسف میں دورِ حاضرہ میں دو مسئلے نہایت معرکۃ الآراء ہیں فقیر کے دونوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ کتاب لکھی ہے انھیں علیحدہ طبع کرنے کے بجائے اسی پارے کے آخر شائع کیا جا رہا ہے۔ وہ دو مسئلے یہ ہیں:

(۱) کیا یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق علم تھا کہ وہ زندہ ہیں یا فوت ہو گئے ہیں۔ زندہ ہیں تو کہاں ہیں؟ اس کی تحقیق کا نام ہے دفع التعسف عن علم ابی یوسف۔

(۲) کیا یوسف علیہ السلام کا نکاح بی بی زلیخا سے ہوا یا نہیں؟ اس کی تفصیل دفع التاسف فی نکاح زلیخا بیوسف۔

اگر کوئی صاحب انھیں علیحدہ شائع فرمائے تو بھی اجازت ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین۔

○

فقیر اویسی غفرلہ
بہاولپور۔ پاکستان

سورۃ الرعد مدنیة وهی ثلث واربعون اٰیة وست رکوعات بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ
اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ
كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَ
هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا
زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَ فِی الْاَرْضِ
قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ
وَّاحِدٍ ۫ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝
وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ۬ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ
مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ
اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝

ترجمہ: یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ جو آپ کے رب تعالیٰ سے آپ کی طرف اتارا گیا ہے حق ہے لیکن اکثر ایمان نہیں لاتے وہ اللہ تعالیٰ جس نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر بلند کیا جنھیں تم دیکھتے ہو پھر عرش پر استواء فرمایا (جیسے اس کی شان کے لائق ہے) اور سورج اور چاند کو مسخر کیا ہر ایک اپنے اپنے وقت مقرر تک چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر امر کی تدبیر کرتا ہے نشانیاں واضح طور بتاتا ہے تاکہ تم اپنے رب تعالیٰ کے ہاں حاضری کا یقین کرو اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں لنگر یعنی پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر قسم کے پھلوں سے دو دو جوڑے بنائے رات سے دن کو چھپاتا ہے بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو تفکر کرتے ہیں اور زمین میں مختلف قطعے ہیں ایک دوسرے کے آس پاس۔ اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتی اور کھجور کے پیڑ ہیں ایک ہی جڑ سے کئی کئی اور الگ الگ جڑوں سے نکلی ہوئیں سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ہم ان کے پھلوں کے بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں بیشک اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا کہنا زیادہ تعجب ناک ہے کہ کیا ہم مر کر مٹی ہو جانے کے بعد نئی پیدائش میں آئیں گے یہی وہ ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے منکر ہیں اور یہ وہی ہیں

جن کی گردنوں میں زنجیر ہوں گے اور یہی دوزخی ہیں اور یہی اس میں ہمیشہ رہیں گے اور آپ سے رحمت سے پہلے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور ان سے پہلے عبرت ناک مثالیں گزر چکی ہیں اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتری۔ آپ تو صرف ڈر سنانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہیں۔

تفسیر عالمانہ

سورۃ رعد مدنیہ بعض کے نزدیک مکیہ اور ولا یزال الذین کفروا و یقول الذین کفروا الخ (بالاتفاق) مکیہ ہے اس کی پینتالیس آیات ہیں۔

ف: حضرت الشیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ نے آیت وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہٗ کے تحت لکھا ہے کہ شعر میں اجمال اور اشارے کنائے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ اشاروں سے بات کی ہے اور نہ ہی ان سے پہیلی کے طور کلام فرمایا اور نہ ہی ایسے کبھی ہُوا کہ ان سے ایسا کلام فرمایا ہو جو مراد ظاہری کے خلاف ہو اور نہ ہی ایسے اجمال سے گفتگو فرمائی ہے جو ان کے فہم و فکر سے بالاتر ہو اس پر ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ نے طویل بحث فرمائی ہے۔

سوال: حروف مقطعات جو سورتوں کے اوائل میں ہیں مثلاً الٓمّٓرٰ وغیرہ۔ یہ بالاتفاق متشابہات سے ہیں اور متشابہات میں اجمال تو لازماً ہے اور باقی چند باتیں ہیں جو شیخ موصوف کے اقوال مذکورہ کے خلاف ہیں۔

جواب: سب کو معلوم ہے کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ اپنے اکثر آراء میں منفرد ہوتے ہیں لیکن وہ ذاتی طور ان کی انفرادیت مبنی برحق ہوتی ہے بنا بریں یہ بھی ان کے انہی افرادی اقوال میں سے ہے کہ وہ حرف مقطعات کو متشابہات سے نہیں مانتے۔ اگر مانتے ہیں تو ان کے علوم ایسے نہیں مانتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص فرمایا ہے بلکہ ان کے علوم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے طفیل ان کے متبعین پر بھی منکشف فرمائے ہیں۔ (کذا فی انسان العیون)

الٓمّٓرٰ کی تحقیق

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ الٓمّٓرٰ بمعنے انا اللہ اعلم و اری ما لا یعلم الخلق و ما لا یریٰ من فوق العرش الیٰ ما تحت الثریٰ۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کو خوب جانتا ہوں اور وہ دیکھتا ہوں جو مخلوق نہیں دیکھ سکتی یعنی مافوق العرش تا تحت الثریٰ کو صرف میں دیکھتا ہوں، مخلوق نہیں دیکھ سکتی۔ اس تقریر پر الف لام انا اللہ کا اختصار ہے اور یہ دونوں ذات پر دلالت کرتے ہیں اور میم و راء اعلم و اریٰ کا خلاصہ ہیں۔ اور یہ دونوں صفت پر دلالت کرتے ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ الف سے آلاء ونعمت ہائے بے شمار اور لام سے لطف بے انتہاء اور میم سے ملک بے زوال اور راء سے رافت و رحمت باکمال مراد ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ یہ الفاظ ان کلمات کا اختصار ہیں جو صفات الٰہیہ پر دلالت کرتے ہیں۔

ف : تبیان میں ہے کہ الف اللہ کا اور لام جبریل کا، میم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور راء رسل کرام علیہم السلام کا اختصار ہے ۔ یہ عبارت دراصل یُوں تھی :

انا اللہ الذی ارسل جبریل الیٰ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بالقرآن و الی الرسل بغیرہ من الکتب الالٰھیۃ والصحف الربانیۃ۔[1]

ف : ابن الشیخ الظاہرؒ نے فرمایا کہ المّرا مستقل کلام ہے ۔ دراصل عبارت یُوں ہے ،

ھٰذہ السورۃ مسماۃٌ بالمر ۔ یعنی یہ سورۃ ہے جس کا نام المّرا ہے ۔

تِلْكَ یہ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ آیات ہیں کتاب یعنی قرآن مجید کے ۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الف اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃٌ ولا نوم (الآیہ) کی طرف اور لام لہ مقالید السمٰوٰت والارض کی طرف اور میم مالک یوم الدین کی طرف اور راء رب السمٰوٰت والارض کی طرف اشارہ ہے ۔ جیسے قاف سورۂ قاف میں قل ھو اللہ احد کی طرف اشارہ ہے اور مرتبۂ احدیہ یہی ہے اور یہی تعین اوّل ہے ، اور صٓ سورۃ صاد میں اللہ الصمد کی طرف اشارہ ہے اور مرتبۂ صمدیہ یہی ہے اور یہ تعین ثانی ہے اور والصّٰفّٰت میں ان تعینات کی طرف اشارہ ہے جو اس تعین ثانی کے تابع ہیں ۔

وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اس سے قرآن مجید مراد ہے یہ مبتدا ہے خبر الْحَقُّ ہے ۔ یعنی وہ جو رب تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک آپ کے ہاں نازل ہوا ہے وُہ حق ہے اور وہ جو مشرکین آپ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ قرآنی آیات آپ اپنی طرف سے بناتے ہیں وہ باطل ہے ۔ اس پر ایمان لانا اور اس کے احکام پر عمل کرنا واجب ہے جو اس کا دامن پکڑے گا وہ نجات پائے گا ۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رسّی کہا ہے ۔ اس سے بندہ اھبطوا کے نچلے درجے سے نجات پا کر رفعت حاصل کرے گا ۔

مسئلہ : وہ احکام جو اللہ تعالیٰ سے نازل ہوئے ہیں یا صریح ہیں جیسے احکام صریحہ جو نص قرآنی سے ثابت ہیں اور بعض وُہ ہیں جو قرآن پاک کے ضمن میں پائے جاتے ہیں جیسے وہ احکام جو احادیث و اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں یہ تمام احکام ہمارے نزدیک حق ہیں ۔

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ لیکن اکثر لوگ قرآن پاک کی حقانیت پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ اس کی حقانیت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رسّی کہا ہے جو بھی اسے پکڑتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ جاتا ہے ۔ لیکن چونکہ کافروں کو بہت زیادہ عناد تھا اور راہ حق سے بہت دُور جا پڑے تھے اور نہ ہی قرآن پاک کے معانی پر

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۳۳۳

غور و فکر کرتے تھے اسی لیے انکار کرتے اور ان کے انکار سے قرآن پاک کی حقانیت میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا کیونکہ سورج تو سورج ہے اگرچہ اندھا اسے نہ دیکھ سکے اور شہد شہد ہے اگرچہ کڑوے منہ والے کو اس کی مٹھاس محسوس نہ ہو۔ تربیتِ شیخ خوش بخت کو مفید ہوتی ہے۔ منکر اور باطل ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہیچ سودے نکند تربیت ناقابل

گرچہ برترنہی از خلق جہان مقدارش

سبز و خرم نشود از نم باران ہرگز

خار خشکے کہ بنشانی بر سر دیوارش

ترجمہ: ناقابل کو تربیت کوئی فائدہ نہیں دیتی اگرچہ اس کی قدر و منزلت تمام مخلوق سے بڑھانے کی کوشش کرو۔ بارش سے خشک کانٹا ہرگز تر نہیں ہو سکتا اگرچہ اسے کتنی بلند دیوار پر رکھو۔

ربط: اب اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر دلائل بیان فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ یہ مبتدا اور اس کی خبر اَلَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند فرمایا۔

ف: زمین و آسمان کے درمیان کی مسافت پانچسو سال کی ہے۔ اور اس کی قدرتِ کاملہ دیکھیے کہ وہ کسی شے پر رکھے ہوئے بھی نہیں۔ چنانچہ فرمایا:

بِغَیْرِ عَمَدٍ (بالفتح) عماد یا عمود کی جمع ہے بمعنی ستون۔ یہ السّمٰوٰت سے حال ہے۔ یعنی آسمانوں کو بلند فرمایا درانحالیکہ وہ ستونوں کے بغیر کھڑے ہیں تَرَوْنَهَا ھا کا مرجع عمد ہے اور یہ جملہ بغیر عمد کی صفت ہے یعنی وہ ستون جو تم دیکھ نہیں رہے۔ اسی سے عمد اور رؤیۃ دونوں کی نفی ہے۔ یعنی نہ ستون ہیں نہ تم دیکھتے ہو۔ جب سرے سے ہیں ہی نہیں تو پھر تم دیکھو گے کیا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں صرف رؤیۃ کی نفی ہے یعنی آسمانوں کے ستون ہیں لیکن تم انھیں دیکھ نہیں سکتے۔ اور اس سے قدرت الٰہی مراد ہے یعنی اتنا بلند ۔ اور بڑے بڑے پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کھڑا کیا ہوا ہے۔ گویا قدرتِ الٰہی اس کے ستون ہیں، یا اس سے عدل مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عدل سے آسمان و زمین یعنی علویات و سفلیات قائم ہیں:

؎

آسمان و زمین بعدل بپا ست

شد ز شاہان بغیر عدل نماست

گر نباشد ستون خیمہ بجاے
کے بود خیمہ بے ستون بر پاے

ترجمہ: آسمان وزمین اللہ تعالیٰ کے عدل سے قائم ہیں۔ اگرکسی خیمہ کا ستون نہ ہو تو وہ خیمہ زمین پر گرجاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال ہے کہ اس نے آسمان کا خیمہ ستون کے بغیر کھڑا کر دیا۔

ف: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ترونہا جملہ مستانفہ اور ھو اور ھا کا مرجع السمٰوٰت ہوں۔ اس معنیٰ پر یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ یہ آسمان ستون کے بغیر کیسے قائم ہیں؟ جواب ملا کہ تم خود دیکھ رہے ہو کہ آسمان کتنے بلند ہیں اور ان کے درمیان کسی قسم کا ستون بھی نہیں ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ لفظ ثمّ دو تخلیقوں کے درمیان کے تفاضل کی تراخی پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ عرش کی تخلیق آسمانوں سے پہلے ہوئی اور الاستوا بمعنی سیدھا ہو کے بیٹھنا اور عرش شاہی تخت کو کہا جاتا ہے یہاں پر معین معنی مراد ہے جو کہ تمام مخلوق سے اعظم ہے اور اس کے نیچے میٹھا پانی ہے۔ کما قال تعالےٰ:

وکان عرشہٗ علی الماء۔

ف: عرش کے نیچے ایک بہت بڑا دریا ہے جس کی عظمت کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ استوی علی العرش بمعنی ادنی علی العرش ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو اوپر سے نیچے جھانک کر دیکھے۔

حدیث شریف اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے جنت الفردوس کو تیار فرمایا ایک اینٹ صاف ستھرے سونے کی اور دُوسری عطر سے معطر لگائی۔ پھر اس میں ہر قسم کے بہترین میوہ جات اور پھول وغیرہ لگائے۔ پھر اس میں نہریں جاری فرمائیں۔ پھر عرش کو دیکھ کر فرمایا: مجھے اپنی عزّت وجلالت اور قدرت کی قسم اے جنت الفردوس! تیرے اندر نہ شرابی داخل ہوگا نہ زنا پر اصرار کرنے والا، نہ دیوث، نہ چغلخور، نہ جھگڑالو، نہ اختلاف کرنے والا اور نہ متکبر۔

ف: قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

استوٰی علی العرش میں عرش سے اس کی حفاظت اور تدبیر مراد ہے۔ یعنی عرش پر استواء کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنے ملک پر پورا استیلاء اور تصرف ہے۔ اگر آسمانوں کو ستون کے بغیر کھڑا کرے تو مالک ہے۔ مثلاً اہلِ عرب بکتے ہیں:

استوٰی فلان علی العرش یعنی فلاں کسی شے کا مالک ہوگیا۔ اگرچہ وہ اس پر نہ بیٹھے۔

ف : ابن الشیخ الطاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں لفظ ثُمَّ اطلاق و ترتیب کے لیے ہے اس میں تراخی کا معنیٰ نہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا فرمایا تو پھر عرش پر استیلاء فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو تخلیق سے پہلے بھی استیلاء تھا اور بعد کو بھی۔

ف : یاد رہے کہ استیلاء باعتبار نفس اور ذات کے نہیں کیونکہ اس کی ذات مخلوق کی صفات سے منزہ اور پاک ہے، بلکہ باعتبار امر ایجادی اور تجلی حبی احدی کے ہے اس لیے کہ عرش ایسے استواء کا محل ہے کیونکہ تجلیات متعینہ اور احکام ظاہرہ و امور بارزہ اور آسمان و زمین اور ان کے اندر کے عالم کون و فساد بامر الٰہی و ایجاد ازلی کے شئون متحققہ اس وقت تکمیل پذیر ہوتی ہیں جب ان کے لوازمات کا استیفا اور ان کی جوانب کا استکمال اور ان کے ارکان اربعہ جو کہ عرش کے ظہور بر درج و شکل و حرکت دوریہ میں مستوی ہیں کا استجماع نہ ہو۔ اس لیے کہ انہی عوالم میں تجلیات حق کا استواء تجلی حبی و امر ایجادی کے ساتھ ضروری ہے یعنی وہ امر ایجادی جو امور اربعہ ایجادیہ کا ایک ہے اور یہ امور ایجادیہ تجلیات حبیہ اور ایجادیہ حبیہ سے ہیں اور یہ تجلیات در اصل حرکت عرش الٰہیہ ہے اور یہی بمنزلہ صدا کبر کے ہے اور جب ارکان اربعہ کہ جن پر تجلیات ایجادیہ امریہ موقوف ہیں کے حصول تمام کا امر برابر ہوا یعنی وہ تجلیات ایجادیہ امریہ جو بحسب استعدادات اہل عصر کے تقاضوں اور ہر یوم بلکہ ہر آن میں اصحاب زمان کی قابلیات کے موجبات آسمان و زمین کے درمیان میں نازل ہوئے ہیں ان کے نزول کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یتنزل الامر بینھن ۔

اور فرمایا :

کل یوم ھو فی شان ۔

یعنی ہر یوم کا امر شان میں یعنی عرش میں ہے۔ تو عرش حق کا مستوی ہوا اور استواء کا بھی یہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور استواء امر ایجادی عرش پر بمنزلہ استواء امر تکلیفی ارشادی علی الشرع کے ہے اور ہر ایک اپنے دوسرے کا مقلوب ہے۔ (کذا فی الابحاث البرقیات لحضرت شیخنا الاجل قدس سرہٗ)

تفسیر عالمانہ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا یعنی ان سے جس طرح کا کام لینا چاہے اور انھیں تمہارے تابع کر دیا تاکہ تم اور دیگر مخلوق ان سے نفع یاب ہو۔ چنانچہ بحر العلوم میں ہے کہ سورج و چاند کو مسخر کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں لوگوں کے لیے نافع بنایا کہ سورج و چاند کی رفتار سے لوگ اپنے سالوں کا حساب اور دیگر حساب و کتاب معلوم کریں۔ لوگ ان کے نور سے رات اور دن میں روشنی پاتے ہیں۔ ان کے نور سے اندھیرا اور تاریکی دور ہوتی ہے۔ ان سے زمین کی اصلاح ہوتی ہے اور اجسام و اشجار اور نباتات کی بھی۔ كُلٌّ یہ دونوں يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى لام بمعنے وقت ہے یعنی میعاد مقرر تک چلتے رہیں گے۔ اس سے دنیا کی

فنا اور بربادی یا سورج اور چاند کے دورے کی انتہا مراد ہے اسی لیے سورج اور چاند ہر رات اپنی منزل طے کر کے طلوع و غروب کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک دفعہ تمام منازل ختم کر کے پھر نئے سرے سے منزل شروع کرتے ہیں یُدَبِّرُ الْاَمْرَ اعطاء و منع و احیاء و اماتت، مغفرۃ الذنوب و تفریح الکروب اور کسی کو معزز اور کسی کو ذلیل کرنے کے فیصلے اور تدبیر کرتا ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یدبر الامر سے تمام عالم کی صرف وہی تن تنہا تدبیر کرتا ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ استواء علی العرش سے مراد یہ ہے کہ عرش کی بلندی اپنی مخلوق کی تدبیر کے لیے کرتا ہے اس میں تشبیہ کا کوئی مفہوم نہیں۔

یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ آیات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے یعنی توحید اور قیامت میں اُٹھنے اور کمال قدرت اور حکمت پر برابر ہیں قائم فرماتا ہے لَعَلَّكُمْ تاکہ تم بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ اپنے رب تعالیٰ کے دیدار یعنی قیامت میں اعمال کی جزا و سزا پر تُوْقِنُوْنَ یقین کرو اور سمجھو کہ جو ذات ان اشیاء کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو ان کے مارنے اور پھر ان کے اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے۔

قاعدہ: بحر العلوم میں ہے کہ لعل کا لفظ ارادہ کے معنیٰ میں ہے۔ اور اس میں اس کا اپنا معنیٰ بھی ملحوظ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی آیات اس ارادہ پر تفصیل سے بیان فرماتا ہے کہ تم ان آیات میں غور و فکر کرو اور انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت اور اس کی توحید و حکمت پر استدلال کرو اور یقین کرو کہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق اور شمس و قمر کی تسخیر پر قادر ہے باوجودیکہ یہ اشیاء بہت عظمت والی ہیں۔ اور پھر جملہ امور کی تدبیر بھی وہی کرتا ہے۔ تو پھر مان لو کہ وہ ایک چھوٹے سے انسان کی تخلیق اور پھر اس کے مارنے کے بعد لوٹانے اور اس کی جزا اور سزا پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

مسئلہ: ایجاد عالم امکان مختلف طور طریق سے اس لیے ہوا تاکہ انسان کو مشاہدہ و اطمینان اور یقین نصیب ہو۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سیراب کن ز بحر یقین جان تشنہ را
زین پیش خشک لب منشین بر سر آب ریب

ترجمہ: بحر یقین سے اپنی پیاسی جان کو سیراب کر لے اس وقت سے پہلے کہ موت آ جائے اور شکی بن کر پانی کے کنارے پر خشک لبوں سے نہ بیٹھ۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کے ارشادِ گرامی کی تشریح

سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:
لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔
اگر پردے ہٹ جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوتا۔
اس کی وجہ مشائخ کرام یوں بیان فرماتے ہیں کہ اہلِ مکاشفہ دنیا میں علم یقین سے عین یقین تک پہنچتے ہیں لیکن

اہلِ حجاب کو قیامت میں ہی نصیب ہوگا ۔ اس معنیٰ پر اگر اہل مکاشفہ کو دار دنیا کے پردے ہٹ کر آخرت کے نظارے سامنے آجائیں تو بھی ان کے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا کیونکہ انھیں وہ مرتبہ پہلے حاصل ہے پھر اضافہ کا کیا معنیٰ ۔ ہاں اہلِ حجاب چونکہ علم یقین میں ہیں اسی لیے ان سے اگر حجاب اُٹھیں تو عین یقین کے درجہ میں پہنچنے سے ان کے لیے اضافہ ہوگا ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی الناس نیامٌ فاذا ماتوا انتبھوا لوگ نیند میں ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے ۔ یعنی ان کی موت (اختیاری ہو یا اضطراری) پر ہی انھیں بیداری نصیب ہوگی ۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ یقین کے حصول اور آیات ربانی میں عبرت پکڑنے کی کوشش کرے ۔

علمِ سلوک کے چھ گر

فقیہ نے فرمایا کہ مومن کو چھ عادات ضروری ہیں :

① ایسا علم جو آخرت کی رہبری کرے ۔

② ایسا دوست جو اس کی طاعتِ الٰہی پر معاونت کرے اور برائیوں سے روکے ۔

③ اپنے دشمن کی پہچان اور اس سے بچنے کی تدبیر ۔

④ آیاتِ الٰہی اور اختلاف اللیل والنہار سے عبرت ۔

⑤ خلقِ خدا سے عدل وانصاف تاکہ قیامت میں اس پر کسی قسم کا دعویٰ نہ ہو ۔

⑥ موت سے پہلے اس کی تیاری اور دیدارِ الٰہی کے لیے مستعد رہنا تاکہ قیامت میں اسے رسوائی نہ ہو ۔

وَهُوَ الَّذِي اور اللہ تعالیٰ وہ قادرِ مطلق ہے مَدَّ الْاَرْضَ جس نے زمین کو طولاً وعرضاً پھیلایا اور ایسا فراخ بنایا کہ جس پر قدم ثابت ہوں اور جانور چل پھر سکیں ۔ یعنی اسے دراز بنایا ۔ اور ایسا نہیں کہ پہلے وہ کسی مکان میں جمع تھی پھر اسے پھیلایا یا جیسے کھیتی باڑی کرنے والے بڑے ٹیلے کو ہموار کر کے کھیتی باڑی کرتے ہیں ۔

سوال : تقریرِ مذکور اس قاعدہ کے خلاف ہے جو کہ مشہور ہے کہ زمین ایک گیند کی طرح ہے اور گیند نہ دراز ہوتی ہے نہ بسیط ۔

جواب : جب کوئی شے بڑے پیمانہ پر ہو تو وہ اگرچہ گیند کی طرح ہو تب بھی دراز اور بسیط ہونا اس کے منافی نہیں ہوتا ۔

اعجوبہ تفسیر ابو اللیث میں ہے کہ زمین کو کعبہ معظمہ سے پھیلانا شروع کیا گیا تھا اور یہاں پانی ہی پانی تھا تو زمین پانی پر ہلنے لگی جیسے کشتی پانی پر ہچکولے کھاتی ہے ایسے ہی زمین ہچکولے کھانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑ گاڑ دیے اس سے زمین ساکن ہوگئی ۔[1]

کعبہ معظمہ کا اعجوبہ بعض روایات میں ہے زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی پر ایک تیز ہوا بھیجی اس کے تیز جھونکوں سے کعبہ معظمہ کے مقام سے ایک پتھر نمودار ہوا جو قبّے کی

---

[1] اس میں رد ہے ان نادانوں کا جو زمین کو متحرک مانتے ہیں ۔

کی طرح تھا اسی جگہ سے اللہ تعالیٰ نے (طولاً و عرضاً) زمین کو بچھادیا۔ گویا اس کا اصل اور اس کی ناف یہی کعبہ معظمہ ہے۔ لیکن یہ آباد زمین کے لیے ہے۔

ف : خشفۃ (بالخاد المعجمہ) اس پتھر کو کہتے ہیں جسے مٹی کے ساتھ خشک کیا جائے۔

اعجوبہ برائے زمین آباد و غیر آباد یعنی کل زمین کا درمیان (ناف) خشفۃ الارض ہے۔ یعنی وہ مقام جہاں ہمیشہ گرمی و سردی میں رات دن برابر رہتے ہیں جس میں نہ دن رات سے بڑھتا ہے نہ رات دن سے۔ اسی طرح وہاں کو گرمی ہوتی ہے نہ سردی۔

کعبہ کو عزت ملی حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خمیر بشریت اسی کعبہ معظمہ میں تھا یعنی زمین کی ناف دراصل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خمیر اقدس ہے۔ پھر جب زمین بچھ کر مکمل ہو گئی تو عرصۂ دراز کے بعد طوفانِ نوح کی موجوں سے وہی خمیر اقدس اٹھا کر مدینہ طیبہ موجودہ گنبد خضرا کے مقام پر رکھا گیا۔ اسی لیے آپ مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔

ف : بزرگ فرماتے ہیں ہمارے اجساد کی حقیقی ماں زمین ہے کہ اسی پر ہم ٹھہرتے ہیں، اسی میں ہماری معاش ہے اور اسی میں ہم مدفون ہوں گے۔

وَجَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ رواسی راسیۃٌ کی جمع ہے اور یہ رسا الشیءُ بمعنے ثبت سے مشتق ہے علامۃ کی تاء کی طرح راسیۃ کی تاء بھی مبالغہ کی ہے۔ بعض نے یہ تاء تانیث کا کہا ہے یہ غلط ہے۔ یعنی مضبوط پہاڑ گاڑ دیے جو زمین پر میخوں کی طرح لگے ہوئے ہیں تاکہ زمین مضطرب نہ ہو اور وہ ٹھہر جائے اور لوگ اس پر آرام سے زندگی بسر کریں۔

ف : یاد رہے کہ زمین کا ہچکولے کھانا اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے تھا۔

زمین کا سب سے پہلا پہاڑ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سب سے پہلا پہاڑ جو زمین پر گاڑا گیا اس کا نام ابو قبیس ہے۔ اور یہ پہاڑ مکہ معظمہ میں ہے۔

ف : ابو قبیس ایک شخص کی وجہ سے اس کا نام پڑ گیا اور وہ شخص مَذحِج بروزن مجلس ایک لوہار تھا۔ چونکہ اسی پہاڑ پہ سب سے پہلے اسی نے مکان تیار کیا اسی لیے اس پہاڑ کا نام اس کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس پہاڑ کو الامین بھی کہتے ہیں اس لیے کہ رکن کعبہ اسی میں امانت کے طور رکھا گیا تھا۔

لطیفہ انسان العیون میں ہے چونکہ زمین پر سب سے پہلے ابو قبیس پہاڑ کو رکھا گیا تھا اسی لیے اس کا نام ابو الجبال

---

[1] یہی لفظ روایت کا ہے جسے فقیر نے ترجمہ میں پتھر لکھا۔

ہونا چاہیے۔

عقل کا تقاضایہ ہے کہ یہی ابُوقبیس تمام پہاڑوں سے افضل ہو۔ لیکن تمام اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ

افضل الجبال اُحد پہاڑ تمام پہاڑوں سے افضل ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُحد یحبّنا و نحن نحبّہ۔ اُحد پہاڑ ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس سے۔

ف : اُحُد (بضمتین) مدینہ طیبہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔

ف : اہلِ حکمت لکھتے ہیں کہ دُنیائے عالم میں ایک سَو اٹھتر (۱۷۸) پہاڑ ہیں ان میں بعض کی لمبائی ساٹھ میل، بعض کی تین سو میل اور بعض کی تین ہزار میل ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر کل چھ سو چھتیس (۶۳۶) پہاڑ ہیں۔ یہ ان کے سوا ہیں جو عام ٹیلوں کی شکل میں ہیں۔ اگر ان کو ملایا جائے تو پھر ان گنت ہیں۔

اعجوبہ ہر پہاڑ کی جڑ کوہِ قاف سے ملتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا کو ختم کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو کوہِ قاف سے ہر ایک پہاڑ کی جڑ حرکت کرے گی۔ ؎

۱ رفت ذوالقرنین سُوے کوہِ قاف
دید کہ راکز زمرد بود صاف

۲ گرد عالم حلقہ گشتہ او محیط
ماند حیران اندران خلق بسیط

۳ گفت تو کوہے دگر ہا چیستند
کہ بہ پیشِ عظم تو باز ایستند

۴ گفت رگہاے منند آن کوہ ہا
مثل من نبود در حسن و بہا

ترجمہ: ۱۔ کوہِ قاف پر حضرت سکندر تشریف لے گئے اسے زمرد کی طرح صاف وشفاف دیکھا۔

۲۔ جملہ عالم کے گرد حلقہ کی طرح محیط تھا اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے بنائے ہوئے پہاڑ کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔

۳۔ آپ نے فرمایا کہ اے پہاڑ! کیا تُو پہاڑ ہے تو دُوسرے کیا ہیں کہ وُہ تیرے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔

۴۔ اس نے کہا کہ یہ جملہ پہاڑ میری رگیں ہیں اور میرے جیسا اور کون ہو سکتا ہے۔

۵ من بہر شہرے رگی دارم نہان
بر عروقم بستہ اطراف جہان

۶ حق چو خواہد زلزلۂ شہرے مرا
گوید او من بز جہانم عرق را

۷ پس بجنبانم من آن رگ را بقہر
کہ بدان رگ متصل گشتست شہر

۸ چون بگوید بس شود ساکن رگم
ساکنم وز روئے فعل اندر تکم

۹ ہمچو مرہم ساکن و بس کارکن
چون خرد ساکن و زو جنبان سخن

۱۰ نزد آنکس کہ نداند عقلش این
زلزلہ ہست از بخارات زمین

وَّاَنْهٰرًا اور زمین پر نہریں جاری فرمائیں۔

سوال: انہٰر کو جبال کے ساتھ اور اسی کے فعل پر معطوف کر کے کیوں بیان فرمایا۔

جواب: جبال انہار کے اجزائے اسباب ہیں اس لیے کہ پتھر ایک منقلب (سخت) جسم ہے جب زمین سے بخارات اڑ کر پہاڑوں میں پہنچتے ہیں تو ان بخارات کو پہاڑ اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ پھر جُوں جُوں وُہ بخارات بڑھتے ہیں پہاڑوں سے نہروں کی صُورت میں پانی بہہ نکلتا ہے۔ دُوسری وجہ یہ بھی ہے کہ پہاڑوں کے سوراخوں سے بخارات داخل ہو کر نہروں کی صورت میں زمین پر پھیل جاتے ہیں۔

ترجمہ: ۵۔ ہر شہر میں میری جڑیں پھیلی ہُوئی ہیں۔ میری رگوں سے ہی تمام جہان وابستہ ہے۔
۶۔ جب اللہ تعالیٰ کسی شہر کو زلزلے میں ڈالتا ہے تو مجھے اسی رگ کو متحرک کرنے کا حکم دیتا ہے۔
۷۔ میں اسی رگ کو متحرک کرتا ہُوں اسی لیے کہ ہر رگ میں شہر وابستہ ہیں۔
۸۔ پھر جب مجھے خاموشی کا حکم دیتا ہے تو میں اپنی رگ کو روک کر ساکن کر لیتا ہُوں۔
۹۔ میرا حال مرہم جیسا ہے کہ ساکن ہوں لیکن ہزاروں کام اپنے اندر رکھتا ہُوں جیسے عقل ساکن ہے۔
۱۰۔ ایسے ہی جسے عقل نہیں سمجھتا کہ زمین کے زلزلے کیسے ہیں۔

ف : الملکوت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شبنم اور بارشوں کے قطرات زمین پر بھیجتا ہے جنھیں زمین اپنے اندر جذب کر کے انھیں اپنی طبع پر پکا کر باہر نکالتی ہے جو زمین کی جڑوں سے چشموں کی صورت میں پانی ظاہر ہوتا ہے اس سے خلقِ خدا نفع یاب ہوتی ہے۔ لیکن یہ وہاں پر ظاہر ہوتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ پانی کے مؤکل فرشتہ حضرت میکائیل علیہ السلام اور ان کے خدام ہیں۔

ف : زمین پر سب سے بڑا دریا فرات ہے یہ کوفہ میں ہے۔ اور دجلہ، یہ بغداد میں ہے۔ اور سیحان (بفتح السین المہملۃ) یعنی نہر المصیصہ۔ اور سیحون، یہ ہند میں ہے۔ اور جیحان (بفتح الجیم) یعنی نہر اذنہ۔ یہ بلادِ یمن میں ہے۔ اور جیحون، یہ بلخ میں ہے۔ اور نیل، یہ مصر میں ہے۔

اعجوبہ دار حکایت کسی بادشاہ نے چند ایک آدمیوں کو مامور فرمایا کہ وہ دریائے نیل کی تحقیق کریں کہ یہ کہاں ختم ہوتا ہے۔ انھیں کشتیوں پر سوار کر کے ایک سال کا زادِ راہ دے کر روانہ کیا۔ یہ چھ ماہ تک دریا میں چلتے رہے۔ کچھ معلومات حاصل نہ کر سکے۔ آخر میں انھیں صرف ایک قبہ نظر آیا۔ اس کے باشندے آدمیوں کی شکل میں تھے (جن کے جسم سبز رنگ کے تھے) ان میں سے ایک کو پھنسایا تاکہ اسے اپنے علاقے کے لوگوں کو دکھائیں۔ لیکن وہ تڑاپ کر مر گیا اسے نمک اور دیگر ادویات لگا کر اپنے شہر میں لائے۔

ف : الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے بھی دریائے نیل کا کنارا معلوم کرنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

دیگر حکایت اعجوبہ دار بعض سیاحوں کو ایک ایسا پہاڑ دیکھنے میں آیا کہ جو بھی اس کے پار والے حصے کو دیکھتا تو واپس نہ لوٹتا۔ انہوں نے اپنے میں سے ایک کو مضبوط رسّی سے باندھ کر روانہ کیا۔ جب اس نے پہاڑ کے پار نظر اُٹھائی تو اسے فوراً کھینچ لیا گیا۔ اس سے جو کچھ پوچھتے وہ بول نہ سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مر گیا۔

دریائے نیل کی عجیب تاثیر حکما کہتے ہیں کہ اگر دریائے نیل دریائے اخضر (جو نمکین ہے) میں پہنچنے سے پہلے بحیرہ زنج میں داخل ہو جاتا اور اس کا نمکینی مادہ اس میں مل جاتا تو اس کا پانی کوئی بھی نہ پی سکتا۔ اس کے بہت زیادہ میٹھا ہونے کی وجہ سے اسے نیل کہتے ہیں۔ نیل، بہشت میں جو نہر العسل ہے وُہی دریائے نیل ہے۔

ایک اور عجیب دریا دنیائے عالم میں ایک دریا ارس ہے اس کی تاثیر شاعر یوں بیان کرتا ہے،

شعر

ارس را در بیابان جوش باشد
بدریا چوں رود خاموش باشد

ترجمہ : ارس بیابان میں ہے اس میں جو بھی داخل ہوتا ہے اس سے بولنے کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔

وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ کے متعلق ہے اثنین زوجین کی تاکید ہے جیسا کہ اہلِ عرب کا طریقہ ہے۔ اس کی تشریح ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر ہر قسم کے ثمرات کا جوڑا جوڑا پیدا فرمایا ہے۔ مثلاً میٹھا کھٹا اور سیاہ و سفید اور زرد و سرخ اور چھوٹا اور بڑا۔ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ اور دن کو رات سے ڈھانپتا ہے۔ یعنی رات اپنی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا لیتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے دن کو رات میں چھپا لیتا ہے۔ اور دن اس کی تاریکی سے ایسا چھپتا ہے کہ اس کا معمولی سا نشان بھی باقی نہیں رہتا۔

سوال: جیسے دن کو رات چھپا لیتی ہے ایسے ہی دن بھی رات کو چھپا لیتا ہے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

جواب: ایک ضد کے ذکر سے دُوسری کا ذکر ضمناً خود بخود آجاتا ہے۔

ف: بیضاوی صاحب نے فرمایا کہ دن کے بجائے خلاء کو رات اپنی تاریکی میں لے لیتی ہے۔ جہاں دن کی روشنی چمکتی ہے وہاں رات کی تاریکی کا دور دورہ ہوتا ہے۔

نکتہ: اغشاء بمعنے الباس الشئ بالشئ چونکہ دن کو رات کا لباس پہنانا یا دن کا رات میں چھپ جانا فہم سے بالاتر ہے اس لیے کہ وہ ضدان لایجتمعان ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ لباس لابس یعنی لباس پہننے والے کے ساتھ بقدر ضرورت مجتمع ہو جاتا ہے یعنی لابس کے جسم کی بجائے لباس کا وجود ظاہر ہوتا ہے اور دن کا جسم وہی خلاء ہے جس پر رات نے اپنی تاریکی کا لباس پہنا دیا۔ رات دن کے اسی طریقِ کار کو اغشاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی سے یغشی اللیل النہار کا اشتقاق ہُوا جس کی مذکورہ بالا تقریر ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بیشک زمین اور پہاڑ اور نہریں اور ثمرات اور رات دن کا بدلنا لَاٰيٰتٍ البتہ آیات ہیں جو صانع اور اس کی قدرت و حکمت اور تدبیر پر دال ہیں۔ ان اشیاء کو استعمال کرنے والے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں اس میں سڑکیں ہیں اور راہگیروں کے لیے چھوٹے چھوٹے راستے بھی ہیں اس پر چلتے ہیں تو زمین سے کسی قسم کی تکلیف نہیں پاتے اس میں نہریں اور کانیں اور جانور ہیں جو یہ بھی انسان کے نفع کے لیے ہیں اور پہاڑ بھی انسان کی خدمت کے لیے زمین پر گاڑے گئے۔ ان کی بلندی اور ان کی سختی اور ثقل وغیرہ بھی فائدہ دے رہی ہے۔ کم از کم یہ ہے کہ وہ زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دیے گئے ہیں تاکہ زمین ہچکولے نہ کھائے اور پھر جیسے گھروں میں میخیں گاڑ دی جاتی ہیں جن سے مختلف ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ اسی طرح نہریں بھی بعض پہاڑوں کے دامن میں ہیں یہ سب مالک و مختار اور صانع کردگار کی صنعت و قدرت پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح دانوں کو دیکھیے کہ یہ زمین کے اندر پڑ کر زمین کی نمناکی سے پھوٹ پڑتے ہیں زمین کے نیچے پھوٹتے ہیں جڑیں بن جاتی ہیں اُوپر نکلتے ہیں تو پودا اور درخت بن جاتے ہیں۔ یہ بھی قدرت ایزدی کے عجائبات سے ہے کہ باوجودیکہ وہ دانہ ایک ہے اس پر اثر ڈالنے والے زمین کے اثرات اور افلاک و کواکب کی تاثیریں بھی ایک طرح کی ہیں۔ لیکن قدرت کا کمال دیکھیے کہ نیچے سے جڑیں پیدا ہوتی ہیں ان کے منافع اور ہیں اور اوپر کو درخت یا

پردا نکلتا ہے۔ اس کے اندر مختلف اشیاء ہوتی ہیں ان کے منافع دیگر ہیں اور باوجودیکہ وُہ ایک دانہ کے سب کرشمے ہیں لیکن اس سے پیدا شدہ افعال وخواص میں بعض آپس میں متضاد بھی ہیں۔ یہ بہت پیچیدہ معاملہ ہے کہ ایک شے سے متضاد اشیاء ظاہر ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارے کرشمے اسی بہت بڑی قدرت اور حکمت والے خالق وصانع مدبر حکیم رب کریم کے ہیں۔

دعوت غور و فکر مذکورہ بالا تقریر کو ذہن میں رکھ کر پھر دیکھیے کہ درخت جو اسی چھوٹے سے دانے سے پیدا ہوا ہے اس کے بعض اجزا نہایت سخت ہیں اور بعض ان میں سے صرف اس کا چھلکا ہی چھلکا ہے۔ اسی میں سے بعض پتوں کے علاوہ مغز اور میوہ ہے جسے ہم کھاتے ہیں مزے اڑاتے ہیں لیکن کم درگار کی عبادت اور اس کے شکر اور لطف وکرم کو بھول جاتے ہیں۔

عجائباتِ میوہ جات بعض ایسے میوہ دار اشجار بھی ہیں جنھیں قطع نظر دوسرے عجائبات کے ہمارے کھانے سے متعلق اس میں چار اعجوبے ہوتے ہیں۔ مثلاً بادام وغیرہ کہ اس کے اوپر چھلکا اس کے نیچے باریک اور مغز کو محیط چھلکا، اس کے نیچے نرم غذا، پھر اس کے اندر روغن۔ پھر اطباء اور ڈاکٹروں سے پوچھیے کہ ان میں ہر ایک کی سینکڑوں تاثیریں اور خواص یہ اس وقت جبکہ وہ کچا ہو۔ اسی طرح انگور پر غور کیجئے کہ وُہ خود گرم ہے لیکن اس کا نچوڑ سرد اور کئی طرح کے خواص وفوائد جنھیں اطباء وغیرہ خوب جانتے ہیں باوجودیکہ ان کے اندر تاثیر کرنے والی جملہ اشیائ ایک ہیں۔ مثلاً ایک پانی ایک ستاروں کی چمک اور افلاک کا چکر برابر (وغیرہ وغیرہ) ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ اسی قادر مطلق حیّ قیوم کی قدرت وصنعت[1] ہے۔ رات اور دن کے مختلف ہونے کے متعلق آیات اور نشانیاں واضح ہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ اس قوم کے لیے جو تفکر کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال کرتے ہیں۔

ف: التفکر بمعنٰی تصرف القلب فی طلب معانی الاشیاء یعنی دل کو اشیائ کے معانی کی طلب میں پھیرنا۔

لطائف انسان جیسے عالم کبیر میں زمین، پہاڑ، کانیں، دریا، نہریں، نالے، ندیاں ہیں۔ اسی طرح حضرت انسان (جسے عالم صغیر کہتے ہیں) میں بھی اشیاء مذکورہ ہیں۔ مثلاً اس کا تمام جسم زمین۔ ہڈیاں پہاڑ، بھیجا وغیرہ کانیں اور پیٹ دریا اور اس کے اندر آنتیں نہریں اور رگیں نالے، چربی وغیرہ گارا اور بال انگوریاں، اور بالوں کے اُگنے کی جگہ وہ مٹی ہے جہاں باغات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اس کا کسی سے اُنس کرنا آباد زمین اور اس کی نشست جنگلات اور اس کا لوگوں سے وحشت کرنا ویران زمین ہیں۔ اس کا

---

[1] مذکورہ بالا تقریریں منکر ذاتِ خدا (کمیونسٹ یعنی دہریے) کو سنائیے۔ لیکن ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے۔

سانس ہوائیں اور اس کا بونا بادل کی گرج اور اس کا اندر سے چیخنا چلانا بجلی کی کڑک اس کا رونا بارش اور اس کی خوشی سورج کی روشنی اور اس کا حزن وملال رات کی تاریکی اس کی نیند موت اس کا جاگنا حیات ہے۔

صورتِ دیگر اس کی ولادت اس کے سفر کا آغاز اور اس کا بچپن موسم بہار اور شباب موسم گرما اور اس کے بڑھاپے کا آغاز اس کی خزاں اور اس کا آخری بڑھاپا موسم سرما ہے۔ موت سے سفر کی انتہا ہوتی ہے زندگی کے سال اس کے شہر اور زندگی مہینے منزلیں اور زندگی ہفتے سفر پہ جانے والی سڑک کے فراسخ اور زندگی کے ایام اسی سڑک کے میل اور سانس آنے جانے والے سفر پہ اُٹھنے والے قدم ہیں جب سانس نکلتا ہے تو گویا اس کے قدم اس کے اجل کی طرف اُٹھ رہے ہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے ان میں تفکر کرے۔

ابدال کی نشانیاں ابدال کی دس علامتیں ہیں:

① سلامت صدور ② سخاوت فی المال

③ صدق مقال ④ تواضع النفس

⑤ شدت میں صبر ⑥ خلوت میں بکا

⑦ خلق خدا کی خیر خواہی ⑧ اہلِ ایمان کے لیے رحمت

⑨ اشیاء میں تفکر ⑩ اشیاء میں عبرت

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو تفکر میں لگے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تو تفکر کرو لیکن خالق کی ذات میں تفکر نہ کرنا۔ (کذا فی تنبیہ الغافلین)

مثنوی شریف میں ہے:

۱ بے تعلق نیست مخلوق بدو
آں تعلق ہست بیچون اے عمو

۲ ایں تعلق را خرد چوں رہ برد
بستۂ وصلست و فصلست ایں خرد

۳ زیں وصیت کرد ما را مصطفیٰ
بحث کم جوئید در ذات خدا

۴ آنکہ در ذاتش تفکر کرد نیست
در حقیقت آں نظر در ذات نیست

۵ ہست آں پندار او زیرا براہ
صد ہزاراں پردہ آمد تا الہ

۶ ہر یکے در پردۂ موصول جوست
وہم او آنست کاں خود عین ہوست

۷ پس پیمبر دفع کرد ایں وہم ازو
تا نباشد در غلط سودا پز او

ترجمہ: ۱۔مخلوق کا ہر ذرہ اس سے متعلق ہے اے اندھے یہ تعلق بھی بے مثل ہے۔
۲۔جب یہ تعلق عقل تلاش کرتی ہے تو وہ وصل وفصل کے خیال میں پھنس جاتی ہے۔
۳۔اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ذاتِ حق پر بحث نہ کرو۔
۴۔ہاں اللہ والوں کا تفکر کار دیگر ہے۔
۵۔وہ تصورات کچھ اور حکم رکھتے ہیں اس میں ہزاروں پردے ہیں جو اللہ تعالیٰ تک لے جاتے ہیں۔
۶۔وہ ہر پردے سے اللہ تعالیٰ کو تلاش کرتے ہیں ان کا یہ وہم وخیال عین حق ہے۔
۷۔اسی لیے حضور علیہ السلام نے اس وہم کو دفع فرمایا تاکہ کوئی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔

وَفِی الْاَرْضِ خبر مقدم ہے اس کا مبتدا قِطَعٌ ہے قطع قِطْعَةٌ کی جمع ہے بمعنے ٹکڑا مُّتَجٰوِرٰتٌ یعنی زمین کے ٹکڑے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے ملے جلے یعنی بعض ان میں ایسے ہیں جن سے کھیتیاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں اور بعض شور ٹکڑے ہیں جن سے کوئی شے پیدا نہیں ہوتی ان میں بعض سے تھوڑی کھیتی پیدا ہوتی ہے بعض سخت ٹکڑے ہیں بعض سے کثیر کھیتی پیدا ہوتی ہے ان میں بعض نرم ٹکڑے ہیں بعض صرف کھیتی کے لائق ہیں۔ ان میں درخت پیدا نہیں ہوتے بعض میں صرف درخت پیدا ہوتے ہیں ان میں کھیتیاں پیدا نہیں ہوسکتیں اگر یہ قادر مطلق کا نظام نہ ہوتا تو باوجودیکہ سبب واحد ہے تو پھر اس ایک سبب سے اس کا کام بھی ہوتا ہے لیکن باوجود ایں ہمہ مختلف خواص اور افعال اپنے موقع ومحل میں صادر ہو رہے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سارا نظام اسی قادر مطلق لایزال کا ہے۔ وَّجَنّٰتٌ اس کا عطف قطعٌ پر ہے بمعنے باغات مِّنْ اَعْنَابٍ عِنَبٌ کی جمع ہے بمعنے انگور۔

لفظِ کرم کی تحقیق اہل عرب انگور کو کرم بھی کہتے ہیں اس لیے کہ اس کے ثمرہ میں سخاوت ہے اور وہ بوجھ بھی بہت اٹھاتا ہے اس کے ثمرہ توڑنے میں آسانی بھی ہے۔ اس پر کانٹے بھی نہیں ہوتے جس

پھل توڑنے والے کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی اسے تر اور خشک دونوں طرح کھایا جاتا ہے۔ کرم کا لغوی معنی بھی کثرت اور جمع مع الخیر کے ہوتے ہیں۔ سخی مرد کو کرم اسی لیے کہتے ہیں کہ اس میں خصال خیر بکثرت ہوتے ہیں۔

ف : مومن (ولی اللہ) کا قلب نورِ ایمان سے لبریز ہوتا ہے اس نام کا زیادہ مستحق وہی ہے۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک کو کرم نہ کہو اس لیے کہ کرم صرف مومن (ولی اللہ) کا قلب ہے۔

نکتہ : ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ عرب انگور اور اس کے درخت کو اس لیے کرم کہتے ہیں کہ شراب اسی سے بنایا جاتا ہے پھر وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے پینے والے شراب کرم پر ابھارتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کرم کا نام رکھنے سے نہیں روکا تاکہ وہ شراب پینے کو خیال میں نہ لائیں اور شرابی کے لیے ایسا اچھا نام استعمال نہ کریں۔ حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نام مومن اور اس کے قلب کے لیے مستحق بتایا کہ اس کی اچھی طبع اور احسن ذکاء کا تقاضا یہی ہے کہ یہ نام اس کے لیے ہو۔

ف : اس سے مومن کو تقویٰ پر اُبھارا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ اس احسن نام کا مستحق صرف مومن ہی ہے اور بس۔

وَزَرْعٌ اس کا عطف جنّٰت پر ہے۔

سوال : مفرد کا جمع پر عطف کیسا۔

جواب : زرع کا اصل مصدر ہے اور اس میں جمع بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کا عطف جمع پر جائز ہے۔

وَنَخِيْلٌ نخل اور نخیل کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ یعنی کھجوریں۔ صِنْوَانٌ نخیل کی صفت ہے صنو کی جمع ہے وہ کھجور جس کا اصل ایک اور سر دو ہوں یعنی باغات میں بعض کھجوریں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا اصل ایک ہوتا ہے لیکن اس کی شاخیں بہت ہوتی ہیں۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ستایا نہ کرو کیونکہ وہ میرے آباء کا بقایا ہیں اور چچا باپ کی مانند ہوتا ہے۔

ف : قاموس میں لکھا ہے کہ ایک سے آگے جتنے افراد ہوں انہیں صنو کہا جاتا ہے۔ اسے کبھی مضموم بھی پڑھا جاتا ہے بعض کے نزدیک یہ صرف کھجور سے مخصوص نہیں بلکہ اس قسم کے ہر درخت کو کہنا جائز ہے۔

وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ اور متفرق، یعنی ان کے اصول بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔

حدیث شریف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی پھوپھی یعنی کھجور کی عزت کرو؛ اس لیے کہ یہ اسی مٹی سے پیدا کی گئی ہے جو آدم علیہ السلام کے خمیر سے بچ گئی تھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس درخت سے مکرم تر اور کوئی درخت نہیں جس درخت کے نیچے بی بی مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنا۔ اپنی عورتوں کو کھجوریں کھلاؤ اگرچہ خشک ہی سہی۔

مسعود سے منقول ہے کہ جب آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو آپ بہشت سے تیس

حکایت مختلف لکڑیاں لائے جن میں مختلف ثمرات تھے بعض وُہ ہیں جن کے اوپر چھلکا ہوتا ہے۔ جیسے اخروٹ، بادام، پستہ، چلغوزہ، شاہ بلوط، صنوبر، انار، نارنگی، کیلا، خشخاش۔ ان میں دس وُہ تھے جن کا چھلکا نہیں ہوتا لیکن اس کے ثمر میں گٹھلی ہے۔ کھجور، زیتون، خوبانی، آڑو، آلو بخارا، عناب، غبیرا، دوابق، زعرور (ایک سُرخ پھل والا درخت۔ اس کے پھل کی گٹھلی گول بڑی ہوتی ہے اور گودا کم ہوتا ہے) اور ان میں بعض وُہ تھے جن کا چھلکا نہ گٹھلی۔ جیسے سیب، ناشپاتی، بہدانہ، زیتون، انگور، لیموں، خرنوب (ایک قسم کا درخت)، ککڑی، کھیرا، تربوز۔ ان کی زمینی پیداوار ہمارے مضمون بالا کے منافی نہیں۔

یُسْقٰی پلائی جاتی ہیں مذکورہ اشیاء یعنی زمین کے ٹکڑے اور باغات اور کھیتیاں اور کھجوریں وغیرہ **بِمَآءٍ وَّاحِدٍ** ایک پانی سے۔

ف: پانی ایک بہنے والی شے ہے جس سے ہر نامی (بڑھنے والی) شے کو زندگی ملتی ہے۔

وَنُفَضِّلُ صیغہ جمع بوجہ عظمت الٰہی کے ہے یعنی ہم فضیلت دیتے ہیں **بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ** بعض کو بعض پر ثمر میں بلحاظ شکل وقدر کے یا بلحاظ کھانے اور ذائقے کے کہ ان میں بعض سفید ہیں بعض سیاہ، کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا، کوئی میٹھا ہے کوئی کڑوا اور بعض کھٹے ہیں۔ بعض اچھے ہیں بعض ردی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور صنعت و حکمت پر دلالت کرتے ہیں اس لیے کہ درختوں سے مختلف قسم اور مختلف شکلوں اور مختلف الوان اور مختلف خوشبوؤں کو پیدا کرنا اسی کا کام ہے کہ باوجودیکہ ان کے اصول واسباب ایک ہیں لیکن اس نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں مختلف بنادیا ورنہ عقل کا تقاضا یہ تھا کہ جب پانی اور مٹی ایک ہے تو مختلف رنگ اور شکلیں اور ذائقے پیدا نہ ہوتے اور نہ ہی ایک جنس میں ایک دوسرے پر تفاضل ہوتا جبکہ ان کے پیدا ہونے کا محل اور پانی ایک ہے۔

ف: الاکل (بضم الکاف وسکونہا) وہ شے جو کھانے کے لیے تیار کی جائے وہ ثمر ہو یا اس کا غیر۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے بہشت کی صفت میں فرمایا:

اکلہا دائم۔ اس لیے کہ اس سے بہشت کی جمیع مطعوم اشیاء مراد ہیں اور ثمر کا اطلاق صرف دانوں کے لیے بوجہ تغلیب کے ہے اس لیے کہ ثمر وہ ہے جو درخت سے حاصل ہو۔ (کذا فی القاموس)

ف: کاشفی نے لکھا کہ تبیان میں ہے کہ یہ مثل اولاد آدم علیہ السلام کے لیے ہے کیونکہ باوجودیکہ ان کا باپ ایک ہے لیکن وُہ شکل وصورت، رنگ وہیئت اور اصوات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور مدارک میں لکھتے ہیں کہ یہ قلوب کی مثال ہے کہ آثار، وانوار واسرار میں مختلف ہیں کہ ہر دل کی ایک علیحدہ صفت ہوتی ہے اور اسی کے مطابق نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ ان میں بعض انکار واستکبار پر کمربستہ ہیں چنانچہ فرمایا:

قلوبھم منکرۃ وھم مستکبرون ۔ ان کے دل انکاری ہیں اور وہ متکبر ہیں۔

اور بعض ان میں ذکر الٰہی میں مشغول ہو کر مطمئن ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ۔ اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہیں۔

ع

ببیں تفاوت رہ کز کجاست تا بکجا

ترجمہ: دیکھیے ان میں کتنا بڑا فرق ہے۔

فائدہ صوفیانہ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ وہ علم جو اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے اس کی مثال پانی جیسی ہے کہ جس طرح پانی سے اجسام کو زندگی نصیب ہوتی ہے ایسے ہی علم سے ارواح کو۔ اور باوجودیکہ علم کی حقیقت ایک ہے لیکن اس کا اختلاف بوجہ اشخاص وغیرہ کے ہے پانی سے پیدا شدہ درختوں کے ذائقے مختلف ہوتے ہیں وہ صرف زمین کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ ان میں بعض پانی میٹھے ہیں جیسے فرات کا پانی۔ ایسے ہی موحد عارف باللہ کے علم کو سمجھیے۔ اسی طرح جیسے بعض پانی کھاری اور کڑوا ہوتا ہے ایسے ہی جاہل کے علم کو سمجھیے کہ وہ غیریت اور ما سوی اللہ کے حجابات سے محجوب ہے کیونکہ فی نفسہٖ اس کا علم تو میٹھا تھا لیکن اس کی نفسانیت کے کڑوے پانی سے مل کر وہ بھی کڑوا اور بیکار ہوگیا۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

پاک وصافی شو و از چاہ طبیعت بدر آے

کہ صفائی ندہد آب تراب آلودہ

ترجمہ: پاکی اور صفائی تلاش کر لے اور طبیعت نفسانی کے کنویں سے باہر نکل اس لیے کہ جس پانی میں مٹی اور گارا مل جائے وہ صفائی نہیں دیتا۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

نکتۂ عرفان مجو از خاطر آلودگان

گوہر مقصود را دلہائے پاک آمد صدف

ترجمہ: دل جو نفسانیت سے پُر ہے اس سے صفائی کی اُمید نہ رکھو۔ مقصود کا موتی پاک دل سے حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ بیشک مذکورہ اشیاء لَاٰیٰتٍ البتہ آیات یعنی واضح دلیلیں ہیں لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ اس قوم کے لیے جو عقل کے تقاضے پر عمل کرتی ہے یعنی جسے عقل سلیم حاصل ہے وہ سمجھتا ہے کہ وذات اشیاء مختلفۃ الاشکال والالوان والطعوم والروائح کو مٹی اور پانی سے پیدا کرسکتی ہے حالانکہ پانی

اور مٹی کو آپس میں کسی قسم کی مناسبت نہیں لیکن وہ قادر اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے) اور وُہ قادر ہے کہ پانی سے ویران زمین کو آباد کرتا ہے اور اس کے مختلف ٹکڑے کرتا ہے اور اس سے بہترین اور عجیب وغریب باغات پیدا فرماتا ہے۔ اور وُہ قادر ہے کہ تمام مخلوق کو فنا کر کے واپس لوٹائے گا۔ عقل وقیاس کے لحاظ سے یہ بہ نسبت اس کے آسان تر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ انسانی زمین میں مختلف ٹکڑے ہیں جیسے نفس وقلب اور روح وسر اور خفی اور یہ ایک دُوسرے کے قرب وجوار کے لحاظ سے متقارب اور باعتبار حقیقت مختلف ہیں۔ ان میں بعض ملکوتی اور بعض روحانی اور بعض جبروتی اور بعض عظموتی ہیں۔ اور آیت میں جنّات میں ان بعض اعیان کی طرف اشارہ ہے کہ فیض رحمانی کے قبول کرنے کے مستعد ہیں۔ جب وُہ اسے قبول کر لیتے ہیں تو اس سے اعناب یعنی ثمرۃ النفس پیدا ہوتا ہے جس میں غفلت وحماقت اور سہو ولہو جیسے صفات ہیں اس لیے کہ یہی سکر کا اصل ہیں زرع سے قلب کا ثمر مراد ہے اس لیے کہ قلب بمنزلہ اس زمین کے ہے جس سے اچھے ثمرات پیدا ہوتے ہیں اور وہی صفات روحانیہ ونفسانیہ کے بیج کے قابل ہے۔ اس میں جونسا بیج بوؤ گے وہی اس سے ظاہر ہو گا۔ اگر اس سے روحانی جوہر مطلوب ہے تو اس میں روحانی صفات کا بیج ڈالو۔ اگر اس میں نفس کا ظلمانی بیج ڈالا جائے تو اس سے ظلمات کا ظہور ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ قلب روح کے نور سے نورانی اور نفس کی ظلمت سے ظلمانی ہوتا ہے۔ اگر اسے نور ربانی نصیب ہو تو وہ ربانی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

واشرقت الارض بنور ربها۔ اور قلب کی زمین اپنے رب تعالیٰ کے نور سے روشن ہو جاتی ہے۔

ونخیل اس سے روح ذوفنون مراد ہے کہ اس میں اخلاق حمیدہ روحانیہ موجود ہیں جیسے کرم وجُود اور سخاوت و شجاعت وقناعت اور حلم وحیا اور تواضع وشفقت وغیرہ وغیرہ صنوان اس سے سرّ جبروتی مراد ہے اس لیے کہ اسی سے ہی اسرار جبروت منکشف ہوتے ہیں اور یہ وُہ اسرار ہیں جو بندے و مولیٰ کے درمیان ہوتے ہیں اس کے لیے مثل ومثال ہیں۔ وغیر صنوان اس سے وُہ پوشیدہ اسرار مراد ہیں جن سے عظموت کے حقائق منکشف ہوتے ہیں ان کے لیے کوئی مثل ومثال نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کسی طرح کا بیان دیا جا سکتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔

ایک عربی مقولہ ہے کہ:

بین المحبین لیس یشفیہ۔

اس کا ترجمہ شعر ذیل میں ہے:

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

ترجمہ: عاشق ومعشوق کے درمیان ایسے راز ونیاز ہوتے ہیں کہ کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

یسقی بماء واحد یعنی انہیں قدرت وحکمتِ الٰہی کا پانی نصیب ہوتا ہے۔ ونفضل بعضها علی بعض فی الاکل یعنی ان کے ثمرات ونتائج مختلف ہوتے ہیں کہ ان میں بعض اشرف واکمل ہوتے ہیں اگرچہ فی نفسہٖ شرافت وکمال کے لحاظ سے اپنی جگہ پر بے نظیر و بے عدیل ہوتے ہیں اس لیے کہ اثنائے سلوک میں انسان کو ہر نیک عمل کی ضرورت ہوتی ہے ان فی ذٰلك لاٰیٰتٍ لقوم یعقلون یہاں پر عقل والوں سے وہ حضرات مراد ہیں جو قرآن مجید سے ایسے اسرار و آیات تلاش کرتے ہیں جو انہیں سیر الی اللہ کی توفیق بخشیں اور صراطِ مستقیم کی رہبری کریں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَاِنْ تَعْجَبْ اگر کسی شے پر آپ سے اے پیارے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! تعجب واقع ہو یا آپ تعجب کرتے ہیں۔ یا اس خطاب سے ہر سامع مراد ہے فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ یہ مبتدا خبر ہیں یعنی تو ان کے قول سے متعجب ہو جو آگے آ رہا ہے ھُم کا مرجع مشرکین ہیں ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا کیا جب ہم مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے۔ یہ جملہ استفہامیہ منصوبۃ المحل ہے اس لیے کہ قول کا مقولہ ہے اور اذا ظرف محض ہے اس میں شرط کا معنیٰ نہیں۔ اس کا عامل محذوف ہے جس پر ءَاِنَّا الخ دلالت کرتا ہے۔ کیا بیشک ہم لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ نئی تخلیق میں ہوں گے اصل عبارت یوں تھی:

اذا کنا ترابًا انبعث و نخلق الخ

کنا ترابا الخ اذا کا مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ مضاف پر عمل نہیں کر سکتا اس لیے کہ اذا کا ما بعد حرف استفہام آیا ہے اسی طرح حرف ان بھی ما قبل پر عمل نہیں کرتا اسی لیے ہم۔ نے عبارت کو محذوف مانا ہے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وان تعجب الخ مشرکین کو خطاب ہے بایں معنیٰ کہ انہیں باوجودیکہ قدرتِ باری تعالےٰ کا اعتراف ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کا پیدا کردہ ہے پھر مر کر اٹھنے کا انکار کیوں؟ اور بتوں کی پرستش کیسی۔ اسی بناء پر ان پر تعجب کرنا بجا ہے یعنی اب تعجب اپنے موقع و محل پر استعمال ہوئی ہے کہ ان لوگوں پر تعجب ہے کہ جب اقرار کرتے ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کا پیدا کردہ ہے تو پھر ان کے لوٹانے پر قدرت بھی رکھتا ہے۔ ؎

آنکہ پیدا ساختن کارش بود
زندگی دادن چہ دشوارش بود

ترجمہ: جس ذات کا کام پیدا کرنا ہے تو اسے زندگی دینے میں کون سی دشواری ہے۔

تعجب ایک انفعالی کیفیت ہے جو انسان کو اس وقت لاحق ہوتی ہے جو شے کے ادراک کے بعد اس کا سبب نہیں جانتا یہی وجہ ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق ناجائز ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اگر تعجب کرتے ہو تو تمہاری اپنی خامی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو علم دیا گیا ہے کہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی ہیں اور اسی کی قدرت سے ہیں اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے تو آپ کسی شے سے تعجب نہ کیجئے۔ ہاں اہل طبیعت کی عادت پر تعجب کیجئے کہ جب وہ ایسی شے دیکھتے ہیں جو ان کی عادت کے خلاف ہے یا ان کی عقل کے فہم سے بالاتر ہے تو انکار کر جاتے ہیں۔ مثلاً **فعجب قولھم** ان کے قول سے تعجب ہے ء **اذا کنا ترابا** کہتے ہیں کہ کیا ہم مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے ء **انا لفی خلق جدید** کیا پھر ہم نئی تخلیق میں ہوں گے۔ یعنی جب ہمارے یہی اجسام مٹی ہو جائیں گے تو کیا پھر ہم پہلے کی طرح ہو جائیں گے اور انہی میں ارواح بھی لوٹ آئیں گے کیا ہم دوبارہ زندہ ہوں گے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب کرتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ جب نہ ارواح تھے نہ اجساد اور نہ مٹی اور نہ کوئی اور شے لیکن ہم نے انہیں اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا فرمایا۔ لیکن مرنے کے بعد تو انہیں پیدا کرنا زیادہ آسان ہے کہ اس وقت مٹی بھی ہے اور ارواح بھی۔ ان کی عقل ماری گئی کہ لاشے سے ان کی تخلیق ہوئی تو مان گئے۔ لیکن مٹی کے اور ان کے ارواح ہونے کے باوجود صرف لوٹانے پر انہیں تعجب ہے۔ ان کا یہ فعل افسوسناک بھی ہے اور تعجب خیز بھی۔

تفسیر عالمانہ **اُولٰٓئِكَ** وہ منکرین **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ** اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں یعنی مرنے کے بعد اٹھانے کی قدرت سے انکار کرتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ یعنی انھوں نے پہلے اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں لاشئے سے پیدا فرمایا پھر انکار کر دیا کہ وہ انھیں کسی شئے سے پیدا نہیں کرے گا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں زنجیر یعنے ان کے گلے میں کفر اور گمراہی کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں اس سے ان کا چھٹکارا ناممکن ہے۔

ف: یہ اس محاورہ سے ہے ھذا غل فی عنقك۔ یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو کسی غلط اور گندے فعل میں مبتلا ہو۔ یعنی وہ شئے تیرے گلے کا ہار ہے اور تیرا اس سے چھٹکارا مشکل ہے۔

ف: الغل ہر وہ زنجیر جس سے ہاتھ کو گلے سے باندھا جائے۔

فائدہ صوفیانہ یعنی کافروں کے گلے میں بدبختی کا پھندا ہے جسے تقدیر ازلی نے ان کے گلے میں باندھا ہے۔ کما قال تعالیٰ: وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ۔ اور ہر انسان کو ہم نے اس کا پھندا اس کی گردن میں ڈالا۔

ف: ... حقیقی ... مراد ہیں کہ قیامت میں کافروں کو سزا کے طور لوہے کے پھندے ان کے گلے میں ڈالے جائیں گے یعنی وہ ... پھندے کافروں کے گلے میں ہوں گے۔ قیامت میں یہی ان کی علامت ہوگی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ سیاہ رنگ کا بادل کافروں کے سروں پر کھڑا کر کے ندا دے گا:

یا اھل النار ای شی تطلبون ۔ اے جہنمیو! تمہیں کیا چاہیے؟

ان کے سامنے دنیا کے بادل آجائیں گے اور سمجھیں گے کہ ان سے بھی بارش ہوگی اس لیے عرض کریں گے:

یا ربنا الشراب ۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں پانی چاہیے۔

اس پر ان پر لوہے کے طوق اور بیڑیاں اور انگارے برسیں گے جو ان کے پہلے گلے کے طوقوں اور بیڑیوں اور انگاروں میں اضافہ کریں گے۔

وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ھُمْ ضمیر فاصلہ اور فیھا کی تقدیم حصر کے لیے ہے۔ یعنی جن کفار کے متعلق اوپر مذکور ہوا صرف وہی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے نہ ان کے غیر اور خلود بھی صرف انہی کے لیے ہے نہ اوروں کے لیے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ اہلِ کبائر جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے (جیسے اہل سنّت کہتے ہیں خلافاً للمعتزلہ)

تفسیر صوفیانہ اُولٰٓئِكَ اصحٰب النار ھم فيها خٰلدون یعنی ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازل میں فرمایا کہ یہی جہنمی ہیں اس کی مجھے کوئی پروا بھی نہیں۔ اب وہی وقت آگیا کہ انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

مسئلہ: شرک اور انکار تمام گناہوں سے سرفہرست ہیں کہ ان سے بڑھ کر اور کوئی کبیرہ گناہ نہیں۔

حدیث قدسی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تُو نے عبادت کر کے مجھ سے رحمت کی اُمید رکھی اور میرے ساتھ کسی کو شریک بھی نہیں ٹھہرایا میں نے بخش دیا اور تیرے تمام گناہ معاف کر دیے اگرچہ تیرے گناہ روئے زمین کے برابر بھی تھے میں نے تیرے گناہوں کے بدلے تجھے اسی قدر مغفرت اور رحمت عنایت فرمائی اس سے مجھے پروا بھی نہیں یعنی شرک تم نہ کرو باقی جتنے گناہ ہوں گے سب معاف ہو جائیں گے۔

ف: نکرہ نفی کے بعد واقع ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے[1]

مسئلہ: شرک سے بچنا اصلاحِ نفس کے بغیر ناممکن ہے اس لیے کہ انسان نفس کے ہاتھ میں گرفتار ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ اس کے گلے کا ہار ہیں۔ اب تو گلے کا یہ ہار معنوی ہے جو محسوس نہیں ہوتا لیکن قیامت میں محسوس ہوگا اس لیے کہ جو چیزیں آج غیر محسوس ہیں وُہ قیامت میں محسوس ہوں گی۔

---

[1] تفصیل فقیر کی کتاب "احسن البیان فی مقدمہ تفسیر القرآن" میں دیکھیے۔

حکایت ایک گنہگار مرگیا اس کی قبر کھودی گئی تو اس میں ایک بہت بڑا اژدہا پایا گیا۔ اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ کھودی گئی تو بھی اژدہا موجود پایا گیا یہاں تک کہ تیس مقامات پہ اس کی قبر تیار کی گئی تو ہر مقام پہ اژدہا موجود ہوتا اس کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے کون بھاگ سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی غالب ہو سکتا ہے۔ لہذا اسے اسی قبر میں ڈال دیا گیا۔

سبق : یہ اژدہا اس بندے کے اعمال تھے جو اژدہا کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

برادر ز کار بداں شرم دار
کہ در روئے نیکاں شوے شرمسار
ترا خود بماند سر از ننگ پیش
کہ گرت بر آید عملہائے خویش

ترجمہ : اے میرے بھائی! بُرے کاموں سے شرم کرو، ورنہ نیک لوگوں کے سامنے شرمسار ہو گے۔
تیرا سر شرم سے نیچا رہے گا جب تیرے اعمال ظاہر ہوں گے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ وقت سے پہلے کسی امر کی تعجیل کا مطالبہ کرنا۔ یعنی کفارِ مکہ آپ سے جلدی کا مطالبہ کرتے ہیں۔
بِالسَّيِّئَةِ تباہ کن عقوبت کے آنے کا۔

ف : عقوبت کو سیئۃ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انہیں عقوبت بری محسوس ہوتی تھی۔

قَبْلَ الْحَسَنَةِ یہ استعجال کے متعلق اور اسی کی ظرف ہے یا محذوف کے متعلق ہو کر سیئۃ سے حال مقدرہ ہے۔
یعنی انہیں جو عافیت اور احسان نصیب ہوتا تھا اس سے پہلے ہی اپنی سزا چاہتے ہیں۔

مزید توضیح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کو جب دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو وہ آخرت کے تو بالکل منکر ہو گئے۔ لیکن دنیا کے عذاب کی خبر سنتے ہی کہنے لگے کہ اگر ہمیں دنیا میں کوئی عذاب ہونا ہے تو جلد تر آجائے۔ اس معنے پر انھوں نے آخرت کے عذاب (جو کہ مرنے کے بعد ہونے تھا) کے بجائے جلدی کا عذاب مانگ لیا۔

سوال : مہلت سے عذاب ملنا بھی تو عذاب تھا پھر اسے حسنہ احسان و عافیت اور خیر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب : ان کا دنیا میں عذاب مانگنا ایک قسم کا استہزاء تھا اور سمجھتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ آخرت کے عذاب کی خبریں دیتے ہیں یا دنیا کے عذاب کی باتیں کرتے ہیں محض وہمی خیال ہیں (معاذ اللہ)۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں چنانچہ کہا،

اللھم ان کان ھذا ھو الحق فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔

اے اللہ! اگر نبی (علیہ السلام) کا عذاب کی خبر دینا کچھ حقیقت رکھتا ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا، یا ہمارے لیے دردناک عذاب بھیج۔

لیکن چونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عذاب میں مبتلا نہیں کرنا تھا اس لیے ان کے عذاب کو آخرت سے مقدر فرمایا ہے چونکہ تاخیر عذاب بھی ان کے لیے ایک قسم کا احسان و عافیت اور خیر ہے اسی لیے ان کے لیے اس تاخیر کو حسنہ احسان عافیت اور خیر سے تعبیر کیا اور وہ حضور علیہ السلام سے مطالبہ کرنے لگے کہ ہمیں دنیا کی سزا ملنی ہے تو عذاب کا فرشتہ بلا لیجیے ہمیں آخرت کے عذاب کی دھمکیاں منظور نہیں اگر تمہارے بس میں کچھ ہے تو دنیا میں دکھا دیجئے۔

ف: ان کا حسنہ کے بجائے سیئہ کی تعجیل کا مطالبہ کرنا دراصل ایمان و طاعت کے بجائے کفر و معاصی کی وجہ سے ہے اس لیے کہ ہر سعادت و رحمت کا سرچشمہ ایمان و طاعت الٰہی ہے جیسے ہر شقاوت اور عذاب کا سرچشمہ کفر و شرک اور اعمال سیئہ ہیں۔

وَقَدْ خَلَتْ یہ مستعجلین سے حال ہے یعنی درانحالیکہ گزری ہیں مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ پہلے مکذبین کی عقوبات کی داستانیں اور مثالیں۔ مثلاً ان میں سے بعض زمین میں دھنس گئے اور بعض کی شکلیں بدل گئیں اور بعض زلزلہ کا شکار ہوئے انہیں چاہیے کہ ان سے عبرت حاصل کریں نہ کہ الٹا استہزا کریں۔ ؎

زود مرغ سوئے دانہ فراز
چوں دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر از مصائب دگراں
تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ: کوئی پرندہ دام کے قریب نہیں جاتا جب دوسرے کو دام میں پھنسا ہوا دیکھتا ہے اسی لیے تمہارے لیے لازم ہے کہ تم دوسروں سے نصیحت حاصل کرو تاکہ دوسرے تجھ سے عبرت نہ پکڑیں۔

حل لغات: المثلات، مثلۃ (بفتح الثاء وضمہا) بمعنے عقوبت اس لیے کہ وہ مُعَاقَبٌ عَلَيْهِ کے لیے عقوبت بعینہٖ جرم کی سزا ہے۔ تبیان میں ہے کہ ایسی سزائیں جو تباہ کن اور ایک دوسری کے مماثل ہوں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ بیشک تیرا رب مغفرت یعنی گناہوں سے تجاوز کرنے والا اور ستار ہے لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ لوگوں کے لیے ان کے ظلم پر۔ یعنی وہ لوگ جو گناہ کرکے اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں اگر ہر غلط کار کو فوراً سزا دیتا تو دنیا میں کوئی بھی نہ بچتا سب فنا ہو جاتے۔ ؎

پس پردہ بیند عملہائے بد
ہم او پردہ پوشد بآلائے خود

دگر بر جفا پیشہ بشتافتے
ہمیشہ ز قہرش اماں یافتے

ترجمہ: بُرے اعمال دیکھ کر بھی اپنی مہربانیوں سے ان پر پردہ ڈالتا ہے۔ اگر کسی کی غلطی پر سزا دیتا تو کون اس کے عذاب سے بچ سکتا۔

ف: وعلیٰ ظلمھم، للناس سے حال ہے ای حال اشتغالھم بالظلم اس کی نظیر ہے آیت فلانا علی اکلہ یعنی میں نے فلاں کو دیکھا در انحالیکہ وہ کھانے میں مشغول تھا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اگر اہل توحید گناہِ کبیرہ سے تائب نہ ہوں تو انہیں سزا مل سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا:
ھٰؤلاء فی الجنۃ ولا ابالی۔ یہ بہشتی ہیں اور مجھے اس کی پروا بھی نہیں۔
جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

حدیث شریف لولا عفو اللہ و تجاوزہ لماھنا احد العیش ولولا وعیدہ وعقابہ لاتکل کل احد۔
اگر اللہ تعالیٰ کی معافی اور تجاوز کی صفت نہ ہوتی تو کسی کی زندگی خوشگوار بسر نہ ہوتی۔ اگر اس کی وعید و سزا نہ ہوتی تو ہر ایک اس کی رحمت سے امید کر کے گناہوں میں مبتلا رہتا۔

س

ز حق می ترس تا غافل نگردی
مشو نومید تا بد دل نگردی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ غفلت نہ چھا جائے اور اس کی رحمت سے بھی پُرامید رہو تا کہ دل برداشتہ نہ ہو جاؤ۔

ف: محققین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خوف و رجاء دونوں پہلو ہیں۔ اور بتایا گیا ہے کہ تم پر رحم کرنے والا زندہ ہے اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اور سزا بھی دے سکتا ہے اس کی ہیبت سے بھی بے غم نہ ہو۔
جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا:

نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی ھو العذاب الالیم۔ میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں غفور رحیم ہوں اور انہیں یہ بھی بتا دو کہ میرا عذاب بھی دردناک ہے:

حکایت عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام کی ملاقات ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام ہنسے۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے غمی ہے کہ ہنس رہے ہو؟ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

ناامیدی ہے کہ مغموم دکھائی دیتے ہو۔ دونوں نے اتفاق کیا کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ سے کراتے ہیں اس کی وحی کا انتظار کرتے ہیں اس کا جو حکم ہوگا اسی پر عمل کریں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان نازل ہوا:

احبکما الیٰ احسنکما ظنا بی۔ تم میں سے مجھے وہ محبوب تر ہے جو میرے متعلق نیک گمان رکھتا ہے۔

فیصلہ مابین خوف ورجا تندرستی میں خوفِ الٰہی افضل ہے اور بحالتِ مرض رحمت سے امیدوار ہونا افضل ہے۔ یعنی تندرستی میں خوفِ الٰہی کی علامت یہ ہے کہ عبادات و طاعات میں جدوجہد کرے اور گناہوں سے بچے اور جب مرض کا حملہ ہو تو چونکہ اس وقت عمل سے عاجز ہے اس لیے اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھے اس وقت اس کے لیے یہی افضل عمل ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی نازل ہوئی کہ:

وحی داؤدی یاداؤد بشر المذنبین وانذر الصدیقین۔ اے داؤد (علیہ السلام)! مجرموں کو خوشخبری سناؤ اور سچے لوگوں کو ڈراؤ۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کی،

یارب کیف ابشر المذنبین وانذر الصدیقین۔ یاالٰہی! میں مجرموں کو کیسی خوشخبری سناؤں اور سچے لوگوں کو کیسے ڈراؤں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بشر المذنبین انی لایتعاظمنی ذنب الا اغفرہ وانذر الصدیقین ان لا یعجبوا باعمالھم وانی لا اضع عدلی وحسابی علی احد الا ھلک۔ مجرمین کو خوشخبری سنادو کہ میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں کہ میں کسی کے گناہ معاف کردوں اور صدیقین کو ڈراؤ کہ اپنے اعمال سے تعجب نہ کرو اور میں جس سے عدل سے حساب لوں تو وہ یقیناً ہلاک ہوجائے گا۔ ؎

گر بمحشر خطاب قہر کند
انبیا را چہ جائے معذرتست
پردہ از روئے لطف گو برداز
کاشقیاں را امید مغفرتست

ترجمہ: اگر قیامت میں قہر کا حکم کرے تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی معذرت کریں گے اللہ کریم سے عرض ہے کہ وہ لطف وکرم فرمائے تاکہ بدبخت بھی مغفرت کے امیدوار ہوں۔

فائدہ صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جمال وجلال سے مرکب فرمایا ہے۔ رجا، جمال کی طرف اور خوف جلال کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مثلاً رحمت روح ہے اور یہ حالت یعنی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے یعنی غضب سے جسد اور اس کے متعلقات مراد ہیں اور قاعدہ ہے کہ حق پہلے کا ہوتا ہے اور تمام احکام بھی سابق پر جاری ہوتے ہیں

سبق : انسان پر لازم ہے کہ وہ مرتے دم تک نیک اعمال میں جدوجہد کرکے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ

تفسیر عالمانہ

تاویلات میں ہے: ھؤلاء فی النار ولا ابالی۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کافر کہتے ہیں کہ لَوْلَآ اُنْزِلَ ۔ حرف لولا تخصیص کا لفظ ہے یعنی کیوں نہیں بھیجی جاتی عَلَيْهِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ایۃ کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی کوئی بہت بڑی آیت جسے دیکھنے والا بہت عظیم آیت سمجھے اور اس کے دیکھتے ہی اس پر رعب چھا جائے۔ یعنی ایسی نشانی آئے جس سے نبی علیہ السلام کی نبوت کا اظہار ہو۔

ف : در اصل کفار کو حضور علیہ السلام پر تمام اتری ہوئی آیات پر اعتبار نہ تھا اسی لیے ان کے علاوہ اور آیات و دلائل مانگے حالانکہ یہ بھی ان کی سرکشی، ہٹ دھرمی اور ضد پر مبنی تھا اور نہ ہی اس سے رہبری حاصل کرنے کا ارادہ تھا ورنہ ان پر لازم تھا کہ جب ان کا مطالبہ پورا ہو جاتا تو وہ اسی کے مطابق دولت اسلام سے نوازے جاتے۔ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت صالح علیہم السلام نے جس طرح کے معجزات دکھائے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام نے ڈنڈے کو سانپ بنا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کیے اور صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی نکالی حضور علیہ السلام بھی ایسے ہی معجزات دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا کہ انہیں جواب دو کہ :

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ ۔ بے شک آپ ڈرانے والے ہیں۔

یعنی آپ کا کام یہ ہے کہ آپ دوسرے رسل کرام علیہم السلام کی طرح انہیں برے انجام سے ڈرائیں۔ آپ کے لیے تو یہ ہے کہ آپ انہیں وہ براہین و دلائل اور معجزات دکھائیں جو آپ کی نبوت کی صحت پر دلالت کریں آپ پر یہ ضروری نہیں کہ ان کا مطالبہ پورا کریں اور جو کچھ آپ اس سے پہلے انہیں بیان فرما چکے ہیں وہ ہر ایک آپ کی نبوت کی صحت کی آیت ہے اگر ان کے ہر مطالبہ پر دلائل و معجزہ لایا جائے تو یہ سلسلہ لانہایۃ اور غیر منقطع اور لامحدود ہو جائے گا اس لیے کہ انہیں ایک دلیل یا معجزہ پیش کرو گے تو اس کا انکار کرکے دوسرے کے درپے ہو جائیں گے اس طرح آپ سے نبوت کی دعوت و تبلیغ کا کام نہیں ہو سکے گا وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اور ہر قوم کا ہادی ہے یعنی ہر قوم کے لیے مخصوص نبی ان کے موافق فہم اور ان کی ضرورت غالبہ کے مطابق معجزہ ہوتا ہے جس سے وہ ہدایت کے لائق بنتے ہیں اور وہی ان کے لیے بہتر رہتا ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر و جادو کا زور تھا تو انہیں معجزہ بھی اسی طرح کا عطا ہوا جو جادو شکن اور سحر توڑ تھا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں فن طب کا غلبہ تھا اسی لیے انہیں وہ معجزہ عطا ہوا جو طب سے مناسبت رکھتا تھا۔ یعنی مردوں کا زندہ کرنا اور ابرص کو تندرست اور مادر زاد اندھے کو بینا کرنا۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فصاحت و بلاغت کا دور تھا اس لیے آپ کے لیے قرآن کی فصاحت و بلاغت کا معجزہ عطا فرمایا یعنی قرآن مجید کی بلاغت اس درجہ کو پہنچی ہے کہ جہاں امکان انسان جواب دے جاتا ہے کفار عرب نے معجزہ (تو

ان کے مناسب حال تھا) کا انکار کر دیا۔ تو باقی جتنے معجزات دیکھتے سب سے ان کا منکر ہو جانا ظاہر ہے۔

ف: یہاں پر آیت میں هادٍ سے اللہ تعالیٰ مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے ڈرانے والے ہیں اور ہدایت دینا آپ کا کام نہیں دونوں گروہوں کا ہادی میں (اللہ تعالیٰ) ہُوں۔ اہل عنایت کو ایمان و طاعت کی توفیق نصیب ہوئی ہے تو وہ بہشت میں جائیں گے اور اہلِ خذلان کو کفر و معاصی نصیب ہوتے ہیں تو وہ جہنم میں جائیں گے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

امام غزالی قدس سرہٗ کی تقریر

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے شرح اسماء الحسنیٰ میں لکھا کہ ہادی وہ ہے جس نے اپنے خاص بندوں کو سب سے پہلے اپنی ذات کی معرفت کی ہدایت بخشی کہ وہ مخلوقات کے ذریعے سے ذاتِ حق کی گواہی دیتے ہیں اور ہر مخلوق کو اس کی اپنی ضرورت پُورا کرنے کا فہم بخشا۔ مثلاً بچے کو پستان منہ میں ڈال کر چُوسنے کی اور پرندے کے بچے کو دانے چگنے کی اور شہد کی مکھی کو چھتہ بنانے کی رہبری فرمائی اور وہی چھتہ اس کے بدن کے موافق ہے۔ ہاں انبیاء علیہم السلام اس کے نائب اور خلیفہ ہیں ان کے خلفاء، علماء (باعمل) ہیں کہ یہی لوگ عوام کو سعادت اخرویہ اور صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتے ہیں بلکہ یُوں کہو کہ ہدایت دینے والا خود ہوتا ہے جو بندوں کی زبان سے بولتا ہے یعنی ان کا بولنا حق کا بولنا ہے یہ اس کی تقدیر اور تدبیر کے پابند ہوتے ہیں۔

ف: تفسیر الکواشی میں ہے کہ مُنذِرٌ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہادی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے اس دعویٰ پر مندرج ذیل حدیث پیش کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری وجہ سے صرف ایک آدمی ہدایت پا جائے تو تمہارے لیے بہترین سُرخ رنگ کے اونٹوں سے بہتر ہے۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

دراصل حدیث شریف میں شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہے تاکہ آپ کی ہدایت کا دائرہ وسیع ہو تو آپ کے متبعین کاملین کی کثرت ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: نکاح کر کے بہت زیادہ بچے جنو اس لیے کہ قیامت میں مَیں تمہاری کثرت کی وجہ سے دُوسری اُمتوں پر فخر کروں۔

ف: یہ نکاح اور بچے جننا ظاہری اور باطنی دونوں سلسلوں کو شامل ہے۔ باطنی کا مطلب یہ ہے کہ روحانی اولاد مثلاً پیری مریدی اور دینی علوم کی نشر و اشاعت وغیرہ۔

ظہور مہدی کا مسئلہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ایک مہدی کا ظہور ہو گا جو آخری زمانے میں پیدا ہوں گے: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا نفاذ کریں گے اور تمام اُلٹے اور ٹیڑھے مذاہب کو سیدھا کر کے ملتِ واحدہ اسلامیہ میں خلافتِ راشدہ کا قانون جاری فرمائیں گے۔

حدیث شریف

طبرانی شریف میں ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اس امت کے نبی تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور وُہ تیرے اباجان ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ہماری اُمت کے ایک شہید ایسے ہیں جو تمام شہداء سے افضل ہیں وہ تمہارے والدِ گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم،
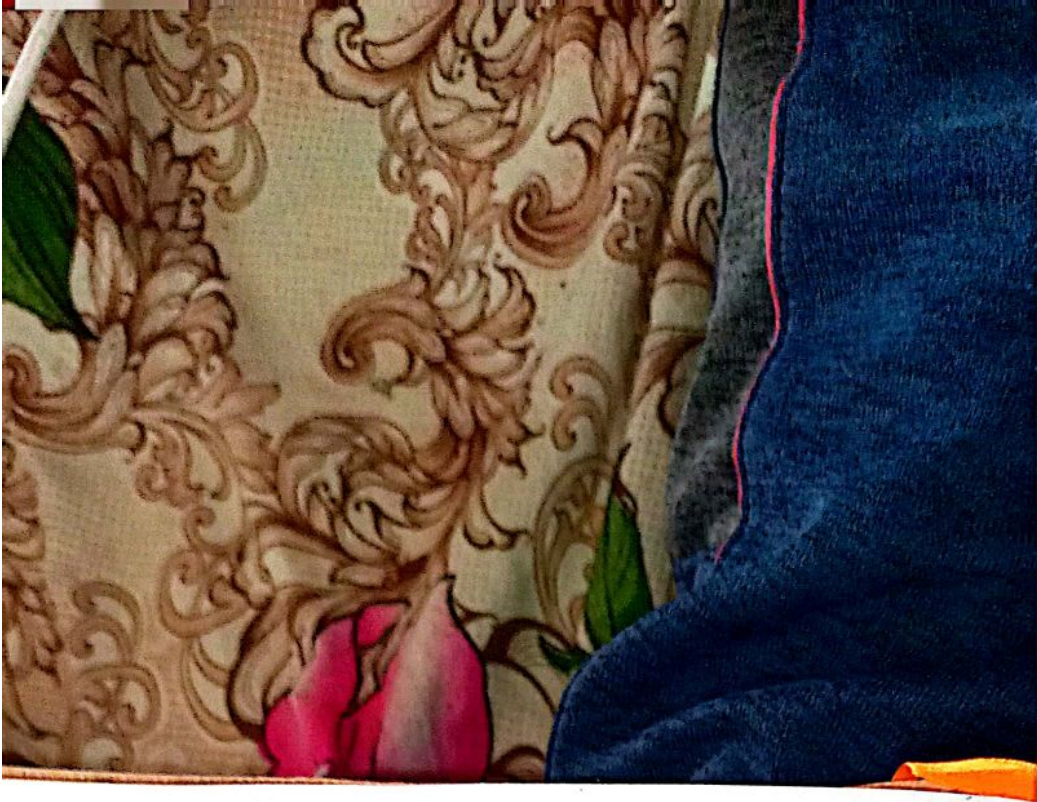
کے چچا حضرت حمزہ ہیں (رضی اللہ عنہ) اور ہماری اُمت میں ایک ایسے برگزیدہ انسان بھی ہیں جنھیں مرنے کے بعد بہشت میں دو پر دیے گئے ہیں وہ بہشت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں وہ حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ اور ہم میں دو صاحبزادے ہیں جنہیں "سبطا ھٰذہ الامۃ" کا خطاب ملا ہے وہ ہیں حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہم۔ یعنی اے فاطمہؓ! تیرے دونوں لختِ جگر ہیں اور مہدی بھی ہم میں سے ہوں گے۔

فائدہ شیعہ کُش ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ امام مہدی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں گے[1]

نکتہ: سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے خلافت ترک کر دینے میں بھی یہی راز مضمر تھا کہ ایک طرف امت پر شفقت مطلوب تھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کر کے اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خونریزی نہ ہو۔ دُوسری طرف یہ مقصود تھا کہ جب اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت کی اشد ضرورت ہو تو اس وقت اس کی اولاد سے ہی کوئی آدمی خلافت سے مشرف ہو جو رُوئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے۔

حضرت مہدی کے چند علامات حضرت امام مہدی جب تشریف لائیں گے تو ان کے تشریف لانے سے پہلے رمضان شریف کی پہلی شب کو چاند گرہن اور اسی رمضان کی پندرہ تاریخ کو سورج گرہن ہوگا۔ ایسا آسمان و زمین کی تخلیق کے بعد ان کے ظہور تک پہلے کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔[2] جس وقت تشریف لائیں گے ان کی عمر بیس سال ہوگی اور چہرہ چمکدار ستارے کی طرح چمکیلا ہوگا۔ بعض کہتے ہیں آپ چالیس سال کی عمر میں تشریف لائیں گے۔ آپ کے چہرہ مبارک کے دائیں جانب سیاہ تِل ہوگا۔ آپ کی ولادت مدینہ طیبہ میں ہوگی۔ دجال سے سات سال پہلے ظاہر ہوں گے۔ دجال طلوع الشمس من المغرب کے دس سال گزر جانے کے بعد ظاہر ہوگا۔ مہدی علیٰ نبینا و علیہ السلام کے ظہور سے پہلے دنیا میں بہت بڑے فتنے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان کی اور بھی بہت سی علامات ہیں[3]

تو عمر خواہ و صبوری کہ چرخ شعبدہ باز
ہزار بازی ازیں طرفہ تر بر انگیزد

ترجمہ: تم اپنی عمر کی خیر مانگو اور زندگی صبر کے ساتھ بسر کرو اس لیے کہ آسمان شعبدہ باز ہے دن میں ہزاروں فتنے کھڑے کرتا ہے۔

(باقی بر صفحہ ۱۸۷)

---

[1] جس مہدی کو شیعہ غار سرمن میں چھپائے بیٹھے ہیں وہ صرف ان کی اپنی "الف لیلیٰ" ہے اور بس۔

[2] دجال قادیانی مرزا غلام احمد جتنے دعوے اپنی مہدویت کے لیے سب جھوٹے۔ اس کے لیے مہدویت کا دعویٰ صحیح نہ ہو سکتا تھا۔ وہ ایک ننگال انسان تھا۔

[3] فقیر اویسی غفرلہ نے امام مہدی کے متعلق ایک مستقل رسالہ تحریر کیا تھا۔ اس کی اشاعت اسی پارہ کے آخر میں بطور تتمہ درج ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ
بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ
جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ
اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ
الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ
الْمِحَالِ ۝ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ
اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ
ضَلٰلٍ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝
قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ
لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ
النُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا
فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ
زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ
وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ لِلَّذِيْنَ
اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا
وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ
وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو کسی مادہ کے پیٹ کا حمل ہے اور جو رحم یعنی پیٹ گھٹتے بڑھتے ہیں ، اور
ہر شے اس کے ہاں اندازے سے ہے ہر غائب اور حاضر کو جاننے والا سب سے بڑا بلندی والا ہے
برابر ہے تم میں کوئی چھپ کے بات کہے اور جو آواز سے بولے اور جو رات میں چھپنے والا اور جو دن میں
چلنے والا ہے انسان کے لیے بدلنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے اور اس کے پیچھے جو

بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت نہ بدل دیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے لیے برائی کرتا ہے تو پھر وہ رد نہیں ہو سکتی اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی حمایتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا اور بھاری بادل اٹھاتا ہے اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے۔ اور بجلیاں بھیجتا ہے پھر وہ جس پر چاہتا ہے اس پر گراتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور بڑی سخت گرفت والا ہے اسی کو پکارنا حق ہے اور اس کے سوا وہ لوگ جنھیں پکارتے ہیں وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کے آگے پھیلائے ہوئے تاکہ اس کے منہ میں پانی پہنچ جائے اور وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی دعا بیکار ہی ہے اور جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں صرف اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتے ہیں خوشی سے یا مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح و شام (اسی کو سجدہ کرتے ہیں) آپ فرمائیں کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے آپ خود جواب دیں کہ اللہ تعالیٰ۔ آپ فرمائیں کہ تم نے اس کے سوا ایسے حمایتی بنا رکھے ہیں جو اپنے برے بھلے کے بھی مالک نہیں۔ آپ فرمائیں کہ نابینا اور انکھیارا برابر ہیں۔ یا کیا برابر ہیں اندھیریاں اور روشنی۔ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ایسے شریک ٹھہرائے ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی طرح کچھ پیدا کیا ہے تو انہیں ان کی اور اس کی تخلیق ایک جیسی معلوم ہوئی۔ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے اور وہی اکیلا غالب ہے۔ اس نے آسمان سے پانی اتارا تو نالے اپنی اپنی مقدار پر بہ نکلے پھر سیلاب ابھرے ہوئے جھاگ کو اٹھا لائی اور زیور یا اور سامان بنانے کے لیے اس پر آگ تپاتے ہیں اس سے ویسے ہی جھاگ اٹھتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے سو جھاگ پھک کر رائیگاں جاتا ہے اور وہ جو لوگوں کو نفع دیتا ہے تو وہ زمین میں رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے اور جنھوں نے اپنے رب تعالیٰ کا حکم مانا ان کے لیے ہی بھلائی ہے اور جنھوں نے اس کا فرمان نہ مانا اگر ان کے لیے وہ سب کچھ ہوتا جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی تو وہ سب کچھ اپنی جان رہائی کے لیے دے دیتے ہیں یہی ہیں جن کا برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی برا بچھونا ہے۔

(بقیہ ص ۱۸۵) اللہ تعالیٰ ہم سب کو حوادث سے بچائے اور ہمیں دنیا میں خیر سے رکھے اور اچھے برتاؤ کرنے والے احباب عطا فرمائے اور مرنے پر انجام بخیر اور مرنے کے بعد بہتر مقام نصیب فرمائے۔ (آمین)

(تفسیر آیات صفحہ ۱۸۶)

تفسیر عالمانہ

اَللّٰہُ وہ اللہ واحد لاشریک لہ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی جانتا ہے عورت کے برتنے کو ما تحمل میں ما مصدریہ ہے ای حملها پھر مصدر بمعنے مفعول یعنی محمول ہے۔ یعنی اسے معلوم ہے

کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ کے اندر لڑکے ہیں یا لڑکیاں۔ کامل ہیں یا ناقص، حسین ہیں یا قبیح، چھوٹے قد کے ہیں یا لمبے قد کے۔ نیک بخت ہیں یا بدبخت، اولیاء اللہ ہیں یا اعداء اللہ، سخی ہیں یا بخیل، عالم ہیں یا جاہل، عاقل ہیں یا بیوقوف، کریم ہیں یا لئیم، خوش اخلاق ہیں یا بداخلاق۔ اور اسی طرح ان کے وہ حالات جو انہیں پیٹ کے اندر درپیش ہوں گے اور پیٹ سے باہر آنے کے بعد الیٰ یوم القیٰمۃ اس معنے پر ما موصولہ ہوگا۔ وَمَا تَغِيضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ اس میں بھی ما موصولہ کا عائد محذوف ان دونوں میں ما مصدریہ ہو تو معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ارحام کے گھٹنے اور بڑھنے کو جانتا ہے یا موصولہ ہے تو معنیٰ ہوگا اور جو کچھ ارحام میں گھٹتا بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

حلِ لغات: تغیض و تزداد دونوں لازم اور متعدی ہوکر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

غاض الماء یغیض۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی کم یا بالکل خشک ہو جائے۔ اسی طرح کہتے ہیں:

غاضہ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کم دیا۔

وغیض الماء میں بھی متعدی ہوکر استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے:

زدتہ۔ میں نے اسے بڑھا دیا۔ فزاد بنفسہ و ازداد وہ خود بخود بڑھا۔

اور کہتے ہیں:

واخذت منہ حقی وازددت منہ۔

ف: اگر یہ دونوں افعال یہاں پر لازم ہوں تو گھٹنا بڑھنا دونوں کا اسناد ارحام کی طرف ہوگا۔ اگر متعدی ہوں تو وہ کام اللہ تعالیٰ کا ہوگا لیکن ان کا ارحام کی طرف اسناد مجازی ہے۔

ف: ارحام، رحم کی جمع ہے بمعنے پیٹ میں بچے کے ٹھہرنے کی جگہ یعنی بچہ دانی۔

فائدہ طبیہ رحم عضلہ، پٹھے اور چند رگوں کا مجموعہ ہے اس کے پٹھے کا سر دماغ میں ہے اور یہ تھیلی کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور قبل کے بالمقابل دو طرفیں ہیں جو پردوں کے مشابہ ہیں جن کی وجہ سے منی رحم میں جذب ہوتی ہے۔ رحم میں امساک کی قوت ہے جس سے جب مرد کے نطفے کو کھینچتی ہے تو اپنے سے منی کو باہر نہیں جانے دیتی۔ مرد کی منی میں قوتِ فعلیہ اور عورت کی منی میں قوتِ انفعالیہ ہے۔ جب یہ دونوں آپس میں عورت کے رحم کے اندر اکٹھی ہوتی ہیں تو مرد کی منی ایسے ہو جاتی ہے جیسے پنیر دودھ سے مل جاتا ہے۔

فائدہ تفسیریہ وما تغیض الارحام میں ما موصولہ کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے بچے کا جثہ مراد ہے اس لیے کہ بعض بچوں کے جثے بڑے ہوتے ہیں اور بعض کے چھوٹے۔ کبھی ان کے مکمل اعضا ہوتے ہیں کبھی ناقص۔

فائدہ فقہیہ بچے کی ماں کے پیٹ کے اندر ٹھہرنے کی مدت میں بھی فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ اس کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے۔ اس ابتدائی مدت میں تو تمام فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ متفق ہیں اس سے آگے اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک بچہ ماں کے پیٹ کے اندر نو ماہ ٹھہرتا ہے۔ بعض کے نزدیک یوں ہے کہ زیادہ سے زیادہ بچہ ماں کے پیٹ کے اندر ٹھہرے تو دو سال ٹھہر سکتا ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چار سال اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پانچ سال تک بچہ ماں کے پیٹ میں ٹھہر سکتا ہے۔

اعجوبے

- حضرت ضحاک بن مزاحم تابعی ماں کے پیٹ میں دو سال ٹھہرے۔
- حضرت امام مالک رحمہ اللہ تین سال ٹھہرے۔ (کذا فی المحاضرات للسیوطی)
- امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک لڑکی نے بارہ سال کے اندر تین بچے جنے۔ ہر بچہ چار سال تک ماں کے پیٹ میں ٹھہرتا تھا۔
- حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ بھی ماں کے پیٹ کے اندر چار سال ٹھہرے رہے۔ اسی لیے ان کا نام ہرم (بوڑھا) رکھا گیا۔

قاعدہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ غُیُوضٌ اس وقت بولتے ہیں جب بچہ آٹھ یا آٹھ سے کم ماہ ماں کے پیٹ میں ٹھہرے۔ اور ازدیاد وہ جو نو ماہ یا اس سے زائد عرصہ ٹھہرے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو بچہ وقت سے پہلے گر جائے اس کے لیے غیوض استعمال ہوتا ہے اور جو پورے ماہ کر کے پیدا ہو اس کے لیے ازدیاد استعمال ہوتا ہے۔

فائدہ سیرت نبوی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ بعض قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں نو ماہ جلوہ افروز رہے۔ بعض کہتے ہیں دس ماہ۔ بعض کے نزدیک چھ ماہ۔ بعض سات ماہ کے قائل ہیں اور بعض آٹھ ماہ کے۔

معجزہ اگر آٹھ ماہ والا قول صحیح مان لیا جائے تو یہ آپ کا معجزہ سمجھا جائے گا کیونکہ اطباء اور نجومی کہتے ہیں کہ جو بچہ آٹھ ماہ میں پیدا ہو وہ جلد فوت ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور آٹھ ماہ میں ہوا تاہم آپ زندہ رہے (اور تاقیامت زندہ ہیں)۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: اطباء اور نجومی کہتے ہیں کہ جو بچہ چھ، سات یا نو ماہ کے بعد پیدا ہو تو وہ زندہ سلامت رہ سکتا ہے۔

ف: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ بھی آٹھ ماہ کے بعد پیدا ہوئے۔

نکتہ طبیہ اطباء و حکماء کہتے ہیں کہ بچہ چھ ماہ کے بعد معمولی حرکت کر کے رُک جاتا ہے۔ پھر نویں ماہ کے بعد پہلی حرکت سے اور زیادہ حرکت کرتا ہے۔ اگر اس حرکت سے ماں کے پیٹ سے باہر آگیا تو زندہ رہ کر طبعی موت

فوت ہوتا ہے۔ اگر ساتویں ماہ کے بعد ماں کے شکم سے نہ نکلے تو پھر ماں کے پیٹ کے اندر آرام سے وقت گزارتا ہے۔ آٹھویں مہینے میں باہر نکلنے کے لیے کسی قسم کی حرکت نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ماں کے پیٹ کے اندر اس ماہ میں بچے کی حرکت بہت تھوڑی محسوس ہوتی ہے۔ اگر اس کے باوجود آٹھویں ماہ میں ماں کے پیٹ سے باہر بھی آجائے تو نہایت ہی کمزور ہوگا۔ اولاً اس کا زندہ رہنا دشوار ہوگا اگر زندہ رہے گا تو بالکل کالمیت پھر چند روز کے بعد فوت ہو جائے گا اس لیے کہ خود ضعیف تھا اور دو حرکتوں (چھا اور ساتماہ والی) نے اسے اور کمزور کر دیا۔ ان کے صدمات کی تاب نہ لا کر مر جاتا ہے۔

حضرت ابن العربی قدس سرہٗ کا ارشاد گرامی

سیدنا محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے علم النجوم میں کوئی ایسی صورت نہیں دیکھی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ آٹھ ماہ کے بعد کا بچہ زندہ رہ سکے۔ اگر زندگی کے کچھ لمحات ہوں گے تو بھی اس کی زندگی سے اس کی موت اچھی۔ اس لیے کہ آٹھویں ماہ میں پیٹ کے اندر بچے پر سردی اور خشکی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اگر اسی اثنا میں باہر آجائے تو موت کی سردی اور خشکی ساتھ لائے گا جسے وہ زندہ نہیں چھوڑے گی۔

فائدہ طبیہ اکثر عورتیں ایک ایک بچہ ایک ہی حالت میں جنتی ہیں۔ بعض عورتیں ایک ہی حالت میں دو تین چار بچے بھی جنتی ہیں[1]

اعجوبے

- منقول ہے کہ حضرت شریک تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو مدینہ طیبہ کے فقہا میں سے ایک ہیں) ماں سے بیک وقت پیدا ہونے والے چار بچوں میں سے ایک ہیں۔
- حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے یمن کے ایک شیخ نے فرمایا کہ اس کی عورت نے پانچ دفعہ بچے جنے ہر بار بیک وقت پانچ بچے جنتی تھی۔

فائدہ تفسیریہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ تغیض الارحام سے حیض کی قلت و کثرت مراد ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ارحام اپنے اندر رہنے والے بچے سے حیض کا خون کم کرتی ہے اور طبی قاعدہ ہے کہ اگر ایام حمل میں حاملہ عورت سے حیض خارج ہو تو اندر والے بچے کا نقصان ہوتا ہے اس لیے کہ وہی حیض کا خون بچے کی قدرت الٰہی سے خوراک ہوتا ہے۔ جب اسے خوراک نہیں ملے گی تو وہ اپنی غذائیت کی کمی سے مرجھا جائے گا یا مر جائے گا۔ اسی طرح ایام حمل کے بڑھ جانے میں بچے کو حیض کا خون زیادہ سے زیادہ پہنچنا مطلوب ہے۔ اس طرح سے بچے کی اندرونی تربیت کی بھی تکمیل ہوگی۔ اس سے واضح ہوا کہ اس سے بچے کا نقص مراد ہے جب کہ وہ خون باہر نکلے۔ اگر نہ نکلے تو ازدیاد سے بچے کی تکمیل ہوگی۔

---

[1] اس کی تصدیق موجودہ دور کے اخبارات میں ہوتی رہتی ہے۔

چنانچہ مذکور ہوا وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ اور ہر شئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بِمِقْدَارٍ اندازے کے ساتھ ہے کہ کوئی شے نہ اس اندازے سے بڑھ سکتی ہے نہ گھٹ سکتی ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دی ہے۔ ہر شے کو اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش اور ظہور سے پہلے جانتا ہے۔

ف : تبیان میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے رزق اور اجل کی حد مقرر فرما دی ہے اس میں نہ اضافہ ہو سکتا ہے نہ کمی۔

عَالِمُ الْغَيْبِ یہ مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔ الغیب پر الف لام استغراق کا ہے یعنی جسے غیب کہا جاتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ عالم ہے۔

غیب کی تعریف ھو ما غاب عن الحس جو شے حس سے پوشیدہ ہو وہی غیب ہے۔ اس تعریف میں معلومات و اسرار خفیہ اور آخرت داخل ہیں۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں لفظ غیب کا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے وہ باعتبار مخلوق کے غیب ہونے کے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو کوئی شے غیب نہیں۔

نکتہ صوفیانہ بعض سادات صوفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مرتبۂ ذات بحت اور ہویت صرفہ میں جمیع نسب و اضافت ساقط ہیں اسی لیے اس مرتبہ میں نسبت علمیہ بھی منتفی ہے۔ بنا بریں اس مرتبہ کے لیے علم بالغیب بھی منتفی ہے یہ باعتبار ذات بحت و ہویت صرفہ کے ہے ورنہ باعتبار تعینات و اثبات الوجودات مرتبہ صفات میں علم کی نسبت کا تعلق ثابت ہو گا یاد رہے یہی ذات واحدیہ کا مرتبہ ہے۔ (یہ صوفیانہ بالخصوص مسئلہ وحدۃ الوجود کے اصطلاحات ہیں) فافہم

س

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے علم میں کوئی شے مخفی نہیں کیونکہ ظاہر و پوشیدہ اس کے لیے یکساں ہے۔

وَالشَّهَادَةِ اور ہر وہ شے جس پر اسم شہادت صادق آتا ہے یعنی ہر وہ شے جو حس میں حاضر ہو سکے اس کا بھی اللہ تعالیٰ عالم ہے اس میں تمام موجودات مدرکہ اور اشیا علانیہ اور دنیا داخل ہے اَلْكَبِيْرُ وہ اللہ تعالیٰ عظیم الشان ہے کہ اس کے علم سے کوئی شے خارج نہیں ہو سکتی اَلْمُتَعَالِ وہ اپنی قدرت سے ہر شے پر غالب و بلند و بالا ہے۔

ف : الکواشی میں ہے کہ وہ مخلوق کی صفات اور مشرکین کے قول سے بلند و بالا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے کہ اللہ یعلم ما تحمل کل انثیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کائنات کے ذرہ ذرہ کو جانتا ہے اور ہر شے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی ان کو کائنات میں اسی لیے امانت رکھا ہے کہ وہ اس کی وحدانیت پر دلالت کریں۔ کما قال :

سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم۔ ہم انہیں اپنی آیات آفاق والفس میں دکھاتے ہیں

کسی شاعر نے فرمایا : ؎

وفی کل شیءٍ لہ آیۃ

تدل علی انہ واحد

ترجمہ : ہر شے میں اس کی دلیل ہے اور ہر ایک اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔

اور فرمایا : ؎

جہان مرآت حسن شاہد ماست

فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ : تمام جہان ہمارے محبوب کے حسن کا آئینہ ہے ہر ذرہ میں اس کے حسن کا مشاہدہ کرو۔

ف : نیز جانتا ہے کہ کائنات میں کون سے خواص وطبائع بطور امانت رکھے ہیں۔

وما تغیض الارحام وما تزداد وکل شیءٍ عندہ بمقدار اور ہر وہ شے جو ارحام سے موجودات میں ظاہر ہوئی اور جو کچھ ان میں باقی رہتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت میں ہے اس کی مقدار معین بھی اس کی حکمت کے موافق ہے کہ کس قدر خارج ہو اور کس قدر باقی رہے۔ اس لیے کہ عالم الغیب والشہادۃ وہ جانتا ہے اسے جو وجود و خروج میں حاضر ہے الکبیر المتعال اپنی ذات اور موجودات و معدومات اور ارحام کے اندر کی معلومات کو محیط ہونے میں کبیر اور بلند و بالا ہے اور اپنی صفات میں بھی، اس لیے کہ وہ واحد لاشریک لہ ہے۔

ف : شرح اسماء الحسنیٰ میں ہے کہ الکبیر بمعنے ذو الکبریا۔ کبریا ذات کے کمال کو کہتے ہیں۔ یعنی ذات کے کمال سے وجود کا کمال ہے۔ اور وجود کا کمال دو باتوں پر منتج ہے :

ا۔ ازلی و ابدی دوام اس لیے باقی ہر موجود سابق یا لاحق عدم سے منقطع ہے اس لیے وہ ناقص ہے۔ اسی لیے عمر رسیدہ انسان کو کبیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے عظیم السن نہیں کہا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جہاں کبیر استعمال ہوتا ہے وہاں عظیم استعمال نہیں ہو سکتا۔ اس بوڑھے کی مدت وجود اگرچہ بہت طویل مدت البقاء محدود ہے لیکن وہ کبیر ہے تو پھر وہ ذات جو دائمی اور ازلی و ابدی ہے اور اس پر عدم کا ہونا محال ہے تو پھر وہ بطریق اولیٰ کبیر ہے۔

۲۔ ذات باری تعالیٰ وہ وجود ہے کہ جس سے تمام موجودات کے وجود کا صدور ہوا۔ اور وہ وجود کے لحاظ سے فی نفسہٖ کامل و مکمل ہے۔

ف: بندوں میں سے کبیر وُہ ہے جس کے صفات کمالیہ نہ صرف اس کے اندر ہوں بلکہ وہ دُوسروں کو بھی کمال تک پہنچائے۔ جو بھی اس کی صحبت میں بیٹھے کمال کو پہنچ جائے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ بندے کا کمال علم و ورع و عقل کی وجہ سے ہے۔ اس معنے پر کبیر وُہ عالم باعمل اور مرشد کامل اکمل ہے جو اپنے اتقاد کی برکت سے خلقِ خدا کو کمال تک پہنچائے۔ وہی اس لائق ہے کہ اسے دنیا کا امام مانا جائے اس لیے کہ اس کے علوم سے لوگ فیوض و انوار حاصل کرتے ہیں۔

عالم باعمل کی شان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو پڑھ کر خود عمل کرتا ہے اور دُوسروں کو بھی اپنے علوم سے فیض پہنچاتا ہے اسے ملکوت السمٰوٰت میں عظیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

المتعال بمعنے العلی۔ فرق صرف یہ ہے کہ المتعال میں مبالغہ پایا جاتا ہے اور علی وُہ ہے جن کے مراتب اتنے بلند ہوں کہ اس کے مراتب کے بعد اور کوئی رتبہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مطلقاً بندوں میں اس شان کا کوئی نہیں ہوتا کیوں کہ عالمِ وجود میں ایک مرتبہ کے بعد دوسرے مرتبہ کا کوئی انسان ضرور ہوتا ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کے درجات تمام انسانوں سے بلند ہیں۔ اسی طرح بعض ملائکہ بھی درجات کے لحاظ سے بہت بلند ہوتے ہیں۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

انسانوں میں کوئی ایسا نہیں جو انبیاء علیہم السلام یا مقرب ملائکہ کے درجات تک پہنچ سکے اور یہ تمام حضرات ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے درجات کو نہیں پہنچ سکتے۔ البتہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم علو مطلق کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے کہ آپ کی شان کی بلندی بوجہ دوسروں کے ہے۔ یعنی کائنات کا ہر فرد نبی ہو ملک ہو کوئی ہو آپ علوِ مرتبت میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ آپ کی یہ افضلیت وجوب کے دائرہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ دائرۂ امکان کی حیثیت سے ہے اس لیے دائرۃ الوجود صرف رب تعالیٰ کی شان ہے۔ اور ہمارے عقائد میں سے ہے کہ ہم نبی علیہ السلام کی وجوبی شان نہیں مانتے[1] اس سے ثابت ہوا کہ علوِ مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے وہ مطلقاً بلند و بالا ہے اس کی بلندی اضافی نہیں وجوبی ہے اور وہ مطلق وجوب کہ جس کے لیے امکان کو اس کی نقیض کہنا بھی ناموزوں ہے یعنی علی الاطلاق وجوب کے لحاظ سے بلند و بالا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

---

[1] یہی ہم اہلسنت (بریلوی) مانتے ہیں وہابیہ دیوبندیہ کا ہمارے اوپر بہتان اور الزام تراشی ہے کہ بریلوی نبی علیہ السلام یا اولیاء کرام کو خدائی صفات کا حامل مانتے ہیں۔ تفصیل "تفسیر اویسی" میں دیکھیے۔

تفسیر عالمانہ سَوَآءٌ مِّنۡکُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَ مَنۡ جَهَرَ بِهٖ من مبتدا اور اس کی خبر سواءٌ ہے اور منکم سواء بمعنے مستوٍ کی ضمیر سے حال ہے۔

سوال: خبر کا تثنیہ ہونا لازمی تھا اس لیے کہ وہ دو مبتداؤں کی خبر ہے۔

جواب: سواء مصدر ہے اور مصدر تثنیہ نہیں ہوتا نہ ہی جمع ہوتا ہے اگرچہ استواء بمعنے مستوٍ ہے تو مصدری حیثیت سے دو مبتداؤں کی خبر بمعنے مستویان ہوگی۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اے لوگو! تم میں سے کوئی بھی کسی بات کو دل میں چھپانے یا زبان پر لانے وہ تمام اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس کے علم سے کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کے آگے چھپانا اور ظاہر کرنا دونوں برابر ہیں۔

وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۢ بِالَّيۡلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ استخفا بمعنے پنہاں شدن (پوشیدہ ہونا) اور سُرُوب بمعنے دن کو جانا۔ (کذا فی تہذیب المصادر)

ف: السرب بفتح السین بسکون الراء بمعنے راستہ۔ (کذا فی القاموس) اور سارب کا من پر عطف ہے۔ اسی وجہ سے مَن کے لیے دونوں معنے ثابت ہوں گے اور مَن موصوف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم میں سے کوئی رات کے اندھیروں میں چھپ کر رہے یا راستوں پر دن میں کھلم کھلا پھرتا رہے وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتا۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: سارب بمعنے ذاهب فی سربه بمرز بالنهار براه کل واحد یعنی دن کو کھلے راستہ پر چلنے والا کہ جسے ہر دیکھنے والا دیکھے۔

ف: کاشفی میں ہے کہ جو کوئی رات کی تاریکی میں چھپ کر یا دن کو کھلم کھلا کوئی عمل کرے مطلقاً اللہ تعالیٰ سے کوئی قول و فعل چھپ نہیں سکتا، وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔

لَهٗ اللہ تعالیٰ یا انسان مذکور کے لیے مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ معقبۃ کی جمع ہے اس میں علامۃ کی طرح تا، مبالغہ کی ہے تا تانیث کی نہیں اس لیے کہ فرشتوں کو مذکر و مونث سے موصوف نہیں کیا جاتا اور صیغہ تفعیل پر ہونا بھی مبالغہ یا تکثیر کے لیے ہے جیسے طوفت البیت (میں نے بیت اللہ کا طواف کیا) میں تفعیل کا باب تکثیر و مبالغہ کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں۔ التعقیب بمعنے کسی کے پیچھے آنا۔ (کذا فی التہذیب، مثلاً کہا جاتا ہے:

عقب تعقیب۔

یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو کسی کے پیچھے آنے اور معقبت سے رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے نگران فرشتے مراد ہیں اگرچہ وہ دو ہیں لیکن چونکہ نزول کے وقت وہ ایک دوسرے کے بعد پے در پے نازل ہوتے ہیں اسی لیے ان کے لیے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ یعنی مثلاً کہ رات گزار کر جو گروہ واپس چلا جانا چاہتا ہے تو ان کی موجودگی میں ہی دن والے فرشتے آجاتے ہیں۔ اسی طرح دن والوں کے جاتے ہی رات والے فرشتے آجاتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو نماز صبح اور عصر کے وقت ملتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ فرشتے انسان کے آگے پیچھے ہیں۔ یعنی اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اسے اللہ تعالیٰ کے امر یعنی اس کے خوف اور عذاب سے حفاظت کرتے ہیں یعنی جب وہ گناہ کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دُعا کرتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں اسے مہلت دینے کی گزارش کرتے ہیں اس امید پر کہ یہ گناہوں سے توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز کرے گا یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر فرشتے انسان کو ضرر اور تکالیف سے بچاتے ہیں۔

ف: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ہر انسان کی ہر وقت ایک نگران فرشتہ نگرانی کر رہا ہے جو اسے جن و انس، شیاطین اور موذی کیڑوں مکوڑوں سے بچاتا ہے خواہ وہ نیند میں ہو یا جاگتا ہو۔ اگر کوئی شے اسے ایذا دینے کا ارادہ کرتی ہے تو اسے وہی فرشتہ کہتا ہے ہٹ جا۔ صرف وہ دکھ جو اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسے ضرور پہنچتا ہے اسے نہ فرشتہ روکتا ہے نہ روک سکتا ہے۔

حضرت علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہٗ کا ارشادِ گرامی

حضرت عمرو بن جندب فرماتے ہیں کہ ہم سعید بن قیس کے ساتھ صفین میں بیٹھے تھے کہ اندھیرے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تشریف لائے۔ سعید بن قیس نے پوچھا کیا آپ امیر المومنین ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ ہم نے کہا آپ ڈرتے بھی نہیں شاید آپ پر کوئی مخالف حملہ کردے۔ آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کافی ہے اس لیے کہ ہر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ حفاظت کے لیے ہر وقت ساتھ رہتا ہے جو انسان کو کنویں میں گرنے اور پہاڑ سے گرنے اور اس پر پتھر پڑنے یا کسی موذی جانور کے ایذا دینے سے بچاتا ہے ہاں اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہو تو یہ فرشتہ کچھ نہیں کر سکتا۔

نگران فرشتوں کی گنتی اور ان کا فرض

اسئلۃ الحکم میں ہے کہ علماء کرام کا اختلاف ہے کہ نگران فرشتے کُل کتنے ہیں؛ بعض کے نزدیک بیس ہیں بعض کے نزدیک اس سے زیادہ۔ اصح تر پہلا قول ہے اس لیے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہر انسان کے ساتھ کل کتنے نگران فرشتے ہیں؛ آپ نے فرمایا: بیس۔ اور اس کی تفصیل یوں فرمائی کہ ایک فرشتہ دائیں جانب بیٹھتا ہے اور وہ بائیں جانب والے فرشتے کا امیر ہے۔ کما قال تعالیٰ:

عن الیمین وعن الشمال قعید۔ (دائیں بائیں فرشتے بیٹھے ہیں)، دو آگے رہتے ہیں دو پیچھے۔

کما قال تعالیٰ:

لہ معقبات من بین یدیہ و من خلفہ یحفظو نہ من امر اللہ۔ ایک اس کی پیشانی پر قائم رہتا ہے جب انسان تواضع کرتا ہے تو اس کے مراتب بلند کراتا ہے اگر تکبر کرتا ہے تو اس کی پیشانی کو ٹھونکتا ہے۔

درودِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

دو فرشتے اس کے لبوں پر بیٹھے ہیں اس کے درود شریف کی حفاظت کرتے ہیں اور ایک فرشتہ اس کے منہ کا محافظ ہے جو سانپوں کو منہ کے اندر داخل نہیں ہونے دیتا۔ اور دو فرشتے آنکھوں کے نگران ہیں۔ یہ کل دس ہوئے۔ یہ سب کے سب دن کو ساتھ رہتے ہیں۔ دن گزرنے پر یہ چلے جاتے ہیں تو دس اور آجاتے ہیں۔

ف : ابلیس انسان کو بہکانے کے لیے دن کو ساتھ رہتا ہے اور اس کی اولاد رات کو۔

مسئلہ : بعض ائمہ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو فرشتے دن کو رہتے ہیں وہی رات کو آتے ہیں کوئی تبدیل نہیں ہوتے۔ لیکن کراما کاتبین ہرگز تبدیل نہیں ہوتے وہ جو آسمان پر جا کر واپس آتے ہیں وہ اعمال لیجانے والے ہوتے ہیں۔

قبر پر فرشتے

کراما کاتبین تا دم زیست ہر وقت ساتھ رہتے ہیں جب بندہ مرتا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ! اب ہم کہاں جائیں : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : آسمان ذاکرین سے پُر ہیں اور زمین دوسری مخلوق سے ، اور وہ سب میری فرمانبرداری میں مصروف ہیں تم تاقیامت میرے بندے کی قبر پر جا کر میری تسبیح ، تحمید ، تہلیل ، تکبیر ، تمجید پڑھتے رہو اور میری عظمت کا اظہار کرتے رہو اور اس کا ثواب میرے بندے کے اعمال نامے میں لکھتے جاؤ۔

ف : بعض کہتے ہیں اس سے حکومت کے ملازمین مراد ہیں جو عوام کی خدمت کے لیے نوکر رکھے جاتے ہیں۔

سبق : اس میں غافل انسان اور سرکش آدمی اور گناہوں میں مبتلا رہنے والے کو تنبیہ ہے کہ تم اگرچہ خداوند قدوس کی نافرمانی میں زندگی ضائع کر رہے ہو لیکن اس مالک کریم نے تمہارے لیے بہتر انتظام فرمایا ہے کہ بادشاہوں کی طرح تمہارے لیے بھی پہرے دار مقرر فرما دیے جیسے ایک بادشاہ کے لیے نگران ہوتے ہیں اسی طرح ہر انسان کے لیے فرشتگان پہرے دار مقرر ہیں اگرچہ گنہگار ہی کیوں ہے تو حضرت انسان ـ پھر مرنے کے بعد مالک کے سامنے جانے گا تو رسوا ہوگا۔ لیکن اسے کون بچائے۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے سر جھکانا ضروری ہے طبیعت مانے یا نہ مانے لیکن تقدیر وارد ہو کر رہے گی۔

از کمان قضا چو تیر قدر
بدر آمد نشد مفید سپر

ترجمہ : قضا کی کمان سے جب تقدیر کا تیر نکل جاتا ہے تو اس کے سامنے تدبیر کی ڈھال کچھ نہیں کر سکتی۔

ف : بعض حضرات فرماتے ہیں کہ انسان کے نگران اس کی عبادات وطاعات اور صدقات ہیں جو اسے موت کی سختیوں سے بچائیں گے اور نزع سکرات کے وقت بلکہ قبر اور حشر میں بھی۔

انجوبۂ اعمالِ صالحہ

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ جب انسان پر سکرات طاری ہوتی ہے تو فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ اس کے سر کو سونگھے۔ جب وہ سونگھتا ہے تو عرض کرتا ہے اس کے سر میں قرآن مجید ہے۔ پھر کہا جاتا ہے اس کے دل کو سونگھے۔ وہ سونگھ کر عرض کرتا ہے اس کے قلب سے روزے کی خوشبو آتی ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے اس کے قدموں کو سونگھے۔ وہ سونگھ کر عرض کرتا ہے اس کے قدموں سے نماز کے قیام کی خوشبو آتی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو اعمال صالحہ سے بچایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے عذاب سے

بچالیا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی عافیت و نعمت نہیں بدلتا حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ یہاں تک کہ وُہ خود اپنے نفسوں کو بدل دیں یعنی شکر ترک کر دیں اور نیک اعمال اور اچھے خصال ترک کر کے بدیوں اور گندی عادتوں کے خوگر ہو جائیں۔ ؎

گرت ہواست کہ معشوق نگسلاید پیوند
نگاہ دار سر رشتہ تا نگہ دارد

ترجمہ: اگر تُو چاہتا ہے کہ تیرے معشوق (محبوب) کا تعلق نہ ٹوٹے تو تم اپنے تعلق کے تاگے کو خود محفوظ رکھو۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم اللہ تعالیٰ کسی قوم کو وجود و عدم سے نہیں بدلتا۔ حتی یغیروا ما بانفسھم جب تک وہ خود نہ بدلیں یعنی وجود و عدم کے استحقاق کی استدعا کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یا اس کی مشیت چاہتی ہے۔

مسئلہ: آیت میں تمام لوگوں کو تنبیہ ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پہچانیں اور ان کا شکر کریں تاکہ دی ہُوئی نعمتیں اس سے زائل نہ ہو جائیں۔

نسخہ رُوحانی زبان کو ذکر میں قلب کو فکر میں مشغول رکھنا لازمی ہے اس لیے کہ جو کوئی ذکر الٰہی کو چھوڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتا تو اس سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں اور اس کی حالت بد سے بدتر ہو جاتی ہے پھر وُہ پہلی حالت سے محروم ہو جاتا ہے اسے وہ نوازشات نصیب نہیں ہوتیں جو اسے پہلے حاصل تھیں۔

قاعدۂ الٰہیہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ ہے کہ وُہ اپنے بندوں کے گناہوں کی وجہ سے ان کے حالات بدل دیتا ہے۔ مثلاً ابلیس، اس کا پہلا نام عزازیل ہے بوجہ نافرمانی اسے ابلیس کے نام سے موسوم کیا گیا۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا ایک کھیت سے گزر ہُوا تو مجھے دُوسرے کسان نے پکارا، یا بقر! (اے بیل) میں نے کہا کہ ایک معمولی کمزوری سے ایک انسان نے میرا نام ذلّت سے بدلا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو وُہ میری معرفت کے بہت سے مراتب چھین لے یا ذلّت میں مبتلا کر دے۔

اعجوبے

① ہاروت و ماروت کی نافرمانی پر ان کا نام بدل دیا گیا ورنہ اس سے پہلے ان کا نام عزا اور عزایا تھا۔

② حام بن نوح کا رنگ بدلا جب اس نے اپنے والد گرامی کا ستر دیکھا جبکہ وہ (نوح علیہ السلام) آرام فرما تھے تو ان کا ستر کھل گیا تو اس نے ان کے ستر کو دیکھ کر انھیں بتایا تو ان کو جوش آیا اور اس کے لیے اظہار ناراضگی کے طور بددعا فرمائی اس سے اس کا رنگ سپیدی سے سیاہی میں بدل گیا۔ ہندی حبشی انہی کی اولاد سے ہیں۔

③ بعض کہتے ہیں ان کی اولاد کی سیاہی اور ان کی نافرمانی کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب تمام اہلِ ایمان کو کشتی سمیت کعبہ معظمہ میں لے گئے اور طواف کا ارادہ کیا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حرم ہے اس میں کوئی مرد عورت کو ہاتھ نہ لگائے خواہ اس کی اپنی عورت ہی ہو۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک آڑ کھڑی کر دی گئی۔ باوجود اینہمہ آپ کے صاحبزادے حام نے حد بندی توڑ کر اپنی عورت سے جماع کر لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ناراضگی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے رنگ کو بدلے یعنی تا قیامت اس کی اولاد کو سیاہ رنگ بنا دے۔ چنانچہ ان کی دُعا قبول ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کو سیاہ رنگ پیدا فرمایا۔

④ حضرت داؤد علیہ السلام کی معمولی کمی سے ان کی صورت میں معمولی سا تغیر فرمایا۔

⑤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت سے مچھلی کے شکار کی غلطی ہوئی تو انھیں بندر بنا دیا گیا۔

⑥ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت سے غلطی ہوئی تو انھیں خنزیر بنا دیا گیا۔

⑦ آل قطروس نے جب غریبوں اور مسکینوں کو مال و اسباب سے روکا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا جس کی وجہ سے ان کے تمام اموال و اسباب اور باغات جل کر راکھ ہو گئے۔

⑧ قبطی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا سے تباہ و برباد ہوئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کی دُعا کے الفاظ یہ ہیں: ربنا اطمس علیٰ اموالھم۔ (الآیہ) ان کی دُعا کا یہ اثر ہُوا کہ ان کے پانی خون ہُوئے اور مال پتھر اور روڑے۔

⑨ امیہ بن صلت کا علم سلب کر لیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ وہ سو رہا تھا کہ ایک پرندہ آیا اس نے اپنی چونچ اس کے منہ میں ڈالی۔ جاگا۔ تو تمام علم سینہ سے اُتر چکا تھا حالانکہ وہ عرب کا چوٹی کا بلیغ تھا بلکہ وہ آرزومند تھا کہ نبی آخر الزماں وہی ہوگا اور اہل عرب اسی پر ایمان لائیں گے۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اس نے انکار کر دیا۔ تو دنیا میں اسے محولہ بالا سزا ملی۔

⑩ حضرت آدم علیہ السلام سے گندم کھانے کا فعل صادر ہُوا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بہشت سے نقل مکانی کا حکم دیا۔ قارون نے زکوٰۃ کا انکار کیا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا؎

گنج قارون کہ فرو میرود از قہر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

ترجمہ: قارون کا خزانہ تاحال قہرِ الٰہی سے دھنسایا جا رہا ہے۔ تم سب نے یہ واقعہ پڑھا ہے اس کا موجب صرف اللہ والوں کی غیرت ہے اور بس۔

⑪ ایک شخص نے ماں کی صرف ایک دفعہ نافرمانی کی وہ بھی اس قدر کہ والدہ نے اسے اپنی طرف بُلایا لیکن وُہ نہ گیا تو

ماں کے منہ سے اس کے لیے بددعا نکلی جس سے وہ بندہ گونگا ہو گیا۔ تادمِ زیست اس سے بولنے کی طاقت چھین لی گئی۔

⑭ برصیصا سے ایمان چھین لیا گیا حالانکہ وہ دو سو بیس سال خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا اور لمحہ بھر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس سے سرزد نہ ہوئی تھی لیکن گناہ اس سے یہ ہوا کہ اس نے اپنے لیے اس نعمت اسلام کا شکر نہ کیا۔

؎

شکر نعمت نعمتت افزوں کند

کفر نعمت از کفت بیروں کند

ترجمہ: نعمت کا شکر تیری نعمت میں اضافہ کریگا۔ کفرانِ نعمت سے تیری نعمت چھین لی جائے گی۔

تفسیر عالمانہ وَإِذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی ہلاکت و تباہی اور عذاب کا ارادہ فرماتا ہے فَلَا مَرَدَّ لَهٗ تو اسے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اسے روکا جا سکتا ہے۔

قاعدہ: اذا کا حقیقی معنیٰ ظرف ہے۔ اور کسی وقت شرط کے لیے بھی آتا ہے لیکن اس وقت بھی اس میں ظرف کا معنی ساقط نہیں ہوتا۔ مثلاً: اذا قمت قمت۔ یعنی میرے قیام کا وقت معلق ہے تمہارے قیام پر۔ اس عبارت میں متکلم نے اپنے قیام کو مخاطب کے قیام پر معلق کیا ہے۔ یعنی جزا شرط سے معلق ہوتی ہے۔

قاعدہ: کبھی کبھار یہ متحقق امر کے لیے آتا ہے جیسے: ؎

اذا اری الدنیا وابناھا

استعصم الرحمٰن من شرھا

ترجمہ: جب میں دنیا اور دنیا داروں کو دیکھتا ہوں تو دنیا کے شر سے نکلنے کے لیے رب رحمان سے مدد چاہتا ہوں۔

اور کبھی امر منتظر کے لیے آتا ہے۔ جیسے:

اذا وقعت الواقعۃ اور اذا الشمس کورت۔

قاعدہ: لفظ اذا ماضی کو مستقبل کے معنے میں لاتا ہے اس لیے کہ اذا کا حقیقی معنیٰ زمانہ مستقبل ہے۔ یہ بصریوں کا مذہب ہے۔ اور کوفی فرماتے ہیں کہ اذا کا حقیقی معنیٰ شرط اور ظرف ہے۔ جیسے: ؏

واذا یحاس الحیس یدعیٰ جندب

ترجمہ: اور جب حلوا پکایا جاتا ہے تو جندب کو بلایا جاتا ہے۔

---

[1] کھجور، گھی اور ستو سے تیار کیا ہوا کھانا گپادری کام ۱۲ المنجد

اور دعا

و اذا تصبك خصاصة فتحمل

ترجمہ: اور جب تجھے دُکھ پہنچے تو برداشت (صبر) کر۔

وَمَا لَهُمْ اور جن کے لیے اللہ تعالیٰ ہلاکت اور عذاب کا ارادہ کرے تو ان کے لیے نہیں مِنْ دُوْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے سوا مِنْ وَّالٍ کوئی حمایتی جو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے یا اس کی کسی قسم کی امداد کرے۔

ف: الوالی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ہے یعنی جملہ امور اور تمام مخلوق کا مالک۔ دراصل والی اسے کہتے ہیں جو اپنا حکم دُوسرے پر جاری کرے، دُوسرا اسے مانے یا نہ مانے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف نہیں ہوسکتا اس لیے وہی جملہ امور کی تدبیر بنانے اور تدبیر کو جاری کرنے والا ہے کوئی بھی اس کے حکم سے بھاگ نہیں سکتا۔

هُوَ وہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ تمہیں بجلی دکھاتا یعنی بادل سے روشنی چمکاتا ہے۔ یہ برق الشیئ بریقاً سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے چمکے۔ خَوْفًا وَّطَمَعًا خوفاً ڈر کے لیے یعنی خوف کے ارادہ پر یا صاعقہ سے گھروں کی بربادی کے لیے ڈراتا ہے طمعاً امید پر یعنی طمع کے ارادہ پر یا اس لیے کہ تمہیں بارش کی برکتوں کی امید ہوجائے اور چاہو کہ بارش سے بہت دُکھ دُور ہوجائیں گے۔

ف: بارش بعض لوگوں کے لیے ضرر بن کر آتی ہے اور بعض کے لیے موجب رحمت ہوتی ہے۔ مثلاً مسافر، کھجور اور انگور کے باغات اور کچے مکانوں والے بارش سے گھبراتے ہیں۔ اور مقیم، کھیتی باڑی اور کھجور و انگور کے سوا دوسری قسم کے باغات کے مالکان خوش ہوتے ہیں۔

اعجوبہ اہلِ مصر بارش سے کوئی فائدہ نہیں محسوس کرتے اس لیے کہ انھیں دریائے نیل کا پانی کافی ہے البتہ بارش معمولی ہو تو انھیں معمولی فائدہ ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جمال الٰہی کے باطن میں جلال ہے اسی طرح اس کے جلال کے باطن میں جمال ہے اور اراءۃ (دکھانا) کی نسبت اپنی طرف اس لیے کی ہے کہ وہی ہر شے کا خالق ہے وہی آنکھوں میں نور پیدا کرتا ہے جس سے دیکھنے والے دیکھتے ہیں یہ دکھانا یا عالم ملک (ظاہر) سے متعلق ہے اور یہ ظاہر ہے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں اگر اس کا تعلق عالم ملکوت (باطن) سے ہے تو اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جب اللہ تعالیٰ سالک (سیر الی اللہ کرنے والے) کو انوار جلال کی چمک دکھاتا ہے تو اس پر انقطاع اور ناامیدی کا غلبہ ہوتا ہے اور جب اسے انوارِ جمال کی چمک دکھاتا ہے تو اس پر امید کا غلبہ ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيُنْشِئُ السَّحَابَ اور بدلیاں اٹھاتا ہے یعنی بادلوں کو پیدا کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بادلوں کو فنا کر کے از سرِ نو بادل پیدا فرماتا ہے۔

ف: السحاب اسم جنس ہے۔ اس کا واحد سحابۃ آتا ہے۔ اسی لیے اسے جمع کے صیغہ الثقال سے موصوف کیا۔

الثِّقَالَ ثقال بمعنے بوجھل بھاری۔

ف: اس میں اختلاف ہے کہ کیا بارش آسمان سے نازل ہو کر بادل میں آتی ہے یا بادل میں ہی اللہ تعالیٰ پانی پیدا فرماتا ہے تو بارش ہوتی ہے۔

بادلوں کے متعلق تحقیق اور فلاسفہ کی تردید حواشی ابن الشیخ میں ہے کہ بادل ایک جسم مرکب ہے اس کی ترکیب اجزاء رطبہ مائیہ اور ہوائیہ سے ہوتی ہے۔ یعنی اجزاء رطبہ مائیہ اجزاء رطبہ ہوائیہ سے ملتے ہیں تو بادل بن جاتا ہے اور یہ دونوں اجزاء یعنی مائی اور ہوائی اجزاء خلاء میں پیدا ہوتے ہیں جسے خالق قادر قدیر اپنی قدرت اور حکمت سے وہاں پیدا فرماتا ہے۔ فلاسفہ کا یہ کہنا کہ یہ اجزاء زمین کے بخارات ہیں جو زمین سے اُڑ کر ہوا کے طبقہ باردہ میں پہنچ کر برف کی صورت اختیار کر لیتے ہیں پھر وہی بخارات زمین پر گرتے ہیں انہی بخارات کا نام بارش ہے۔ یہ قول باطل ہے اس لیے کہ بارش کے قطرات مختلف ہوتے ہیں کبھی موٹے ہوتے ہیں کبھی چھوٹے، کبھی برابر ایک دُوسرے سے مل کر برستے ہیں کبھی دُور دُور ہو کر کبھی گھنٹوں تک لگاتار برستے رہتے ہیں کبھی نرم رفتار اور تھوڑی مقدار میں۔ اگر یہ زمین کے بخارات ہوتے تو ان میں اختلاف کیوں، حالانکہ زمین ایک جنس ہے اگر ان بخارات پر سورج کی کرن اور طبقہ بارد کا اثر ہے تو وہ بھی جنس واحد ہیں تو تقاضائے عقل یہ ہے کہ بارش ایک طرح کی ہوتی تو اس سے واضح ہوتا ہے اس میں قادر قدیر کی قدرت وحکمت کو دخل ہے۔ اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ لیکن اس عقیدہ سے فلاسفہ (کمیونسٹ) خلاف کرتے ہیں اور وہ صرف عقل کی روشنی کے محتاج ہیں اور اسباب کے بندے۔ اسی وجہ سے وہ عقل کے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ جب عقل کے ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے ہیں تو حیران ہو کر سرگردان رہ جاتے ہیں۔

اہلِ اسلام کی تائید ہم کہتے ہیں اسباب بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں لیکن قادر قدیر کی قدرت کو دخیل ماننا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بارش کے آثار عالم دنیا سے مفقود ہو جاتے ہیں تو مسلمانوں کی آہ وزاری اور عجز وانکساری اور دعا و درود قادرِ مطلق کی بارگاہ میں ہوتا ہے جس سے قادر کریم اپنے بندوں کے عجز والحاح پر بارش عنایت فرماتا ہے۔ اس کو ہم مسلمان نمازِ استسقاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بارش کے نزول میں قادر قدیر کی قدرت کا اثر ضرور ہے۔ صرف طبیعت اور اسباب سے یہ کام نہیں چلتا۔

صاحبِ رُوح البیان کا فیصلہ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس قول کو اس وقت دیوار پر مارتے ہیں جب عقیدہ ہو کہ وہ کام حوادث و

۳۔ کشتی میں پانی بھرنا کشتی کی تباہی ہے۔ کشتی کے نیچے پانی کا ہونا کشتی کے لیے مددگار ہے۔
۴۔ چونکہ مال اور ملک کو دل سے نکال دیا تھا اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے آپ کو مسکین کے علاوہ کچھ نہ کہا۔
۵۔ سر بند حا پیالہ گہرے پانی میں گیا اور ہوا سے پیٹ بھرا ہونے کی وجہ سے پانی پر تیرا۔
۶۔ جب دل میں فقیری کی ہوا بھری ہوگی دنیا کے پانی کے اُوپر پُر سکون ہو گا۔

فائدہ صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ متقین و اصلین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام دارِ دنیا اور دارِ آخرت اور ہے جسے اس دارِ دنیا اور دارِ آخرت سے کوئی مناسبت نہیں وہ ہے مقام عندیہ میں مقعد الصدق کی دار، اور وہ بہت بہتر دار ہے۔

جَنّٰتُ عَدۡنٍ عدن، علم ہے۔ یعنی متقین کے لیے عدن کے باغات ہوں گے درانحالیکہ یَدۡخُلُوۡنَہَا ان میں وہ متقی داخل ہوں گے اور ان باغات کا حال یہ ہے کہ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ان کے منازل کے نیچے چار نہریں جاری ہوں گی اور ہر منزل میں بہترین چشمے ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا لَہُمۡ خبر مقدم ہے فِیۡہَا یہ مبتدا موخر سے حال ہے۔ مَا یَشَآءُوۡنَ مبتدا ہے، یعنی متقیوں کے لیے ان باغات میں وہی ہوگا جو ان کا جی چاہے گا۔

نکتہ : بیضاوی نے لکھا کہ تقدیم ظرف میں تنبیہ ہے کہ انسان کی ہر مراد صرف بہشت میں ہی پوری ہوگی۔

سوال : فقیر [حقی] کہتا ہے کہ اگر کوئی بیضاوی کے قول مذکور کو لے کر سوال کرے کہ کیا بہشت میں اجازت ہوگی کہ انسان لواطت کی آرزو کرے اور وہ پوری کر دی جائے جس طرح کہ بعض بیوقوف لوگوں نے سمجھا ہے۔

جواب : قاعدہ ہے کہ جو فعل حکمتِ حق تعالیٰ کے خلاف ہو بندوں کو بہشت میں اس کا اشتہا بھی نہ ہوگا۔ اگر لواطت کا جواز مانا جائے تو پھر عقلاً ماں کے ساتھ بھی اشتہاء کا سوال پیدا ہوگا اور یہ اشتہاء باطل ہے جس کے بطلان پر تمام عقلا متفق ہیں اسی طرح زنا، لواطت تمام مذاہب حقہ و باطلہ میں ہمیشہ حرام رہے ہے کیونکہ یہ دونوں حکمتِ ایزدی کے خلاف ہیں بخلاف شراب وغیرہ کے کہ وہ دائمی حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قیامت میں نہ صرف حلال بلکہ اس کی ایک نہر ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ایسی تمنا نہ دے جو خبیث افعال سے متعلق ہو اور جسے طبائع سلیمہ نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔

سوال : کیا انبیاء و اولیا کے درجات و منازل اور شہدا کے مراتب مانگنا بھی ناجائز ہوگا حالانکہ وہ تو شرعاً حرام نہیں۔ اگر ان کی آرزو کریں اور نہ ملیں تو آیت کے خلاف اگر مل جائیں تو پھر فرق مابین الانبیا و الشہداء و الاولیا و العوام کیا رہا۔

جواب : کاشفی نے لکھا کہ ایسے مراتب و کمالات و منازل مانگنے کی فکر نہ ہوگی اس لیے کہ یہ مراتب حسد کے طور مانگے جاتے ہیں یا غبطہ کے طور۔ اور یہ صفات بہشت میں نہیں ہوں گے۔ علاوہ ازیں بہشتی سے زاید مراتب کی خواہش بھی ختم ہو گی اس لیے کہ وہ انہی مراتب و کمالات پر راضی ہوں گے جو انہیں عطا ہوتے ہوں گے۔

فائدہ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ متقین کی بہشت کی خواہش اور اس کی نعمتوں کی تمنا یہ ہوگی کہ وہ بہشت میں جہاں چاہیں

جائیں اور بہشت سے نکل کر مقام عندیۃ میں مقعد صدق میں پہنچیں اسی لیے انھیں بہشت میں اور مقعد صدق کے متعلق جو چاہیں انھیں نصیب ہوگا۔

كَذٰلِكَ ایسی مکمل جزا کی طرح يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ شرک و معاصی سے بچنے والے کو اللہ تعالیٰ جزا دے گا۔
الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ المتقین کی صفت ہے۔ یعنی جب ملک الموت اور ان کے اعوان متقین کی ارواح قبض کریں گے طَيِّبِيْنَ تو ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ ظلم علی النفس کی گرد و غبار سے پاک ہوں گے اس لیے کہ انھوں نے دُنیا میں فطرۃ الٰہی کو تبدیل نہیں کیا ہوگا۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ تقوٰی کا اصل اور اعلیٰ مقصد یہی ہے کہ انسان اپنے نفس پر ظلم کی گرد و غبار سے پاک رہ کر فطرۃ الٰہی کی تبدیلی سے مرنے تک بچا رہے اس میں اہلِ ایمان کو ترغیب ہے کہ ایسے تقوے کے حصول کی کوشش کریں۔

فائدہ صُوفیانہ مشایخ نے فرمایا کہ طیبین میں اشارہ ہے کہ قبضِ ارواح کے وقت ان کے نفوس جناب قدس کی طرف کلی طور پر متوجہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے پاکیزہ نفوس سے بنائے (آمین)

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہمچنیں باد اجل با عارفاں
نرم و خوش ہمچوں نسیم یوسفاں

[ترجمہ : بادِ اجل عارفوں کی ایسی نرم و خوش ہوتی ہے جیسی یوسف جیسوں کی نسیم ہوتی ہے]

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے نفوس دنسِ شہوات و مخالفات سے پاک اور ان کے اخلاق شرعی امور کے مطابق ہوتے ہیں یعنی طبعی مذمومات سے منزہ ہوتے ہیں اور ان کے احوال ملاحظات الکونین کی میل کچیل سے صاف و شفاف ہوتے ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ اور فرشتے ان کی ارواح قبض کرتے وقت علیٰ وجہ التعظیم والتبشیر کہتے ہیں سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ تم پر سلامتی ہو اور تم کو مبارک ہو کہ اب تمہیں کسی قسم کی گھبراہٹ نہ ہوگی۔

ف : قرطبی نے فرمایا کہ جب مومن کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو اس کے ہاں فرشتہ ملک الموت تشریف لا کر فرماتا ہے السلام علیک یا ولی اللہ اللہ یقرئک السلام وبشرہ بالجنۃ [اے ولی اللہ تمہیں اللہ تعالیٰ سلام فرماتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہے]

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ جنّاتِ عدن میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ وہ صرف تمہارے لیے تیار کی گئی ہیں۔ الجنۃ کا الف و لام عہد کا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں داخلہ سے بہشت میں داخل ہونے کا وقت مراد ہے۔ اسی لیے کاشفی نے لکھا کہ ملائکرام مومنین کو السلام علیک کہہ کر فرمائیں گے کہ اے ایمان والو! کل قیامت میں جب تم اُٹھو گے تو سیدھے بہشت میں چلے جاؤ گے کیونکہ وہ صرف تمہارے لیے تیار کی گئی ہے۔

میں جھگڑتے ہیں کہ اس کے رسول علیہ السلام کو جھٹلاتے ہیں جب وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی صفات عظمٰہ اور قدرت تامہ اور توحید کی باتیں بتاتے ہیں۔ الجدال سخت جھگڑا کرنا الجدل سے ہے بمعنے الفتل یعنی رسّی بانٹنا۔ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ اور وہ سخت پکڑ والا ہے۔ یعنی وہ اپنے دشمنوں کی سخت گرفت کرتا ہے جب انہیں پکڑتا ہے تو پھر انہیں معلوم نہیں ہونے دیتا کہ یہ عذاب کہاں سے آیا پھر وہ جتنی بچنے کی جدوجہد کرے تو اسے کہیں سے نجات نہیں مل سکتی اسی سے ہے تمحل لکذا۔ یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو حیلہ کرنے میں بہت جدوجہد کرے۔

شانِ نزول اسباب النزول میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک فرعون قسم کے شخص کے ہاں کسی کو بھیج کر فرمایا: اسے اسلام کی دعوت دو۔ اس نے عرض کی: حضور! بہت گندا آدمی ہے وہ آپ کی دعوت کو سُن کر غلط قسم کا جواب دے گا۔ آپ نے فرمایا: تم جا کر میری طرف سے اسلام کی دعوت دے دو۔ یہ اس کے ہاں گئے اور اسلام کی دعوت پیش کی۔ اس نے کہا جس خدا کے لیے تم مجھے دعوت دیتے ہو وہ سونے کا ہے یا چاندی کا۔ یہ سُن کر راوی واپس لوٹے اور یہ راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس کا جواب حضور علیہ السلام سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: دوبارہ جاؤ۔ میں نے وہی عرض کیا جو اس نے دوبارہ (پہلے والا) جواب دیا۔ آپ نے تیسری بار فرمایا: پھر جاؤ۔ میں نے اسے تیسری بار جا کر کہا وہ حسبِ دستور وہی کلمات کہہ رہا تھا کہ ایک بادل اٹھا اور اس کے سر کے برابر اوپر کھڑا ہو گیا اور وہ گرجا تو اس سے ایک کڑک نیچے گری جس سے اس کی کھوپری جل گئی۔ اس پر یہ آیت اُتری:

ویرسل الصواعق فیصیب بھا من یشاء وھم یجادلون فی اللہ وھو شدید المحال۔

دیگر شانِ نزول یہ آیت اور اس سے پہلے والی آیت عامر بن الطفیل اور اربد بن قیس (جو لبید بن ربیعہ الشاعر کا خیفی بھائی تھا) کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ دونوں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضری کے لیے آرہے تھے کہ کسی نے کہا: حضرت! عامر بن الطفیل آپ کے ہاں حاضری کے لیے آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا: چھوڑیئے، اگر اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت کا چاہے گا تو یہ ہدایت پا جائے گا۔ عامر بن الطفیل آتے ہی حضور علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے لیے کیا عہدہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جیسے دوسرے مسلمانوں کے لیے ہوگا تیرے لیے بھی وہی اگر انہیں دُکھ ہوں گے تو تجھے بھی اٹھانے پڑیں گے۔ اس نے کہا آپ وعدہ فرمائیں کہ آپ کی فوتیدگی کے بعد اس مسند کا مالک میں ہوں گا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے بس میں نہیں میرا اللہ تعالیٰ جیسے چاہے گا اس نے کہا میں اسلام لاتا ہوں آپ وعدہ فرمائیں میرے اسلام لانے کے بعد آپ کے ہاں شہروں کی حکومت ہوگی اور میرے ہاں دیہاتوں کی۔ آپ نے فرمایا: یہ بھی منظور نہیں۔ اس نے کہا: پھر مجھے ملے گا کیا؟ آپ نے فرمایا: میں تجھے ایک گھوڑا دوں گا جس پر تجھے کفار سے جنگ کرنا پڑے گی۔ اس نے کہا: یہ مجھے منظور نہیں۔ روانگی کے وقت عامر بن الطفیل نے اربد سے کہا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باتوں میں لگ جاؤں گا تم پیچھے ان پر

تلوار چلا دینا اس طرح سے ان کو مار دیں گے۔ عامر حضور علیہ السلام سے محوِ گفتگو ہو گیا اور اربد حضور علیہ السلام کے پیچھے چھپ کر تلوار کا وار کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا تو تلوار کا دستانہ گر گیا۔ اس کے بعد پھر اسے حملہ کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ عامر اسے اشاروں سے بار بار کہتا لیکن وہ خاموش تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی کارروائی دیکھ کر فرمایا:

اللّٰھم اکفنیھما بما شئت۔

(اے اللہ تعالیٰ! ان دونوں سے میری کفایت فرما)

یہاں سے دونوں خائب و خاسر ہو کر لوٹے تو راستے میں اربد پر بجلی گری جس سے وہ مر گیا۔ عامر لوٹا اور عرض کی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے اپنے رب تعالیٰ سے بد دعا مانگی ہے اس نے اربد کو مار ڈالا ہے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے خدا کی قسم میں تیرے لیے بہت بڑا لشکر لاتا ہوں جن میں ایک ہزار جنگی بڑے بالوں والے اور ایک ہزار نوجوان بے ریش ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ان سے بھی میرا رب مجھے بچائے گا اور اوس و خزرج کی مجھے حمایت ہو گی۔ حضور علیہ السلام سے جھگڑ کر واپس گھر آیا تو ایک سلولیہ نامی عورت کے گھر قیام کیا اور کہا کہ اگر ملک الموت نے مجھے فرصت دی تو لات و عزیٰ کی قسم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ؎

صعوہ گاہ با عقاب سازد جنگ

دہد از خون خود پرش را رنگ

ترجمہ: ممولا اگر عقاب سے جنگ کرے تو اپنے پروں کو اپنے خون سے خود رنگ کرتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ حال دیکھا تو اس کے ہاں فرشتہ بھیجا جس نے اس پر اپنے پر مارے اور اس کے منہ پر مٹی ماری اسے گھٹنے پر بہت بڑی غدود نکلی جس کے درد سے سلولیہ کے گھر لوٹا اور کہتا تھا کہ غدود اونٹ والی اور موت سلولیہ کے گھر نصیب ہوئی اور وہیں گھوڑے پر کھڑے کھڑے فوت ہوا تو یہی آیت سواء منکم من اسرار القول و من جھر بہ الی ان قال وما دعاء الکافرین الا فی ضلال اتری۔ اس تقریر پر وھم یجادلون فی اللہ میں واؤ حالیہ ہو گی یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو بھی جھگڑے گا اس پر جھگڑے کی حالت میں ہی بجلی گرائے گا جیسے اربد اور فرعونِ عرب پر بجلی گری جیسے پہلی روایت میں گزرا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حق میں جھگڑا تو اس پر بجلی گری۔

ف: عامر نے کہا تھا: غدۃ کغدۃ البعیر۔ یعنی مجھے وہی غدود والی بیماری لاحق ہوئی ہے جو اونٹ کو لاحق ہوتی ہے اور اس کے قول موت فی بیت سلولیۃ میں سلولیہ سے مراد سلول ایک قبیلہ جو عرب میں قلیل اور رذیل تر تھا کسی شاعر نے ان کے حق میں کہا: ؎

الی اللہ اشکو اننی بت طاھرا

فجاء سلولی فبال علی نعلی

فعلت اقطعوها بارک اللہ فیکمو

فانی کریم غیر مدخلها رجلی

ترجمہ : مجھے اللہ تعالیٰ سے شکایت ہے کہ سونے سے پہلے ہیں پاک وصاف تھا لیکن بدبخت سلولی نے میرے جوتے پر پیشاب کر دیا میں نے کہا اسے کاٹو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے ہیں کریم ہوں ایسے جوتے ہیں میں اپنا پاؤں داخل نہیں کروں گا۔

ف : عامر کہتا تھا کہ میں دو بار خرابیوں میں مبتلا ہوا ان میں سے ہر ایک دوسرے پر بدتر ہے :

① مجھے غدود پیدا ہوئی جیسے اونٹ کو پیدا ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ غدۃ البعیر اونٹ کے طاعون کا نام ہے کہ جس اونٹ کو یہ عارضہ لاحق ہوتا ہے اس کا بچنا محال ہو جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

اغدا البعیر۔ یعنی وہ اونٹ غدود والا ہو گیا۔

② میری موت رذیل ترین عرب میں ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں جھگڑتے ہیں جیسے فلاسفہ اور یونانی حکما اور وہ جو حضرات انبیاء علیہم السلام کی تابعداری نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر ایمان لاتے ہیں بلکہ وہ صرف عقل کے تابع ہوتے ہیں۔ وہ نقل یعنی قرآن وحدیث کو نہیں مانتے۔ اسی طرح بعض متکلمین اہل بدعت ان سب پر قہر کی بجلی گری ہے جس کی وجہ سے ان کے ایمان کے قبول کرنے کی استعداد جل گئی اس لیے اللہ تعالیٰ کے حق میں جھگڑتے ہیں کہ کیا وہ فاعل مختار یا موجب بالذات ہے یا نہیں۔ اسی طرح اس کی صفات میں بھی مثلاً کہتے ہیں کہ کیا صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں یا وہ قادر بالذات ہے یا نہ یا ان کا کہنا کہ اس کے لیے صفات ہیں یا نہ۔ ایسے عقائد انسان کو سیدھے راستہ سے ہٹا لیتے ہیں بلکہ جو اللہ تعالیٰ کے صفات میں جھگڑتا ہے تو وہ سخت سزا اور دردناک عذاب کا مستحق بنتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ لَهٗ خبر مقدم ہے تاکہ تخصیص کا فائدہ ہو دَعْوَةُ الْحَقِّ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے سچا پکارنا۔ یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے یا دعوۃ بمعنے عبادت اور الحق بمعنے الحقیق ہے یعنی لائق۔ اس سے ثابت ہوا کہ عبادت اور عجز و نیاز دونوں دو قسم ہیں :

① حق وصواب

② باطل وخطا

پہلی قسم اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں۔

ف : یا دعوۃ سے بمعنے دعا مستجاب مراد ہے اور حق بمعنے ثابت وغیر ضائع و باطل ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والے

کی دعا قبول کرتا ہے نہ اس کا غیر۔

ف : مدارک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی دُعا مانگی جاتی ہے اور وہی دُعاؤں کو قبول کرتا اور سوالی کا سوال پورا کرتا ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہُوا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دعوت اس لائق ہے کہ صرف اسی سے ہی دعا مانگی جا سکے اس لیے کہ اس سے دُعا مانگنے کا فائدہ بھی ہے اور جس سے کوئی فائدہ بھی نہ ہو اس سے دعا نہ مانگی جانے سہ

فسرہ ماندگاں را برحمت قریب

تضرع کنا نرا بدعوت مجیب

ترجمہ : عاجزوں کو بوجہ رحمت کے قریب ہے اور تضرع کرنے والوں کی دعا قبول کرنیوالا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اور وُہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو پکارتے ہیں اس سے بت مراد ہیں کہ کفار بتوں کو پکارتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں سے دُعا مانگتے تھے۔ یہاں راجع محذوف ہے۔ یا معنے یہ ہے کہ کفار بتوں کو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو۔ یہاں مفعول محذوف ہوگا۔ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ بت جواب نہیں دیتے۔ انھیں ذوی العقول اس لیے کہا گیا کہ وُہ اپنے معبودوں کو ذوی العقول مانتے تھے لَهُمْ ان کافروں کو مِنْ شَيْءٍ کسی شے سے یعنی ان کے مقاصد میں سے کسی کا مقصد اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ مگر اس کی طرح جو اپنی ہتھیلیوں کو پانی کی طرف پھیلائے۔ یہ استثنا مفرغ ہے اس کا مستثنیٰ منہ اعم عام المصدر ہے یعنی لا استجابۃ مثل استجابۃ مادیدیہ یعنی اس شخص کی طرح جو رسّی اور ڈول پاس نہیں رکھتا لیکن پانی کی خاطر کنویں کے منہ پر کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلائے اور آہ وزاری کر کے پانی طلب کرے لِيَبْلُغَ فَاهُ تا کہ اس کے منہ میں پانی پہنچ جائے یعنی وہ پانی کو زبان سے اور ہاتھ کا اشارہ کر کے اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ پانی اس کے منہ میں پہنچ جائے۔ لیبلغ کی لام باسط کے متعلق ہے اور اس کا فاعل الماء ہے وَمَا هُوَ اور نہیں وُہ پانی بِبَالِغِهٖ اس کے منہ میں پہنچنے والا۔ کیونکہ پانی تو جماد محض اور لاشعور شے ہے اسے کسی کے ہاتھ پھیلانے کی کیا خبر، اور اسے کسی کے پیاسے ہونے کا کیا علم اور کیا پتا کہ کسی کو اس سے کیا حاجت ہے اور نہ ہی اسے قدرت ہے کہ وہ اپنے طور کسی کو نفع پہنچانے مرکب تمثیلی کی تشبیہ ہے بتوں اور مشرکین کے پکارنے کو اور بتوں کا ان کی دُعا کو قبول نہ کرنے اور بُت پرستوں کا بتوں کو پکار کر نفع نہ پانے کو پانی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ پیاسا دیکھنے والا پانی کو دیکھ رہا ہے اور اس کے حصول کے لیے اس کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس امید میں ہے کہ اسے پانی منہ میں پہنچ جائے گا جس سے وہ نفع پائے گا یعنی اس کے جگر کی پیاس کی آگ بجھ جائے گی اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ مطلوب منہ کو اجابت دعا کی کوئی طاقت نہیں اور باوجودیکہ طلب کرنے والا مقصد کے حصول کے لیے بہت زیادہ محتاج ہے لیکن محروم ہے اور ان وجوہ سے بہت سے امور منتزع ہیں وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں کا بتوں کا پکارنا نہیں اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مگر گمراہی میں یعنی ضیاع وخسارہ اور بطلان کے سوا اور کچھ حاصل نہیں اس لیے کہ ان کے بُت ان کے پکارنے کے جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کو کافر پکاریں اور اس سے دُعا مانگیں تو صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ کریم چاہے تو کافروں اور گمراہوں کی دعائیں قبول کر لیتا ہے جیسا کہ ابلیس وغیرہ کی دعا قبول فرمائی۔ کتب کلامیہ وفتاویٰ میں تفصیل سے مذکور ہے۔

حکایتِ فرعون دریائے نیل میں جب پانی کم ہو جاتا تو فرعون تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے پانی کے لیے دعا مانگتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرما کر دریا میں پانی زیادہ کر دیتا۔

سبق: جب وہ کریم کافروں اور گمراہوں کی دُعا قبول کر لیتا ہے تو اہلِ ایمان کی دعا کیوں نہ قبول کرے گا۔

حکایت باکرامت پانی کی طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ اوپر سے نیچے کو ہو لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو جائے تو خرقِ عادت کے طور اسے نیچے سے اوپر (سبب کے بغیر) لا سکتا ہے۔ جیسے بعض اولیاء کرام کے لیے بارہا ہوا۔ حضرت الشیخ ابو عبداللہ بن خفیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حج کے ارادہ پر سفر کرتا ہُوا بغداد شریف میں حاضر ہوا۔ اس وقت میرے دل میں صوفی بننے کا بہت شوق تھا یعنی اس شوق میں تھا کہ مجاہدے کروں اور صوفیاءِ کرام کی صحبتوں سے بہرہ وری حاصل کروں اور ماسوی اللہ سے بالکل علیحدگی اختیار کر لوں۔ اس دُھن میں مَیں نے چالیس روز کھانا بھی نہ کھایا اور نہ ہی کسی کے پاس گیا یہاں تک کہ میں حضرت جنید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی نہ جا سکا۔ اس دوران مَیں نے پانی بھی نہ پیا، اور ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ ایک دن جنگل میں جانے کا اتفاق ہُوا ایک ہرنی کو دیکھا کہ وہ کنوئیں کے اُوپر کھڑی ہے اور پانی نیچے سے اوپر کنوئیں کے منہ تک آیا ہوا ہے اور ہرنی مزے سے پی رہی ہے۔ چونکہ میں بہت پیاسا تھا۔ کنوئیں کے قریب پہنچا تو ہرنی چلی گئی ادھر پانی بھی نیچے تہ میں چلا گیا۔ میں حسرت سے لوٹا اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنے لگا کہ واہ مولیٰ ایک جانور کو تو پانی پلا دیا اور مجھ فقیر کو پیاسا ہی چھوڑ دیا۔ کیا میں ہرنی سے بھی گیا گزرا ہُوں؟ میرے پیچھے سے آواز آئی کہ ہم نے تمہارا امتحان لیا لیکن تم کامیاب نہ ہو سکے ہرنی کنوئیں پر کون سا ڈول اور رسّی لائی تھی اور تم میرے سہارے کا دم بھرنے کے باوجود گھر سے ڈول اور رسّی لائے ہو اب جاؤ کنواں پُر ہے، میں لوٹا، دیکھا کہ واقعی کنواں پانی سے پُر ہے اس سے میں نے اپنا لوٹا (کوزہ) بھر لیا میں اس سے پانی بھی پیتا رہا اور وضو بھی کرتا رہا۔ مدینہ طیبہ تک حاضری دی تو بھی پانی جُوں کا تُوں تھا ذرا بھی کمی نہ ہُوئی سچ سے فراغت پا کر واپس ہُوا، جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گیا تو مجھے حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم تھوڑی دیر صبر کرتے تو وہی کنوئیں کا پانی تمہارے قدم چُومتا یعنی وہ خود بخود تمہارے ہاں حاضر ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جو مخلوق کو حق کی طرف صرف حق کے تحت دعوت دیتے ہیں دوسرے وُہ بھی ہیں جو غیرِ حق کے لیے بلاتے ہیں۔ جب قلب پر غفلت کا غلبہ ہو تو ایسے شخص کی دعوت کوئی بھی قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا کوئی اثر ہوگا ان کی مثال اس شخص کی ہے جو پانی کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے اس ارادہ پر کہ مخلوق اسے دیکھے کہ وہ پانی پیتا ہے **وما ھو ببالغہ** حالانکہ اس کا منہ حقیقت کے پانی کو نہیں پہنچتا اور نہ ہی اسے حقیقت نصیب ہوتی ہے اگرچہ مخلوق کو صرف وہم ہو کہ یہ شخص حقیقت کا پانی پی رہا ہے اللہ تعالیٰ نے

اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت کے لیے یہ مثال دی ہے کہ یہ لوگ بھی مخلوق کو غیر اللہ کی دعوت دیتے ہیں اسی لیے حقیقۃً ان کی دعوت بالکل ناقابلِ قبول ہوتی ہے اگرچہ بظاہر ان کی کوئی بات قبول بھی ہوتی ہے تو وہ بھی ان کی گمراہی کے اضافہ کے لیے ہوتی ہے چنانچہ فرمایا:

وما دعاء الکفرین الا فی ضلال ۔ اور کافروں کی دعا گمراہی میں ہے ۔ یعنی یہ لوگ الٹا مخلوق کو خالق سے دور کر رہے ہیں ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مثنوی

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی

کاین رہ کہ تو میروی بترکستانست

ترجمہ : اے اعرابی ! مجھے خطرہ ہے کہ تم کعبہ نہیں پہنچ سکو گے کیونکہ جس راہ پر تم چل رہے ہو یہ ترکستان کو جاتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ اور اللہ تعالیٰ کو حقیقی سجدہ کرتے ہیں ۔ سجدہ بمعنے وضع الجبھۃ علی الارض (زمین پر پیشانی رکھنا) مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وہ جو آسمانوں میں ہے ۔ یعنی ملائکہ اور انبیاء و اولیاء و مومنین میں سے اہلِ درجات کے ارواح وَالْاَرْضِ اور وہ جو زمینوں میں ہے ۔ یعنی ملائکہ اور جن و انس ۔ طَوْعًا حال ہے بمعنے طائعین یعنی دُکھ اور سکھ دونوں حالتوں میں خود بخود رضا اور رغبت سے وَكَرْهًا یہ بھی علطف کے لحاظ سے حال ہے بمعنے کارھین یعنی شدت اور ضرورت کی وجہ سے کافرین منافقین شیاطین اسی طرح کرتے ہیں ۔

ف : بعض نے کہا طوعًا سے مراد وہ بچہ ہے جو دار الاسلام میں پیدا ہو ۔ اور کرھًا وہ جو دار الحرب سے قید ہو کر آئے ۔

حدیث شریف حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اس قوم سے قیامت میں بہت خوش ہو گا جنھیں بیڑیاں ڈال کر بہشت میں لایا جائے گا ۔

ف : اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ بعض اہلِ جنت وہ بھی ہیں جنہیں بہشت میں داخل ہونے کا شوق نہیں ہو گا انہیں بزور بہشت میں داخل کیا جائے گا ۔ وہ بہشت پر خدمتِ خلق اور عبادتِ حق کو ترجیح دیں گے ۔ اس بنا پر ان کے گلے میں سونے کے طوق ڈال کر جبراً بہشت میں لایا جائے گا ۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا : ؎

نیست مارا غم طوبیٰ و تمنائے بہشت

شیوۂ مردم نا اہل بود ہمت پست

ترجمہ : ہمیں نہ طوبیٰ کا غم ہے نہ بہشت کی تمنا ۔ نا اہل انسان کی ہمت پست ہوتی ہے ۔

وَ ظِلٰلُھُمْ یہاں فعل محذوف ہے ای ویسجد یعنی آسمانوں اور زمینوں کے سائے سجدہ کرتے ہیں یعنی صاحبِ سایہ کے ساتھ یہ بھی ساجد ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ہے کہ یہاں معنےٰ مجازی ہو یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ ان میں پیدا فرماتا ہے یہ تعمیل حکم کرتے ہیں یعنی سایہ والے تو طوعاً کرھاً سجدہ کرتے ہیں لیکن سائے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں سرمُو کمی نہیں کرتے۔ وہ صرف حکم الٰہی کے پابند ہیں۔ انہیں گھٹائے بڑھائے، ایک جانب سے دوسری جانب لے جائے جو کچھ بھی کرے وہ ہر وقت اس کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ صبح اور شام کو غدو غداۃ کی جمع ہے بمعنے صبح سویرا۔ اور اٰصال اصیل کی جمع بمعنے شام۔ زوالِ شمس سے غیوبت تک کو اہلِ عرب اصیل (شام) کہتے ہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

اور الکواشی وغیرہ میں ہے کہ اصیل (شام) عصر و غروبِ شمس کے درمیانی وقت کا نام ہے اور بالغدو میں با، بمعنے فی ہے جو یسجد کی ظرف (کے متعلق) ہے۔ یعنی وہ ظلال وغیرہ انہی دو وقتوں میں سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن یہاں پر دوام مطلوب ہے اس لیے کہ ان کا سجدہ سے اگر حقیقی معنے مراد ہو یا مجازی، یعنی فرمانبرداری، ان دو وقتوں کا محتاج نہیں اور سب کو معلوم ہے کہ سایہ کا گھٹنا بڑھنا اور ایک جانب سے دوسری جانب مائل ہونا سورج کی رفتار پر ہے اور سورج کی رفتار میں دوام ہے البتہ ان دو وقتوں کو ذکر کرنے کی تخصیص صرف اتنا ہے کہ سائے دو وقتوں میں خصوصیت سے گھٹنے بڑھنے کی زد میں ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ظلا لھم بمعنے نفوسھم اس لیے کہ نفوس ارواح کے ظلال (سائے) ہیں اور نفوس کا سجود طوعاً خود بخود یعنی رضا و رغبت سے نہیں ہوتا اس لیے کہ نفس تو برائی کا خوگر ہے بلکہ برائی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے اور یہ اس کی طبعی عادت ہے۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ رضا و رغبت سے سجدہ کرتا ہے اور نفوس کا سجدہ اگر ہے تو ارواح کے تابع ہونے کی حیثیت سے نہ بالاصالۃ۔ یہ معنیٰ بھی ہوتا ہے کہ یسجد من فی السمٰوٰت میں سمٰوٰت القلوب مراد ہیں اور سمٰوٰت قلوب سے قلوب و ارواح و عقول کے صفات مقصود ہیں۔ یعنی قلوب و ارواح اور عقول کے صفات رضا و رغبت سے سجدہ کرتے ہیں اور و من فی الارض سے ارض النفوس مراد ہے یعنی نفوس کے صفات حیوانیہ و سبعیہ و شیطانیہ رضا و رغبت سے سجدہ نہیں کرتے اس لیے کہ ان کی طبع سے سجود اور انقیاد (فرمانبرداری) ہے ہی نہیں۔

نکتہ : بعض مشائخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر حادث کا سایہ ہے اور اس کا سایہ ہر حال اللہ تعالیٰ کو ساجد ہوتا ہے۔ اگر سایہ والا اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ ہے تو اس کے ساتھ ہی ساجد ہوتا ہے۔ اگر وہ باغی اور نافرمان ہے تو اس کا سایہ اس کی طرف سے عبادتِ الٰہی بجالاتا ہے۔

لطیفہ : کاشفی نے لکھا کہ درحقیقت رضا و رغبت سے عبادت ہر اس سعادت مند کو نصیب ہوتی ہے جس کے دل کی زمین میں لطف ازل نے ایمان کا باغ لگایا ہو اور عبادت سے نفرت و کراہت اس بدبخت کو ہوتی ہے جس کے نفس نافرمان کی کھیتی میں قہر لایزال نے بیج ڈالا ہو۔ ؎

برآں زخمے زندگیں بے نیاز یست   بریں مرہم نہد کیں دلنواز یست

ترجمہ: جو بے نیاز ہے وُہ الٹا زخم کرتا ہے اور جو دلنواز ہے وہ زخموں پر مرہم لگاتا ہے۔

فائدہ برائے حافظ قرآن یہی آیت سجدہ کا مقام ہے۔ یعنی سجدۂ تلاوت قرآن کا یہ دوسرا سجدہ ہے۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحات مکیہ کے سفر سابع کے سجدۂ قرآنی کے ذکر میں فرمایا کہ اس کا نام سجود الظلال وسجود العام ہے۔ اور فرمایا کہ بندے پر لازم ہے کہ اسی جگہ پر سجدہ کرے تاکہ حکم الٰہی کی عملی تصدیق ہو جائے۔

ف: سجدۂ تلاوت کے متعلق ہم نے سورۂ اعراف میں تفصیل لکھ دی ہے۔

مسئلہ: سجدہ شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اَللّٰہُ اَکبر کہہ کر سجدہ ریز ہو جائے اور رُخ قبلہ کی جانب ہو حمد و شکر اور تسبیح کرتا ہو اور دوسری تکبیر کہہ کر سر اٹھائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جب کوئی نعمت نصیب ہو تو سجدۂ شکر مستحب ہے۔ مثلاً لڑکے کی پیدائش پر، دشمن پر فتح و نصرت پر، دُکھ درد رفع ہو جانے پر سجدۂ شکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سجدۂ شکر مکروہ ہے بلکہ جو سر جھکا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے اور صرف ایک سجدہ کرتا ہے جس کا کوئی سبب بھی نہیں تو ایک سجدہ حرام ہے۔ یہ زیادہ راجح ہے۔ (کذا قال النووی)

سجدۂ تعظیمی حرام (صاحب رُوح البیان سجدۂ تعظیمی کی حرمت میں تصریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:) ومن هذا ما يفعله كثير من الجهلة الضالين من السجود بين يدى المشائخ فان ذلك حرام قطعا بكل حال سواء كان الى القبلة او لغيرها وسواء قصد السجود لله او غفل وفى بعض صوره مايقتضى الكفر۔ (كذا فى الفتح القريب) (اس میں سے ہے یہی سجدۂ تعظیم جو جاہل لوگ اپنے مشائخ کے سامنے کرتے ہیں[1] قطعاً حرام اور ہر حال میں حرام ہے خواہ وہ سجدہ قبلہ کو ہو یا اس کے غیر کو خواہ اس میں سجدہ کی نیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہو یا اس سے غافل۔ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ فرمائیے یا نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو مَنْ کون ہے رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کا رب۔ یعنی ان کا خالق و مالک اور ان کے جملہ امور کا مالک کون ہے۔ قُلِ فرمائیے ان کے جواب میں اللّٰہُ اللہ ہے۔

سوال: سوال خود فرمایا اور جواب بھی خود دیا اس کا کیا مطلب۔

جواب: چونکہ کفار وغیرہ نے عناد وغیرہ سے کیا جواب دینا تھا آپ نے یہی جواب بطور اعلان کے بیان فرمایا کہ اس سوال کا سوائے اس کے اور کوئی جواب ہو سکتا ہی نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایسا بیّن ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو سکتا

---

[1] یہی ہمارا مذہب ہے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے اس مسئلہ پر مستقل کتاب الموسوم "الزبدۃ الزکیہ" لکھی ہے۔ وہابی دیوبندی ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ مزاروں پر سجدہ کرتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ہی نہیں اور اس کا انھیں اعتراف بھی تھا۔ جیسا کہ دُوسری آیات میں تصریح موجود ہے۔

قُلْ انھیں الزام دیتے ہوئے فرمائیے اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ہمزہ استفہام انکار کا اور فا استبعاد کی ہے۔ یعنی جب تمیں اقرار ہے اور یقیناً جانتے ہو کہ وہ تمام عالم کا صانع ہے تو پھر اس کے سوا دُوسروں کو کیوں معبود مانتے ہو تمہارا یہ کام عقل وقیاس سے بہت دُور ہے لَا یَمْلِكُوْنَ تمہارے وہ معبود (بت) مالک نہیں لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اپنے نفسوں کے لیے نفع اور نقصان کے یعنی وہ اپنے لیے بھی نفع کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنے سے نقصان دفع کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں۔ جب وُہ اپنی ذات کے نفع حاصل کرنے اور اپنے سے نقصان دفع کرنے سے عاجز بلکہ عاجز تر ہیں اور جو عاجز سے عاجز تر ہو وہ عبادت کا استحقاق کس طرح رکھ سکتا ہے اور کیسے اسے خدا کا شریک بنایا جا سکتا ہے۔ اس سے ان کی جہالت کا اظہار اور ان کی غباوت کی شہادت دینا مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ ان جیسا گمراہ جہان میں اور کوئی نہیں ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

قل من رب الخ فرمائیے کہ سمٰوٰت القلوب اور ارض النفوس کا مالک اور ان کے جملہ امور کا مدبر کون ہے اور ان میں اخلاق حمیدہ سے درجات جناں اور اخلاق ذمیمہ سے درکات نیران کی تدبیر کرتا ہے اور قلوب کا مشاہدہ مقامات قرب اور شواہد حق میں اور نفس کی چراگاہیں شہوات دنیا اور منازل بُعد کس نے بنائی ہیں۔ قل اللّٰہ آپ ہی اس سوال کا جواب دیجئے کہ اللّٰہ کے لیے ہے اس لیے کہ غیروں کو اس منزل کا علم نہیں انہی غیروں سے فرمائیے افا تخذتم من دونہ اولیاء یعنی تم نے غیر اللّٰہ یعنی شیاطین اور دُنیا اور خواہشات نفسانی کو دوست بنا رکھا ہے لا یملکون لانفسھم دنیا و آخرت میں نہ وہ اپنے لیے نفع ونقصان کے مالک ہیں نہ تمہارے لیے، اس لیے کہ وُہ مملوک ہیں اور مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اب مسئلہ کو تشبیہ وتمثیل کے طور سمجھایا جاتا ہے کہ فرمائیے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں یعنی جس طرح ظاہری طور آنکھ کی روشنی کے اعتبار سے دونوں برابر نہیں ایسے ہی وہ مشرک جو اللّٰہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے ثواب وعقاب سے ناواقف ہے اور نہ ہی اس کی قدرت کا اسے علم ہے وہ اس موحد مومن کی کس طرح برابری کر سکتا ہے جو اللّٰہ تعالیٰ کے متعلق امور مذکورہ کو نہ صرف جانتا بلکہ اس کا ان پر مضبوط عقیدہ ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صوفیا کے نزدیک اعمٰی وُہ ہے جو غیر اللّٰہ کو مالک ومتصرف فی الوجود مانے اور بصیر وُہ ہے جو وجود میں اللّٰہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہ مالک مانے اور نہ متصرف فی الوجود[1]۔ نیز صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اعمٰی سے نفوس مراد ہیں اس لیے کہ انھیں غیر اللّٰہ سے تعلق اور صرف غیر سے محبت رکھتے ہیں اور بصیر

---

[1] یہ وحدۃ الوجود کی اصطلاح کے مطابق ہے نہ کہ وہابیہ دیوبندیہ کی اصطلاح کے مطابق جو سراسر مبنی بر جہالت وحماقت ہے۔ ان دونوں اصطلاحوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ تفسیر لوسی کا مطالعہ کیجیے۔

سے قلوب مراد ہیں اس لیے کہ ان کا تعلق صرف اللہ سے اور انہیں محبت بھی صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔ خلاصہ یہ کہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک اعمیٰ وُہ ہے جو حق سے اندھا اور باطل کو آنکھوں میں جگہ دینے والا۔ اور بصیرہ ہے جو باطل سے بے خبر اور حق پر نگاہ رکھنے والا ہو۔ نیز یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اعمیٰ وُہ ہے جو ظلمات ہویٰ سے دیکھے اور بصیرہ ہے جو انوار مولیٰ سے دیکھے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ یہ جملہ بھی بطریق تمثیل وتشبیہ کے وارد ہوا۔ یعنی جیسے ظلمات اور نور برابر نہیں ہو سکتے ایسے ہی انکار اور شرک اور توحید ومعرفت برابر نہیں ہو سکتے۔

نکتہ: ظلمات سے شرک اور نور سے توحید مراد ہے۔ ظلمات کو جمع لانے میں اشارہ ہے کہ شرک کئی طرح کا ہے۔ مثلاً نصاریٰ کا شرک، یہود کا شرک اور بت پرستوں کا شرک اور مجوسیوں کا شرک۔ اور توحید صرف ایک قسم ہے اس کے شرک کی طرح کئی اقسام نہیں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کیا ظلمات طبیعہ اور خواہشات نفسانیہ میں منہمک ہوکر زندگی بسر کرنے والا اور جمال مولیٰ کے بحر نور میں غوطے کھانے والا برابر ہو سکتے ہیں ان میں پہلا اندھے کی طرح ہے کہ ظلمات ملک کی وجہ سے ملکوت کو نہیں دیکھ سکتا۔ دوسرا البصیر کی طرح ہے کہ وہ دریا میں غوطے لگانے بلکہ اسی میں ایسا گم ہے کہ اسے پانی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح مستغرق باللہ۔ اہلِ بصیرت ولی کامل بھی سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کسی کو نہیں دیکھتا۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عاشق اندر ظاہر و باطن نہ بیند غیر دوست
پیش اہل باطن ایں معنیٰ کہ گفتم ظاہر ست

ترجمہ: عاشق ظاہر و باطن کی ہر شے میں صرف دوست کو دیکھتا ہے اور میری یہ تقریر اہل باطن کے سامنے ظاہر ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔

تفسیر عالمانہ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ اس کے بعد بل اجعلوا محذوف ہے۔ اس معنیٰ پر ام منقطعہ ہے اور ہمزہ انکار کا بمعنے لم یکن ہے۔ یعنی کیا کافروں نے کوئی اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ یہ شرکاء کی صفت ہے اور یہ ہمزۂ انکار کے حکم میں داخل ہے یعنی کافروں نے کوئی شریک بنا رکھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرح خالقیت کی صفت رکھتے ہوں فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ پس ان پر تخلیق متلبس ہوگئی ہے یعنی اب انہیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ان کے باطل معبودوں کی تخلیق میں مشابہت ہوگئی ہے جس سے یہ فرق نہیں کر سکتے اور پھر یہ کہیں کہ ان کے معبود بھی اللہ تعالیٰ کی طرح اشیاء کی تخلیق کی قدرت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح عبادت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ لیکن وہ یعنی کافر خود معترف ہیں کہ ان کے معبود بالکل عاجز بلکہ عاجز تر ہیں اللہ تعالیٰ کی معمولی تخلیق جیسی تخلیق پر بھی

کسی قسم کی طاقت اور قوت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ذلیل سے ذلیل، حقیر سے حقیر اور قلیل سے قلیل شے کی تخلیق کی قدرت بھی انہیں حاصل نہیں چہ جائیکہ اس کے برابر کی تخلیق کا دم بھرا جائے قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فرمایئے اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے وہ اشیا اجسام ہوں یا اعراض اس کے سوا ان کا کوئی خالق نہیں۔ فلہٰذا تخلیقی معاملہ میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں تو عبادت کے استحقاق میں بھی اسے لاشریک ماننا ضروری اور واجب ہے اور تخلیق کو عبادت کا موجب بتایا۔ پھر ثابت فرمایا کہ تخلیق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے اور دوسرے کسی کو تخلیقی امر حاصل نہیں۔ اسی لیے عبادت کا بھی مستحق وہی ہے۔ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ اور وہی واحد قہار ہے اس کے لیے فرمایا ہے کہ یہ قل کے امر میں داخل ہے یا جملہ مستانفہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے صفات بتاتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ متوحد بالالوہیۃ ہے اور ہر شے پر غالب۔ اور اس کا ماسوا مقہور و مغلوب۔ اور اسی کے تابع حکم ہے اور کفار کے معبودان باطلہ بھی منجملہ اشیا کے ایک شے ہیں تو ان پر بھی اس کا غلبہ ہے۔ جب وہ اس کے غلبہ میں ہیں تو پھر اس کے شریک کیسے، اور کافروں کے مشکلکشا کیسے۔

؎

نرد خدمت چوں بنا موضع بباخت

شیر سنگین را شقی شیرے شناخت

ترجمہ: جب بدبخت نے خدمت کو اصلی مقام سے ضائع کیا اس کمینے نے شیر نر کو شیر سمجھ کر غلطی کھائی۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مدہ لعشوۂ صورت عنان دل جامی

کہ ہست در پس ایں صورت آرامی

ترجمہ: اے جامی اس ظاہری نقش و نگار کو دل کی باگ نہ دو اس لیے کہ اس صورت کے پس پردہ اور محبوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں واحد ہے اور اپنے ماسوا کے لیے قہار ہے یعنی وہ اشیاء کی تخلیق اور ان پر قہر و غلبہ کے لحاظ سے واحد اور لاشریک لہٗ ہے۔ مطلوبیۃ و محبوبیۃ میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لیے عارف اسی کا طالب ہے اور تمام اشیا میں سوائے اس کے اور کسی کو نہیں دیکھتا۔

؎

شہود یار در اغیار مشرب جامیست

کدام غیر کہ لاشیٔ فی الوجود سواہ

ترجمہ: جامی کا مذہب یہ ہے کہ اغیار میں بھی یار کا جلوہ ہے یوں کہو کہ غیر ہے کون جبکہ وجود صرف اسی کا ہے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک جماعت کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ جب ہماری مجلس کے قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ اسی جماعت میں سے کسی نے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیکیاں اللہ تعالیٰ سے، اور برائیاں ہماری اپنی ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے برعکس فرماتے ہیں کہ نیکیاں اور برائیاں سب کی سب اللہ تعالیٰ سے ہیں۔ اس مسئلہ میں بعض لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سچا کہتے ہیں اور بعض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو۔ ہم اس فیصلہ کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارا وہی فیصلہ کرتا ہوں جو جبریل و میکائیل علیہم السلام کا فیصلہ اسرافیل علیہ السلام نے کیا۔ جبریل علیہ السلام ایسے کہتے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور میکائیل علیہ السلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح کہتے ہیں۔ جب اہلِ سما اختلاف کرتے ہیں تو زمین والے بھی اسی طرح اختلاف کرتے ہیں۔ جب ہم اختلاف کرتے ہیں تو ہمارا فیصلہ اسرافیل علیہ السلام کرتے ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ خیر و شر کی تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس میرا فیصلہ وہی ہے جو اسرافیل نے کیا اور فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو زمین پر کوئی بھی اس کی نافرمانی نہ کرتا، اور وہ سرے سے ابلیس کو پیدا ہی نہ فرماتا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در کارخانۂ عشق در کفر ناگزیر ست
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

ترجمہ: عشق کے ملک میں کفر ضروری ہے آگ کسے جلاتی اگر ابولہب پیدا نہ ہوتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق الی الخیر اور فلاح و ارشاد کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَنْزَلَ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً آسمان سے پانی کو، یعنی بارش آسمان سے بادل میں پھر بادل سے زمین پر اترتی ہے۔ اس میں ان فلاسفہ کا رد ہے جو اس گمان میں ہیں کہ بارش دریا سے لی جاتی ہے۔ بعض کا خیال ہے بارش زمین کے بخارات ہیں جو یہاں سے اُوپر کو چلے جاتے ہیں اور ہوا سے جا کر ملتے ہیں وہاں ہوا کی ٹھنڈک سے مل کر بارش کی شکل میں نیچے کو اترتے ہیں۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عرش کے نیچے ایک دریا ہے جس سے حیوانات کا رزق اترتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی بھیجتا ہے وہ اس کے حکم سے بارش نیچے والے آسمان پر اتارتا ہے پھر وہ آسمان نیچے والے آسمان کی طرف اتارتا ہے۔ اسی طرح وہ بارش آسمانِ دنیا میں اترتی ہے پھر اس سے

بادل میں آتی ہے۔ بادل کو حکم ہوتا ہے اسے چھلنی سے نیچے زمین پر بارش کو برسائے۔ بارش کے ہر قطرہ کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اسے مقام مقرر پر لاتا ہے اور ہر قطرہ خاص پیمانہ اور مخصوص وزن کے ساتھ زمین پر اترتا ہے۔ لیکن طوفانِ نوح علیہ السلام میں پیمانہ اور وزن کے بغیر بارش ہوئی۔

فیصلہ از صاحب روح البیان یہ روایت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے یہ اس سے زیادہ معتبر دلیل ہے جو حکما اور فلاسفر کہتے ہیں کما لا یخفی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ بارش آسمان سے آتی ہے۔ وہ اسی مبادی کے اعتبار سے کہتے ہیں جب قرآن مجید بھی اس کی تصدیق کرتا ہے تو پھر اسے مجاز کی طرف لیجا کر کہنا کہ یہ دریا کا پانی ہے یا بخارات ہیں۔ اس میں حقیقت سے منہ موڑنا ہے اور خواہ مخواہ مجاز کا سہارا لے کر حقیقت کے ترک کے مترادف ہے اور حقیقت کا ترک کرنا نہایت ناموزون ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے ان اللّٰہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

فَسَالَتْ پس اس آسمان کی بارش کے پانی سے بہتی ہیں۔

ف: سیلان اور جریان کا ایک معنیٰ ہے۔ یعنی پس جاری ہو جاتی ہیں۔

اَوْدِیَةٌ یہ وادی کی جمع ہے جیسے نادی کی جمع اندیہ آتی ہے۔ وادی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے پانی بکثرت جاری ہوتا ہو یہاں پر نہریں مراد ہیں محل کا نام لے کر حال مراد لیا گیا ہے۔

نکتہ: اسے نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ نہروں کے بعض مقامات پہ پانی چلتا ہے اور وہ بھی پے در پے یعنی ایک دوسرے کے پیچھے سے چلتا ہے یکبارگی چل کر ختم نہیں ہو جاتا۔

بِقَدَرِهَا قدر (بفتح الدال وسکونہا) یہ اَودیہ کی صفت ہے یا سالت کے متعلق ہے اور ھا کی ضمیر اودیہ کے مجازی معنے کی طرف راجع ہے۔ یعنی قدر بمعنے مقدار یعنی نہروں کا پانی ایک اندازے پر چلتا ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے یعنی وُہ جانتا ہے کہ یہ بارش اس قدر ان کے لیے مفید ہے اور اس سے زائد ان کو نقصان دے گا۔ یعنی اس مقدار پر بارش ہوتی ہے جو انہیں نقصان نہ پہنچائے۔

سوال: بارش کے لیے نفع و ضرر کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا۔

جواب: چونکہ یہاں پر بارش کو حق کے لیے مثال دی گئی ہے اور حق نافع ہوتا ہے نہ ضرر رساں۔ اسی لیے ہم نے کہا کہ وہ بارش جو ضرر سے خالی اور خالص نفع کے لیے ہو اور نہ ہی وُہ بارش جو سیلاب بن کر نقصان پہنچاتی ہے۔

ف: یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر وادی کے حقیقی معنے کی طرف راجع ہو تو اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ پانی وادی کی مقدار پر چلتا ہے۔ یعنی اگر وادی چھوٹی ہو تو پانی تھوڑا چلتا ہے اگر بڑی ہو تو زیادہ۔

فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ پس اٹھاتا اور بلند کرتا ہے پانی کا سیلاب زَبَدًا اس خس و خاشاک کا نام ہے جو پانی کے اوپر ہوتا ہے خواہ پانی میں جوش ہو یا نہ ہو اسے فارسی میں کف اور اردو میں جھاگ کہتے ہیں دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے

جو اپنی ہم مثل سے سے پیدا ہو جیسے مکھن دودھ سے نکلتا ہے اسی لیے مکھن کو بھی عربی میں زَبَدٌ کہتے ہیں رَابِیاً پانی کے اوپر چڑھ کر وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ یہ زبد مثلہ کی خبر مقدم ہے اور علیہ یوقدون کے متعلق ہے۔ الایقاد کسی شے کو آگ کے نیچے رکھنا تاکہ وہ شے آگ سے پگھل جائے اور فی النار علیہ کی ضمیر سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بعض ان میں وہ چیزیں ہیں جنھیں لوگ آگ پر رکھتے ہیں درانحالیکہ آگ سے پگھل کر بھی وہ اپنی حالت میں ثابت رہتی ہیں جیسے زمین کے جواہر یعنی معدنی اجساد جو کل سات ہیں،

1. سونا
2. چاندی
3. لوہا
4. قلعی
5. چونا
6. پارہ
7. تانبہ

یہ وہ جواہر ہیں کہ آگ میں ڈالنے سے پگھل کر اپنی حقیقت پر باقی رہتے ہیں لیکن مٹتے نہیں۔

اِبْتِغَآءَ حِلْیَۃٍ یہ مفعول لہ ہے یعنی زیب و زینت کے لیے زیورات تیار کرنا اس لیے کہ زینت کے لیے اکثر زیورات سونے اور چاندی سے تیار ہوتے ہیں اَوْ مَتَاعٍ اس کا عطف حلیۃ پر ہے یعنی ہر وہ شے کہ جس سے نفع اٹھایا جائے۔ جیسے تانبہ، لوہا، سیسہ۔ انھیں آگ سے پگھلا کر برتن، جنگی اور زرعی آلات تیار کیے جاتے ہیں زَبَدٌ مِّثْلُهٗ مثلہ زبد کی صفت ہے یعنی بعض اشیاء وہ ہیں کہ وہ پانی کی جھاگ کی طرح ان دوسری اشیاء کو پگھلانے کے وقت آجاتی ہیں جیسے لوہے کا زنگ۔ اس معنیٰ پر من ابتدائیہ یا تبعیضیہ ہوگا اس وقت معنیٰ یہ ہوگا کہ ان اشیاء میں بعض پانی کی طرح ہوتے ہیں کَذٰلِكَ یہ محلاً منصوب ہے یعنی مثل ذلك الضرب والبیان والتمثیل یعنی یہی کہاوت اور بیان اور تمثیل کی طرح یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ اللہ تعالیٰ حق و باطل کی پہچان مثال دے کر سمجھاتا ہے یعنی حق کو ثبات اور نفع رساں پانی سے نفع اور ان دھاتوں (جن سے منافع حاصل کیا جاتا ہے کہ ان سے زیورات اور دیگر مختلف آلات وغیرہ تیار ہوتے ہیں) سے تشبیہ دی جاتی ہے اور باطل کو سرعت زوال اور قلتِ نفع والی اشیاء، جیسے پانی کی بیکار جھاگ۔ اسی طرح لوہے وغیرہ کا زنگ (جسے بیکار سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے) سے تشبیہ دی ہے۔ اس لیے کہ وہ جھاگ اگرچہ پانی کے اوپر ہوتی ہے۔ لیکن چند لمحات کے بعد مٹ جاتی ہے ایسے ہی باطل اگرچہ بعض اوقات حق پر غلبہ پا بھی جائے تو بالآخر وہ مٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے فنا اور برباد کر دیتا ہے پھر دائمی بقا اور ہمیشہ کا غلبہ صرف حق کو حاصل ہوتا ہے اور اہل باطل کا نام و نشان ختم ہو جاتا ہے لیکن اہلِ حق کا نام صفحۂ ہستی پر

ہمیشہ روشن رہتا ہے۔ عربی کا ایک بہت مشہور مقولہ ہے:

الحق دولة والباطل صولة۔

(حق دائمی دولت اور باطل فانی ہے)

حضرت حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش
سامری کیست کہ دست از ید بیضا ببرد

ترجمہ: سحر (جادو) معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سامری کون لگتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا سے صف آرائی کرے۔

ف: اس مضمون میں شے کا بیکار اور باطل سمجھ کر پھینکا جانا اور ثابت و مقبول و نافع رہنا وجہ تشبیہ ہے۔ چنانچہ اس کی تشریح خود فرمائی۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ بہرحال جھاگ اور دھات کی میل۔

سوال: زبد کی تفصیل پہلے کیوں حالانکہ قبل ازیں یہ بعد کو مذکور ہوئی۔

جواب: جس زبد کا اب ذکر ہوگا اس کا وجود استمراری ہے اس لیے کہ یہ ختم ہونے پر بھی باقی رہتی ہے۔

فَیَذْھَبُ جُفَآءً قاموس میں ہے کہ الجفاء جیسے غراب بمعنے باطل۔ یہ یذھب کی ضمیر سے حال ہے یعنی وُہ جھاگ بیکار سمجھ کر پھینک دی جاتی ہے وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ اور وہ شے جیسے پانی کی جھاگ اور دھات کا خلاصہ (نچوڑ) لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ تو وہ ٹھہر جاتی ہے یعنی باقی رہ جاتی ہے وہ بالکل ختم نہیں ہو جاتی۔ اس کی بقاء سے لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے باقی اس کا پانی اس کے بعض سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور بعض زمین میں جذب ہو کر چشموں اور گڑھوں اور کنوؤں میں داخل ہو جاتا ہے اور دھات کے جملہ اقسام سے تو عرصہ دراز تک فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔ کَذٰلِکَ اسی طرح، یعنی جیسا کہ مذکورہ مثال بیان کی گئی ہے یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے یعنی مشتبہات کو مثالوں کے ذریعے سمجھاتا ہے۔

ف: المثل وہ قول جو لوگوں میں عام مروج ہو التمثیل اس سے قوی تر ہوتی ہے۔ صرف جاہل غبی کے سمجھانے کے لیے مثالیں اور کہاوتیں بیان کی جاتی ہیں یا یوں سمجھیے کہ ایک غیر مانوس بات کو مانوس بنا کر عوام کے ذہن میں بٹھانے کا نام مثل یا تمثیل ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ بعض مفسرین کے نزدیک مثل مذکور میں ماء سے قرآن مجید جو کہ اہل دل کے قلوب کے لیے حیات ابدی ہے اور اودیۃ سے اہل ایمان کے قلوب مراد ہیں اس لیے کہ اہل اللہ کے قلوب ہی قرآن مجید سے فیوض و برکات

حاصل کرتے ہیں۔ زبد۔ سے نفسانی غلط خیالات اور وساوس شیطانی مراد ہیں۔

فائدہ صوفیانہ تفسیر ابو اللیث میں ہے باطل کو زبد سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی گندے دل اپنی غلط خواہشات کی مقدار پر بہت بڑے باطل کو اٹھاتے ہیں۔ جیسے سیلاب تمام گندگیاں اور خس وخاشاک کو جمع کرکے اپنے اندر رکھتا ہے ایسے ہی گندے دل کی خواہشات بھی ہر باطل کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہیں۔ پھر جیسے زبد کا کوئی وزن نہیں ہوتا ایسے ہی ہر باطل ثواب سے خالی ہوتا ہے اور اہلِ ایمان اپنے ایمان وایقان سے آخرت میں نفع پائیں گے جیسے دنیا میں پانی سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور کفر وشرک کا نہ دنیا میں فائدہ ہے نہ آخرت میں۔

تفسیر صوفیانہ کی تقاریر

○ وانزل من السماء یعنی قلوب کے آسمان سے نازل فرمایا ماء محبت کا پانی فسالت اودیۃ پس نفوس کی نہریں جاری ہو پڑیں بقدرھا فاحتمل السیل زبدا رابیا۔ اس سے اخلاق ذمیمہ نفسانیہ اور صفات بہیمیہ حیوانیہ مراد ہیں۔

○ اور نازل کیا یعنی ارواح کے آسمان سے انوارِ جمال کے مشاہدات کا پانی آثار فسالت اودیۃ پس قلوب کی نہروں سے بہہ نکلا بقدرھا فاحتمل السیل زبداً رابیا اس سے روحانیت کی انانیت مراد ہے۔

○ وانزل من السماء سے سماء جبروت اور ماء سے صفتِ الوہیت کی تجلی مراد ہے فسالت اودیۃ میں اودیۃ سے اسرار مراد ہیں بقدرھا فاحتمل السیل زبدا میں زبد سے وجود مجازی مراد ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را گلیم

ترجمہ: جب اوصاف قدیم تجلی فرماتے ہیں تو وصف حادث کے تمام ساز وسامان کو جلا کر راکھ بنا دیتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ یہ خبر مقدم ہے اس کا مبتدا الْحُسْنٰى ہے۔ یعنی جو لوگ اپنے رب تعالیٰ کے احکام کے مطابق دنیا میں نیک عمل کرتے ہیں تو انھیں آخرت میں بہتر ثواب ملے گا۔ الحسنیٰ سے بہشت مراد ہے۔

نکتہ: بہشت کو الحسنیٰ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ بہشت حسن وجمال پر مشتمل ہے اس لیے کہ یہ جمال صفاتی کے آثار سے ہے اور احسن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کا حسن ذاتی ہے کسی سے حاصل کردہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ الحسنیٰ کا حقیقی داعی اللہ تعالیٰ خود ہے اور دعوتِ الٰہیہ کو قبول کرنے والے اہل ایمان ہیں اور بہشت اور اس کی تمام نعمتیں مومن کی مہمانی ہیں۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ حق میں عرض کیا:

اللھم انی اسئلک الجنۃ وما قرب الیھا من قول وعمل واعوذ بک من النار وما قرب الیھا من قول وعمل۔

(اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے بہشت اور وہ قول وعمل مانگتا ہوں جو بہشت میں جانے کا موجب ہیں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں اور ان اعمال سے جو دوزخ میں جانے کا سبب ہوں)

ف: مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا عاشق ہے اسے بہشت کا سوال کرنا چاہیے اس لیے کہ بہشت میں ہی اس کا دیدار نصیب ہوگا۔ اس سے واضح ہوا کہ بہشت اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا مقام ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں رہتا ہے اس لیے کہ بہشت کو دیکھنے والے کے لیے دیدار کا مقام بنایا گیا ہے اس سے کب لازم آتا ہے کہ جس ذات کو دیکھا جائیگا اس کا اسی مکان میں ہونا ضروری ہے۔ دیکھنے والے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دیکھی ہوئی شے کو جہت و مکان میں دیکھے خواہ وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ کیونکہ وہ جہت اور مکان کا محتاج ہے اور جس ذات کو دیکھا جائے گا وہ جہت و مکان کی محتاج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کی رؤیت کے لیے ہمارے آگے سے نقاب اٹھ جائے اور حجابات دور ہو جائیں تو بھی اس کے تنزہ اور مطلق ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا اسی طرح جیسے ہم اسے بہشت میں دیکھیں گے تو وہاں بھی جہت و مکان ہمارے لیے ہوگا اس کے لیے جہت و مکان کا ہونا ضروری نہیں اس کی ایک اور دلیل بھی ہے وہ یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی۔ اس سے کسی نے نہیں کہا کہ یہ دنیا رؤیت باری تعالیٰ کے لیے ظرف ہے اس لیے کہ وہ تو ازل سے ابد تک منزہ و مطلق ہے۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ فقہا کا یہ قول نہایت ضعیف ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اگر کہے کہ میں بہشت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھوں گا تو وہ کافر ہے اس لیے کہ وہ اس عقیدہ کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مکان ضروری ہے اور بہشت اس کا مکان ہے لیکن حق یہ ہے کہ اس طرح کہنا کفر نہیں اس لیے کہ فقہاء کرام مانتے ہیں کہ اگر کوئی جمع کے صیغہ کے ساتھ کہے تو بالاتفاق کافر نہیں مثلاً کہے: نری اللہ فی الجنۃ۔

؎

مجرد پاکش ز اطلاق و تقیید
اگر جلباب ہستی را کنی شق

ترجمہ: وہ ذات اطلاق و قید سے پاک ہے اگرچہ اس سے جتنے ہی پردے اٹھاتے جاؤ وہ ... مطلق علی الاطلاق ہے۔

وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا اللہَ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ مانا۔ اس سے کافر مراد ہیں جو

اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہوئے۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر لَوْ اَنَّ لَهُمْ ہے یعنی اگر ان کے لیے ہو مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وہ جو سب کا سب زمین میں ہے یعنی جو اشیاء زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے یا زمین کی جن اشیاء سے نفع حاصل یا ضائع کیا جاتا ہے یہ سب اسی کا ذکر دی جائیں وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اور اس جیسا اس کے ساتھ اور یعنی ان اشیاء کو دوہرا کر کے اسے دی جائیں۔ یعنی قیامت میں زمین کی ان تمام اشیاء کا انھیں مالک بنا دیا جائے لَافْتَدَوْا بِهٖ وہ ان تمام اشیاء کو بطور فدیہ اپنے نفوس کو جہنم سے بچانے کے لیے خرچ کریں تو بھی ان سے قبول نہیں ہو گا۔

نکتہ : صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے بالکل غافل تھے اور دنیا کا ایک نشہ تھا جو ان کے دل و دماغ پر اثر انداز تھا جس کی وجہ سے وہ سب کچھ دنیا کو ہی سمجھتے تھے لیکن موت کے بعد جب نشہ اور خمار دور ہوا تو دنیا ان کی نظروں میں حقیر لور لاشئی نظر آئی اور اس کے اندر تمام اشیاء انھیں معمولی محسوس ہوئیں تو اب چاہنے لگے کہ اگر اس دنیا و مافیہا پر قادر ہو جائیں تو اسے بدلہ دے کر اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے چھڑا لیں لیکن اس وقت ان کے ہاتھ میں نہ درہم نہ دینار اور نہ ہی کسی قسم کی طاقت و قدرت حاصل ہو گی اس لیے وہ جتنی آرزو اور تمنا کریں گے اس وقت ان بدبختوں کا نہ بدلہ قبول ہو گا اور نہ اللہ تعالیٰ راضی ہو گا نہ درہم و دینار کہ جس سے ان کی جان خلاصی ہو سکے۔ ؎

مدہ براحت فانی حیات باقی را

بحنت دو سہ روز از غم ابد بگریز

ترجمہ : حیات باقی کو دنیائے فانی میں ضائع نہ کرو، دو تین دنوں کی تکلیف کو سر پر رکھ لو اس سے گھبراؤ نہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ یہ لوگ ہیں جن کے لیے ہے سُوْٓءُ الْحِسَابِ برا حساب۔ یعنی قیامت میں بندے سے گزشتہ زندگی کا حساب لیا جائے گا اس کی برائیوں کا نتیجہ اگر یہ نکلے کہ اس کی بخشش نہ ہو سکے تو اسے سخت سزا میں مبتلا کیا جائے گا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ قیامت میں جس کا حساب لیا جائے تو سمجھو کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ بی بی فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: قرآن مجید میں ہے فسوف یحاسب حسابا یسیرا۔ (ان سے عنقریب آسان حساب لیا جائے گا) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے حساب کی حاضری مراد ہے ورنہ جو حساب کے لیے مکمل طور حاضر کیا گیا اس کے لیے ہلاکت اور تباہی ہو گی۔

ف : المناقشہ جو حدیث شریف میں واقع ہوا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بندے سے ذرے ذرے کا حساب ہو گا کہ اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی باقی نہ رہ جائے اور کہا جاتا ہے: ناقشہ الحساب۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے

حساب لینے میں سختی کرے اور اس سے ذرہ ذرہ کا حساب لے کہ معمولی شے بھی باقی نہ رہ جائے۔

ف: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا حساب شروع ہو جائے اور اس کے حساب میں معمولی طور بھی چشم پوشی اور نرمی نہ کی جائے تو سمجھو کہ ایسا بندہ ہلاک و تباہ ہو کر جہنم میں جائے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ شرک کے سوا جس کے جملہ گناہ چاہے بخش دے وہ مالک و مختار ہے۔

مسئلہ: یہ اس کے لیے ہو گا جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ نہیں کیا تو اس کے ہر صغیرہ و کبیرہ کا اور جو دنیا میں اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کا ہر وقت محاسبہ کرے تو اس کے حساب میں سختی نہیں کی جائے گی۔ (کذا فی الفتح القریب)

؎

نریزد خدا آب روے کسے

کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر اس بندے کی بے عزتی نہیں کرے گا جو گناہ کر کے آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے یعنی گناہ کر کے شرمسار ہو کر تائب ہوتا ہے۔

وَمَاْوٰهُمْ اور حساب لینے کے بعد ان کا ٹھکانا **جَهَنَّمُ** جہنم ہے۔

سوال: وماوٰہم النار کیوں نہ فرمایا؟

جواب ۱: لفظ جہنم میں ہولناکی ہے بندے کو ڈرانے دھمکانے کے لیے کہا گیا ہے۔

جواب ۲: ممکن ہے جہنم نار سے سخت تر ہو اور اسے سخت تر عذاب میں مبتلا کرنا مطلوب ہو۔ اسی لیے ماوٰہم النار کے بجائے ماوٰہم جہنم فرمایا ہے، اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے:

بئر جہنم بعیدۃ القعر۔ (جہنم کا گہرا گڑھا ہے)

ف: جہنم معرب ہے۔ فارسی میں "چہنم" تھا، بمعنے پانی کا گہرا کنواں۔ اسے عربی میں جہنم کہا گیا۔

وَبِئْسَ الْمِهَادُ جہنم بہت بری گندی جگہ ہے۔ مِهَادُ بمعنے الممهود المبسوط (بستر بچھا ہوا) مثلاً کہا جاتا ہے:

مهدت الفراش مهداً۔

یعنی میں نے بستر بچھایا۔ لیکن یہاں مطلقاً بمعنے مستقر (قرارگاہ) مراد ہے۔ یعنی ٹھہرنے کی بدترین جگہ دوزخ ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: جب سے

دوزخ پیدا ہوئی ہے اس وقت سے انھوں نے ہنسنا بند کردیا ہے۔ یعنی وہ دوزخ کے ڈر سے نہیں ہنستے۔ (رواہ احمد)

حدیث شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا اللہ! تُو نے اپنی مخلوق پیدا فرماکر اسے پالا پھر انھیں جہنم میں بھی داخل کرے گا۔ کیا کوئی اپنے پروردہ کو خود جلاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مستفیدے اعجمی شد آں کلیم
تا عجمیانرا کند زیں سر علیم

ترجمہ: وہ کلیم استفادہ کے طور بولے تاکہ نہ بولنے والوں کو اس راز سے آگاہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، آپ کھیتی بوئیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کھیتی بوئی اسے پانی دیا پھر بڑی ہوئی تو اسے کاٹا اور صاف ستھرا کرنے کے لیے گھایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکمیل کے بعد پوچھا: اے موسیٰ علیہ السلام! تم نے اپنی کھیتی سے کیا کیا۔ عرض کی میں نے اس کی تکمیل کے بعد اسے کاٹا اور اس کے ایک پودے کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: کچھ تو چھوڑ دیا ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی، صرف وہ پودے چھوڑ دیے جن میں کوئی فائدہ نہ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح جہنم میں بھی میں ان لوگوں کو داخل کروں گا جن کو کوئی خیر نہیں ہوگی اور وہ جو لا الٰہ الا اللہ کہنے سے گھبراتے تھے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ چونکہ موسیٰ کشت و شد کشتش تمام
خوشہایش یافت خوبی و نظام

۲ داس بگرفت و مران را می برید
پس ندا از غیب در گوشش رسید

۳ کہ چرا کشتی کنی و پروری
چوں کمالے یافت آنرا می بری

۴ گفت یارب زاں کنم ویران و پست
کہ در اینجا دانہ ہست و کاہ ہست

۵ دانہ لایق نیست در انبار کاہ
کاہ در انبار گندم ہم تباہ

۶ نیست حکمت این دو را آمیختن
فرق واجب می کند در بیختن

۷ گفت ایں دانش تو از کہ یافتی
کہ بدانش بیدری بر ساختی

۸ گفت تمیزم دادی اے خدا
گفت پس تمیز چوں نبود مرا

۹ در خلائق روحہاے پاک ہست
روحہاے تیرہ و گلناک ہست

۱۰ ایں صدفہا نیست در یک مرتبہ
در یکے در است و در دیگر شبہ

۱۱ واجبست اظہار ایں نیک و تباہ
ہمچنا کاظہار گندم ہا ز کاہ

ترجمہ ۱: جب موسیٰ علیہ السلام نے کھیتی بوئی اور آپ کی کھیتی مکمل ہو گئی او آپ کی کھیتی کا اناج بہتر سے بہتر ہو گیا۔

۲۔ درانتی لی اور کھیتی کو کاٹا اس کے بعد آپ کے کان میں غیب سے ندا پہنچی۔

۳۔ کہ آپ نے کھیتی پر اتنا عرصہ محنت کی اور دکھ اٹھایا لیکن جب وہ کامل ہو گئی تو پھر اسے کاٹ ڈالا۔

۴۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی میں نے اس کے تمام کو کاٹا لیکن اسے چھوڑ دیا جو بیکار تھا۔

۵۔ دانہ تو بیکار اور ویران میں چھوڑنا اچھا نہیں اور تباہی و بربادی کے لائق نہیں۔

۶۔ حکمت کے بھی خلاف ہے کہ گھاس پھوس دانہ کے ساتھ ملا جلا رہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ فرق تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ اچھا ہے اور یہ برا۔

۸۔ عرض کی یا اللہ! یہ تمیز تو نے ہی دی ہے اور تیری دی ہوئی قدرت علمی سے میں نے فائدہ اٹھایا۔

۹۔ مخلوق میں ارواح پاک ہیں بعض روحیں تاریک اور سیاہ ہیں۔

۱۰۔ صدف ایک مرتبہ میں نہیں ہیں اس لیے کہ بعض میں کوڑی اور بعض میں موتی۔

۱۱۔ اس لیے نیک اور برے میں فرق ضروری ہے۔ جیسے گھاس اور دانے کے درمیان فرق ضروری ہے۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ
مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ
صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّ
يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ
صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ
بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ
بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝

ترجمہ : بھلا کیا وہ جسے معلوم ہے کہ جو کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے آپ پر اتارا گیا حق ہے اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہے بیشک عقل والے ہی نصیحت مانتے ہیں وُہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا عہد پُورا کرتے اور قول باندھ کر نہیں توڑتے اور وہ لوگ جو کر جوڑتے ہیں اسے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ اسے جوڑا جائے اور اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے اور حساب کی بُرائی کا خوف رکھتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے رضائے الٰہی کی طلب کی وجہ سے صبر کیا اور نماز قایم کی اور ہمارے دیے ہوئے سے چھپ کر اور ظاہر خرچ کیا اور بُرائی کے بدلے بھلائی کر کے ٹالتے ہیں انہی کے لیے پچھلے گھر کا انجام بہتر ہے۔ ہمیشگی کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو بھی ہوگا اور ان پر ہر دروازے سے فرشتے داخل ہو کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو یہ بدلہ اس کا جو تم نے صبر کیا تو تمہیں پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا اور وُہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا عہد پختہ ہونے کے بعد توڑتے ہیں اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اسے جوڑا اسے وُہ کاٹتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں یہی ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور ان کا نصیبہ بُرا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ (اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق) تنگ کرتا ہے اور کافر حیاتِ دنیا پر اترا گئے اور نہیں دنیا کی زندگی آخرت کے بالمقابل مگر معمولی سا عارضی سامان۔

تفسیر عالمانہ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ کیا وُہ جانتا ہے اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ کہ رب تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ تمہارے ہاں نازل کیا گیا ہے الْحَقُّ حق اور درست ہے یعنی وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ

قرآن جو اللہ تعالیٰ سے نازل ہوا ہے حق ہے اس سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب یا حضرت عمار رضی اللہ عنہما مراد ہیں کَمَنْ هُوَ اَعْمٰی مثل اس کے ہے جس کا دل اندھا ہے جس سے وہ قرآن مجید کی حقانیت کا انکار کرتا ہے۔ اس سے ابو جہل وغیرہ مراد ہیں یعنی حق کو دیکھ کر اس کی اتباع کرنے والا اور حق نہ دیکھنے والا اور نہ اس کی اتباع کرنے والا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ عام ہے جس زمانے میں ایسے آدمی ہوں ان پر یہی مثال صادق آئے گی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ در سرور در کشیدہ چادرے
رو نہاں کردہ ز چشمت دلبرے

۲ شاہنامہ یا کلیلہ پیش تو
ہمچناں باشد کہ قرآن از عتو

۳ فرق آنکہ باشد از حق و مجاز
کہ کند کحل عنایت چشم باز

۴ ورنہ پشک و مشک پیش اخشمی
ہر دو یکسانست چوں نبود شمی

۵ گفت یزداں کہ ترا ہم ینظرون
نقش حمامند ہم لا یبصرون

ترجمہ: ۱۔ خوشی سے چادر تنی ہوئی ہے تجھ سے محبوب نے پردہ کیا ہوا ہے۔
۲۔ تیرے سامنے شاہنامہ اور کلیلہ ایسے ہے جیسے قرآن مجید سرکش کافر کے سامنے۔
۳۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عنایتِ باری تعالیٰ ہی حق و مجاز میں فرق ظاہر کرتی ہے۔
۴۔ ورنہ خرابی والے کے لیے مشک اور بدبو برابر ہے جیسے ناک بند ہو تو خوشبو کیا آئے گی۔
۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تراھم ینظرون اور حمام کا نقش ہیں وہ کچھ دیکھ بھی نہیں سکتے۔

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی قرآن کی نصیحت صرف وہی قبول کر کے عمل کرتے ہیں جو عاقل ہیں، یعنی جن کے عقول و افہام ہر وہم و گمان سے پاک ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اولوا الالباب سے وہ حضرات مراد ہیں جن کے عقول آفات حواس اور وہم و خیال کی خرابی سے صاف ستھرے اور انوار جلال و جمال سے مؤید ہیں۔

سبق: طالب حق پر لازم ہے کہ تزکیہ کر کے تفکر کرے پھر تذکر۔

ف : تفکر و تذکر میں فرق یہ ہے کہ تذکر تفکر سے اعلیٰ مرتبے پر ہے اس لیے کہ تفکر صرف طلب کا نام ہے اور تذکر عین وجود کو کہتے ہیں۔ یعنی تفکر اس وقت کرنا پڑتا ہے جب قلب پر صفاتِ نفسانیہ کے حجابات آجائیں ان سے مطلوب کو نہ پانے پر تفکر کرکے بصیرت کو بیدار کیا جاتا ہے تاکہ مطلوب کی تلاش کرے اور حجاب اٹھ جائے اور خلاصہ انسانیہ کے صفات نفس کی گندگیوں سے صاف ہونے اور فطرت اول کی طرف رجوع کرنے کا نام تذکر ہے۔ جب سالک اس مرتبہ کو پہنچتا ہے تو اسے بھولے ہوئے معارف و توحید کے اسباق یاد آجاتے ہیں جو ازل میں سے اس کے دل پر منقوش ہوئے تھے لیکن اسے یاد نہ رہے۔

ف : حیات الارواح میں ہے کہ تذکر صرف اس ذی ہوش کو نصیب ہوتا ہے جو دنیا کے حجابات سے پاک اور صاف ہو۔
کما قال تعالیٰ :

انما یتذکر اولوا الالباب۔

اور نسیان انہی حجابات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کما قال :

ولقد عھدنا الی آدم من قبل فنسی۔

اور ہم نے آدم علیہ السلام سے اس سے پہلے معاہدہ لیا تو وہ بھول گئے۔

نکتہ : احکامِ شرعیہ کا اجرا اس لیے ہے کہ دل سے دنیا کے حجابات دُور ہوں اور وہ پردے جو انسان کو دنیوی معاملات سے ڈھانپ لیتے ہیں وہ انہی شرعی امور پر عمل کرنے سے دفع ہوتے ہیں۔

اعضاءِ مکلفہ کتنے ہیں

اعضاء جن پر شرعی تکلیف کا اجراء ہوتا ہے وہ آٹھ ہیں :

- آنکھ
- کان
- زبان
- ہاتھ
- پیٹ
- فرج
- پاؤں
- قلب

یہ تمام اعضاء افعال شرعیہ و امور تکلیفیہ کے لیے مامور ہیں اور ہر عضو کو اس کے اپنے مخصوص حکم سے خاص کیا گیا ہے۔

ف : وہ افعال جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے وہ نماز روزہ اسی طرح کے اور اعمال صالحہ اور ان میں بعض امور ایسے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے جیسے خودکشی یعنی اپنے آپ کو چھری وغیرہ سے قتل کرنا۔ اور اسی طرح اور امور اور ان میں بعض امور وہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے نہ تعریف فرمائی ہے نہ مذمت۔ جیسے امور مباح، ان میں بعض امور وُہ ہیں جو صرف اپنے لیے جائز ہیں جیسے اپنے ستر وغیرہ کو بوقت ضرورت دیکھنا۔ ان میں بعض امور وُہ ہیں جو غیر سے تعلق رکھتے ہیں انھیں اپنے لیے استعمال کرنا مشروط بشرائط جائز ہے وہ افعال آٹھ ہیں :

- مال
- اولاد

○ زوجہ ○ ملک الیمین

○ بہیمہ (جانور) ○ ہمسایہ

○ مزدور ○ برادر حقیقی وغیرہ

اَلَّذِیْنَ یہ تمام اسمائے موصولات اپنے صلات سے مل کر مبتدا ہیں ان کی خبر اولٰئك لھم عقبی الدار ہے۔
یُوْفُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ عہد اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی وُہ معاہدہ جو ازل میں انہوں نے اپنے ذمہ لیا مثلاً اپنے مومن ہونے کی شہادت اور رب تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار۔ مثلاً کہا: شہد کلا الخ یعنی وُہ لوگ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیے ہوئے ازل کے میثاق کو پُورا کرتے ہیں۔ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ اور اپنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو توڑتے نہیں ہیں اسی طرح ان کے آپس میں کیے ہوئے وعدوں کو بھی پُورا کرتے ہیں یہ تعمیم بعد تخصیص کے قبیل سے ہے وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ امر اللہ کا مفعول اول محذوف ہے دراصل ما امرھم بہ الخ تھا اور ان یوصل بہ کی ضمیر مجرور سے بدل ہے یعنی وہ لوگ ملاتے ہیں اسے جس کا انھیں اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا ہے۔

مسائل فقہیہ آیت میں چند امور مندرج ہیں:
صلۂ رحم کے مسئلے میں اختلاف ہے کہ صلہ رحمی کیا ہے اور کن رشتہ داریوں کی صلہ رحمی واجب ہے۔

○ ہر وہ رشتہ دار کہ ان میں ایک کو مذکر اور دوسرے کو مونث قرار دیا جائے ان کا آپس میں نکاح حرام ہو، ایسی رشتہ داریوں کی صلہ رحمی واجب ہے۔ اس قاعدہ پر چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی اولاد صلہ رحمی کے حکم میں داخل نہیں۔

○ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہر رشتہ دار کو عام ہے اس سے نکاح جائز ہو یا نہ، وہ وراثت کا حق رکھتا ہو یا نہ، یہی قول مبنی بر صواب ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہی اصح ہے۔

مسئلہ: محرم وُہ ہے جس سے ہمیشہ تک نکاح حرام ہو بوجہ اس کی عزت و احترام کے۔

ف: ہمیشہ کی قید اس لیے کہ بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ایک مدت کے بعد حلال ہو جاتے ہیں، جیسے زوجہ کی بہن یعنی سالی، زوجہ کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد۔

ف: ہم نے بوجہ عزت و احترام قید اس لیے لگائی ہے کہ جو بوجہ ملاعنہ کے نکاح ناجائز ہے وہ بوجہ حرمت کے نہیں بلکہ تغلیظاً ہے۔

مسئلہ: قطع رحم حرام اور ایسے رشتہ داروں سے کرم و احسان واجب ہے۔

مسئلہ: صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ ایسے رشتہ داروں کی ملاقات اور انھیں ہدیہ و تحفہ بھیجنا اور قول و فعل میں ان کی مدد کرنا اور انھیں بھول نہ جانا اور کم از کم انھیں السلام علیکم کہنا یا غائبانہ دُوسرے کے ذریعے سلام بھیجنا۔ ان کے ساتھ خط و کتابت جاری رکھنا اور اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں اور نہ شریعت مطہرہ نے کوئی تعیین فرمائی ہے۔ یہ عرف و عادت

کے مطابق ہوگا۔ (کذا فی شرح الطریقۃ)

ف : صلہ رحمی سے رزق میں برکت اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ صلہ رحمی کی کمی میں بد دعا بھی جلد اثر رکھتی ہے۔ مثلاً ماں باپ کے نافرمان کو زیادہ دیر مہلت نہیں دی جاتی۔ یعنی اسے جلد تر ہلاک و تباہ کیا جاتا ہے یا سخت سزا میں مبتلا کیا جاتا ہے اور جس جگہ قاطع رحم (یعنی رشتہ داری کے شرعی حقوق ادا نہ کرنے والا ہو وہاں رحمت کے فرشتوں کا نزول نہیں ہوتا۔

عقیدہ : تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا فرض ہے۔ بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا یہ بھی ان یوصل بہ کے خلاف ہے۔

مسئلہ : اہلِ ایمان سے پیار و محبت بہترین مستحبات سے ہے رشتہ داروں کی ملاقات اور اولیاء صلحاء نیک لوگوں کی زیارت کرنا اور ہمسائیگان کے پاس آمد و رفت اور دوستوں سے اور قریبی رشتہ داروں سے ملنا اور ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ لطف و احسان بھی صلہ رحمی کے حکم میں ہے۔

ف : اس کے متعلق کوئی ضابطہ یا قاعدہ کلیہ نہیں اس لیے کہ مذکورہ بالا صاحبان کی حیثیات و احوال اور مراتب مختلف ہوتے ہیں ان میں بعض بالکل فارغ البال ہوتے ہیں اور بعض کو بالکل فراغت ہوتی ہی نہیں۔ اسی لیے ہر ایک کی حیثیت اور فراغت اور احوال و مراتب کا خود خیال رکھ کر زیارت و ملاقات کا پروگرام بنانا چاہیے۔

مسئلہ : زیارت یا ملاقات ان لوگوں کی کرنی چاہیے جو تمہاری ملاقات سے کراہت نہ کرتے ہوں اور ایسے وقت میں کرنی چاہیے جس وقت وہ اپنے ملاقاتیوں سے خوش ہوتے ہوں۔

مسئلہ : جنہیں تمہاری زیارت یا ملاقات سے راحت و سرور حاصل ہوتا ہے ان کی زیارت اور ملاقات کے لیے زیادہ سے زیادہ جانا چاہیے۔ اگر تمہارے ساتھ زیادہ دیر بیٹھنے کو چاہتے ہوں تو اگر شرع مانع نہ ہو تو ان کے ساتھ زیادہ دیر تک بیٹھیں۔

مسئلہ : اگر کوئی عبادت یا کسی دوسرے امر دینی یا دنیوی کام میں مشغول ہو اور وہ تمہاری ملاقات و زیارت کو نہ چاہے یا وہ خلوت پسند ہے کسی کی ملاقات و زیارت اسے ناگوار ہے تو بلا ضرورت اس کے ہاں نہ جانا چاہیے۔ بوقتِ ضرورت اس سے اجازت لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہو کر بتعجیل واپس آنا چاہیے تاکہ اس کے وقت کا ضیاع نہ ہو۔

مسئلہ : اسی طرح مریض کی عیادت کے مسائل ہیں کہ مریض کے ہاں زیادہ دیر نہ بیٹھنا چاہیے۔ ہاں اگر مریض چاہے اور جتنی دیر چاہے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ : ملاقات اور زیارت کے وقت مصافحہ کرنا (دونوں ہاتھ ملانا) مستحب ہے۔

مسئلہ : ملاقات اور زیارت کے وقت خندہ رو (بشاش) ہو کر ملنا چاہیے اور ملاقاتی کے لیے دعائے مغفرت یا اسی طرح کے اور اچھے کلمات کہنے چاہئیں۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : ؎

یاری اندر کس نمی بینم یاراں را چہ شد
دوستی کے آخر آمد دوستاں را چہ شد

کس نمی گوید کہ یاری داشت حق دوستی
حق شناساں را چہ حال افتاد یاراں را چہ شد

ترجمہ: میں کسی میں دوستی نہیں پاتا، دوستی کہاں گئی اور دوستوں کو کیا ہوا۔
کوئی بھی نہیں کہتا کہ فلاں نے دوستی کی اور دوستی کا حق ادا کیا۔
نہ معلوم حق شناسوں کو کیا ہوگیا ہے اور دوستوں کی حالت کیوں بدل گئی۔

مسئلہ: مخلوق کے ہر فرد کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے یہاں تک کہ بلی اور مرغی کے بھی۔

حکایت

حضرت فضیل رضی اللہ عنہ کے ہاں مکہ معظمہ میں ایک جماعت حاضر ہوئی آپ نے ان سے پوچھا آپ لوگ کہاں سے تشریف لائے؟ انہوں نے عرض کی: خراسان سے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں بھی اور جس حالت میں بھی ہو۔ سُن لو کہ اگر کوئی زندگی بھر ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی میں جدوجہد کرتا رہے لیکن کسی وقت کا کوئی حق ادا نہیں کرتا تو سمجھو وہ ابھی محسنین میں سے نہیں۔

حدیث شریف وحکایت

مروی ہے کہ ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب ہُوا اس لیے کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا اس بیچاری کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہ دیا حتیٰ کہ وہ مرگئی۔

ایک اور عورت کے متعلق مروی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا کیونکہ اس نے ایک پیاسے کُتے کو پانی پلایا تھا۔

حکایت اُویس قرنی

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ مٹی کے ڈھیروں سے یعنی کوڑا کرکٹ سے پرانے کپڑے جمع کرکے اس سے اپنا لباس تیار کرتے تھے۔ ایک دن ایک مٹی کے ڈھیر پر آپ کو کُتے نے بھونکنا شروع کردیا۔ آپ نے فرمایا تم اپنے آگے سے کھاؤ میں اپنے آگے سے کھاتا ہوں اور مجھے بھونکو مت۔ کیونکہ اگر میں بخیریت پُل صراط سے گزر گیا تو میں تجھ سے اچھا ہوں گا ورنہ تم مجھ سے اچھے ہو۔

نکتہ: (صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں مخلوق دو قسم ہے:

- سعید
- شقی (بدبخت)

سعید وہ ہے جو تمام مخلوق سے بہتر ہو۔ اور شقی تمام مخلوق سے بدتر۔ اور کتا خیر البریہ میں سے ہے۔ سیدنا اویس رضی اللہ عنہ نے بجا فرمایا کہ اہل حق اولیاء اللہ مخلوق کے کسی فرد کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دیتے اس لیے کہ وہ اپنے ماسوا مخلوق کی ہر شے کو بہتر سمجھتے ہیں۔

حدیث شریف بہت سے جانور اپنے سوار سے بہتر ہوتے ہیں اس لیے اہل اللہ تمام مخلوقات کے ہر فرد کے حقوق کی پابندی اور اس کی برتری کے معترف ہوتے ہیں۔

وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اور وہ اپنے رب یعنی اس کے وعید سے عموماً ڈرتے ہیں۔ **وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ** اور بُرے حساب سے بالخصوص خوف زدہ رہتے ہیں اسی لیے وہ قیامت کے حساب سے پہلے ہی اپنا محاسبۂ نفس کرتے ہیں۔

ف : ابو ہلال عسکری فرماتے ہیں کہ خوف کا تعلق مکروہ اور مکروہ امر کے اتارنے والے سے ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

خفت زیداً وخفت المرض۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا:

یخافون ربھم۔

اور فرمایا:

یخافون سوء الحساب۔

اور خشیت صرف مکروہ اتارنے والے سے متعلق ہوتی ہے نفس مکروہ سے اسے کوئی تعلق نہیں ہوتا اسی لیے نفس مکروہ کے خوف پر خشیت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے: یخشون ربھم ویخافون سوء الحساب۔ اس میں خشیت کا عذاب اتارنے والے رب پر اور خوف کا نفس مکروہ امر یعنی سوء الحساب پر اطلاق کیا گیا ہے۔

ف : سوء الحساب کی تشریح اوپر ہم بیان کر آئے ہیں۔

فائدہ روحانیہ عذاب اور عتاب الٰہی کے امور سے خوفزدہ رہنا قلب کے لیے مفید تر ہے بلکہ ہر بندے پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب وعتاب سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ ؎

ہر کہ ترسد مرد را ایمن کنند
مر دل ترسندہ را ساکن کنند

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اسے اطمینان وتسلی دلاتے ہیں اور ڈرانے والے دل کے لیے راحت وسرور کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا اور وہ جو لوگ جو نفوس پر انواع مصائب اور خواہشات کے خلاف کرنے کی تکالیف شاقہ پر صبر کرتے ہیں **ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ** اپنے رب تعالیٰ کی رضا جوئی میں انہیں مخلوق کی خوشی اور ناراضگی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا لیکن ریا اور شہرت سے بچتے اور اپنے نفس کو عجب وزینت سے بھی بچاتے ہیں۔

صبر کے اسباب بہت زیادہ ہیں؛

صبر کے اسباب

○ اندھے پن پہ صبر کرنا۔

حدیث قدسی شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے کسی بندے کو دو محبوب چیزوں میں مصیبت دیتا ہوں یعنی اس کی آنکھوں کا نور لے لیتا ہوں اور وہ میری قضا و قدر پر راضی ہو کر صبر کرتا ہے تو میں اس کے عوض اسے بہشت عطا کروں گا۔

نکتہ: آنکھوں کو دو محبوب (حبیبتین) سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انسان کی آنکھیں محبوب ترین شے ہیں۔

لطیفہ: قیامت میں دیدارِ الٰہی سب سے پہلے دُنیا میں نابینا ہو کر گزارنے والے کو نصیب ہوگا۔

○ بخار، سردرد، اولاد اور دوست احباب کی موت پر صبر کرنا، اسی طرح کے دیگر مصائب پر بھی۔

○ روزہ رکھنے پر صبر کرنا اس لیے کہ کھانے پینے کے ترک سے نفس کو دُکھ اور تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ نفس کو کھانے پینے سے بہت زیادہ الفت اور انس ہے۔

ف: روزہ ایمان کا چوتھا رکن ہے۔

حدیث شریف: الصوم نصف الصبر و الصبر نصف الایمان۔ (روزہ صبر کا نصف اور صبر نصف الایمان ہے)

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ نے فرمایا؛

ترسم کزیں چمن نبری آستین گل
کز گلشنش تحمل خارے نمیکنی

ترجمہ: میں ڈرتا ہوں کہ تم اس چمن سے پھول نہیں لے سکو گے کیونکہ تم میں اس کے کانٹے کے درد کی برداشت نہیں۔

حکایت عجیبہ

حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی حضرت عبداللہ بن مبارک کے ہاں بھیس بدل کر غیر معروف صورت میں حاضر ہوئے تو حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا، کہاں سے آئے ہو؟ عرض کی: بلخ سے۔ فرمایا: شقیق کے شاگردوں اور مریدوں کی کیا کیفیت ہے؟ عرض کی کہ انھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور کچھ مل جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا؛ ہمارے کتے بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ شقیق نے عرض کی: تو پھر انھیں کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ جب کچھ نہ پائیں تو شکر کریں اگر کچھ مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کریں۔

صاحبِ روح البیان کے پیرومرشد کی دُعا

(صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے پیرومرشد قدس سرہٗ اپنی دُعا میں بارگاہِ حق میں عرض کرتے،

اللھم انی احمدك فی السرّاء والضرّاء۔

(اے اللہ تعالیٰ! میں ہر دُکھ اور راحت کے وقت تیری حمد کرتا ہوں)

مضمون مذکور کی تشریح

حضرت پیر و مرشد نے فرمایا کہ میں راحت کے وقت کہتا ہوں :

الحمد للہ المنعم المفضل۔ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو نعمتیں عطا کرنے والا اور لطف و کرم فرمانے والا ہے)

اس کی ظاہری نعمتوں کی عطا کی وجہ سے عرض کرتا ہوں کہ اس کریم نے مجھ جیسے فقیر بے نوا کو راحت و سرور سے بھرپور نعمت سے نوازا۔ اور جب مجھے دُکھ اور درد پہنچتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتا ہوں :

الحمد للہ علیٰ کل حال۔

(ہر حالت میں اس کی حمد و شکر ہے)

یہ میں اس کی باطنی نعمتوں کی وجہ سے کہتا ہوں کہ اگرچہ بظاہر مجھے یہ تکلیف نظر آرہی ہے لیکن درحقیقت وہ میرے لیے رحمت ہوگی اس لئے کہ اس کی باطنی نعمتوں کی بھی کوئی حد نہیں اور راحت و سرور کے وقت اس نیت پر بھی شکر کرتا ہوں کہ شکر کرنے سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے :

لئن شکرتم لازیدنکم۔

(اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں تمہاری نعمت میں اضافہ کروں گا)

اور جب میں اپنے اندر رنج اور تکلیف کو دُور کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں بھی ایسے شکر کرتا ہوں جیسے راحت و سرور کے وقت اس کی حمد کرتا ہوں۔ یعنی دُکھ اور تکلیف کے دفیہ کے وقت کہتا ہوں، الشکر للہ۔ کما اقول الحمد للہ کذالک۔ انتھی

ف : یہ وُہ کلام ہے کہ میں نے پہلے کسی بزرگ کے قول میں نہیں دیکھا اسے یاد کرلینا چاہیے تقریباً مقبول مناجات ہے۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اور فرض نماز ادا کرتے ہیں یعنی اس پر مداومت رکھتے ہیں وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ اور ہماری عطا کردہ نعمتوں سے خرچ کرتے ہیں یعنی ہماری عطا کردہ نعمتوں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں۔ اس معنے پر مِنْ تبعیضیہ ہے اس سے وہ خرچ مراد ہے جو اسے ادا کرنا واجب ہے جیسے زکوٰۃ اس لیے کہ اسے نماز کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ یہاں پر اس خرچ سے زکوٰۃ مراد ہے کیونکہ زکوٰۃ و صلوٰۃ ذکر میں لازم و ملزوم کی طرح ہیں۔

ف : یا مطلق خرچ مراد ہے اس لیے کہ اسے قرینے کے بغیر ذکر کیا گیا ہے اور جب مطلق از قرینہ واقع ہو تو اس سے مطلق صدقہ و خیرات مراد ہوتی ہے۔

سِرًّا ایسے طریقہ سے خیرات کرتا ہے کہ اسے کوئی بھی نہیں جانتا۔

مسئلہ : اس سے نوافل بھی مراد ہو سکتے ہیں اس لیے کہ نوافل کو چھپ کر ادا کرنا افضل ہے۔

وَعَلَانِیَۃً اور ایسے طریقہ سے ادا کرنا جو ہر ایک کو معلوم ہو جائے۔ اس سے فرائض کی ادائیگی بھی مراد ہو سکتی ہے اس لیے کہ انھیں ہر ایک کے سامنے ادا کرنا چاہیے تاکہ تہمت سے بچ جائے۔ یعنی کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ مل سکے کہ وہ فرائض ادا نہیں کرتا اور ان دونوں کا منصوب ہونا علی الحالیۃ ہے یعنی ذوی سر وعلانیۃ یا بمعنے مسرین ومعلنین یا ظرفیۃ کی وجہ سے منصوب ہے بمعنے وقتی سر وعلانیۃ یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے کہ دراصل انفاق سر وعلانیۃ۔ خلاصہ یہ کہ نفلی صدقات پوشیدہ کر کے اور فرضی صدقات کو کھلم کھلا ادا کرنا چاہیے۔

مسئلہ: والدین کو نان نفقہ دینا واجبات سے ہے جبکہ وہ محتاج ہوں۔

مسئلہ: فقہاء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا، جب والدین میں سے صرف ایک کے لیے نفقہ کفایت کرتا ہے تو والدہ کا حق فائق ہے اسے والد سے مقدم کرنا چاہیے اس لیے کہ والدہ اپنے بیٹے کی تربیت میں زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے بہ نسبت والد کے، اور شفقت میں بھی والدہ والد سے فوقیت رکھتی ہے اور بچے کی خدمت بھی زیادہ والدہ ہی کرتی ہے۔ علاوہ ازیں والدہ بچے کو نو دس مہینے پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے۔ وضع حمل کے وقت تو اس کی جان لبوں پر آجاتی ہے۔ پھر اسے دودھ پلاتی ہے۔ تادم شعور اس کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ بیمار ہو تو اس کا علاج معالجہ کراتی ہے۔ نہلا دھلا کر اسے صاف ستھرے کپڑے پہناتی ہے۔ ہر چھوٹی بڑی تکلیف اپنی جان پر برداشت کر کے اسے جوان بناتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان وجوہ سے نان ونفقہ کی تقدیم کا حق وہی رکھتی ہے۔ (کذا فی فتح القریب)

ف: واجب دو قسم ہے:

- واجب الشرعی
- واجب المروۃ

سخی وہ ہے جو نہ شرعی واجب میں کمی کرے نہ مروۃ واجب میں۔ اگر ان دونوں میں کسی ایک میں کمی کرے تو وہ بخیل ہے۔ ہاں جو واجب الشرعی کی کمی کرے تو وہ ابخل ہے۔ جیسے زکوٰۃ نہ ادا کرنا اور نفقہ واجبہ نہ دینا۔ یا ادا کرے لیکن مشقت سمجھ کر، تو وہ بندہ بخیل بالطبع اور بالتکلف سخی ہے یا خوشی سے اچھا یا متوسط مال خرچ نہ کرے۔ یہ بھی بخل میں شامل ہے۔

ف: واجب مروۃ یہ ہے کہ معمولی سے معمولی شے میں بھی تنگی کرے ایسا کرنا قبیح امر ہے اور اس قباحت میں کمی اور زیادتی مختلف احوال واشخاص کی وجہ سے ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہو لیکن کسی کا بھلا نہ کرے وہ قبیح تر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ کوئی اپنی محتاجی کی وجہ سے کسی کے ساتھ مروّت نہ کر سکے۔ خواہ وہ عام معاملات ہوں یا بیع وشرا وغیرہ ہو اسی وجہ سے مروۃ کے معاملات مختلف ہیں۔ مثلاً مہمانوں کے متعلق تنگی کرنا یا فراغت وفرصت کے باوجود طعام اور کپڑوں وغیرہ میں کمی کرنا۔ یہ بھی غیر مروّتی میں داخل ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ جو شئے روکنے کے لائق نہیں اسے روکنے والا بخیل ہے خواہ وہ حکم شرعی کی خلاف ورزی کر کے روکے یا مروت واخوت کے خلاف کر کے رکاوٹ کرے۔

کسی شاعر نے بخیل کے بارے میں کہا ہے :؎

لو عبر البحر بامواجه
فی لیلة مظلمة باردة
وکفه مملوءة خردلا
ما سقطت من کفه واحدة

ترجمہ : اگر بخیل اپنے ہاتھ میں رائی کے دانے لے کر اندھیری اور سخت ٹھنڈی رات میں دریا کو عبور کرے۔ اگرچہ ہاتھ رائی کے دانوں سے پُر ہو وہ اپنے بخل کی وجہ سے ایک دانہ بھی نیچے نہیں گرنے دے گا۔

ایک فارسی شاعر بخیل کے بارے میں لکھتا ہے :؎

خواجہ در ماہتاب نان میخورد
در سرائے کہ ہیچ خلقے نبود
سایہ خویش را کسے پنداشت
کاسہ از پیش خویشتن بربود

ترجمہ : سردار (بخیل) رات کی چاندنی میں ایسی جگہ پہ کھانا کھا رہا تھا کہ جہاں کوئی بھی نہ تھا لیکن اپنے سایہ کو دیکھ کر سمجھا کہ کوئی آیا، لہٰذا کھانے والا برتن اپنے آگے سے اٹھا کر چھپا لیا۔

نکتہ : انفاق کو بندوں کی طرف اور رزق کو اپنی طرف اسناد میں تنبیہ فرمائی کہ جو کچھ بندوں کو عطا فرمایا ہے وہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے امین اور اس کے وکیل ہیں اور وکیل تصرف میں نائب ہوتا ہے۔ اسی لیے وکالت میں موکل کا لحاظ ہوتا ہے نہ وکیل کا پھر خالق و مخلوق کی نسبت میں مخلوق کا کیا اعتبار در اصل تو ہر فعل کا خالق ہے مخلوق کی طرف افعال کا اسناد تو گویا مجازاً ہی ہے۔

لطیفہ : اسی لیے صوفیاء کرام نے فرمایا کہ جو انفاق سے شکر و ثناء کی اُمید رکھتا ہے وہ عابد نہیں بلکہ تاجر ہے جو مال خرچ کر کے مدح خریدتا ہے اور مدح ایک لذیذ شے ہے جس سے نفس محظوظ ہوتا ہے اسی لیے اس نے اپنے خرچ میں رضائے الٰہی کو مدنظر نہ رکھا بلکہ اپنے نفس کو خوش کیا۔

ف : جُود بمعنٰے بذل الشیٔ من غیر غرض یعنی کسی شے کو بلا غرض خرچ کرنا۔ ؎

کرم و لطف بے غرض باید
تا ازاں مرد متہم نبود

از کرم چوں جزا طمع داری
آں تجارت بود کرم نبود

ترجمہ: لطف وکرم بے غرض ہونا چاہیے تاکہ اس سے کسی کی تہمت نہ ہو۔
لطف وکرم سے جو جزا کی طمع رکھتا ہے وہ تجارت ہے سخاوت نہیں۔

مسئلہ: رمضان المبارک میں مہمانوں کی خدمت کرنا بھی سخاوت ہے۔

ردِّ وہابیہ در مسئلہ ایصالِ ثواب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ اموات (قبر والوں کو) نہ بھلاؤ بالخصوص رمضان المبارک میں، اس لیے کہ ان کی روحیں گھروں میں آکر ہزار بار ہر مرد و زن کو پکار کر کہتی ہیں کہ ہمارے حال پر رحم کرو، ایک درہم یا ایک روٹی یا روٹی کے ٹکڑے دعا کر کے یا قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھ کر یا کسی غریب کو کپڑے پہنا کر، اللہ تعالیٰ تمہیں بہشت کے کپڑے پہنائے۔[1] (کذا فی ربیع الابرار)

سبق: جب اہلِ قبور کے لیے روٹی یا اس کا ٹکڑا مفید ہے تو پھر اس سے لذیذ چیزوں کا کتنا فائدہ ہوتا ہو گا۔ (لکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے کسی بھائی کو حلوے کا ایک ٹکڑا کھلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس سے محشر کی کڑواہٹ دور فرمائے گا۔

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اور بھلائی سے برائی کو دفع کرتے ہیں۔ یعنی برائی کے عوض احسان اور ظلم کے بدلے عفو اور قطع رحمی کے بجائے صلہ رحمی اور محرومی کے بجائے عطا کرتے ہیں۔

کم مباش از درخت سایہ فگن
ہر کہ سنگش زند ثمر بخشد
از صدف یادگیر نکتۂ حلم
ہر کہ زد بر سرش گہر بخشد

ترجمہ: درخت سایہ فگن سے کم نہ ہو کہ اسے پتھر مارو تو وہ ثمر عطا کرتا ہے اسی طرح صدف سے بھی کم نہ ہو کہ

---

[1] اسی حدیث کے مطابق ہمارے اہلسنت اہلِ قبور کے لیے مختلف طریقوں سے ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔

اس کے سر پر پتھر مارو تو وہ موتی اور جوہر عنایت فرماتا ہے۔

ف: آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برائی کے ارتکاب کے بعد فوراً نیکی کرتے ہیں پھر وہ نیکی اس کی برائی کو مٹا دیتی ہے۔

مسئلہ: احسن ترین نیکی کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ ہے اس لیے کہ توحید راس دین ہے۔ دین میں اس سے اور کوئی شے افضل نہیں۔ دین میں اس کی فضیلت کا وہی مقام ہے جو سر کا تمام جسم میں۔

قاعدہ: ابن کیسان نے فرمایا کہ جب گناہ سے توبہ کی جائے تو اس توبہ سے مراد الحسنہ اور گناہ سے مراد السیئۃ ہوتی ہے۔

ف: عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا یہی آٹھ صفات ہیں جن پر عمل کرنے سے بہشت کے آٹھ دروازے کھل جاتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ وہ لوگ جو ان صفات سے موصوف ہیں لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ان کے لیے دنیا کا انجام ہیں اور ان کے اہل کا بہتر مرجع ہے۔ اس سے مطلق عاقبت یعنی بہشت یا دوزخ مراد ہے۔ اور جہنم کافروں کی عاقبت اس لیے ہے کہ ان کے اپنے بُرے اختیار سے ہی انہیں یہاں پہنچنا نصیب ہوا اور دنیا ایسا گھر تھا جہاں ان کا رہنا مقصود بالذات نہیں تھا بخلاف بہشت کے کہ یہاں مومن کا رہنا مقصود بالذات ہے۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ یہ عقبی الدار سے بدل ہے اور عدن بمعنے اقامت ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

عَدَنَ بِالْبَلَدِ وَيَعْدِنُ بالکسر بمعنے اقام یعنی فلاں شہر ٹھہرا یا ٹھہرتا ہے۔ اور سونے چاندی کی کان کو معدن (بکسر الدال) اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سونے اور چاندی کا مرکز ہوتا ہے یا اس لیے کہ وہاں پر لوگ سرما و گرما ہیں جمع رہتے ہیں یعنی باغات خالص۔

يَدْخُلُونَهَا جن میں اہل ایمان داخل ہو کر باہر نہیں نکلیں گے بلکہ اس میں مداومت اختیار کریں گے۔

ف: بعض کہتے ہیں کہ جنات عدن تمام بہشتی مقامات کا درمیان ہے اور وہی تمام بہشت کا افضل و اعلیٰ مقام ہے کیونکہ یہ وہی جگہ ہے جہاں خصوصی طور پر تجلی و انکشافِ الٰہی ہوگا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بلا واسطہ پیدا فرمایا ہے۔

نکتہ: فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ یہی دوسری قسم زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ بہشت میں ہر مومن کو اقامت نصیب ہو گی لیکن جنت عدن میں صرف اسی کو اقامت نصیب ہو گی جو مومن کامل یعنی ولی اکمل ہو گا۔ اور ولایت ان آٹھ صفات سے متصف ہونے کا نام ہے اور ان اوصاف سے وہی متصف ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرمائے۔

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ اس کا عطف یدخلونہا کی ضمیر مرفوع پر ہے اور یہ جائز ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ آباء ماں و باپ کے دونوں پہلو مراد ہیں۔ گویا در اصل اٰبائھم و امھاتھم ہے۔ یعنی صلحاً بہشتیوں کے آباء و امہات صلحاً بہشت میں داخل ہوں گے۔

وَ اَزْوَاجِهِمْ ازداج، زوج کی جمع ہے۔ فارسی بمعنے زن۔ عورت کے لیے زوج اور زوجہ دونوں استعمال ہوتے ہیں لیکن زوج کا لفظ فصیح تر ہے وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ اور ان کی اولاد بھی ان کے ساتھ بہشت میں داخل ہو گی اگرچہ فضیلت علمی و عملی میں ان کے مراتب کو نہ پہنچے ہوں صرف ان کی متابعت، تعظیم و تکریم، خوشی و شادمانی اور راحت و فرحت کی تکمیل کی وجہ سے۔

ف: انسان کی سب سے بڑی خوشی اس میں ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں اپنے کنبہ (آباء، امہات، ازواج، اولاد) کے ساتھ یکجا زندگی گزارے اور ایک جگہ رہ کر ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ رہے۔ اسی طرح وہ بہشت میں اکٹھے رہ کر ایک دوسرے کے دنیاوی تکالیف اور پریشانیوں سے چھٹکارا پانے پر شکر کریں اور اس کے متعلق ایک دوسرے کو حالات سنائیں، اور بہشت میں داخلے کی کامیابی پر اظہارِ مسرت کریں۔

مسئلہ شفاعت و ردِّ وہابیہ

اس سے معلوم ہوا کہ شفاعت کبھی درجات کی کمی و بلندی سے بدل جائے گی۔ وہ اس لیے کہ کاملین کی خوشی کے لیے اور ان کی تعظیم و تکریم کی خاطر ان کے متعلقین کم مرتبہ کو بلند مراتب عطا ہوتے ہیں تو شفاعت سے بطریق اولیٰ ہے کہ ان کے مراتب بلند کیے جائیں۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خالی نسب غیر مفید ہے جب تک اس میں صلاحیت و اہلیت نہ ہو۔ اسی لیے اسے ومن صلح سے مقید کیا گیا ہے۔ ؎

اتفخر باتصالك من علی

واصل البولة الماء القراح

ولیس بنافع نسب نزکی

یدنسه صنائعك القباح

ترجمہ: تمہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسب کے اتصال پر فخر ہے حالانکہ ہر انسان ایک سفید پانی سے پیدا ہوا ہے۔ صاف ستھرا نسب کوئی فائدہ نہ دے گا جبکہ اس میں بداعمال کی میل کچیل کی ملاوٹ ہو۔

فارسی میں کسی نے کہا: ؎

اصل را اعتبار چنداں نیست

روئے تر گل ز خار خنداں نیست

می ز غورہ شود شکر از نے

عسل از نحل حاصلست بقے

ترجمہ: اصل نسب وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ گل کا تر و تازہ چہرہ کانٹے سے نہیں۔ شراب انگور کے

نچوڑ سے اور شکر کماد سے بنتی ہے۔ شہد بھی مکھی کی ایک قے ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ اور فرشتے انھیں ہر دروازے سے سلام عرض کرینگے یعنی ان کے منازل کے دروازوں سے فرشتے داخل ہو کر عرض کریں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ یہ محلاً حال ہے در اصل قائلین سلام علیکم تھا۔ یعنی درانحالیکہ تمہیں اللہ تعالیٰ عذاب سے صحیح وسالم رکھے اور ان پریشانیوں سے محفوظ رکھے جن سے تم ڈرتے ہو۔

بہشتی کا ٹھاٹھ حدیث شریف میں ہے کہ ہر بہشتی کے ستر ستر ہزار نوکر اور خدام ہوں گے اس لیے کہ فرشتے بہشتیوں سے محبت کرتے ہیں اور انھیں السلام علیکم عرض کریں گے اور انھیں ان نعمتوں کی خبریں دیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائی ہے۔

ف: جناب مقاتل فرماتے ہیں دنیوی دن رات کی مقدار میں ہر بہشتی کے ہاں تین بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحائف اور ہدایا پیش ہوں گے۔ اسی طرح تین بار روزانہ انھیں ملائکہ کرام سلام عرض کریں گے اور انھیں سلامتی کی بشارتیں سنائیں گے۔

بِمَا صَبَرْتُمْ یہ صلہ اور کرامت عظمیٰ تمہارے اس صبر کرنے کی وجہ سے ہے جو تم نے دنیا میں فقر و فاقہ اور طاعت و عبادت پر مداومت کی اور تمہیں دنیا میں جتنے دُکھ اور تکالیف پہنچے یہاں نجات پا کر دائمی راحت و قرار پاؤ گے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دُنیا میں فقیری اختیار کرو اللہ تعالیٰ کے حضور میں فقیری حالت میں جاؤ نہ غنی بن کر، اس لیے کہ: ع

• کانجا فقر از ہمہ مقبول ترند

(وہاں فقرا تمام لوگوں سے زیادہ منظورِ نظر ہوں گے)

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فقرا نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نمائندہ بھیجا، وہ حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں فقراء کی طرف سے نمائندہ بن کر حاضر ہُوا ہُوں۔ آپ نے اسے فرمایا: مرحبا! تم ان لوگوں سے تشریف لائے ہو جو میرے محبوب ترین دوست ہیں۔ نمائندے نے عرض کی یا رسول اللہ! فقراء کہتے ہیں کہ ہر نیکی میں اغنیاء ہم سے سبقت کر جاتے ہیں حج وہی پڑھتے ہیں اور ہم فقر و فقیری کی وجہ سے حج نہیں پڑھ سکتے۔ اور وہ صدقات و خیرات کرتے ہیں اور ہمارے میں اتنی طاقت نہیں کہ ہم صدقات و خیرات کریں اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم خود محتاج ہیں غلام کہاں سے آزاد کریں۔ اور جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو وہ اپنے لیے آخرت کے ذخیرہ کے لیے بہت سامال اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمائندے سے فرمایا کہ تم فقراء کو جا کر میرا پیغام پہنچا دو کہ جو دُکھ اور تکلیف پر رضائے الٰہی کی وجہ سے صبر کرتا ہے تو اسے تین مراتب نصیب ہوتے ہیں جن میں سے اغنیاء کو ایک بھی نصیب نہیں ہوتا۔

① بہشت میں سُرخ یاقوت کے بالاخانے ہیں جو بہت بلند ہیں اور دُور سے چمکدار نظر آئیں گے جیسے دُنیا میں

دُور سے ستاروں کو دیکھا جاتا ہے۔ ان بالاخانوں میں وہ انبیاء اور شہداء اور مومن داخل ہوں گے جو دنیا میں فقر و فاقہ میں رہا۔

(۲) فقراء اغنیاء سے پانچسو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

(۳) جب فقیر تنگدست سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر مخلصانہ طور پر پڑھتا ہے اور دولت مند بھی اسے مخلصانہ طور پر پڑھے تو دولت مند فقیر اس کے ثواب کو نہیں پہنچ سکے گا جو اسے قیامت میں نصیب ہوگا۔ اگرچہ دولت مند دس ہزار درہم بھی خرچ کرے۔ اسی طرح فقیر و غنی کی ہر نیکی کے ثواب کا معاملہ ہے۔

جب فقراء کا نمائندہ فقراء کے ہاں واپس آیا اور انھیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا تو بہت خوش ہوئے۔

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اس کا مخصوص بالمدح محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے:

نعم عقبی الدار جنات عدن۔

(یعنی جنات عدن ان کے لیے بہترین قرارگاہ ہے)

اور الدار میں الف لام صرف جنس کا ہے۔

فوائد: آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ نے بہشتیوں سے تین باتوں کا وعدہ فرمایا ہے:

- جنت
- ان کے لواحقین و متعلقین ان کے ساتھ بہشت میں ہوں گے بشرطیکہ وہ مومن ہوں اگرچہ ان کے اعمال انکی مثل نہ ہوں۔
- ہر دروازہ کے ملائکہ کرام ان کے ہاں حاضر ہو کر سلامتی و عافیت کی خوشخبری سنائیں گے۔

حکایت حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم دریائی سفر پر بحری جہاز پر سوار تھے کہ ہوائی طوفان نے ہمیں ایک جزیرہ میں پہنچا دیا وہاں ایک مرد کو ہم نے دیکھا کہ وہ بت کی پرستش کر رہا ہے ہم نے اس سے پُوچھا کہ کس کی عبادت کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ اس سامنے والے بُت کی۔ ہم نے کہا کہ یہ انسان کا بنایا ہوا ایک ڈھانچہ ہے اسے ہر کوئی بنا اور مٹا سکتا ہے۔ اس نے ہم سے پُوچھا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ ہم نے کہا اس خالق کی جس کا پائیہ تخت آسمان پر اور زمین کے ذرّے ذرّے پر اس کا قبضہ اور تمام زندوں و مردوں پر اس کی قضا و قدر جاری ہوتی ہے۔ اس نے ہم سے سوال کیا کہ تمھیں کس نے بتایا کہ تمہارا معبود انہی اوصاف کا مالک ہے؟ ہم نے کہا اس نے ہمارے ہاں اپنا رسول (علیہ السلام) بھیجا۔ انہوں نے آکر ہمیں سمجھایا۔ اس نے پُوچھا: تمہارا رسول کیا کام کرتا ہے؟ ہم نے کہا انھوں نے ہمیں حق کا پیغام دیا اس کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے ہاں واپس بُلا لیا اور وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب عنایت فرما گئے ہیں اور وہ کتاب یہ ہے۔ ہم نے اسے قرآن پاک کی ایک سورت سنائی۔ رجیت تک ہم نے سورت ختم نہ کی وُہ روتا رہا۔ اس نے کہا ایسی کتاب کے نازل کرنے والا اس لائق ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ یہ

کہہ کر وہ مسلمان ہوگیا۔ ہم نے اسے اسلام کے احکام اور قرآن مجید کی چند سُورتیں سکھائیں۔ جب عشاء کی نماز کے بعد ہم نے سونے کا ارادہ کیا تو اس نے پُوچھا کہ کیا اس کتاب کا مالک یعنی ہمارا رب تعالیٰ سوتا ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ اس نے کہا پھر تمہارے لیے صد افسوس کہ آقا تو نیند نہ کرے اور ہم سوتے رہیں۔ یہ نہایت ہی ناموزوں ہے۔ ہم اس کی تقریر سے متعجب ہوئے کہ نومسلم ہے لیکن باتیں عارفانہ کرتا ہے جب ہم نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس کے اخراجات کے لیے کچھ چندہ جمع کر کے اس کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ جب ہم نے کچھ دراہم و دنانیر پیش کیے تو اس نے کہا یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا آپ کو ضرورت پڑے گی۔ اس نے ہنس کر کہا کہ مجھے تو اسلام کی دعوت دیتے ہو اور خود اس کے خلاف کرتے ہو۔ خدا کے بندو! یقین کرو کہ میں جب اس کا باغی ہو کر اس کے غیر کی پرستش کرتا تھا تب بھی اس نے مجھے نہ بھلایا اب جبکہ میں اس پر ایمان لا کر اس کا عرفان حاصل کر چکا ہوں تو پھر مجھے وُہ کیسے بھلا سکتا ہے۔ ہم نے اسے اپنی حالت پہ چھوڑا۔ ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ اطلاع ملی کہ وہی نومسلم زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ میں اس کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کچھ ضرورت ہو تو بتاؤ۔ اس نے فرمایا میری تمام ضروریات و حوائج کو اس ذات نے پُورا کر دیا جو تمہیں یہاں لے آئی۔ حضرت عبداللہ بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی اثنا میں مجھے ذرا نیند سی آگئی میں نے خواب میں ایک سبز باغ دیکھا جس میں ایک قبہ تھا قُبّے میں ایک تخت تھا اور اس تخت پر ایک پری پیکر دوشیزہ بیٹھی تھی۔ اس حسینہ جیسی قبل ازیں نہ دیکھی نہ سُنی تھی۔ اور وُہ کہہ رہی تھی کہ خبردار! جلدی کرو مجھے تو اس کے شوقِ دیدار سے آرام و قرار نہیں۔ اس کے بعد میں نیند سے بیدار ہوگیا۔ اندریں اثنا وہ بندۂ خدا فوت ہوچکا تھا ہم نے اسے تغسیل کے بعد کفن دے کر دفنایا۔ پھر اسی رات وہی سبز باغ دیکھا اس کے اندر وہی قبہ تھا اس قُبّے میں وہی تخت تھا اسی تخت پر وہ نومسلم بزرگ بیٹھا تھا اور وُہ حسینہ اس کے پاس کھڑی تھی اور وُہ خود یہ آیت پڑھ رہا تھا: والملٰئکة یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم فنعم عقبی الدار۔

مسئلہ: عالمِ دنیا میں ملائکہ کرام کا کلام سننا اور انھیں بلا حجاب ان کی اصل صورت میں دیکھنا صرف اولیاء کرام کا خاصہ ہے کیونکہ ان کے جواہر لطیف ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام غزالی المنقذ من الضلال میں لکھتے ہیں:

ان الصوفیه یشاھدون الملائکة فی یقظتھم
ای لحصول طھارة نفوسھم و تزکیة
قلوبھم وقطعھم العلائق وحسمھم مواد
اسباب الدنیا من الجاہ والمال واقبالھم
علی اللہ بالکلیة علما دائما وعملا مستمرا۔

بے شک بیداری میں صوفیہ ملائکہ کا مشاہدہ کرتے ہیں
اس لیے کہ ان کے نفوس طاہر و مطہر اور ان کے
دل مزکی اور پاک و صاف ہوتے ہیں کیونکہ وہ دنیوی
تعلقات سے فارغ اور دنیا کے اسباب اور جاہ و
مال سے کوسوں دُور ہوتے ہیں علماً و عملاً ہر طرح وہ
صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

مسئلہ: عوام کو ملائکہ عالمِ مثال میں نظر آتے ہیں یا پھر ان کی صورتوں کو آخرت میں دیکھیں گے۔ (کما لایخفیٰ)

وَالَّذِیْنَ اور وہ لوگ یعنی کفار یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ توڑتے ہیں وہ وعدہ جو ان سے طاعت و ایمان کے لیے

میثاق کے دن لیا گیا مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ اس کے پختہ ہونے کے بعد یعنی باوجودیکہ ان کے اقرار و قبول کے بعد اس عہد کی سخت سے سخت تاکیدیں کی گئیں کہ اس کے خلاف ہرگز نہ کرنا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ارواح آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اپنی عبودیت کا اقرار کر لیا۔ کما قال تعالیٰ:

الم اعھد الیکم یا بنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان۔	کیا میں نے اے بنی آدم! تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔

مسئلہ: ازل میں عہد دو طرح لیے گئے:

○ عہد علیٰ محبت

○ عہد علیٰ عبودیت

عہد علی المحبۃ خواص سے لیا گیا اور عہد علی العبودیت عوام سے۔ اہلِ محبت نے تو اپنے عہد کو تادمِ زیست خوب نبھایا۔ ان کے لیے عہد توڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور عوام کا وہ عہد جو محبت سے مؤکد تھا وہ تو انہوں نے نہ توڑا اور وہ عہد جو محبت سے مؤکد نہیں تھا وہ توڑ کر غیر اللہ کی عبادت میں مصروف ہوئے اور غیر اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور ان سے محبت کی۔

ف: کامل بیداری والے اس عہد کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں کیونکہ دنیوی امور کے تمام حجابات ان سے دُور ہو جاتے ہیں۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو الستُ بربکم کا وقت یاد ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تو تاہنوز میری آنکھوں میں پھر رہا ہے اور کانوں میں گونج رہا ہے۔ کسی اللہ والے سے پوچھا گیا کہ الستُ بربکم کو کتنا وقت گزرا ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ تو ابھی گزرا مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا کل پرسوں کی بات ہے۔

سبق: ایسے حضرات سے الست کا وعدہ بھولنے کا کیا معنیٰ، جنہیں وہ زمانہ ہر وقت آنکھوں کے سامنے یا انہیں کل پرسوں کی بات نظر آئے، ہاں عوام چونکہ اہلِ حجاب ہیں اسی لیے ان سے دُور ہو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کو اس سے ذرہ برابر بھی کوئی شے یاد نہیں۔

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ اور توڑتے ہیں اسے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اسے ملایا جائے۔ اس کی تشریح و تفسیر ہم نے پہلے عرض کر دی ہے۔ مثلاً رشتہ داروں کی صلہ رحمی اور اہلِ ایمان سے محبت و دوستی اور انبیاء علیہم السلام سے عقیدت و محبت اور ان سب پر ایمان لانا اور ان سب کو حق پر سمجھنا وغیرہ وغیرہ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اور زمین پر فساد ڈالتے ہیں۔ مثلاً غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ اسی طرح ظلم کرنا یا اس پر اکسانا اور جنگیں چھیڑنا اور فتنہ انگیزیاں کرنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ فتنے سوتے ہیں، ملعون ہے جو انہیں جگاتا ہے۔

ف: جگانے کا یہی معنیٰ ہے کہ عوام کو لڑانا اور ان کے معاملات میں گڑبڑ کرانا اور ان کے درمیان اختلاف کھڑا کرنا اور بلاوجہ انہیں محنت و آزمائش میں ڈالنا یہ حرام ہے کیونکہ فساد فی الارض اور اضرار المسلمین اور زیغ اور الحاد فی الدین ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

زان ہمنشین تا توانی گریز
کہ مر فتنۂ خفتہ را گفت خیز

ترجمہ: اس دوست سے جہاں تک ہو سکے دور ہو جو سوئے ہوئے فتنہ سے کہتا ہے اٹھ کھڑا ہو۔

فساد فی الارض کے مسائل

۱۔ بادشاہ (حکومت) کے خلاف بھڑکانا (اگرچہ وہ ظالم ہو)۔
۲۔ عوام بادشاہ (حکومت) کے خلاف ہو جائیں ان کی معاونت کرنا اگرچہ وہ مظلوم ہوں۔
۳۔ بادشاہ (حکومت) کی عوام کے خلاف ناجائز طور پر مدد کرنا اس لیے کہ یہ بھی اعانت علی الظلم ہے اور وہ ناجائز ہے۔
۴۔ عوام میں ایسے مسائل بیان کرنا جو ان کی عقل و فہم سے دُور ہوں۔ حدیث شریف میں ہے "ہم مامور من اللہ ہیں کہ عوام سے ان کی عقل و فہم کے مطابق بات کریں۔"
۵۔ لوگوں کو ایسی نصیحتیں اور تقریریں کرنا جنھیں خود بھی نہ جانتا ہو اور نہ ہی عوام کو پورے طور سمجھا سکتا ہے اس سے عوام میں جھگڑے اور اختلافات اور تنازعات کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے بعض واعظوں کا طریقہ ہے[۱]۔
۶۔ ایسے اقوال و مسائل پر فتویٰ دینا یا فیصلہ کرنا جو شرعاً یا عرفاً مہجور یا ضعیف ہیں یا اگرچہ قوی ہیں۔ لیکن عوام میں نہ صرف غیر متعارف ہیں بلکہ ان سے بوجہ بے خبر ہونے کے انکار کرتے ہیں یا ایسے مسائل پر عمل کرنے سے دُوسری طاعت و عبادت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ مثلاً[۲] غیر مقلدین اکثر منسوخ احادیث پر یا روایات مرجوحہ پر عمل کرتے اور اس پر عوام میں انتشار پھیلاتے ہیں یا جیسے قاری صاحب عوام بادیہ نشین دیہاتیوں بے خبروں بوڑھوں وغیرہ کو کہتے ہیں کہ قرآن مجید تجوید کے بغیر پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی اور وہ بے چارے تجوید کے مطابق پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتے اسی لیے سرے سے نماز چھوڑ بیٹھتے یا چھوڑنے پر تیار ہو جاتے ہیں حالانکہ نماز تجوید کے بغیر بھی جائز ہے۔ یہ قول ضعیف سہی لیکن عوام کے دین کی تو حفاظت ہوتی ہے اسی طرح عوام کو کہنا کہ دراہم و دنانیر کے ساتھ بیع و شراء اور قرضہ دینا لینا وزن کیے بغیر ناجائز ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وزنی بیوع میں سے ہے اور ان کا حکم وزنی میں سے ہوگا اگرچہ لوگ وزنی حیثیت کو ترک کر دیں تب بھی یہ قول قوی ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کا غیر ظاہر الروایۃ میں بھی یہی قول ہے لیکن اب اس کی بیع وزنی نہیں بلکہ عددی مروج ہے عوام نے اس کی وزنیت کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ اب اس کے خلاف کہا جائے تو عوام اپنے معاملات کے

---

[۱] آج کل ہمارے بعض مقررین و واعظین کا طرز طریق ہے کہ عوام کی سمجھ سے بالاتر تقریریں کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے بعض صاحبان وحدۃ الوجود کے ابحاث میں لگے رہتے ہیں۔

[۲] مثلاً نور و بشر و حاضر و ناظر و دیگر اختلافی مسائل کے درپے ہو جاتے ہیں انھیں تحقیقی طور سمجھا نہیں سکتے اس سے تنازعات پیدا ہو جاتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

ترک نہیں کریں گے۔ اگر مجبور کیا جائے تو فتنہ برپا ہوتا ہے۔ لہٰذا فتنہ سے بچنے کے لیے قاضیوں، مفتیوں اور واعظوں پر واجب ہوتا ہے کہ عوام کے متعلق سوچ لیا کریں کہ وہ عوام کے مسائل کے رد اور قبول کرنے اور جد وجہد اور سستی کرنے وغیرہ وغیرہ کو پورے سوچ بچار سے کام لیا کریں ان سے ایسے طریقہ سے گفتگو کریں کہ ان میں فتنہ برپا نہ ہو اور نہ ہی ایسے مسائل گھڑے کریں کہ جن سے بجائے فائدہ کے نقصان ہو۔

ف: یہی معاملہ وعظ ونصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں واعظین ومقررین کو کرنا چاہیے کہ عوام میں ایسے مسائل نہ پیش کریں کہ جن سے ان میں فائدہ کے بجائے نقصان ہو۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ یہی لوگ ہیں جن کو آخرت میں لعنت ہوگی۔ یہ جملہ الذین ینقضون الخ کی خبر ہے اور لعنۃ بمعنے رحمت سے بعید کرنا اور قربِ الٰہی سے دھتکارنا۔ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ اور ان کے لیے بُرا گھر ہے یعنی دُنیا میں ان کا انجام بربادی ہوگا۔ یعنی مرنے کے بعد جہنم میں جائیں گے۔

مسئلہ: لعنت اور بُرا انجام صرف ان کو لازم ہے۔ ان دونوں میں سے ان کے بغیر کسی اور کو نصیب نہ ہوگا۔

ف: اہلِ اسلام کو ان تینوں صفات سے نفرت دلانا مطلوب ہے اور ان پر واضح کرنا ہے کہ ان تینوں میں کسی ایک کے بھی قریب نہ بھٹکنا۔

حدیث شریف جو قوم عہد توڑتی ہے اللہ تعالیٰ ان میں خانہ جنگی پیدا فرماتا ہے۔ اور جو لوگ زنا کا ارتکاب کرتے ہیں ان میں موت بکثرت واقع ہوتی ہے۔ اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک لیتا۔

حدیث شریف جو اپنے مسلمان بھائی کی عہد شکنی کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور لوگوں کی لعنت اور قیامت میں اس کی نہ کوئی نیکی قبول ہوگی اور نہ کوئی صدقہ وخیرات۔ یعنی نہ فرضی صدقات قبول ہوں گے نہ نفلی۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ)۔

ہ

وفا و عہد نکو باشد ار بیاموزی
وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ: وفا وعہد اگر سیکھ لو تو اچھا ہے ورنہ جسے بھی دیکھو وہ ظلم وستم ہی جانتا ہے اور بس۔

ف: لعنت دو قسم ہے:

۱۔ بہشت سے محروم کر دینا یہ کافروں کے لیے ہے۔

۲۔ قرب و وصال سے دُور رکھنا یہ عام اہلِ ایمان کے لیے ہے جو ادائیگی حق عبودیت میں کوتاہی کرتے ہیں اس لیے کہ جو بھی عبودیت میں کوتاہی یا خدا تعالیٰ کی دی ہوئی استعداد کی زمین میں فساد ڈالتا ہے تو ہجر و فراق کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ اگرچہ وہ بظاہر بہشت میں بھی ہوگا بہت سے لوگ بظاہر کامل لیکن درحقیقت وہ ناقص ہوتے ہیں اسی طرح بہت سے بظاہر ناقص لیکن

درحقیقت کامل ہوتے ہیں۔

حضرت عارف جامی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

چہ غم ز منقصت صورت اہل معنی را

چو جان ز روم بود گو تن از حبش می باش

ترجمہ: اہلِ معنیٰ کو ظاہری صورت کے نقص سے غم نہیں ہوتا اس لیے کہ اگر جان رومی (حقیقت آشنا) ہو تو جسم حبشی (سیاہ رنگ) ہو تو کوئی حرج نہیں۔

مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں تھے لیکن اگرچہ ظاہر میں وہ آگ تھی لیکن درحقیقت باغِ جناں یعنی ٹھنڈی اور سلامتی والی تھی آپ کو اس آگ ظاہری نے نقصان نہ پہنچایا آپ کے لیے نمرود کا عذاب رحمت و نعمت بن گیا اور نمرود اگرچہ خود بظاہر نعمت شاہانہ سے بھرپور تھا لیکن درحقیقت عذاب اور قہرِ حق میں مبتلا تھا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اہلِ جنت اور اہلِ قرب اور اہلِ وصال کا درجہ مانگتے ہیں۔

اَللّٰہُ وہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہ یَبْسُطُ الرِّزْقَ دنیا میں رزق وسیع فرماتا ہے لِمَنْ یَّشَآءُ جس کے لیے توسیع کا ارادہ فرماتا ہے وَیَقْدِرُ تہذیب المصادر میں ہے کہ القدر بمعنے تنگ کرنا (از باب ضرب) یعنی جس کے لیے روزی کی تنگی چاہتا ہے تو اس کے لیے روزی اتنی مقرر فرماتا ہے جتنی اسے کفایت کر جائے۔ اتنا نہیں دیتا کہ اس کے لیے کچھ بچ جائے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے وعدۂ میثاق کو توڑتے ہیں وہ دنیا میں ملعون اور آخرت کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اسی لیے انہیں دنیا کے عیش و عشرت کی تمام اشیاء مہیا کر دی گئی ہیں۔

سوال: دنیا کے اسباب کی وسعت کو کفر و ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے جسے چاہے دولتمند بنا دے، جسے چاہے تنگدست اور محتاج بنا دے۔ پھر تم نے یہ کیوں کہا ہے کہ اسے دُنیا میں عیش و عشرت کے اسباب مہیا کر دیئے گئے۔

جواب: یہ ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ ان کے لیے ہے جو دُنیا میں رہ کر صرف دُنیا کے خواہشمند ہیں ورنہ بہت سے اہل ایمان کی دنیوی اسباب کی تنگی صرف ان کی آزمائش کے لیے ہوتا ہے تاکہ وہ صبر دکھا کر بلند مراتب سے فائز المرام ہوں یا ان کے لیے یہی تنگی ان کے گناہوں کا کفارہ بنے اور گناہوں سے پاک و صاف ہو کر بہت بڑے درجات حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت بڑے تنگ دست اور بظاہر رزق کے معاملہ میں بہت بڑے محتاج تھے اور کفار مکہ بہت بڑے غنی اور مالدار تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض حضرات کو رزق کی فراوانی موجب صلاح و اصلاح ہوتی ہے، اور بہت سے حضرات کے لیے معاش کی تنگی میں صلاحیت اور موجب فلاح و کامرانی ہوتی ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگوں کے لیے دولت مندی موجب بربادی ہوتی ہے اور بعض کے لیے فقر و فاقہ سیہ رُوئی اور بدبختی کا سبب بنتا ہے۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالےٰ

نے فرمایا ؎

ازیں رباط دو در چوں ضرورتست رحیل

رواق طاق معیشت چہ سربلند وچہ پست

بہست ونیست مرنجان ضمیر وخوش دل باش

کہ نیستیست سرانجام ہر کمال کہ ہست

بہال وپرمرو از رہ کہ تیر پرتابی

ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

ترجمہ: اس دو دروازوں والی حویلی سے کُوچ ضروری ہے۔ معاش تنگ ہے یہ فراخدستی سے بست ونیست سے دل کو رنج نہ پہنچاؤ بلکہ خوش ہو کر گزارو، اس لیے کہ ہر کمال کو زوال ہے بال وپر کے ناز پر سیدھے راہ کو نہ چھوڑ کیونکہ جب ہوا کا جھونکا آیا تو تجھے مٹی میں ملا دے گا۔

تفسیر عالمانہ وَفَرِحُوْا اور کفار کم خوش ہوئے۔ الفرح لذة فی القلب لنیل المشتہی طبعی خواہش کے مطابق شے کے حصول پر قلبی لذت کو فرح و فرحة کہتے ہیں بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا انھیں دنیا میں جو فراخی اور رزق کی وسعت نصیب ہوتی ہے تو متکبرانہ وجابرانہ طور خوش ہیں حالانکہ انھیں شاکرانہ طور خوش ہونا چاہیے اس لیے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نصیب ہوا ہے بنابریں خوش ہیں۔

مسئلہ: دنیا پر اترانا تکبر کرنا حرام ہے۔ ؎

افتخار از رنگ بُو و از مکان

ہست شادی و فریب کودکان

ترجمہ، رنگ و بُو اور مکان سے اترانا فخر کرنا عارضی اور بچوں کا کھیل ہے۔

نسخہ روحانی وعلاج امراض نفسانی قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذٰلك فلیفرحوا کے تحت شرح الحکم میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرحت وسرور کو بالکل ترک کر دینے کے لیے ہمیں حکم نہیں فرمایا اس لیے کہ یہ بھی انسان کی ان ضروریات میں سے ہے کہ جن کا چھوڑنا ناممکن ہے بلکہ اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اسے جائز جگہ پر صرف کرنا چاہیے۔ اسی طرح دیگر امراض روحانی جیسے طمع، بخل، حرص، شہوت، غضب انھیں انسان اپنے سے نکال کر باہر نہیں پھینک سکتا بلکہ ضروری ہے کہ انھیں مناسب مقام پر صرف کرے۔

وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ لفظ فی نہ حیاة کے لیے ہے نہ دُنیا کے لیے کیونکہ یہ دونوں آخرت میں واقع نہیں ہوں گی۔ بلکہ یہ حالیہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ نہیں حیاتِ دنیا حیاتِ آخرت کے مقابلے ہیں۔ یعنی دنیا کا آخرت پر

کسی قسم کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ اس معنے پر نفی قیاسیہ ہے اور نفی قیاسیہ وہ ہے جو مفضول سابق اور فاضل کے درمیان واقع ہو۔

اِلَّا مَتَاعٌ مگر شئے معمولی کہ جس سے معمولی طور نفع اٹھایا جائے جیسے چرواہا اپنے لیے تھوڑا سا سامان لے لیتا ہے یا جیسے سوار معمولی سامان اپنے پاس رکھتا ہے یعنی اتنا جو لمحات کے بعد ختم ہو جائے جیسے چند کھجوریں اور ستُّو وغیرہ۔

حکایت صاحب بن عباد نے کہا کہ میں نے ایک بادیہ نشین عورت سے سُنا وہ اپنے لڑکے سے کہہ رہی تھی این المتاع۔ لڑکے نے جواب دیا جاء الرقیم واخذ المتاع۔ الرقیم بمعنے کُتّا، اور متاع وہ شے جسے پانی میں بھگو کر پیالہ صاف کیا جائے۔ یعنی کتا آیا اور پیالہ صاف کرنے والے کپڑے کا ٹکڑا لے گیا۔

ف : اس میں حالتِ دنیا کی قباحت کا اظہار مطلوب ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ متاع وہ سامان جسے بقا نہ ہو۔ جیسے گھر کا معمولی سامان مثلاً بڑا پیالہ اور چھوٹا پیالہ اور ہانڈی وغیرہ کہ ان سے چند روز نفع اٹھایا جاتا ہے پھر وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔

سبق : سمجھدار آدمی جلد ترٹنے والی اشیأ سے خوش نہیں ہوتا اس لیے کہ ان سے جی لگانے پر دل کو سخت صدمہ پہنچتا ہے اور بہت دیر تک اس کے اثرات رہتے ہیں اگرچہ وقتی طور ان اشیأ سے خوش ہو جاتا ہے لیکن پھر وہی نفس ان چیزوں سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ سہ

ومن سره ان لا یری مایسوءه

فلا یتخذ شیأً یخاف له فقدا

ترجمہ : جسے خواہش ہو کہ پریشانی کا منہ نہ دیکھے تو وہ ایسی شے لینے کی کوشش نہ کرے جو جلد ختم ہو جائے۔

حکایت بعض بادشاہوں کے متعلق ذکر ہے کہ اس کے ہاں ایک فیروزہ کا پیالہ لایا گیا جو جواہرات سے مرصّع تھا اور وہ اپنی نظیر آپ تھا جسے دیکھ کر بادشہ بہت خوش ہوا۔ بادشاہ نے اپنے ہمنشیں حکیم سے پُوچھا کہ یہ کیسا ہے۔ اس نے کہا میں اس میں فقیری اور تنگدستی پاتا ہوں اور اس میں بہت جلد آنے والی مصیبت دیکھتا ہُوں۔ بادشاہ نے کہا وہ کیسے۔ حکیم نے کہا کہ اگر ٹوٹ جائے تو تم اس سے سخت غمگین ہو گے۔ اگر چوری ہو جائے تو اس کے محتاج بنے جاؤ گے کہ تم اس کی تلاش میں رہو گے۔ پہلے یہ تمہارے ہاں اٹھا کے لایا گیا پھر تم اس کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاؤ گے۔ یہ نہ ہو تو نہ تمہیں کوئی مصیبت نہ کوئی پریشانی۔ لیکن بادشہ نے نہ مانا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد وُہ پیالہ ٹوٹ گیا اس سے بادشہ کے دل کو سخت صدمہ ہُوا اور کہا کہ حکیم صاحب نے سچ فرمایا کاش ! یہ میرے ہاں نہ لایا جاتا۔

نکتہ : کوئی چاہے کہ مجھے ایسی حکومت میسر ہو جس سے اسے معزول نہ ہونا پڑے تو اسے چاہیے کہ کوئی حکومت (ملازمت وغیرہ) نہ اختیار کرے اس لیے کہ دنیا کی ہر حکومت کا یہی حال ہے کہ اس میں لامحالہ معزول ہونا پڑتا ہے اور معزولی نہ سہی موت سے تو خواہ مخواہ ہی معزول ہونا پڑے گا۔ (کذا فی الحکم العطائیہ)

ف : بزرگوں نے فرمایا کہ دُنیا اغیار کا گھر اور پریشان کن معاملات کا مرکز ہے اسی لیے اس سے کنارہ کشی لازمی ہے تاکہ کسی وقت بھی اس سے واسطہ نہ پڑے۔

مذمتِ دُنیا

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف وحی بھیجی کہ میرے دوستوں پر تنگ اور میرے دشمنوں پر فراخ ہو جا۔ دوستوں پر تنگ اس لیے کہ وُہ دنیا سے مطلع ہو کر مجھے بھلا نہ دیں اور دشمنوں پر فراخ اس لیے کہ وُہ دنیا میں مشغول ہو کر مجھے یاد نہ کریں۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ یبسط الرزق رزق سے کشف وکرامات اور مشاہدات مراد ہیں۔ یعنی کشف وکرامات اور مشاہدات بڑھاتا ہے لمن یشاء جن کے لیے چاہے اپنے محبین ومحبوبین کے لیے ویقدر اور یہی کشف وکرامات اور مشاہدات تنگ کرتا ہے ان کے لیے جن پر دُنیا اور اس کے شہوات کے دروازے کھول کر دنیا میں اسے مستغرق رکھتا ہے۔ وفرحوا اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں بالحیٰوۃ الدّنیا حیٰوۃ دنیا اور اس کی لذات و شہوات سے وما الحیٰوۃ الدّنیا اور نہیں حیاتِ دُنیا فی الاٰخرۃ بہ نسبت آخرت کے۔ لیکن ہر اس شخص کے لیے جو دُنیا سے گزر کر جاتا ہے اور اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا۔ الا متاع مگر معمولی اور خسیس ترین شے۔

کمال خجندی نے فرمایا : ؎

جہان و جملہ لذاتش بزنبور عسل ماند
کہ شیرینیش بسیارست وزاں افزوں شروشورش

ترجمہ : جہان اور اس کی تمام لذتیں بھڑ اور شہد کی مانند ہیں کہ اس کی مٹھاس بہت زیادہ ہے اس لیے اس کا شور اور شورش بہت ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

مرد جاہل چاہ گیتی را لقب دولت نہد
ہمچنانکہ آماس بیند طفل گوید فربہ است

ترجمہ : مرد جاہل دنیا کے کنویں کا دولت نام رکھتا ہے جیسے چھوٹا بچہ ورم دیکھ کر کہتا ہے یہ موٹاپا ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ
اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ
اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى
النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ
حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

ترجمہ: اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی۔ آپ فرمائیے بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور اپنی طرف سے اسے راہ دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل ذکرِ الٰہی سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو چین ملتا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے انھیں خوشحالی ہے اور نیک انجام (نصیب ہوگا) ہم نے آپ کو ایسی اُمت میں بھیجا جس سے پہلے بہت اُمتیں گزری ہیں تاکہ انھیں وہ پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی۔ اور وہ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں فرمائیے وہی میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں صرف اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ اور اگر ایسا قرآن ہوتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے یا زمین پھٹ جاتی یا اس کے ذریعہ مردوں سے باتیں کی جاتیں (جب بھی کافر نہ مانتے) بلکہ جملہ امور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں تو کیا مومن اس سے مایوس نہیں ہوئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام آدمیوں کو ہدایت دیتا اور کافروں کو ہمیشہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انھیں سخت دھمک پہنچتی رہے گی یا ان کے گھروں کے نزدیک نازل ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے بے شک اللہ تعالیٰ وعدے کا خلاف نہیں کرتا۔

تفسیر عالمانہ

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو کفر پر مداومت کرتے ہیں۔ اس سے کفارِ مکہ مراد ہیں۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں نازل نہیں ہوئی اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اس کے رب تعالیٰ کی طرف سے ایسی آیت جیسے ہم چاہتے ہیں وہ یہ کہ ان پر موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی طرح یا عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا جیسا معجزہ اترتا کہ وہی معجزہ ان کی نبوت و رسالت کی دلیل ہوتا

اور اس سے تصدیق ہوتی کہ واقعی وہ نبی برحق ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) قُلْ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ یاد رہے کہ محض ہٹ دھرمی سے معجزات و آیات کا مطالبہ کرنا بھی گمراہی ہے ورنہ وہ لوگ تو معجزات دیکھ چکے تھے اور ایسے بدقسمت انسان کو جتنا معجزات و آیات دکھائے جائیں اس کے لیے غیر مفید ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ایسے بدبخت کو راہِ حق دکھانے کا ارادہ ہی نہیں فرماتا وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ اَنَابَ اور اپنی طرف اسے ہدایت بخشتا ہے جو حق کی طرف پورا متوجہ ہو اور سرکشی کا نشہ دماغ سے اتار دے۔ اس معنے پر الیہ کی ضمیر حق کی طرف راجع ہے۔

ف: قاموس میں ہے کہ ناب الی اللہ بمعنے تاب جیسے اناب بمعنے تاب۔

الاضلال بمعنے خلق الضلال والھدایۃ بمعنے خلق الاھتداء الخ یعنی الاضلال

ردّ وہابیہ دیوبندیہ بمعنے بندے میں گمراہی پیدا کرنا اور الھدایۃ بمعنے بندے میں ہدایت پیدا کرنا اور اس کی ایسی رہبری کرنا جو مطلقاً مطلوب تک پہنچا دے اور یہ دونوں غیر اللہ کے لیے بوجہ سبب ہدایت کے مجازاً استعمال ہوتے ہیں اور اضلال کا مرتبہ شریعت میں شیطان کی طرف اور مرتبہ طریقت میں نفس کی طرف اور مرتبہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ اناب سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے کہ در اصل ھم الذین اٰمنوا یعنی وہ لوگ جو مومن ہیں وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ اور ان کے قلوب آرام پاتے ہیں بِذِکْرِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یعنی جب اللہ تعالیٰ کا نام سنتے ہیں تو انہیں اس کی محبت ہوتی ہے اور اس سے انہیں انس ہوتا ہے۔

مسئلہ: ذکر سے قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے کہ مسلمان کا دل قرآن مجید پڑھنے سے مطمئن ہوتا ہے اور تسلی پاتا ہے اور ذکر اللہ سے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یعنی اللہ مراد ہے کہ مسلمان یہ نام سن کر خوش ہوتے ہیں اور کافروں کو دنیا کے نام سے خوشی ہوتی ہے اور انہیں غیر اللہ کے نام سننے سے چین آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذا ذکر اللہ وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یؤمنون بالاخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون۔	اور جب اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ذکر ہو تو کافروں کے دل بجھا جاتے ہیں اور جب غیر اللہ کا ذکر ہو تو وہ خوش ہوتے ہیں۔

لہ اس تقریر سے وہابیوں دیوبندیوں کا وہ اعتراض اٹھ گیا کہ انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں پر ہدایت بمعنے خلق ہدایت ہے۔ جیسا کہ روح البیان ج ۴ ص ۳۰۳ پر ہے۔

لہ شفا شریف میں ہے کہ ذکر اللہ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

اَلَا خبردار جان لو کہ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اہلِ ایمان کے قلب مطمئن ہوتے ہیں اور ان کا یقین پختہ ہوجاتا ہے۔

ف : عوام کا دل تسبیح اور ثنا سے اور خواص کا دل اسمائے حسنیٰ کے حقائق سے اور اخص الخواص کا دل مشاہدۂ حق سے قرار پاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ویقول الذین کفروا اور وہ لوگ کہتے ہیں جنہوں نے حق کو باطل سے چھپایا۔ لولا انزل علیہ جو حق کی دعوت دیتا ہے اس پر کیوں نہیں نازل ہوتا اٰیۃٌ من ربہ کوئی معجزہ یا کرامت، جیسے دوسروں پر نازل ہوتے ہیں تاکہ وہ معجزہ یا کرامت ان کی صداقت پر دلالت کرے قل ان اللہ یضل من یشاء فرمائیے کہ جس کا ازل سے ہی اللہ تعالیٰ نے گمراہ رکھنے کا ارادہ فرمایا تو اسے آیت الٰہی جادو اور حق باطل نظر آتا ہے اور اپنی ذات کی طرف جس کی رہبری کے متعلق ارادہ فرماتا ہے تو وہ جمالِ الٰہی کا طالب و مشتاق بن جاتا ہے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ جو طالب و مشتاقِ حق ہے وہ اہلِ ہدایت ہے اور جسے ازل سے گمراہی نصیب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔ اور وہ لوگ یہ ہیں کہ جن کا دل صرف ذکرِ الٰہی سے چین پاتا ہے۔ یعنی اہلِ ہدایت صرف مومن ہیں۔

ف : قلب چار قسم ہے :

- قلبِ قاسی (کھوٹا دل)
- قلبِ ناسی (بھولنے والا دل)
- قلبِ مشتاق
- قلب وجدانی

قلبِ قاسی یعنی کھوٹا دل، یہ کافروں اور منافقوں کو نصیب ہوا۔ یہ لوگ صرف دنیا اور اس کی خواہشات سے خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا :

رضوا بالحیوۃ الدنیا واطمأنوا بھا۔ یہ لوگ دنیا پہ خوش اور اسی سے مطمئن ہیں۔

قلب ناسی یعنی بھولنے والا دل، یہ دل مسلم گنہگار کو ملا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فنسی ولم نجد لہ عزما۔ وہ بھولا اور ہم نے اس کا عزم نہ پایا۔

اس کا اطمینان توبہ اور نعیم جنۃ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا :

فتاب ھدیٰ۔ پس اس کی توبہ قبول کرکے اسے ہدایت دی۔

قلبِ مشتاق، یہ قلب مومن مطیع کو نصیب ہوا۔ اسے ذکرِ الٰہی سے سکون ملتا ہے۔ کما قال : الذین اٰمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ۔

قلبِ وجدانی ، یہ قلب حضرات انبیاء کرام اور خواص اولیاء کو نصیب ہوتا ہے۔ ان کا چین و قرار ذاتِ الٰہی اور اس کے صفات نامتناہی سے ہے۔ جیسا کہ آپ نے خلیل علیہ السلام کے جواب میں فرمایا جبکہ انہوں نے عرض کی :

کیف تحی الموتٰی ۔ اے اللہ کریم ! تو مُردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے ؟

اس کے جواب میں فرمایا :

اولم تؤمن ۔ کیا تمہیں ایمان نہیں ؟

خلیل علیہ السلام نے عرض کی :

بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی ۔ ایمان ہے لیکن جب تو مجھے خود احیاء الموتٰی کی کیفیت دکھائے گا اور صفت محی کی تجلی میرے دل پر ڈالے گا۔ میں مطمئن ہو کر تیری ذات کے واسطہ سے محی الموتٰی ہو جاؤں گا۔

یہی وجہ ہے کہ جب کسی خاص بندے کے دل پر اللہ تعالیٰ تجلی ڈالتا ہے تو اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس کے دل کے شیشے سے نورِ اطمینان اس کے نفس پر منعکس ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نفس بھی مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ اسی کی برکت سے جذبات عنایۃ یعنی ارجعی الیٰ ربک کے خطاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

نسخہ روحانی برائے علاج امراض نفسانی

نفائس المجالس میں لکھا ہے کہ ذکر قلوب کا صیقل اور سرورِ محبوب کا سبب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

فاذکرونی اذکرکم ۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

نکتہ ، جن کے دل پر حجابات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے مطمئن ہوتے ہیں لیکن جو واصل باللہ ہیں وہ اس وقت مطمئن ہوتے ہیں جب انہیں اللہ تعالیٰ یاد کرتا ہے۔

ذکرِ الٰہی کے فضائل

حدیث شریف ۱ ، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر یمن کی طرف بھیجا وہ کفار سے لڑے اور بہت جلد فتح یاب ہو کر مالِ غنیمت کافی زیادہ لے کر واپس آئے۔ ایک شخص نے کہا یہ لوگ تو بہت اچھے ہیں کہ مالِ غنیمت بھی بہت سارا لے آئے اور لوٹے بھی بہت جلدی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں ایک ایسی قوم کی نشان دہی کروں جو ان سے بھی افضل و اعلیٰ ہے۔ آپ نے فرمایا ، ان سے وہ لوگ افضل و اعلیٰ ہیں جو صبح کی نماز میں حاضر ہو کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے تک ذکرِ حق میں مشغول رہتے ہیں۔

حدیث شریف ۲ ، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے حلقۂ ذکر میں

تشریف لائے۔ آپ نے ان سے فرمایا؛ تم یہاں حلقہ باندھ کر کیوں بیٹھے ہو؟ عرض کی، ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حمد میں مشغول ہیں اور اس کا شکر کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام جیسی نعمت بخشی۔ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

ما اجلسکم (کیا واقعی تم اسی لیے بیٹھے ہو؟)

انہوں نے عرض کی، ہم اسی لیے بیٹھے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

آللہ ما اجلسکم الا ذالک۔ (بخدا تم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟)

ف: آللہ بالجر والمد یہ قسم کے لیے بولا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ تمہیں خدا کی قسم! کیا تم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟

انہوں نے عرض کی، بخدا ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما انی لم استحلفکم تھمۃ ولکن اتانی جبرائیل فاخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملئکۃ۔

میں نے تم سے قسم اٹھوا کر کسی تہمت یا بدظنی کے طور نہیں کہا بلکہ خوشی کے طور پوچھا ہے اس لیے کہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ کر ملائکہ کرام کے سامنے فخر و مباہات فرما رہا ہے۔

بدعت کا مسئلہ اور وہابیہ دیوبندیہ کے وہم کا ازالہ

سوال: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت سے سُنا کہ چند لوگ مسجد میں جمع ہو کر زور زور سے ذکرِ الٰہی اور درودِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پڑھ رہے ہیں۔ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا یہ جو تم کر رہے ہو اگرچہ فی نفسہٖ یہ اچھا فعل ہے لیکن مجھے تمہارے اس فعل سے بدعت کی بُو آتی ہے۔ ایسے ہی بار بار فرمایا یہاں تک کہ زبردستی ان لوگوں کو مسجد سے نکلوا دیا۔[1]

جواب اور تائید اہلسنت: حضرت الشیخ سنبل الخلوتی قدس سرہٗ الرسالۃ الحقیقۃ فی طریق الصوفیہ میں اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

بانہ کذب و افترا علی ابن مسعود لمخالفۃ النصوص القرآنیۃ والاحادیث النبویہ وافعال الملائکۃ قال اللہ تعالیٰ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر

یہ حضرت ابن مسعود پر افترا ہے اس لیے کہ وہ نصوص کی مخالفت کب کر سکتے ہیں جبکہ یہ مسئلہ قرآنی آیات اور احادیثِ صحیحہ اور افعالِ ملائکہ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے بڑھ کر ظالم

---

[1] یہی سوال وہابیوں دیوبندیوں کا مایہ ناز ہے لیکن جواب سے ان کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔

فيها اسمه وسعى فى خرابها اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين ۔

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مساجد سے منع کرتا ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر ہو اور وہ انھیں ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وہ ہیں جو ان میں نہیں داخل ہوتے مگر خوف کرتے ہوئے ۔

جواب ۲ : اگر مان لیا جائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے تو بھی ہمارے مسلک کے خلاف نہیں۔ چنانچہ شیخ موصوف فرماتے ہیں:

ولو سلمنا صحة وقوعه فهو لا يعارض الادلة المذكورة لا نه اثر والاثر لا يعارض الحديث كما لا يخفى و بطلان الادلة يدل على بطلان المدلولات ۔

اگر مان لیا جائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے تو ہمارے دلائل کے خلاف نہیں اس لیے کہ وہ اثر ہے اور اثر حدیث کے معارض نہیں ہوتا اور قاعدہ ہے کہ دلیل کا بطلان مدلولات کا بطلان ہے ۔

حدیث شریف : اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل اس کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ سے بغض کی دلیل اس کے ذکر سے بغض ہے ۔

ف : ذکر کا نور ذاکر کے حال کے اندازے پر ہے اور یہ فنا فی اللہ کا مقام طے کرنے سے نصیب ہوتا ہے ۔

ذاکرین کی اقسام

ذاکرین چار قسم ہیں ؛

① اهل الخلوت

② اهل العزلة

③ اصحاب الاوقات

④ اصحاب الخدمة

اهل الخلوت : ان کا وظیفہ شب و روز میں نفی و اثبات کا ذکر تیس ہزار تک ہوتا ہے۔ یہ ذکر خفی و قوی ہے ضرب لگا کر اور جہر سے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ستر ہزار بار کرتے ہیں ۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مشغول رہتے ہیں۔ انھیں غیر سے کسی قسم کا واسطہ نہیں ہوتا ۔

اهل العزلة (گوشہ نشین حضرات) : ان کا ذکر خفی ہوتا ہے۔ وہ خفی طریق سے تیس ہزار بار لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ سے مشغول ہوتے ہیں اور کبھی اپنے نفس سے ۔

لہ روایت مذکورہ کا کہیں پتا ہی نہیں چلتا لیکن کا ذکر وغیرہ روکنے کے لیے دیوبندی وہابی بڑے زور شور سے اس روایت کو پیش کرتے ہیں ۔ فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے تفصیلی جوابات " العصمة عن البدعة " میں لکھے ہیں ۔

اصحاب الاوقات، اوقات مقرر کر کے ذکر کرنے والے ۔ یہ خفی و جلی کل بارہ ہزار بار لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ سے مشغول ہوتے ہیں، کبھی اپنے نفس سے اور کبھی مخلوق سے ۔

اصحاب الخدمۃ ۔ یہ حضرات رات دن ہر وقت باوضو ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں ۔

ظالم کی تباہی کا وظیفہ بعض مشایخ فرماتے ہیں جو منگل کی پچھلی رات اُٹھ کر نہایت خضوع اور حضورِ قلب سے ایک ہزار بار لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر ظالم کی طرف دم کر دے تو وہ ظالم جلد تر تباہ ہو جائے گا اور اس کی دولت اور سلطنت بہت جلد تباہ ہو جائے گی ورنہ بہت سی آفات و بلیات اور مصائب میں مبتلا ہوگا۔[۱]

وسعتِ رزق کا وظیفہ حضرت شیخ ابو العباس احمد البونی قدس اللہ روحہ نے فرمایا: جو روزانہ صبح کو باوضو ایک ہزار بار کلمہ طیبہ کا ورد رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے غیب سے رزق کے اسباب مہیا کرے گا۔ اور وہ روزی کے معاملہ میں خوشحال رہے گا۔ (اس کی اجازت عام ہے)

عرشِ الٰہی کی سیر کا وظیفہ جو شخص سونے سے پہلے باوضو ہو کر کلمہ طیبہ کا ایک ہزار بار وِرد کر کے سوئے گا اس کی رُوح کو عرشِ الٰہی کی سیر اور وہاں کی غذا نصیب ہو گی۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دلت آئینہ خدائے نماست
روئے آئینہ تو تیرہ چرا ست
صیقلے وار صیقلے میزن
باشد آئینہ ات شود روشن
صیقل آں اگر نۂ آگاہ
نیست جز لا الٰہ الا اللہ

ترجمہ: تیرا دل جب خدا نما آئینہ ہے تو پھر وہ سیاہ کون ہے۔ اس کو صیقل مار کر سفید اور شفاف و صاف بنا۔ ممکن ہے تیرا دل روشن ہو جائے۔ اگر تمھیں معلوم نہ ہو کہ دل کو روشن کرنے کا صیقل کیا ہے تو میں بتاؤں کہ دل کو روشن کرنے والا صیقل کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔

ضرورتِ مرشد لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ذکر کرنے والا کسی شیخ کامل صاحبِ معرفت سے ذکر کی تلقین حاصل کرے اور اسی سے ہی ذکر کرنے کا طریقہ پُوچھے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سرورِ عالم

---

[۱] اس وظیفہ کے لیے کامل کی اجازت ضروری ہے اور ہر ایک کے لیے بھی نہ پڑھا جائے جب تک کہ کسی کا ظلم و ستم انتہا کو پہنچ جائے اور بچنے کی امید نہ ہو۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ سے تابعین نے صحابہ سے اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اویسیہ) یہ طریقہ چلا آرہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تاقیامت جاری رہے گا۔[1] (کذا فی ترویح القلوب بلطائف الغیوب للشیخ عبدالرحمٰن البسطامی قدس سرہ الخطیر)

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جنہوں نے قلب ایمان اور جوارح اعضاء پر عمل صالح کو جمع کیا۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر طُوْبٰی لَھُمْ ان کی زندگی پاکیزہ ہے۔ لھم کی لام بیانیہ ہے جیسے سلام لك میں لام بیانیہ ہے۔ طوبیٰ زلفی وبشریٰ کی طرح طاب کا مصدر ہے در اصل طیبیٰ تھا یاء ماقبل مضموم ہونے کی وجہ سے واؤ کے ساتھ تبدیل ہوئی ہے۔ جیسے موقن در اصل میقن تھا کہ اس کی یاء بھی واؤ سے تبدیل ہوئی ہے۔

ف: تبیان میں ہے کہ طوبیٰ لہم بمعنے غبطۃ وسرور لہم وفرح یعنی انہیں فرحت وسرور اور غبطہ ہوگا۔ بعض نے اس کا ترجمہ نعم حالہم کیا ہے۔ یعنی ان کا بہترین حال ہوگا۔

وَحُسْنُ مَاٰبٍ اور اچھا انجام یعنی قیامت میں ان کا بہتر مرجع، یعنی مرنے کے بعد جہاں لوٹیں گے اور رجوع فرمائیں گے ان کے لیے وہ مقام بہت بہتر ہوگا۔ یعنی انہیں بہشت نصیب ہوگی۔

طُوبیٰ کا تعارف بعض حضرات فرماتے ہیں کہ طُوبیٰ ایک علم (کا نام) ہے۔ چنانچہ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہشت کے درختوں کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: بہشت کا سب سے بڑا درخت طوبیٰ ہے اور میرا خیمہ (بفضلہٖ تعالیٰ) اسی کے نیچے ہوگا۔ اس کا تنا موتیوں سے، اس کی ٹہنیاں زبرجد سے اور اس کے پتے سندس کے ہیں۔ اس کی ستر ہزار ٹہنیاں ہیں اور سب سے بڑی ٹہنی عرشِ الٰہی کے پایہ کو مس کر رہی ہے اور اس کی ادنیٰ ٹہنی آسمانِ دنیا میں ہے۔

اعجوبہ بہشت کے ہر دار، ہر صحن، ہر محل، ہر قبہ، ہر دریچہ، ہر حجرہ اور ہر تخت میں طُوبیٰ کی ٹہنی سایہ فگن ہوگی اور طوبیٰ میں ہر قسم کے میوے اور ہر قسم کے پھل ہوں گے۔ جس کا جو جی چاہے گا اسی سے ملے گا اور ایسے خوشنما کہ جنہیں دیکھ کر رُوح تازہ ہو جائے۔

فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہشت میں الفتح القریب میں ہے کہ طُوبیٰ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ کے صحن میں ہوگا جس کی شاخیں ہر بہشتی کے گھر میں پھیلی ہوں گی۔ بہشت میں جو کچھ کسی کو ملے گا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ملے گا۔

ایمان وعمل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اہلِ دنیا کو علم و ایمان ملا یا ملتا ہے تو وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض و

---

[1] اور وہابی اس پر بدعت اور حرمت کا فتویٰ لگاتے رہیں گے۔ ۲

فضل سے ملا یا ملتا ہے۔[1]

طوبیٰ کا مزید تعارف

طوبیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے خود ہی بویا۔ اس کے نیچے دو چشمے جاری ہیں:

۱۔ کافور

۲۔ سلسبیل

سلسبیل میں ہر قسم کے پھل اور ہر رنگ کے پھول ہیں، صرف اس میں سیاہ رنگ نہیں۔[2] اس کا ایک ایک پتہ ایک ایک اُمت کے لیے کفایت کرکے سایہ فگن ہوگا۔ اس کے ہر ایک پتے پر ستر ستر ہزار فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کر رہے ہیں اور وہ بہت عظیم گچھے والا درخت ہے۔ اس کے اخیر اور انتہا کی کسی کو خبر نہیں۔ اگرچہ تیز رفتار اور بہتر سواری پر کوئی سوار ہوکر سواری کو تیز دوڑائے تو سو سال کے بعد، بعض روایات میں ہزار سال کے بعد بھی اس کے سایہ کے نیچے دوڑنے کے باوجود اس کی انتہا کو نہ پہنچ سکے گا۔

تفسیر صوفیانہ

بعض بزرگوں نے فرمایا: وعملوا الصّٰلحت میں عمل صالح سے تزکیہ نفس اور طوبیٰ لھم سے فطرت اصلیہ اور کمال صفات حسن مآب سے دخول فی جنۃ القلب یعنی جنۃ صفات مراد ہے۔

ف: سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عارفین کو اوقات معرفت کی مبارک اور عمل صالح سے مراد بھی وہی اعمال ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیے جائیں۔ ایسے اعمال کے ثمرات اچھے اور نتیجہ بہتر نصیب ہوتا ہے۔

؎

شاخ بے میوہ گر ہمہ طوبیست
ببریدش بمیوہ پیوندید

ترجمہ: وہ درخت جو اگرچہ طوبیٰ بھی ہو لیکن میوہ نہ دے تو اسے کاٹ ڈالو اور اس کی بجائے ثمر دار درخت بوؤ۔

نکتہ: عمل صالح اگر بہشت کے لیے کیے جائیں تو انہیں لوجہ اللہ کہنا بیکار ہے۔ اس کا معنٰی یہ ہوا کہ اگر وہ بہشت و دوزخ پیدا نہ کرتا تو (معاذ اللہ) عبادت کا مستحق بھی نہ ہوتا۔ ؎

ہر زاہد خشکے چہ سزاوار بہشت است   شائستۂ آتش شمر آنہا کہ چنانند

---

[1] لیکن وہابی دیوبندی بیچارے اس عقیدہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ قسمت اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا۔

[2] لیکن یہی رنگ شیعوں کو محبوب ہے اور شیعوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیاہ رنگ کا لباس فرعون اور جہنمیوں کا ہے۔ ۱۲
مزید تفصیل فقیر کی کتاب "شرح آئینہ شیعہ نما" دیکھیے۔

ترجمہ: ہر خشک زاہد بہشت کے لائق نہیں۔ وہ دوزخ کا ایندھن ہیں جو ذاتِ حق کے لیے عبادت نہیں کرتے۔

دیگر تفسیر صوفیانہ

الذین امنوا وعملوا الصالحات ان سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے ایمان کے باغات لا الٰہ الا اللہ قلب کی زمین میں بوئے ہیں اور انہیں شریعت کا پانی دیا اور طریقت کے سامان یعنی اعمال صالحہ سے آراستہ کیا تو اس سے شجرِ طیبہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے:

ضرب اللہ مثلا کلمہ طیبہ کشجرۃ طیبۃ۔

اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی شجرِ طیبہ سے مثال دی ہے۔ جب وہ درخت مکمل ہو گیا تو اس نے حقیقت کے ثمرات دیے جسے طوبیٰ لھم وحسن مآب میں بیان فرمایا۔ مآب بمعنے رجوع۔ اور بندے کا رجوع صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے غیر سے اس کی کوئی غرض نہیں۔ ثمرۂ حقیقیہ یہی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فمن شاء اتخذ الی ربہ مآبا۔ جو چاہے تو اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

طوبیٰ سے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ طوبیٰ سے لا الٰہ الا اللہ کا شجرِ حقیقی مراد ہے اور شجرِ حقیقیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا قلب نورانی ہی ہے جس کی شاخیں ہر ایمان کے قلب میں ہیں۔ (فافہم ولکن الوہابیۃ قوم لا یفقہون)

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

ہر دو عالم بستۂ فتراک او
عرش و کرسی کردہ قبلۂ خاک او

پیشوائے ایں جہاں و آں جہاں
مقتدائے آشکارا و نہاں

ترجمہ: تمام جہان آپ کے فتراک سے وابستہ ہے عرش و کرسی کا قبلہ آپ کے ذرِ اقدس کی خاک ہے۔
حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اِس جہان اور اُس جہان بلکہ تمام عالم کے پیشوا ہیں۔ آپ ہر ظاہر اور ہر باطن کے مقتدا ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

کَذٰلِکَ جیسے ہم نے آپ سے پہلے اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! اُمتوں کی طرف رسل کرام علیہم السلام بھیجے۔ ایسے ہی اَرْسَلْنٰکَ فِیْٓ اُمَّۃٍ ہم نے آپ کو ایک اُمت کا رسول بنا کر بھیجا۔

ف: فی بمعنے الیٰ ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فردوا ایدیھم فی افواھھم ۔ پس انہوں نے اپنے ہاتھ کو منہ کی طرف لوٹایا۔

سوال ؛ فی بمعنیٰ الیٰ کیوں۔ اور ارسال کا صلہ تو الیٰ آتا ہے نہ فی۔

جواب ؛ چونکہ رسول علیہ السلام اپنی قوم میں بھیجے جاتے ہیں تو اُمّۃ ارسال کی گویا ظرف ہے۔ بنا بریں اسی اشارہ کے لیے لفظ فی لایا گیا ہے۔

قَدْ خَلَتْ تحقیق گزری ہے یعنی آپ کی اُمت سے پہلے کئی اُمتوں کا اس دنیا میں آنا جانا ہُوا مِنْ قَبْلِھَا آپ کی اُمت سے پہلے۔ ھا ضمیر لفظ امۃ کی طرف لوٹتا ہے اور اُمۃ لفظاً مونث ہے اگرچہ اس سے مراد اہلِ ایمان ہیں۔ اُمَمٌ اُمتیں جن کے ہاں رسل کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ آپ کا اُمت کی طرف رسول بن کر تشریف لانا نئی بات نہیں۔

ربط ؛ اب ارسال رسول کی علت بتائی جاتی ہے۔ کما قال ؛

لتتلوا علیھم الذی اوحینا الیک ۔ تاکہ آپ انھیں وہ سنائیں جو آپ پر ہماری طرف سے وحی نازل ہوئی ہے۔

ف ؛ علیھم کی ضمیر جمع اُمّۃ کی طرف راجع ہے کیونکہ امۃ سے مراد اہلِ ایمان ہیں جیسا کہ گزرا ہے۔ یعنی بہت عظمت والی کتاب جو آپ پر نازل ہوئی ہے آپ انھیں سنائیں۔ اس کتاب سے قرآن کریم مراد ہے۔ اور انھیں وہ احکام بتائیں جو اسی قرآن مجید میں ہیں اور انھیں ایمان کے زیور سے مزین فرمائیں اس لیے کہ قرآن مجید کے نزول کا اصل مقصد اس پر عمل کرنا اور اس سے اچھی سیرت پیدا کرنا ہے نہ صرف تلاوت اور محض سُننا وغیرہ۔

نکتہ ؛ قرآن مجید پر عمل کرنے والا عام آدمی پیدل چل کر منزل مقصود تک پہنچنے والے کی طرح ہے اور عالم بے عمل سوار ہو لیکن نیند کرنے والے کی طرح۔ اسی لیے شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؛

تلمیذ بے ارادت عاشق بے زر است ورندہٗ بے معرفت ۔ شاگرد بے ارادہ ، عاشق بے زر اور بے راہ رو مرغ
مرغ بے پر و عالم بے عمل درخت بے بر و زاہد ۔ بے پر اور عالم بے عمل ، درخت بے پھل اور زاہد
بے علم خانۂ بے در ۔ بے علم خانۂ بے در کی طرح ہیں۔

وَھُمْ یَکْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ارسلناک کے فاعل سے حال ہے یعنی ان کا حال ہے کہ وہ رحمان کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ واسع الرحمۃ ہے یہ اس کی رحمت کی وسعت کو نہیں جانتے اور نہ ہی یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے کتنے انعامات نازل فرمائے ہیں اور سب سے بڑی رحمت و رحمت نزولِ قرآن کی ہے۔

شانِ نزول

ابوجہل نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا جبکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی مناجات میں عرض کیا ، یا اللہ یا رحمٰن ۔ ابوجہل نے واپس جا کر اپنے دوسرے مشرک ساتھیوں سے کہا کہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے معبود جس کا نام رحمان ہے کو بھی پکارتے ہیں اور ہم تو رحمان رحمان الیمامہ یعنی مسیلمۃ الکذاب کو مانتے ہیں۔ یہ رحمان الیمامہ شہر یمامہ میں رہتا تھا۔ یہ یمامہ جنگل میں ایک شہر کا

نام ہے۔ ابوجہل کے رد میں یہی آیت نازل ہوئی:

قُلْ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان کافروں سے فرمایئے هُوَ یعنی رحمان وہی ہے جس سے تم کفر اور اس کی معرفت کا انکار کرتے ہو رَبِّیْ وہ میرا رب اور میرا خالق ہے اور میرے جملہ امور کا متولی ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اسی کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ خبر کے بعد خبر ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں وصفوں ربوبیت اور الوہیت کا جامع ہے۔ یعنی اس کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں۔ وہی واحد ہے اور الوہیت صرف اسی سے مخصوص ہے۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ میں نے صرف اسی پر توکل کیا اور میں اپنے جملہ امور کا سہارا صرف اسی کو مانتا ہوں۔ مجھے جملہ شرور سے صرف وہی بچاتا ہے اور تمہارے اُوپر مجھے صرف وہی فتح ونصرت عطا فرماتا ہے وَاِلَيْهِ اور صرف اسی کی طرف مَتَابِ تاب یتوب کا مصدر ہے دراصل متابی بیائے متکلم بمعنے میرا اور تمہارا رجوع صرف اسی کی طرف ہے۔ میرے اوپر رحم فرما کر میرے لیے قیامت میں تم سے بدلہ لے گا اور رب رحمٰن کی گرفت سخت ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے:

اعوذ باللہ من غضب الحلیم۔ میں حوصلہ والے کے غضب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

مہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مرو
ترا کہ گفت کہ ایں زال ترک دستان گفت

ترجمہ: آسمان نے جو تجھے مہلت دے رکھی ہے اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ تُو سیدھی راہ سے ہٹ کر رہے۔
تجھے اس سے غلط فہمی ہوئی ہے کس نے تجھے کہا کہ اس پُرانے ترک نے تجھے کچھ نہیں کہنا۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جن اُمتوں نے اللہ تعالیٰ سے کُفر کیا انہوں نے رحمٰن سے بھی کفر کیا اس لیے کہ رحمانیت کے تقاضا سے ہی مخلوقات کی ایجاد ہوئی اس لیے کہ قہاریت واحدیت (تنہائی) کو چاہتی تھی۔ یعنی اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ ہو۔ لیکن رحمانیت نے قہاریت سے سبقت کر کے ایجاد مخلوقات کا تقاضا پُورا کر لیا۔ آیۂ ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اتی الرحمٰن عبدا میں یہی راز ہے یعنی سب کے سب آسمان وزمین والے رحمان کی حاضری دیں گے۔ اسی تقاضا پر اللہ تعالیٰ نے رسل کرام کو کتابیں دے کر بھیجا تاکہ وہ اُمتوں کو وہی اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی آسمانی کتابیں پڑھ کر سنائیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا وہ زمانہ یاد دلائیں کہ وُہ اکیلا تھا اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی لیکن اس نے اپنے فضل وکرم سے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا اور انہیں عدم سے نکال کر وجود کی نعمت بخشی۔ اس لیے ان پر لازم ہے کہ وہ یقین کریں کہ ان سب کا رب اور خالق وہی ہے اور اسی کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور اسی طرف پھر ہم سب نے لَوٹنا ہے۔ (کذافی التاویلات النجمیہ)

صاحبِ روح البیان کی صوفیانہ رائے

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ ارسلناک کا خطاب ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ آپ لغتہً و اصطلاحاً ہر لحاظ سے مرسل (بالفتح) اور صاحبِ وحی اور صاحبِ دعوت ہیں۔ اس میں آپ کی اتباع میں آپ کے ان تمام ورثا کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک آپ کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ یعنی علماء باعمل اور اولیاء کاملین بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیام توحید کے لیئے مامور من اللہ ہیں اور وہی حضرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہو کر لغوی رسول پیام رسان ہیں انھیں اصطلاحی رسول کہنا گمراہی ہے جیسا مرزا قادیانی اور ان کی جماعت کو غلط فہمی ہوئی کہ وہ اولیاء پر لغوی رسالت کا اطلاق اصطلاحی رسالت سمجھ کر اپنے دجال قادیانی کو اصطلاحی رسول و نبی وغیرہ کہتے ہیں۔

ف : یاد رہے کہ اولیا کرام صاحبِ الہام اور صاحبِ ارشاد ہوتے ہیں جیسے ہر دور میں دنیوی طور صاحبِ دولت ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ہر دور میں صاحبِ رحمت یعنی اولیاء کرام ہوتے ہیں۔ جیسے ظاہری طور دنیوی معاملات میں دُنیا دار صاحبِ تصرف (دنیوی) ہوتے ہیں۔ ایسے ہی اولیاء کرام صاحبِ تصرف معنوی ہوتے ہیں[1] (لکن الوہابیۃ قوم جاہلون)

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ (میری اُمت کے علماء (اولیاء) بنی اسرائیل کے نبیوں (علیہم السلام) کی طرح ہیں)

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں علماء و اولیاء کے لیے نبوت یعنی پیام رسانی کا منصب ثابت فرمایا ہے کہ وہ بذریعہ الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دیتے ہیں[2]

وھم یکفرون بالرحمٰن میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کا منعم ہے۔ اور منعم کے لیے واجب ہے کہ اس کے انعامات کی ناشکری نہ کی جائے بلکہ اس کے فضل و کرم سے دیے ہوئے ایمان اور نیک اعتقاد کے احسان پر شکر کرنا لازم ہے جیسے ماقبل کے مضمون سے معلوم ہوا ویسے کفر و انکار تو قبیح ترین افعال ہیں جیسے ایمان و اقرار حسین ترین اعمال ہیں۔

ف : حُسنِ ظن اور حُسنِ اعتقاد میں بہت بڑی تاثیر ہے۔

حکایت

چند ڈاکو اہل رباط کے مہمان ہوئے۔ صاحبِ خانہ نے پُوچھا : آپ کون صاحبان ہیں ؟ انھیں چور ڈاکو کہتے ہوئے شرم محسوس ہُوئی اور کہا ہم غازی ہیں۔ صاحبِ خانہ اُن کے لیے طعام پکایا۔ صاحبِ خانہ سے ایک عورت نے عرض کی کہ میری لڑکی اندھی ہے مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں غازیوں کے ہاتھ دُھلاؤں۔ ان کے دھوون کو اپنی بچی کے چہرہ پر

---

[1] اسی راز سے بیچارے وہابی دیوبندی محروم ہیں۔

[2] جسے قادیانی دجال نے مستقل نبوت کا منصب سمجھا۔

ڈالوں گی۔ ممکن ہے غازیوں کے دھوون سے میری بچی کو صحت اور تندرستی نصیب ہو جائے۔ صاحب خانہ نے اجازت دے دی اور وہ عورت تھال لائی اور کھانے سے پہلے ان جعلی غازیوں (ڈاکوؤں) کے ہاتھ دھلائے۔ اور ان کے دھوون سے اپنی بچی کا منہ دھو دیا۔ وہ بچی اسی پانی کی برکت سے انکھیاری ہو گئی۔[1]

تفسیر عالمانہ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا (شانِ نزول:) مشرکینِ عرب جن میں ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن امیہ بھی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ پر ایمان لائیں تو آپ قرآن پڑھ کر مکہ کے پہاڑوں کو ہم سے دُور کہیں ہٹا دے تاکہ ہمارا تنگ علاقہ وسیع تر ہو جائے اس پر ہم باغات لگائیں اور کھیتی باڑی کریں اور زمین کو چیر دیں تاکہ ہم اس سے نہریں جاری کر سکیں اور چشمے بہا سکیں تاکہ ہمارا علاقہ شام کے علاقوں کی طرح سرسبز اور شاداب ہو جائے اور ہمارے مُردوں میں سے کسی دو یا تین کو زندہ کر دو اگر زیادہ نہیں تو صرف قصیٰ بن کلاب کو زندہ کر دو تاکہ وہ ہمیں بتائے کہ واقعی آپ نبی برحق ہیں بلکہ ہم خود ان سے سوال کریں گے تاکہ واضح ہو جائے کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ حق ہے۔ جب انہوں نے اس قسم کے سوالات کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا اس شرط کا جواب محذوف ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل آتی ہے یعنی اگر کوئی کتاب ایسی ہوتی کہ اس عالم میں سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ تسییر بمعنے چل پڑنا۔ یعنی چلائے جاتے ہیں اسی کے ساتھ پہاڑ۔ یعنی اپنی جگہ ہٹ جاتے اور روئے زمین سے چلے جاتے۔ یعنی کتاب پڑھنے سے اگر پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ یا اسی کتاب کے ذریعے زمین کاٹی جاتی یعنی زمین کو کتاب پڑھ کر کھودا جاتا کہ جس سے نہریں اور چشمے خودبخود بہہ نکلیں اَوْ كُلِّمَ یا زندہ کر کے کلام کرائے جائیں بِهِ الْمَوْتٰى کتاب کے ذریعے مُردوں سے یعنی کسی کتاب کے پڑھنے کی برکت سے مُردے زندہ کر کے کلام کرائے جائیں تو یہی قرآن کریم تمام کتابوں سے ان کاموں کے لیے زیادہ موزوں تھا اس لیے کہ یہ تمام آسمانی کتابوں سے بلیغ ترین اور حیثیت اعجازی میں بھی یکتا اور تذکیر میں بھی بے مثیل ہے:

ف: شرط مذکور کی جزا اوپر کا مضمون ہے۔ گویا دراصل عبارت یوں تھی: ولو ان قرانا سیرت الخ لکان هذا القرآن الخ

ف: اس سے قرآن پاک کی شان کی عظمت اور مشرکین کے غلط خیالات کی تردید مطلوب ہے کہ اے مشرکو! جب تمہارے ہاں قرآن جیسی عظیم آیت اور معجزہ موجود ہے تو پھر تمہارا دُوسری آیات و معجزات کا مطالبہ کرنا تمہاری بڑی جہالت و حماقت ہے اس میں انہیں تنبیہ بھی ہے کہ جو امور تمہیں دین کا فائدہ دیں وہی تمہارے لیے نافع ہیں بہ نسبت ان کے جو تم دنیا کے فوائد کے طالب بنتے ہو۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ مکہ سے پہاڑ ٹل جائیں اور ہم اس میں کھیتی باڑی کریں۔ یہ ان کا دنیوی مفاد تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے

---

[1] اسی خوش اعتقادی پر ہم اہلسنت اولیاء کرام کا دامن پکڑتے ہیں جب وہ کریم جعلی اور نام نہاد غازیوں (جو حقیقتاً چور تھے) پر حسن ظنی اور خوش اعتقادی سے فضل و کرم کرتا ہے تو سچے ولیوں کے صدقے کیوں نہ کریگا۔

نے فرمایا اس دنیوی مفاد سے تمہارے لیے دینی فائدہ اہم ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی تعلیم پر عمل کرو اس میں بہت بڑی تاثیریں موجود ہیں اور اس کے عجیب و غریب خواص ہیں۔ اگر کسی کو وہی تاثیر و خاصیات نصیب ہو جائیں تو وہ نفوس کے پہاڑوں کو ٹال سکتا ہے اور بشریت کی زمین کے اندر بہترین نظارے قائم کر سکتا ہے اور مُردہ دلوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

بَلْ جیسا کہ کافر کہتے ہیں کہ تمہارے قرآن یا تمہارے فرمان پر ہمارے مطالبات پُورے ہو جائیں بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ لِلّٰهِ الْاَمْرُ تخلیقی امر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے[1] جَمِیْعًا تمام یعنی وہی ہر شے میں تصرف کا مالک ہے اور جس کے لیے جیسے چاہے وہی قدرت رکھتا ہے اور تم جس طرح کے مطالبات کر رہے ہو ان کے پُورا کرنے پر وہی قادر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمہارے یہ مطالبات پُورے نہیں کرے گا اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ تمہارے لیے یہ تمام امور غیر مفید ہیں۔

وہابیوں اور دیوبندیوں کی غلط فہمی کا ازالہ

وہابیوں دیوبندیوں کے تمام چھوٹے بڑے فرقوں کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو اگر اختیار ہوتا تو وہ کافروں کے سوالات پُورے فرما دیتے۔ لیکن یہ ان کی جہالت کا سوال ہے۔ باوجود اینہمہ ان کے وہم کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زائل فرمایا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہُوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

والذی نفسی بیدہ لقد اعطانی ما سألتم ولو شئت لکان ولکن خیرنی بین ان تدخلوا فی باب الرحمۃ فیؤمن مؤمنکم وبین ان یکلکم الی ما اخترتم لانفسکم فضلوا عن باب الرحمۃ فاخترت باب الرحمۃ واخبرنی انہ ان اعطاکم ذٰلک ثم کفرتم ان یعذبکم عذابا لم یعذب بہ احدا من العالمین۔ (کما فی اسباب النزول للامام الواحدی)	اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس نے مجھے وہ اختیار دیا ہے جس کا تم سوال کرتے ہو۔ اگر میں چاہوں وہ ہو جائے لیکن مجھے اختیار دیا ہے کہ تم میں کوئی رحمت میں داخل ہو کر ایمان قبول کرے اور تم میں کوئی چاہے تو وہ اپنے نفسانی ارادوں میں پھنس کر گمراہ ہو کر رحمت سے دور ہو اور اس نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ اگر وہ تمہارے سوال پُورے کر دے تو تم کفر کرو گے تو پھر ایسے عذاب میں گرفتار ہو گے جس سے نجات محال۔

ف: کافروں نے قرآن کا نور دیکھا نہ تھا اسی لیے وہ برہانِ ربانی کے دیکھنے سے اندھے رہے۔ اسی طرح اہلِ انکار کا حال ہے

---

[1] کبھی امر بمعنے تخلیقی ہوتا ہے لیس لک من الامر میں بھی اسی تخلیقی امر کی نفی ہے لیکن وہابیوں دیوبندیوں نے سب کبھی ہیں عام کر کے حضور علیہ السلام سے اختیار کی نفی کر دی۔

کروہ بھی قرآن کے اسرار سے غافل ہو کر مشاہدہ و معائنہ سے محروم رہتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین
ظاہر قرآن چو شخص آدمیست
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیست

ترجمہ: اے بیٹے! تم قرآن کی اسی ظاہری صورت پر نہ رہو شیطان نے بھی تو آدم علیہ السلام کی مٹی کو دیکھا تھا تو مارا گیا بلکہ یوں سمجھیے کہ قرآن ظاہر آدمی کے ظاہری ڈھانچے کی طرح ہے کہ اس کا نقش تو ظاہر ہے لیکن حقیقت اور روح پوشیدہ اور مخفی ہے۔

حصولِ ولایت کا گر جو شخص قرآن کی تعلیمات کا پابند ہو جائے تو اس کو وہ قدرت حاصل ہو گی جو دوسروں کو نصیب نہ ہو سکے گی اس لیے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے تو جو بندہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو پالے تو پھر اسے وہی قدرت نصیب ہو گی جو اللہ تعالیٰ کی صفت کے لائق ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو کان القرآن فی اھاب ما مسته النار۔ — اگر قرآن مجید کسی چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں جلا سکے گی۔

یعنی اگر قرآن مجید کے الفاظ کسی چمڑے پر منقش کر کے اسے آگ میں ڈالا جائے تو آگ اسے نہیں جلائے گی۔ قرآن مجید کی برکت سے جب ایک چمڑا نہیں جل سکتا تو حضرت انسان کا کیا حال ہو گا جو اسے مومن ہو کر اسے حفظ کر کے اس کی تلاوت پہ مداومت رکھتا ہے تو اسے آگ کیسے جلا سکتی ہے۔

حضرت علی، ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ بیمار ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیمار ہیں، ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم ان کی عیادت کے لیے جائیں۔ سب چل پڑے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرض سے افاقہ ہے لیکن ان حضرات کی تشریف آوری سے مزید افاقہ ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور ان کے دل میں خیال گزرا کہ یہ حضرات محبت سے تشریف لائے ہیں لہٰذا ان کی بہتر اور اعلیٰ خدمت کی جائے۔ چنانچہ گھر میں تشریف لے گئے تو گھر میں سوائے شہد کے اور کچھ نہیں تھا اور وہ صرف فرد واحد کو کفتنی ہو سکتا تھا آپ نے اسے ایک سفید نورانی تھال میں رکھا اور ان حضرات کے پاس لے آئے۔ لیکن اس

میں ایک سیاہ بال بھی پڑا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کھانے سے پہلے کچھ باتیں کرلینا ضروری ہے۔ ہم میں سے کوئی بولے۔ سب نے عرض کی اآپ ہمارے بزرگ اور معزز ترین ہیں آپ ہی پہل فرمائیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الدین انور من الطست و ذکر اللہ تعالٰی احلی من العسل والشریعۃ ادق من الشعر۔	دین اس تھال سے زیادہ نورانی اور ذکر الٰہی شہد سے زیادہ شیریں اور شریعت بال سے باریک تر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الجنۃ انور من الطست و نعیمھا احلی من العسل والصراط ادق من الشعر۔	بہشت تھال سے زیادہ نورانی اور اس کی نعمتیں شہد سے زیادہ شیریں اور پلصراط بال سے زیادہ باریک ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

القرآن انور من الطست و قرأۃ القرآن احلی من العسل و تفسیرہ ادق من الشعر۔	قرآن تھال سے زیادہ نورانی اور قرآن مجید کی تلاوت شہد سے زیادہ شیریں اور اس کی تفسیر بال سے بھی باریک تر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الضیف انور من الطست وکلام الضیف احلی من العسل وقلبہ ادق من الشعر۔	مہمان تھال سے زیادہ نورانی اور اس کا کلام شہد سے زیادہ شیریں اور اس کا دل بال سے بھی باریک تر ہے[1]

اللہ تعالیٰ ہم سب کے دل نورِ عرفان سے نورانی بنائے اور ہم سب کو سرِ قرآن نصیب فرمائے۔ (آمین یا اللہ یا رحمٰن)

تفسیر عالمانہ اَفَلَمْ یَایْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا الیأس بمعنٰے قطع الطمع عن الشیٔ کسی شئے سے طمع کرکے چھوڑنا۔ القنوط کا بھی یہی معنی ہے۔ استفہام بمعنے امر ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ بعض اہلِ ایمان نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کفارِ مکہ کے مطالبات پورے فرمائیے ممکن ہے ان میں کوئی اسلام قبول کرلے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ مومنوں کو چاہیے کہ کافروں کے ایمان سے امید بس بھی ختم کرلیں جبکہ ان کافروں نے آیات و معجزات دیکھے لیکن باوجود اینہمہ

---

[1] اس سے اندازہ لگائیے کہ صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین کی آپس میں کتنی محبت تھی لیکن شیعہ گروہ کیا کہتا ہے۔

حکم اور سرکشی سے ان کا انکار کر دیا اور ان کی اس ضد اور ہٹ دھرمی نے سب کو ٹھکرا دیا۔ بنا بریں اہلِ اسلام کو ایمان قبول کرنے کی امید کیسی۔ اور اہل اسلام کو یقین ہے کہ اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت بخشے تو سب کے سب مومن ہو جائیں۔

ف : کبھی ایاس مجازاً بمعنے اعلم بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ وہ علم کا سبب ہے بایں معنی کہ وُہ کام نہیں ہو گا۔ اس معنے پر ان مخففہ ہے اپنے متعلقات سے مل کر محلاً منصوب یائس بمعنے علم کا مفعول بہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا اہلِ ایمان کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت نہیں دے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تمام کی ہدایت سے متعلق نہیں۔ ہاں مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کرے اس لیے کہ اس کے جمال وجلال کا تقاضا یونہی ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؂

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

ترجمہ : عشق کے کارخانہ میں کفر ضروری ہے آگ کسے جلاتی اگر بولہب پیدا نہ ہوتا۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ کافر جنہوں نے رحمٰن سے کفر کیا یعنی کفارِ مکہ ہمیشہ رہیں گے تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا بسبب اس کے جو انہوں نے عمل کیے یعنی کفر اور دیگر اعمال خبیثہ کا ارتکاب کیا تو انہیں پہنچیں گی قَارِعَةٌ مصیبتیں اور تکلیفیں۔ جیسے قتل۔ قید۔ جنگ اور قحط وغیرہ۔ ایسی مصیبتیں اور تکلیفیں ان کے دل ہلا دیں گی اور آئیں گی بھی اچانک۔ القرع بمعنے الضرب والصدع۔ خلاصہ یہ کہ کفارِ مکہ مصائب اور تکالیف اور دیگر عذابوں میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔ اَوْ تَحُلُّ یا مصائب نازل ہوں گی قَرِيْبًا ایسی جگہ پر جو ان کے قریب ہو گی مِّنْ دَارِهِمْ ان کے گھروں کے۔ یعنی مکہ شریف کے قریب۔ جس سے وہ گھبرائیں گے لیکن مصائب و تکالیف چنگاریوں کی طرح اڑ کر ان کے سروں پر آجائیں گی اور شرد بڑھ کر انھیں گھیر لیں گے۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ تحل کا خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس لیے کہ آپ حدیبیہ والے سال اپنا لشکر لے کر مکہ معظمہ کے قریب آ کر ٹھہرے تھے یہاں سے ہی آپ نے کفارِ مکہ کے مال مویشی وغیرہ لینے کا حکم فرمایا جسے لشکر نے مالِ غنیمت کے طور پر ان سے چھین لیا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قَارِعَةٌ سے مراد احکام ازلیہ ہیں کہ یہ بہت سے ان معاملات میں لوگوں کو ڈراتے ہیں جو ان کی شقاوت کا موجب بنتے ہیں قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ اس میں اشارہ ہے کہ کبھی وہی احکام ازلیہ ان سے براہ راست صادر ہوتے ہیں اور بعض ان کے مصاحبین سے اسباب شقاوت میں وُہ تمام آپس میں موافق ہوتے ہیں اور ان کو ان احکام میں بھی توافق ہوتا ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شقاوت کی سزا کا حکم سنایا جاتا ہے۔ چنانچہ

(باقی بر صفحہ ۲۶۸)

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ○
اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ
بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ
السَّبِيْلِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ○ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِىْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ○
وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ قُلْ اِنَّمَآ
اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ○ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ
حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ○

ترجمہ : اور بیشک آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ہنسی کی گئی۔ سو میں نے کافروں کو کچھ مہلت دی۔ پھر ان کی گرفت کی تو میرا عذاب کیسا تھا۔ پھر کیا وہ ہر شخص پر اس کے اعمال کی نگہداشت رکھتا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا رکھے ہیں۔ فرمایئے کہ ان کے نام تو لو۔ کیا اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر دیتے ہو جو روئے زمین پر اس کے علم میں نہیں یا یونہی سرسری بات کہہ دیتے ہو بلکہ کافروں کو اپنا مکروفریب اچھا محسوس ہوا ہے اور وہ راہ حق سے روکے گئے اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے تو اس کا کوئی ہادی نہیں انہیں حیات دنیا میں عذاب ہوگا اور آخرت کا عذاب تو سب سے سخت ہے اور انھیں عذاب الٰہی سے کوئی بھی بچانے والا نہیں۔ جس بہشت کا متقیوں کو وعدہ دیا گیا ہے اس کے احوال یہ ہیں کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اس کے میوے ہمیشہ رہیں گے اور اس کا سایہ بھی یہ ان کا انجام ہے جو متقی ہیں اور کافروں کا انجام آگ ہے اور جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل ہوا اور ان فرقوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ فرمایئے مجھے تو یہی حکم ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کا شریک نہ بناؤں اور میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ابھرنا ہے اور اسی طرح میں نے اسے عربی میں فیصلہ اتارا اور اے مخاطب اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کروگے بعد اس کے کہ تمہیں علم حاصل ہوا تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ کوئی بچانے والا۔

(بقیہ ص ۲۶۶)
فرمایا حَتّٰی یعنی انھیں بلائیں اور مصیبتیں پہنچتی رہیں گی یہاں تک کہ یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آئے۔ اس سے موت یا قیامت کا دن یا فتح کہ مراد ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کا خلاف نہیں کرتا ممتنع ہے اور خلف وعدہ نقص (عیب) ہے اور نقص و عیب الوہیت کے منافی ہے اور کمال و بلندی کے بھی خلاف ہے۔ المیعاد بمعنے الوعد ہے۔ جیسے المیلاد بمعنے ولادت اور المیثاق بمعنے توثقہ وغیرہ۔ الوعد شے کے وقوع سے پہلے نفع پہنچنے کی خبر دینا۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدِ اسْتُھْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ بیشک استہزاء کیے گئے آپ سے پہلے رسل علیہم السلام یعنی جیسے آپ کی قوم آپ سے استہزاء کرتی ہے ایسے ہی پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ان کی قومیں استہزاء کرتی تھیں۔

ف: رسل کی تنکیر تکثیر کے لیے ہے یعنی آپ سے پہلے بہت سے رسل کرام سے ایسے ہوا۔ چنانچہ آیت:

ومایأتیھم من رسول الا کانوا بہٖ یستھزءون۔	اور کوئی رسول علیہ السلام ایسا نہیں گزرا جس سے انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو۔

دلالت کرتی ہے۔ الاستہزاء بمعنے استحقار و الاستہانۃ اور الاذی والتکذیب۔

فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا پس میں نے کافروں کو مہلت دی۔ اس سے وہ کفار مراد ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے استہزاء کرتے تھے۔ اور الاملاء، لامہال مہلت دینا۔ یعنی زمانے کی کچھ مدت چھوڑ دینا۔ یعنی انھیں بڑی مدت کے لیے امن اور عیش و عشرت میں چھوڑ دینا، جیسے جانور کو چراگاہ میں کھلا رہنے دیا جائے تاکہ وہ اپنی مرضی سے جیسے اور جہاں سے اور جتنا چرنا چاہے چرے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں نے انھیں لمبا رستہ دے دیا ہے امن اور وسعتِ رزق عام کر دی گئی ہے عذاب کو مؤخر کر دیا گیا ہے تاکہ اپنی مرضی سے جس طرح جتنا چاہیں گناہ کر لیں ثُمَّ اَخَذْتُھُمْ مہلت دینے کے بعد پھر میں نے ان کی گرفت کی، فَکَیْفَ کَانَ پس کیسا تھا عِقَابِ ان کے لیے میرا عذاب۔ یعنی آپ نے کیسا دیکھا رسل کرام کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کی سزا کو۔

سوال: حضور علیہ السلام تو اس وقت تھے ہی نہیں تو پھر دیکھنے کا کیا معنیٰ۔

جواب ا: آپ کو ان کی سزا کا علم اتنا یقینی تھا کہ گویا آپ نے انھیں اپنی ان سر مبارک کی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

جواب ۲: بحر العلوم میں ہے کہ یہ عام حکم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو! تم ان کے شہروں سے گزرتے ہو اور ان کے گھروں کو دیکھتے ہو۔ اس کے بعد اندازہ لگاؤ کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے کیسے سخت عذاب میں مبتلا فرمایا۔

ف: عوام کو کفار کے حالات دکھا سنا کر عبرت دلائی گئی ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام سے استہزاء کیا تو یہ

سزا پائی اور اگر تم بھی ایسے کرو گے تو ان کی طرح سزا پاؤ گے اور اس میں اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تسلی دلائی کہ آپ سے پہلے بہت سے انبیاء علیہم السلام گزرے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کفار استہزاء کرتے تھے۔ آپ بھی چونکہ نبی بلکہ نبیوں کے امام (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں آپ کے ساتھ کفار استہزاء کرتے ہیں تو کیا ہوا۔ آپ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے حالات دیکھیے کہ جیسے آپ سے کفار کبھی استہزاء کرتے، کبھی ایذاء دیتے، کبھی تکذیب اور کبھی غلط سلط مطالبات کرتے ہیں ان سے بھی ایسے ہی کرتے تھے تو پھر جیسے انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے۔ پھر جیسے ان کے صبر کا نتیجہ نکلا کہ ان کے منکرین کو سزا ملی ویسے ہی آپ کے منکرین کو سزا ملے گی۔

نبوت و ولایت کی گستاخی آیت میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استہزاء اور ان کی بے ادبی و گستاخی (جیسے وہابی، دیوبندی، مودودی کرتے ہیں) کرنا بدبختی اور انتہائی شقاوت ہے۔

حدیث قدسی شریف اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ من اھان لی۔ اور ایک روایت میں ہے من عادی لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربۃ یعنی جس نے مجھے ایذاء پہنچائی کسی ولی (دوست) کے بارے میں اس نے میرے ساتھ جنگ کی۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی مدد کو بہت جلد پہنچتا ہے کیونکہ وہ حضرات ہر وقت اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد میں لگے رہتے ہیں تو پھر کیوں نہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔

ف: مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایک بندے سے فرمائے گا کہ تیرا دنیا میں زاہد ہونا تیرے اپنے فائدے کے لیے تھا اور تیرا مجھے یاد کرنا تیری اپنی خوش قسمتی کا صلہ تھا کہ تجھے بھی شرف ملا کہ تو نے مجھے یاد کیا لیکن بتا تو نے میرے لیے میرے کسی ولی کے لیے کسی سے دشمنی کی یا نہ۔ ایسے ہی میرے کسی دوست سے محبت کی یا نہ۔

مسئلہ: اولیاء کرام کی محبت و عقیدت دنیا کے تمام اعمال سے مفید تر ہے اور ان سے بغض و عداوت رکھنا اور انہیں حقیر سمجھنا اور ان پر طعن و تشنیع کرنا بہت برا بلکہ قبیح ترین عمل ہے بلکہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے یعنی اکبر الکبائر سے ہے۔

ولی کے گستاخ کا انجام ایک سپہ سالار بہت ظالم و جابر تھا۔ وہ کسی درویش کے گھر چلا گیا۔ درویش نے فرمایا، میرا ایک منشور ہے اس کے مطابق میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے گھر سے اٹھ جا۔ اس نے کہا لائیے اپنا منشور تاکہ میں بھی دیکھ لوں۔ وہ درویش گھر سے قرآن مجید اٹھا لائے اور یہ آیت پڑھ کر سنائی:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ   اے ایمان والو! کسی کے گھر اس کی اجازت کے

حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا ۔ بغیر مت جاؤ یہاں تک کہ ان سے مانوس ہو یا ان کو السلام علیکم نہ کہو۔

اس ظالم نے یہ سن کر کہا میں تیرے منشور کو جانتا ہوں۔ جاؤ تم اپنا کام کرو۔ گویا اس ظالم نے درویش کی اہانت و گستاخی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بھی بے ادبی کر ڈالی۔ لیکن منتقم ازلی کب گوارا فرماتا۔ اسی شب کو اس ظالم کو قولنج کا درد اٹھا اور اسی شب میں مرگیا۔ ۵

نتیجۂ نفس کرم عندلیبانست
کہ عمر شبنم گستاخ یکزمان باشد

ترجمہ: نیک آدمی کا انجام بہتر ہوتا ہے اور گستاخ کی زندگی کا حال شبنم جیسا ہے۔

ف: یاد رہے کہ اس طرح کی شرارتیں وہ کرتا ہے جس کا نفس غالب ہو ورنہ شریف النفس ایسی شرارت ہرگز نہیں کرتا کہ وہ کسی ولی یا نبی کی گستاخی کرے[1] یا اللہ تعالیٰ کے متعلق بے باکانہ کلام کرے[2]

سبق: ذی فہم پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو گندی عادتوں سے دور رکھے تاکہ قہار جبار رب تعالیٰ کے قہر و غضب سے نجات نصیب ہو۔

غور فرمایئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ادب اور محبت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھا۔ اپنی خرابیوں مثلاً تکبر وغیرہ کو ختم کر کے اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواضع اور فنا و ادب سیکھا۔ اس کی برکت یہ ہوئی کہ وہ دارین کی ہر تکلیف سے محفوظ ہو گئے اور کونین کی ہر سعادت سے نوازے گئے اور کفار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرکشی کی اور آپ کے آداب بجا نہ لائے اور گستاخیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دائمی شقاوت اور بدبختی ان کے گلے کا ہار بنی۔

ولی کا گستاخ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا کہ اہل ایمان کے ساتھ بغض و عداوت کافروں کو نصیب ہو۔ اولیاء اللہ کا انکار اور ان کی گستاخی کرنے والے قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس لیے اولیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور جانشین ہیں۔ اولیاء کے ساتھ محبت اور عقیدت گویا نبی علیہ السلام سے محبت و عقیدت ہے[3]۔ ان کی گستاخی و بے ادبی، بغض و عداوت اور سوء عقیدت نبی علیہ السلام سے بغض و عداوت اور

---

[1] جیسے دیوبندی وہابی کرتے ہیں۔

[2] جیسے کمیونسٹ اور نئی روشنی کا ماڈرن مسلم یا پھر جاہل عوام کرتے ہیں۔

[3] بحمدہ تعالیٰ یہ طریقہ ہم اہلسنت کو نصیب ہے کہ ہم اولیاء کرام کی محبت و عقیدت سے سرشار ہیں۔ اور خدائے بزرگ و برتر ہمیں ایسی عقیدت و محبت میں موت نصیب فرمائے۔ آمین

سوءِ عقیدت ہے۔

حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

مقربان خداوند وارثان رسول
تو از خدائے چنیں دور واز رسول چیست

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ اے مسلمان بھائی ! تم اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے محروم ہو کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیوں ہو۔

اَفَمَنْ مَنْ موصول مرفوع المحل اور مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور استفہام بمعنے نفی ہے هُوَ قَآئِمٌ بمعنے رقیب عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ صالحہ یا طالحہ (نیک یا بدبخت) بِمَا کَسَبَتْ عمل خیر ہو یا شر، ان سب کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے اور ان سب کی جزا و سزا بھی وہی دے گا اگر کسی کو جزا و سزا دینا چاہے یعنی جو ذات ہر ایک کے عمل کی محافظ اور اس پر جزا و سزا دینے پر قدرت رکھتی ہے کیا اس کی طرح وہ بُت ہو سکتے ہیں جنھیں کسی قسم کا نفع و نقصان دینے کی کوئی قدرت حاصل نہیں۔ اسی طرح :

افمن یخلق کمن لا یخلق ۔ کیا ہو سکتا ہے اس کی طرح جو ہر شے کو پیدا کرتا ہے وہ جو کسی شے کو پیدا نہیں کرتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ ہر نفس کے کردار (بھلائی برائی) کو جانتا ہے اور ان کو سزا و جزا دینے پر قادر بھی ہے اور ہر شے کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ان کو خدا کا شریک ماننا نہایت عاجز اور پرلے درجے کے ضعیف، بےحد جاہل، بےخبر کا کام ہے اور تخلیقی معاملہ میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا باوجود اینہمہ وہ کون سا احمق ہو گا جو ان بتوں کو خدا جیسا مانتا ہو۔ لیکن کافروں نے مانا اور وہی ان کا عقیدہ تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں احمق سے بھی بدتر کہا۔

ف : قائم علی کل نفس کا معنیٰ یہ ہے کہ وُہ اپنی مخلوق کے جملہ امور کا متولی اور ان کے رزق کا کفیل اور ان کے آجال اس کے قبضہ میں اور ان کے اعمال کی جزا و سزا اس کے ہاتھ میں ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے : قام فلان۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کام کا متولی اور کسی کے معاملہ کا متکفل ہو۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ اور انھوں نے بُتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا ڈالا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یعنی کافروں نے اللہ تعالیٰ اور بتوں کو ایک طرح کا سمجھ کر انھیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا کہ جیسے وُہ عبادت کا مستحق ہے ان کے بُت بھی عبادت کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھایا کہ جیسے وہ عبادت کے استحقاق میں میرے برابر ہیں تو چاہیے کہ وہ امور کی کفالت اور تخلیق کائنات میں بھی میرے برابر ہوں اور جیسے میں ہر نفس کے عمل خیر و شر کو جانتا اور اس کی جزا و سزا پر قدرت رکھتا ہوں ان کے لیے بھی ثابت کرو۔ اور تم خود معترف ہو کہ وہ امور مذکورہ بالا نہیں کر سکتے تو پھر تمہارا سیدھی حیث۔

کہ تم تفاوت کو جانتے ہوئے پھر بھی بتوں کی پرستش میں لگے ہوئے ہو۔ یہ تمہاری سفاہت و حماقت کی روشن دلیل ہے۔
قُلْ سَمُّوْهُمْ فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اے کافرو! اپنے بتوں کے نام گن کر سناؤ۔ یعنی ان کے اسماء و صفات بتاؤ۔ ان کے اسماء و صفات سے امتیاز ہو جائے گا کہ تمہارے بت عبادت کے مستحق ہیں یا نہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ ہر اسم کا ماخذ اس کی صفت ہے۔ جب بتوں میں وہ اوصاف و صفات نہیں تو پھر ان کے اسماء کہاں۔
ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں واضح فرمایا کہ مستحق عبادت وہ ہے جو حی، قادر، خالق، رازق، سمیع، بصیر، علیم اور حکیم ہو۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ پر ان اسماء کا اطلاق نہیں کرتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا کہ تمہارے بتوں میں صلاحیت و اہلیت ہی نہیں تو پھر ان کی عبادت اور پرستش کیسی
ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ سموھم فنِ کنایہ سے ہے کیونکہ سموھم بمعنے عینوا اسمائھم یعنی اے بُت پرستو! اپنے بتوں کے اسماء متعین کرو۔ ظاہر ہے کہ شے کے اسم کا تعین اس کے وجود کے تعین پر دلالت کرتا ہے۔ پھر جس شے کا وجود ہی نہ ہو تو اس کا اسم کیسا۔ اللہ تعالیٰ نے گویا یوں فرمایا کہ بُتوں کے نام بتاؤ۔ اب جب وہ خود معترف ہونگے کہ ان کے نام نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ان کے نام نہیں تو انھیں عبادت کا استحقاق کیسا۔ یعنی جن صفات سے عبادت کا استحقاق ہوتا ہے وہ ان میں نہیں تو وہ عبادت کے بھی مستحق نہیں۔
اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ یہ ام منقطعہ مقدرہ بہ بل ہے اور ہمزہ انکاریہ ہے یعنی بلکہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو خبر دیتے ہو بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اس کے ساتھ جس کا نہ کوئی وجود ہے اور نہ اس کے ساتھ اللہ کے علم کا تعلق ہے اس سے مراد ان کے معبودانِ باطلہ ہیں جنھیں کافروں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا تھا۔
ف: بطریق کنایہ لازم کی نفی کر کے ملزوم کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہوتا تو اس کا اسے علم ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ کا علم ہر وجود کو مستلزم ہے۔ ورنہ اس کا جاہل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جب ثابت ہوا کہ بتوں کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں اسی لیے سرے سے ان کا وجود ہی نہیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ لازم کی نفی ملزوم کی نفی کو مستلزم ہے۔
ف: بحر العلوم میں ہے کہ ام تنبئونہ میں اعراض ہے کہ بُت کے پجاریوں کو بتوں کے نام بتانے کو کہا گیا۔ جب وہ بتا نہ سکے تو اس قول سے اعراض کر کے اب خبر دینے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور لفظ ام میں ہمزہ انکاری ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ لائق نہیں کہ اس طرح ہو۔
ف: تبیان میں ہے آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تم اپنے بتوں کے وہ نام رکھتے ہو جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور صفاتی نام ہیں تو فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی باتوں کی خبر دیتے ہو جنھیں زمین پر اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں۔
اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ یا صرف زبانی کلامی باتیں ہیں یعنی بلکہ تم اپنے بتوں کے نام ایسے کلام سے

رکھتے ہو جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے زنگی کا نام کافور [اور اندھے کا نام چراغدین رکھ دیا جائے۔
جیسے مشہور ہے اعگر

برعکس زنگی نام نہند کافور

یا جیسے کہا جاتا ہے کہ آنکھیں تو ہیں نہیں لیکن نام چراغدین]

ف: بحرالعلوم میں ہے کہ ان کے خبر دینے سے اعراض کر کے ان کے بتوں کے نام رکھنے کی حقیقت بتائی گئی ہے کہ وہ بتوں کے ایسے نام رکھتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی کفار اپنے بتوں کے اسماء میں معنوی مناسبت کو دیکھتے ہیں۔ ام میں ہمزہ استفہام کا معنیٰ انکار و تعجب کا ہوگا۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مذکورہ باتوں کی طرف توجہ نہ کیجئے لیکن کافروں کی دیوانگی دیکھیے کہ کتنا تعجب خیز ہے کہ اپنے بتوں کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ ان پر نہ کوئی دلیل ہے اور نہ ہی ان کی عقل تصدیق کرتی ہے صرف زبانی جمع خرچ ہے جسے وہ کہتے جا رہے ہیں لیکن معنوی مناسبت کی طرف معمولی توجہ بھی نہیں کرتے۔ بس یہی سمجھو کہ یہ بے معنی اور مہمل الفاظ بول رہے ہیں۔ ایسے الفاظ کوئی سمجھدار بولنے تک گوارا نہیں کرتا اس لیے کہ وہ ایسے بے معنی الفاظ بولنے سے نفرت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ان مہمل الفاظ کے بولنے سے اس کی خفت ہوگی اور اہلِ فہم کی نظروں میں وہ گر جائے گا۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ بلکہ کافروں کے لیے ان کے مکر کو مزین کیا گیا ہے کہ ان کے نفوس کو اباطیل اچھے لگتے ہیں اسی لیے وہ انہیں حق مانتے ہیں۔ یعنی بتوں کا اللہ تعالیٰ کا شریک ماننا انہیں حق نظر آتا ہے۔ یہ در اصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں رسوائی میں مبتلا کرنا ہے۔

ف: المکر یعنے صرف الغیر عما یقصدہ بحیلۃ کسی کو اپنے مقصد سے حیلہ و فریب سے پھیرنا۔

کافروں کو زینت دینے والا شیطان ہے جو وسوسے سے انہیں حق سے پھیرتا ہے۔

وزین لھم الشیطٰن اعمالھم۔	اور شیطان انہیں ان کے کردار سنوار کر دکھاتا ہے۔

یا خود اللہ تعالیٰ مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ:

زینا لھم اعمالھم۔	ہم نے ان کے اعمال بھلا کر کے دکھائے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت داعیا و مبلغا ولیس لی من الھدی شیٔ وخلق ابلیس مزینا ولیس الیہ من الضلالۃ شیٔ۔	میں داعی اور مبلغ بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میرے ہاں ہدایت ہی ہدایت ہے اور شیطان دھوکہ سازی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے ہاں سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔

۵

حق فاعل و ہرچہ جز حق آلات بود

تاثیر ز آلت از محالات بود

ترجمہ: حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا باقی ہر شے بمنزلہ آلہ کے ہے اور آلات سے تاثیر کا پایا جانا محال ہے۔

وَصُدُّوْا۔ الصد بمعنے المنع۔ اور وہ روکے گئے ہیں عَنِ السَّبِیْلِ راہِ حق سے وَمَنْ اور جسے مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اور سیدھے راہ پر نہ جانے دے۔

ف: سعدی مفتی نے فرمایا: اہلسنت کے نزدیک اضلال بمعنے خلق الضلال اور الھدایۃ بمنے خلق الاھتداء۔

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ پس اس کا کوئی ہادی نہیں۔ یعنی پھر کسی کو طاقت نہیں کہ اسے ہدایت دے سکے یا اسے ہدایت کی توفیق بخشے لَهُمْ عَذَابٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ان کے حیٰوۃ دُنیا میں عذاب ہے کہ وُہ مقتول اور قیدی ہوں گے اور انھیں مختلف مصائب و تکالیف میں مبتلا کیا جائے گا اور انھیں کفر کی وجہ سے سزا کے علاوہ اور کچھ نصیب نہ ہوگا اسی لیے اس کا نام عذاب رکھا۔

ف: کلام عرب میں العذاب، العذب سے ہے بمعنے المنع۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

عذبتہ عذبا۔ میں نے اسے خُوب روکا۔

اور پانی کو بھی عرب میں عذب اسی لیے کہتے ہیں کہ وُہ پیاس کو روکتا ہے اور عذاب کو اسی لیے عذاب کہا جاتا ہے کہ وُہ سزا یافتہ کو اس عمل کے دوبارہ کے ارتکاب سے روکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے لوگ بھی اس کی سزا سے عبرت حاصل کرکے بُرائی سے رُک جائیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں پر عذاب سے بُعد اور حجابات و غفلت اور جہل مراد ہے۔ اسی طرح عبودیت نفس والہوٰی اور دنیا اور شیطان والانس کے عذاب سے بھی یہی مراد ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ اور آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ سخت ہوگا اس لیے کہ وہ دائمی ہوگا اس سے عذاب نار یا ہجر و فراق کی نار اور بُعد اور دُوری کا درد اور طاعت الٰہی میں کوتاہی کی حسرت اور ذنوب و معاصی میں زیادتی اور خسارے اور گھاٹے اور بلند درجات سے گرنا اور جہنم کے طبقات میں پڑنا مراد ہے وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ اور ان کے لیے نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مِنْ وَّاقٍ کوئی حفاظت کرنے اور روکنے والا کہ انہیں عذاب نہ دیا جائے۔

ف: دوسرا من زائدہ ہے اور پہلا واق کے متعلق ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انھیں نہ کوئی دنیا کی رسوائی سے بچانے والا ہے اور نہ آخرت کے عذاب سے۔

حدیثِ معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شبِ معراج میں ایک ایسی وادی میں پہنچا جس سے سخت مکروہ قسم کی آواز سنائی دی۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیسی آواز ہے؟ اس نے عرض کی: یہ جہنم کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہی ہے: یا اللہ تعالیٰ! تو نے میرے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ اب پورا کیجئے اس لیے کہ میرے اندر طوق اور بیڑیاں اور آگ کی گرمی اور گرم پیلا گندا اور بدبودار پانی و دیگر عذاب کی چیزیں بہت زیادہ ہو گئی ہیں اور میرا گڑھا بہت گہرا اور میری گرمی بہت سخت ہو گئی ہے۔ فلہٰذا اب دیر نہ کیجئے میرے اندر آنیوالوں کو جلد بھیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جہنم! فکر مت کیجئے تیرے لیے میں نے مشرک مرد اور مشرکہ عورتیں اور خبیث مرد اور خبیثہ عورتیں اور ہر وہ سرکش جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا بہت زیادہ تعداد میں تیار کیے ہوئے ہیں جو عنقریب تیرے اندر آئیں گے۔ دوزخ سُن کر عرض کرتی ہے: میں راضی ہو گئی۔ (کما فی الترغیب والترہیب۔)

حکایت حضرت ابن مرشد ہر وقت آنسو بہاتے رہتے اور ہر گھڑی انھیں رونے سے ہی کام تھا۔ آپ سے سبب پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کوئی اگر گنہ کرے گا تو میں اسے ہمیشہ کے لیے ایک گرم حمام میں قید کر دوں گا۔ پھر جسے یہ خطرہ ہو وہ کیسے گریہ نہ کرے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ گنہگار کو ایسی آگ میں قید کیا جائے گا جسے تین ہزار سال تک ایندھن ڈال کر گرم کیا گیا ایک ہزار سال گرم کی گئی تو وہ سُرخ ہو گئی پھر ایک ہزار سال گرم کی گئی تو سپید ہو گئی پھر ایک ہزار سال گرم کی گئی تو وہ سیاہ ہو گئی۔ اب وہ جہنم کالی سیاہ اندھیری رات کی طرح کالی سیاہ ہے۔

ف : یہ اس عذاب کا حال ہے جسے نارِ صغریٰ سے عذاب ہوگا اور نارِ کبریٰ کا عذاب اس سے بھی سخت تر ہوگا۔ وہ بُعد، ہجر و فراق کا عذاب ہے۔ ؎

برزخ جامی بود بے رویت از دوزخ بدے
گرز روضہ خازن اندر قبر او روزن کند

ترجمہ : دیدارِ محبوب کے بغیر جامی کے لیے دوزخ ہے وہ آرزو رکھتا ہے کہ کسی طریق سے قبر سے دریچہ کھل جائے جس سے دیدارِ محبوب نصیب ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت اور طریقِ حق و تحقیق کی توفیق چاہتے ہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ اس بہشت کی مثال جس کا متقیوں کو وعدہ دیا گیا ہے۔

ف : یہاں پر متقیوں سے وہ حضرات مراد ہیں جو شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جو دراصل یوں ہے: فیما قصصنا علیك مثل الجنة۔ یعنی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ جنت کی مثل ہے۔ یعنی یہ

صفت ہے ۔ مثل کہاوت کے طور بیان کی جاتی ہے ۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ یہ حال ہے اس عائد سے جو موصول الذین کے صلہ میں محذوف ہے دراصل عبارت یُوں ہے :

وعد بہا المتقون مقدر جریان انہارھا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان نہروں کے جریان کا وعدہ مقدر فرمایا ۔

اور وہ نہریں چار ہیں ۔ بہشت میں چاروں مراتب کے بالمقابل چلتی ہیں ۔ اور وہ چار مراتب یہ ہیں :

- شریعت
- طریقت
- معرفت
- حقیقت

یہ چاروں نہریں ہر اُس خوش نصیب کے لیے ہوں گی جو ان چاروں مراتب کا جامع ہوگا اور وہ اولیاء مقربین ہیں ۔ ان کے علاوہ دوسرے ابرار اور ارباب برزخ اگرچہ وُہ بھی ان نہروں سے بہرہ ور ہوں گے لیکن انھیں لذت نصیب نہیں ہوگی جو اولیاء مقربین کو نصیب ہوگی ۔ کیونکہ مراتب علیا کی وجہ سے انھیں ان نہروں سے لذّت کا بہت زیادہ اور وافر حصہ نصیب ہوگا ۔ جیسے وہ معرفت وغیرہ کے مراتب میں بلند قدر تھے اسی طرح وُہ بہشت کی لذات کے درجات میں بھی ممتاز ہوں گے ۔

ہر کسے از ہمت والائے خویش
سود برد در خور کالائے خویش

ترجمہ : ہر شخص اپنی بلند ہمتی سے اتنا نفع پائے گا جتنا اس کا سامان ہے ۔

اُکُلُھَا بہشت کے میوہ جات ۔

ف : کواشی میں ہے کہ اس سے بہشت کے وہ میوہ جات مراد ہیں جو کھائے جائیں گے دَآئِمٌ ہمیشہ ہوں گے ۔ وہ کبھی منقطع نہیں ہوں گے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی رکاوٹ ہوگی ۔ جیسے دنیا کے میوہ جات کا حال ہے کہ یہ کبھی ختم ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ۔ بعض میوہ جات کے کھانے کی اجازت ہوتی ہے اور بعض کی نہیں ۔ اسی طرح بہشت میں نہیں ہوگا وَظِلُّھَا اور بہشت کے درختوں کے سائے بھی دائمی ہوں گے وہ بھی کبھی ختم نہیں ہوں گے ۔ جیسے دُنیا میں ہوتا ہے کہ سورج نہ ہونے سے سائے بھی نہیں رہتے بلکہ آخرت میں تو سُورج کا نشان تک نہیں ہوگا ۔ اور نہ اس پر گرمی ہوگی نہ سردی ۔

ف : اس دوام سے دائمی خوشی اور سرور و فرحت مراد ہے ۔

نکتہ : سایہ کے دوام کی خوشخبری اس لیے دی گئی ہے کہ عرب درختوں کے سائے خال خال پائے جاتے ہیں جس سے

کا وجود نادر ہو اس کے لیے خوشخبری سے طبیعت کو سرور و فرحت حاصل ہوئی۔
نکتہ : اس سے یہ بھی نہ سمجھنا کہ بہشت میں صرف کھانے پینے کی اشیاء اور صرف سائے ہوں گے جیسا کہ صرف ان کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ وہاں ہر قسم کے آرام و عیش اور استراحت اور سرور و فرحت کے سامان وافر در وافر ہوں گے ان دونوں کا ذکر صرف ان کی عام اور بکثرت ضرورت کے پیشِ نظر کیا گیا ہے اور یہی دو چیزیں عرب والوں کے نزدیک بہت عظیم الشان سمجھا جاتا تھا۔
نکتہ : ان کے دوام سے ان کے انواع مراد ہیں۔ وانے جو پہلے کھا لیے گئے وہ تو ختم ہو گئے اس پر ان جیسے اور پیدا ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکل اور ظل سے ان کی ذات اور ان کا تشخص مراد نہیں بلکہ ان کے انواع مراد ہیں۔
سوال : اس آیت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ بہشت اور بہشت کے میوہ جات وغیرہ غیر فانی ہیں حالانکہ کل شیئٍ ھالکٌ الا وجھہٗ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ہر شے فانی ہے۔
جواب ۱ : کل اشیاء (ماسوی اللہ) لازماً فنا ہوں گی اگرچہ بعض اشیاء ایک لحظہ کے لیے ہی سہی تو ایک لحظہ کا فانی ہونا دوام مذکور کے منافی نہیں اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ القلیل کالمعدوم۔
جواب ۲ : کل شیئٍ ھالکٌ الا وجھہ کا تقاضائے فنا قبل از قیامت ہے اور ہمارا مضمون مذکور دوام کے متعلق آخرت کا ہے۔ اس معنے پر ان میں سرے سے تناقض ہے نہیں۔
مسئلہ : آیت میں جہمیہ فرقہ کا رد ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ بہشت کی نعمتیں بھی فانی ہیں۔
سوال : ان کی تائید میں لبید کا یہ شعر : ؎

الا کل شیئٍ ما خلا اللہ باطل
وکل نعیم لا محالۃ زائل

ترجمہ : خبردار ہر شے اللہ تعالیٰ کے سوا باطل اور ہر نعمت لازماً مٹ جائے گی۔
جواب : ان کا یہ شعر قبل از اسلام کا کہا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ قریش کی مجلس میں یہ شعر پڑھا گیا۔ جب پڑھنے والے نے پڑھا : ع

الا کل شیئٍ ما خلا اللہ باطل

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فرمایا : صدقت۔ سچ کہا۔ لیکن کہا گیا : ع

وکل نعیم لا محالۃ زائل

تو آپ نے فرمایا : کذبت، جھوٹ کہا۔
آپ نے اس سے یہ سمجھا کہ لبید نے آخرت کی نعمتوں کو بھی زائل کر دیا ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا : کذبت۔

ف : حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہلِ ایمان دنیا میں ظلِ رعایت میں آخرت کے دن ظلِ حمایت میں ہیں اور عارف دُنیا اور آخرت میں ہر لحظہ ظلِ عنایت میں ہیں ؎

سایۂ دولت او دو جہان جاوید است

اے خوش آن بندہ کہ این سایہ فتد بر سر او

ترجمہ : اس کی دولت کا سایہ تو دونوں جہانوں میں ہمیشہ ہے۔ خوش بخت وہ بندہ ہے جس کے سر پر یہ سایہ پڑتا ہے۔

تِلْكَ وہ بہشت جس کے اوصاف ابھی مذکور ہوئے عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا پرہیزگاروں کا انجام کار اور عاقبۃ امر نیک ہے وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ اور کافروں کا انجام جہنّم کے سوا اور کچھ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ تقوی اہلِ جنۃ اور کفر اہلِ نار کا انجام ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ بہشت جو متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس کا ایک وصف یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہاں پر نہروں سے فضل وکرم اور اس کے پانی سے عنایت و توفیقِ الٰہی مراد ہے اکلھا دائم ان میوہ جات سے مشاہدات جمال و مکاشفات جلال مراد ہیں یعنی اہل اللہ کے مشاہدات و مکاشفات دائمی ہیں وظلّھا، ظل سے انہی مقامات واحوال کے سائے مراد ہیں اور وہ مقامات واحوال بھی وجودِ حق سے ہوں گے نہ اہل اللہ کے وجودِ شمس سے اور وہ مشاہدات و مکاشفات اور احوال و مقامات انہیں دائمی نصیب ہونگے اور یہ احوال و مقامات اہلِ تقویٰ کے لیے عافیت ہیں اہلِ تقویٰ وہ ہیں جو ماسوی اللہ سے فارغ ہیں اور جو ان مقامات اور احوال سے روگردانی کرتا ہے تو اسے ہجر و فراق کی نار نصیب ہوگی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

جور دوران و ہر آن رنجے کہ ہست

سہلتر از بعد حق و غفلتست

زانکہ اینہا بگزرد آن نگزرد

دولت آن دارد کہ جان آگہ برد

ترجمہ : زمانے کا ظلم وستم ہو یا کوئی دُکھ اور رنج حق کی دوری اور غفلت کی شدت سے آسان ہیں اس لیے کہ ظلم زمانہ وغیرہ تو ختم ہو جانے والے ہیں لیکن دُوری اور غفلت انمٹ ہیں ہمارے نزدیک دولت دائمی اسے نصیب ہے جو راز حق سے باخبر ہے۔

حکایت

حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچے کے فراق میں روتی ہوئی کہتی تھی،

یا ویلاہ من فراق ولد۔

حضرت شبلی قدس سرہٗ نے بھی رونا شروع کر دیا اور کہا :

یا ویلاہ من فراق احد۔

عورت نے پوچھا، آپ کیا کر رہے ہیں؛ آپ نے فرمایا، تُو ایک مخلوق کی جدائی پر رو رہی ہے کہ اس نے آخر ایک دن مر کر فنا ہو جانا ہے میں اس حی وقیوم کے فراق پر روتا ہوں جو ازلی ابدی اور باقی ہے ؎

فرزند و یار چونکہ بمیرد عاقبت

اے دوست دل مبند بجز حی لایموت

ترجمہ : بچے اور دوست بالآخر مر جائیں گے اے دوست! سوائے حی لایموت کے اور کسی کے ساتھ دل نہ لگانا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دُوری کی آگ اور عذاب الیم سے بچائے ذوق دائمی اور نعمت دوامی نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ اور وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب عطا فرمائی۔ ان اہلِ کتاب سے وہ یہودی مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول فرمایا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور نصاریٰ بھی۔ وہ کل اسّی افراد تھے، چالیس نجران میں رہتے تھے، آٹھ یمن میں اور بتیس حبشہ میں۔ اس تقریر پر الکتٰب سے توراۃ وانجیل مراد ہوگی يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ خوش ہوتے ہیں اس سے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ یعنی مذکورہ بالا حضرات کے جملہ افراد آپ پر قرآن کے نزول سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان اور اس کی رحمت ہے جو بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اور یقین کیجئے کہ صاحبِ ایقان مومن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل واحسان سے خوش ہوتا ہے وَمِنَ الْاَحْزَابِ اور بعض جماعتیں۔ اس سے وہ کفار مراد ہیں جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دشمنی میں مختلف جماعتیں بنا رکھی تھیں[1] جیسے کعب بن اشرف اور اس کے متبعین اور السید اور العاقب یہ دونوں قبیلۂ نجران کے سرغنے تھے مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ اور ان کی شاخوں میں سے بعض وہ ہیں جو قرآن کے ان احکام کا انکار کرتے ہیں جو ان کی شریعتوں کے مخالف ہیں۔ الکواشی میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کے قصص کے تو موافق تھے باقی تمام مضامین کے منکر تھے۔

---

[1] جیسے ہمارے دور میں نجدی، خارجی ٹولے نے مختلف روپ دھار رکھے ہیں غیر مقلد، دیوبندی، احراری، تبلیغی، مودودی، نیچری، پرویزی وغیرہ۔ یہ سب نبوت و ولایت کی عداوت میں برابر ہیں۔ ۱۲

ف : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہودیوں کو صرف سورۂ یوسف پر ایمان تھا۔ لیکن مشرکین تمام قرآن کے منکر تھے۔

تفسیر صوفیانہ قرآن مجید کے مضامین تکالیف و احکام اور اسرار و حقائق پر مشتمل ہیں۔ رُوح، قلب اور سِر تو تمام قرآن مجید سے خوش ہیں اور نفس و ہویٰ اور قوٰی قرآن پاک کے بعض مضامین کے منکر ہیں کیوں کہ بعض ان پر بوجھل ہیں جیسے امورِ تکالیف و احکام دراصل یہ نفس و ہویٰ و قوٰی قرآن مجید کے فوائد - الت کی وجہ سے انکار کرتے ہیں ورنہ کب انکار کرتے۔

اے اللہ ! ہم سے تکالیف کی سختی دُور فرما دے اور ہمیں قرآن مجید کی اُلفت نصیب فرما اور اس کی مخالفت و انکار سے ہمیں بچا اور ہمیں قیامت میں اہلِ قبول و اقرار کے ساتھ اٹھا۔ آمین)

ع

مزن ز چون و چرا دم کہ بندۂ مقبل
قبول کرد بجان ہر سخن کہ جانان گفت

ترجمہ : چُون و چرا نہ کیجئے اس لیے کہ بندۂ مقبول وہ ہے جو محبوب کے ہر قول کو بجان و دِل بلا چُون و چرا قبول کرے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ فرمائیے اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ! منکرین کے جواب میں کہ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ میں مامور من اللہ ہُوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں۔ یعنی قرآن مجید میں جو احکام وغیرہ نازل ہُوئے ہیں ان میں مجھے حکم ہُوا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اسی کی توحید کا اقرار کروں اور دین کی توحید کا مسئلہ عمدہ ہے اور اے کافرو! اسے ماننے کے سوا تمہیں لوئی کوئی چارۂ کار نہیں۔ ہاں قرآن مجید کے بعض مضامین سے تمہارا انکار کرنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ زمانۂ قدیم سے منکرین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ کتب الٰہیہ کے بعض مضامین کا انکار کرتے چلے آئے ہیں اور تم بھی انہی سے ہو ورنہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے وہ جو کچھ نازل فرماتا ہے اس میں اہلِ عالم کی اصلاح اور بہبود ہوتی ہے۔ جیسے ایک طبیب یا ڈاکٹر مریض کو وہی ادویہ دیتا ہے جو اس کے مزاج کے موافق ہوں اور اس کی صحت و عافیت کے لیے اس کی معاونت کریں اِلَيْهِ اللہ تعالیٰ یا اس کی توحید کی طرف اَدْعُوْا تمہیں دعوت دیتا ہُوں یا معنٰی یہ ہے کہ میں اپنی جمیع مشکلات میں اسی سے دُعا مانگتا اور اسی کو پکارتا ہُوں وَاِلَيْهِ مَاٰبِ اور اسی کی طرف میرا اور تمہارا جزا و سزا کے لیے لوٹنا ہے۔ یہی وہ مسئلۂ توحید ہے جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کا متفقہ فیصلہ ہے باقی احکام میں اس لیے ایک دُوسرے سے مختلف ہیں کہ دَور کے تقاضے اور اسی دَور کے عوام کی مصلحتیں مدِّنظر رکھی گئیں۔ جیسے دَور

بدلتا گیا مسائل اسی طرف پھرتے گئے لیکن وُہ بھی حکیم مطلق کے علم وحکمت کے تقاضا پر۔ لیکن منکر کا کیا علاج، وہ تو اپنی بدقسمتی سے انکار کرے گا وَكَذٰلِكَ یعنی جیسے ہم نے انبیاء علیہم السلام پر ان کی اُمتوں کی لغتوں کے موافق کتابیں نازل فرمائیں۔ چنانچہ فرمایا:

ارسلنٰك فی اُمّة ۔ ہم نے آپ کو ایک اُمت میں رسول بنا کر بھیجا۔

یا اس کا معنی یہ ہے کہ جیسے یہ قرآن مجید جو رسول الدیانات پر مشتمل ہے کہ جن پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے اور وہ اپنی شہرت کے لحاظ سے اپنی مثل آپ ہے اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اسے (قرآن) کو نازل کیا حُكْمًا ایسا فیصلہ کُن کہ جن امور کی بندوں کو ضرورت پڑتی ہے ان سب کے فیصلے قرآن مجید میں ہیں اور وہ تمام فیصلے مبنی بر حکمت وصواب ہیں۔

ف: الحکم مصدر بمعنے الحاکم ہے اور چونکہ احکام شرعیہ ومسائل تکلیفیہ تمام کا استنباط قرآن مجید سے ہوتا ہے اسی لیے مجازاً حکم کا اسناد اسی طرف ہُوا ورنہ حقیقی حاکم تو اللہ تعالیٰ ہے پھر مبالغہ کے پیشِ نظر اسے مصدر سے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ قرآن مجید فیصلہ کا عین ہے۔

ف: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حُکمًا بمعنے محکم یعنی قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس میں تغیر وتبدیل اور اضافہ وترمیم وتنسیخ ہو سکتی ہی نہیں۔

عَرَبِيًّا یعنی وہ قرآن عربی زبان میں ہے تاکہ اسے پڑھنے، یاد کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

ف: حکماً حال موطئہ اور عربیاً اس کی صفت ہے اور حال موطئہ وہ اسم جامد ہے جو موصوف ہو کسی صفت کا۔ اور اس صفت کی وجہ سے وہ حال بننے کے لائق ہوا ہو اور اسے موطئہ اس لیے کہتے ہیں کہ گویا اس نے اس کا راستہ طے کر لیا جو حقیقی حال تھا یعنی حقیقی حال سے پہلے آکر اس کا موصوف بن گیا۔

شانِ نزول مروی ہے کہ مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معبودوں کی پرستش کی اور یہودی آپ کو اپنے قبلہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی دعوت دیتے جبکہ آپ نے ان کے قبلہ کو چھوڑ کر کعبہ معظمہ کی طرف نماز پڑھنی شروع فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ اگر آپ بفرضِ محال ان کی خواہشات کے مطابق تابعداری کریں یعنی آپ کو وُہ دین کی دعوت دیتے ہیں تاکہ ان کے دین کی تصدیق ہو جائے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے دین اور ان کی دعوت کو باطل قرار دے کر ہویٰ سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت تو تھی نہیں، وہ صرف ان کا میلان طبعی اور خواہشات نفسانی کے مطابق بنایا ہُوا پروگرام تھا جس کی نہ کوئی سند تھی اور نہ ہی کوئی دلیل۔ اسی بنا پر وُہ محض ہویٰ ہی تھی اور بس۔

بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اس کے بعد آپ کے ہاں علم آیا ہے اور پختہ دلائل اور مضبوط براہین آپ کے ہاں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا دین حق ہے مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ تیرے لیے اللہ کے عذاب سے نہیں ہوگا مِنْ وَّلِیٍّ

کوئی دوست جو تمہاری مدد کرے وَّلَا وَاقٍ اور کوئی بچانے والا جو عذاب الٰہی سے تمہاری حفاظت کرے اور تم سے عذاب کو ہٹائے۔

ازالہ وہم وہابیہ یہ خطاب اگرچہ حضور علیہ السلام کو ہے لیکن مراد امت ہے تاکہ انھیں تنبیہ ہو کہ صرف دین اسلام ہی ان کی نجات کے لیے کافی ہے دوسرے کسی دین کی انھیں ضرورت نہیں۔

سوال: اگر حضور علیہ السلام مراد نہیں تو پھر انھیں خطاب کیوں کیا گیا۔

جواب: اس میں بھی عوام اُمت کو متنبہ کرنا مطلوب ہے کہ وہ سمجھیں گے کہ جب اتنا ارفع مقام و بلند مرتبت شخصیت کو غیر دین اسلام سے سختی سے روکا جا رہا ہے تو پھر ہم کس باغ کی مُولی کہ اس کے خلاف کریں۔ اللہ تعالیٰ میری اور آپ سب کی ہر مقام پہ مدد فرمائے۔ (آمین)

تفسیر صوفیانہ عاقل وہ ہے جو عالم ربوبیت کی جانب عبودیت کے راستہ پر چلتا ہے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طلب میں مخلص ہو کر زندگی بسر کرتا ہے اور وہ جو علم ہونے کے باوجود شرک کی اتباع کرتا ہے علم سے انانیت کو فنا کر کے وحدانیت کی طلب کرنا مراد ہے شرک کی اتباع کرنے والے کو کوئی نہیں ہوگا جو اسے دُوئی کی ظلمات سے نکال کر نورِ وحدانیت کی طرف لیجائے اور نہ ہی اس کا کوئی مددگار ہوگا جو اسے دوری کے عذاب اور حجاب الشرکۃ فی الوجود بالوجود سے بچا سکے۔

خلاصہ یہ کہ خلاص و نجات کا بہترین طریقہ عبودیت ہے۔

امام فخر الدین کی تقریر اور عبودیت کا بہترین مطلب حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ عبودیت ایک بہت بڑے مرتبے کا نام ہے اسی لیے علماء کرام کا اختلاف ہے کہ نبی علیہ السلام کی رسالت افضل ہے یا آپ کی عبودیت۔ محققین نے فرمایا: ان کی عبودیت سے افضل ہے۔ ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ عبودیت خلق سے فارغ ہو کر خالق سے مشغول ہونے کا نام ہے اور رسالت خالق سے مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کو کہتے ہیں۔

دُوسری دلیل یہ ہے کہ عبودیت میں بندے کے جملہ امور اس کے آقا و مولیٰ کی طرف سپرد ہوتے ہیں ان کے جملہ امور کا کفیل اس کا آقا و مولیٰ ہوتا ہے۔ اور رسالت میں رسول علیہ السلام کو اپنی اُمت کے جملہ امور کی اصلاح کی کفالت کرنی پڑتی ہے۔ ان دونوں دلیلوں سے واضح ہو گیا کہ عبودیت و رسالت میں کتنا فرق ہے۔

فائدہ صوفیانہ در افضلیت عبودیت بر رسالت تیسری دلیل یہ ہے کہ عبودیت مقام الجمع ہے اور رسالت

لہ غور کیا جائے تو اس خطاب میں بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت و قدر کا اظہار مطلوب ہے لیکن وہابیوں نے اسے تنقیص پر محمول کیا۔ تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی تفسیر میں ہے۔

مقام الوہیتہ مثلاً حضور سرورِ عالم اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں ہر وقت خالص عبودیت کے ساتھ زندگی بسر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں بسر اوقات کرتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عبودیت میں خاطر جمع ہوتی ہے اور رسالت میں تفرقہ کی دلیل سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشادِ گرامی ہے جو آپ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے:

کلمینی یا حمیرا۔ اے حمیرا (رضی اللہ عنہا) مجھ سے بات کیجئے۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ کو کلام کرنے کے لیے اس لیے فرمایا کہ آپ ہر وقت مستغرق باللہ رہتے تھے لیکن امت کا حق بھی ادا کرنا ضروری تھا اسی لیے ان کو کلام کرنے کا فرمایا تاکہ حق کی مشغولیت منقطع ہو اور مخلوق کو راہِ ہدایت فرمائیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسالت مقام تفرقہ ہے کہ تعلق باللہ سے تعلق بالمخلوق کی طرف متوجہ ہونا پڑا اگرچہ نبی علیہ السلام کا تعلق بالمخلوق بھی حق ہے لیکن ظاہری انقطاع تو ہے اسی لیے رسالت کا مقام تفرقہ ہے۔

نکتہ: دلیل نمبر ۵ یہ ہے کہ عبودیت کی شرافت اور افضلیت یہ بھی ہے کہ کلمۂ شہادت میں رسالت سے پہلے عبودیت کا ذکر ہے مثلاً: اشهد ان محمداً عبده ورسوله۔

دلیل نمبر ۵ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے قرب اور نزدیکی کا شرف بخشا تو بندے کو اپنے سے ملایا تو عبودیت سے مضاف کرکے۔ کما قال: ان عبادی لیس لك علیهم سلطان۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

گدائی در جانان بسلطنت مفروش

کسی ز سایۂ این در بآفتاب رود

ترجمہ: محبوب کے در کی گدائی کو سلطنت لے کر نہ بیچ۔ اس دروازہ کے سایۂ رحمت کو چھوڑ کر کون سا بیوقوف ہوگا جو سورج کی گرم دھوپ میں جانے کو پسند کرے گا۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ فخر کافی ہے کہ میرا رب ہے اور مجھے یہ بہت بڑی عزت ہے کہ میں اس کا عبد (بندہ) ہوں۔

دلیل نمبر ۶: انسان کی تخلیق کے بعد اس کی عبودیت کو یہ شرف حاصل ہے کہ کہا جاسکتا ہے: خالق العبد۔ باوجودیکہ وہ ہر شے کا خالق ہے۔ لیکن خالق الخنازیر والکلاب کہنا بے ادبی ہے۔ معلوم ہوا کہ خنازیر وکلاب کی رذالت کی وجہ سے اضافت ناجائز ہے۔ لیکن انسان کی شرافت ہے تو اس کی اضافت میں حرج نہیں۔

دلیل نمبر ۷: اسی شرافت کے پیشِ نظر انسان کو غیر کے عبد بننے کی اجازت نہیں اسی لیے عبدۃ الطاغوت کو جہنم نصیب ہوئی کہ انہوں نے شرافت اور بزرگی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص فرمائی (باقی بر صفحہ ۲۸۴)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ○ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ○ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ○ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۗ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۗ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ○ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۗ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ○

ترجمہ : اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے اور ان کے لیے بیویاں اور بچے کیے اور کسی رسول کا کام نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے اور ہر ایک وعدہ کے لیے حکم لکھا ہوا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے اور ہم آپ کو کچھ دکھا دیں جو ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو اپنے پاس بلالیں تو آپ کا کام تو صرف پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارا کام۔ کیا انھیں دکھائی نہیں دیتا کہ ہم زمین کی آبادی اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے اس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے اور بیشک ان سے پہلے لوگوں نے مکر و فریب کیے جملہ خفیہ تدبیروں کا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو شخص بھی کوئی کام کرے اور کافر عنقریب جان لیں گے کہ پچھلے گھر کا نیک انجام کس کو نصیب ہے اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں فرمائیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے اور وہ جس کے ہاں کتاب کا علم ہے۔

(صفحہ ۲۸۳ سے آگے)

انہوں نے غیروں کو دے دی۔[1]

دلیل نمبر ۸ : اسی عبودیت کی بزرگی اور شرافت کی برکت ہے کہ اپنے بندے کا تزکیہ اپنے ذمۂ کرم فرمایا۔

---

[1] اس سے یہ نہ سمجھنا کہ عبدالنبی و عبدالرسول وغیرہ اسماء ناجائز ہیں یہاں تو عبد بمعنے خادم اور غلام ہے اور یہ بالاتفاق جائز ہے۔ ناجائز تب ہے جب عبد بمعنے عابد ہو۔ تفصیل "بذل الصفا لعبد المصطفےٰ" میں ہے۔

کما قال تعالیٰ:

بل اللہ یزکی من یشاء ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ما زکی منکم من احد۔	بلکہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کا تزکیہ فرماتا ہے اگر اس کا فضل اور رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی صاف ستھرا نہ ہوتا۔

اسی لیے تالیٔ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے مطہر کا لقب عطا فرمایا:

لا یمسہ الا المطھرون ۔	اسے صرف مطہر ہی ہاتھ لگائیں۔

بندے کو حقیقۃً پاک کرنیوالا صرف اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ بظاہر وہ پانی اور دیگر اسباب و وسائط سے پاک ہوا لیکن انھیں حقیقت سے کیا تعلق۔

(آغازِ تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسل کرام علیہم السلام کو رسول بنا کر بھیجا اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! وہ بھی آپ کی طرح بشر تھے فرشتے نہیں تھے۔

شانِ نزول یہ کفار مکہ کے ایک سوال کے جواب میں کہا گیا ہے وہ کہتے تھے کہ رسول کے لیے جنس ملائکہ سے ہونا ضروری ہے۔ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً اور ہم نے ان کے لیے عورتیں اور اولاد بنائی جیسے آپ کی ازواجِ مطہرات اور اولاد طاہرین ہیں جب ان کے لیے ازواج و ذریات کا ہونا جائز ہے تو آپ کے لیے بھی جائز ہونا چاہیے۔

شانِ نزول یہود کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی وہ کہتے تھے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہوتے تو انھیں عورتوں سے کوئی واسطہ نہ ہوتا انھیں زہد ضروری اور عبادت میں مشغول رہنا لازم ہے۔

ف: حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو منکوحہ بیویاں تھیں اور تین سو کنیزیں اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو منکوحہ بیویاں تھیں اور سات سو کنیزیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کے لیے کثرتِ ازواج مضر نہیں۔ اسی طرح ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ابتداء میں رسل کرام کو جذبۂ عنایتِ الٰہی نصیب ہوتا ہے جو انھیں مراتب بشریہ سے درجات ولایت روحانیہ کی طرف پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد وہ معارج نبوت و رسالت ربانیہ پر فائز ہوتے ہیں۔ اس عہدہ پر بشریت کے تمام مراتب ختم ہو جاتے ہیں اور احکام نفسانیہ ان سے زائل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نفسانی خواہش پر ازواج کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی خصائص حیوانیہ کے لحاظ سے انھیں اولاد کی خواہش

ہوتی ہے [1] اگر انھیں ازواج و اولاد سے کچھ واسطہ ہوتا ہے تو بر اقتضاے شرح خلافت الٰہیہ کی وجہ سے، تاکہ صفت خالقیہ کا اظہار ہو اس لیے کہ وہ خالقِ کونین کے مظہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اانتم تخلقونہ ام نحن الخالقون ۔ کیا تم اسے پیدا کرتے ہو یا ہم اس کے خالق ہیں۔

نکتہ: حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں نبوت کی فضیلت کی وجہ سے بہت بڑی قوت کے مالک ہوتے ہیں اس لیے کہ جب ان کا سینہ مبارک نور سے بھر جاتا ہے تو وہ نور سینہ سے نکل کر ان کے اجساد مقدسہ کے اندر رگوں میں پھیل جاتا ہے جس سے نفس اور تمام رگیں نور سے معمور ہوتی ہیں وہ نور قوۃ شہوت معروفہ اور قوائے جسمانیہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے عام انسانوں سے ان میں قوت مردمی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام لوگوں سے چار چیزوں میں فضیلت دیا گیا ہوں:
۱۔ سخاوت ۲۔ شجاعت ۳۔ قوۃ بطش ۴۔ کثرۃ جماع

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی شب میں نو حرم شریف (ازواجِ مطہرات) کے ہاں تشریف لے جاتے اور ہر بی بی سے فراغت کے بعد غسل فرمالیتے اور فرماتے کہ ایک جماع کے بعد دوسرے جماع سے پہلے غسل کر لینا اطیب و اطہر ہے۔

خصوصیت نبوی علیٰ صاحبہا السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ مردمی اہلِ جنت کے چالیس مردوں کے برابر تھی اور اہلِ جنت کے ایک مرد کی قوت دنیوی مردوں کے سو کے برابر ہوگی۔ اس لحاظ سے آپ کی قوتِ مردمی چار ہزار مردوں کے برابر ہوئی۔

ف: سلیمان علیہ السلام کی قوتِ مردمی ایک سو دنیوی مردوں کے برابر تھی۔ بعض روایات میں ایک ہزار مردوں کے برابر وارد ہے۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات مدخول بہا چودہ اور چار کنیزیں تھیں۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: بستان العارفین میں اس کے خلاف لکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ آپ نے بیک وقت چودہ بیبیوں سے نکاح نہیں فرمایا۔

ف: الواقعات المحمودیہ میں لکھا ہے کہ فخر الانبیاء علیٰ نبینا علیہم السلام نے اکیس بیبیوں سے نکاح فرمایا اور بوقت وصال نو بیبیاں تھیں۔

یہود و نصاریٰ کا رد یہود و نصاریٰ کا خیال ہے کہ حضور علیہ السلام (معاذ اللہ) عورتوں سے بہت زیادہ

---

[1] یہ تقریر وہابیہ دیوبندیہ کی گوشمالی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو نفسِ بشریت میں اپنی مثل سمجھتے ہیں۔

رغبت رکھتے تھے۔ اسی لیے بہت زیادہ شادیاں کیں لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرا ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی علیہ السلام سے بہت زیادہ کثیر الازواج تھے۔ علاوہ ازیں کثرتِ ازواج دنیوی معاملات سے نہیں بلکہ یہ بھی دینی معاملہ ہے۔ چنانچہ حضرت سفیان بن عُیَینہ نے فرمایا: اگر یہ دنیوی معاملہ ہوتا تو دین کے مشتاق زیادہ شادیاں نہ کرتے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ ازہد الناس بلکہ تمام صحابہ کرام سے زُہد میں آپ فائق تھے[1] لیکن اس کے باوجود آپ کی چار بیویاں اور سترہ لونڈیاں کنیزیں تھیں۔ اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ نے مختلف اوقات میں اسّی عورتوں سے نکاح فرمایا۔ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے تو کمال کر دیا کہ مختلف اوقات میں دو سو سے زائد عورتوں سے نکاح کیا۔ اسی لیے عرب میں آپ منکاح (کثیر النکاح) کے نام سے مشہور تھے۔ انہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

اشبہت خلقی و خلقی۔ (اے حسن!) آپ صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہیں۔

میرے (اسماعیل حقی کے) شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ کی چار بیویاں اور پندرہ کنیزیں تھیں۔ ان سے جب لوگوں نے استفسار کیا تو فرمایا: دُنیا میں ہر ایک کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے میری آزمائش اسی سے کی گئی ہے۔

مجھے (حقی کو) میرے شیخ قدس سرہٗ نے خلوت میں فرمایا کہ کثرتِ نکاح اسرارِ نبوت اور ان کی اُمت کی خصوصیات سے ہے۔

حدیث شریف

چنانچہ حدیث مشہورہ میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حبب الی من دنیاکم ثلاث	مجھے تمہاری دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں:
الطیب و النساء و قرۃ عینی	۱۔ خوشبو
فی الصلاۃ۔	۲۔ عورتیں
	۳۔ نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک

ف: عشق[2] و محبت صرف نفوسِ قدسیہ کو نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ جو کچھ وہ حضرات مشاہدہ کرتے ہیں دوسروں کو نصیب نہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

منم کنی زعشق وے اے مفتیِ زمان
معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ

---

[1] یہ ایک جزوی فضیلت ہے یہ شیعہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ [2] اس سے یہ عشق مجازی مراد نہیں جسے عوام نے سمجھ رکھا ہے اس کی حقیقت کچھ اور ہے اسے فقیر اویسی غفرلہٗ نے "صدائے نوی شرح مثنوی معنوی" میں وضاحت سے لکھا ہے۔ ۱۲

ترجمہ: اے مفتیِ وقت! تم مجھے عشق سے روکتے ہو لیکن تم بھی معذور ہو اس لیے کہ تم نے اس کا مزہ نہیں چکھا۔

تفسیر عالمانہ وَمَاكَانَ لِرَسُوْلٍ اور کسی رسول علیہ السلام کے لیے جائز نہیں اور نہ ہی ان کے امکان میں ہے اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ یہ کہ لائے کوئی آیت یا معجزہ جیسا کہ تم چاہو اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر۔ یعنی جو کچھ معجزہ یا آیت لاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاتے ہیں اس میں ان کا ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں ہوتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے تربیت یافتہ اور اس کے حکم کے پابند ہوتے ہیں۔

شانِ نزول یہ بھی کافروں کے ایک اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی۔ مشرکین نے کہا کہ اگر یہ رسول ہیں تو ہم ان سے جس طرح کا معجزہ طلب کریں وہ فوراً لائیں۔ اگر توقف کریں اور مہلت چاہیں یا سرے سے معجزہ نہ لائیں تو پھر یہ کیسے رسول ہیں۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ اس سے معلوم ہوا کہ عام مخلوق کی حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی رضا کے موافق ہوتی ہیں۔

لِكُلِّ اَجَلٍ ہر وقت کے لیے كِتَابٌ ایک حکم ہے لکھا ہوا اور مقرر کردہ ہے ہر حکم بندے کی اہلیت و صلاحیت کے مطابق مبنی بر حکمت الٰہی صادر ہوتا ہے۔ اُمتوں اور زمان کے مختلف ہونے کی وجہ سے بمقتضائے حکمتِ الٰہی احکام بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

شانِ نزول یہ بھی مخالفین کے اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی۔ مخالفین نے کہا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) سچے رسول ہوتے تو توراۃ و انجیل کے احکام کیوں منسوخ کرواتے۔

ف: شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ ہر شے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں وقت معلوم لکھا ہے اس سے نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے کوئی حکم نہ آگے ہوتا ہے نہ پیچھے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ ہر مخلوق کے ہر اجل کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک کتاب ہے جس کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ تفسیر نمبر ۱: جسے اللہ تعالیٰ مٹانا چاہتا ہے مٹاتا ہے۔ وَيُثْبِتُ اور جسے ثابت قدم رکھنا چاہتا ہے رکھتا ہے۔ یعنی اگر بندوں کی بھلائی منسوخ کرنے میں دیکھتا ہے تو اس حکم کو منسوخ کر دیتا ہے اگر ثابت رکھنے میں ان کی بھلائی ہوتی ہے تو منسوخ شدہ حکم کے بدلے اور حکم لاتا ہے جو اس جیسا ہوتا ہے یا اس سے بہتر جسے اپنی حکمت کے تقاضے پر تا قیامت غیر منسوخ رہنے دیتا ہے۔

تفسیر نمبر ۲: یا یہ معنیٰ ہے کہ توبہ کرنے والے بندے کی برائیاں مٹا کر اس کے اعمال نامے میں نیکیاں

لکھ دیتا ہے۔

تفسیر نمبر۳: کراماً کاتبین کے مکاتیب سے وہ اعمال مٹا دیتا ہے جن میں نہ ثواب ہے نہ گناہ۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ کراماً کاتبین بندے کے ہر قول و فعل کو لکھنے پر مامور ہیں۔ ہر سوموار خمیس کے دن لوح محفوظ کے مکاتیب کا مقابلہ کرتے ہیں جو اعمال بندے کے ثواب و عقاب کا موجب ہیں وہ رہنے دیئے جاتے ہیں باقی کو مٹا دیا جاتا ہے۔

تفسیر نمبر۴: بندے کے اعمال نامے کو جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جاتا ہے اگر اعمال نامے کے اول و آخر میں نیکی ہے تو درمیانی برائیوں کو مٹا کر ان کے عوض نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اگر اول و آخر میں نیکیاں نہیں بلکہ برائیاں ہیں تو اسے اسی طرح رہنے دیا جاتا ہے۔

ف: علماء کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا قلبی ذکر کو کراماً کاتبین لکھتے ہیں یا نہیں۔ حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا فرشتے غیب جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر سوال کیا گیا کہ ملائکہ بندے کے قلبی ذکر کو کیسے لکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہر عمل کی ایک علامت ہوتی ہے اس علامت سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ نیکی ہے یا برائی ہے، جیسے مجرم علامات سے پہچانا جاتا ہے۔ مثلاً جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل سے خوشبو مہکتی ہے اس سے فرشتے معلوم کرلیتے ہیں کہ اس بندے نے نیکی کا ارادہ کیا ہے۔ اگر برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے برائی کا ارادہ کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملائکہ قلبی عمل کو بھی لکھتے ہیں، یہی صحیح تر ہے۔ لیکن حضرۃ الشیخ عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا کہ اکثر علماء کرام کی رائے یہی ہے کہ فرشتوں کو بندے کے باطن کا علم نہیں ہوتا۔ اس آخری قول کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جو ریحان القلوب میں لکھا کہ ذکر خفی وہ ہے جو کراماً کاتبین سے بھی مخفی ہے۔ جو آہستہ آواز سے ذکر کیا جاتا ہے اسے ذکر خفی نہیں کہا جاتا، ذکرِ خفی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔ یہ ہر بندے کو نصیب نہیں ہوتا البتہ مخصوص اولیاء کرام کو حضور علیہ السلام کی اتباع میں نصیب ہوتا ہے۔

شانِ ولایت

فقیر (حقی رح) کہتا ہے کہ چونکہ ولی کامل اللہ تعالیٰ کی مخصوص امانت کا محافظ اور نگران ہوتا ہے اسی لیے ان کے مخفی حال سے کراماً کاتبین مطلع نہیں ہوتے دوسرے عوام کے مخفی حالات سے مطلع ہوتے ہیں وہ بھی علامات اور نشانیوں کے ذریعے سے، تاکہ ان کے اعمال کو اعمال نامے میں درج کرسکیں۔ کما قال تعالیٰ:

لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا۔ ہر چھوٹا بڑا عمل محفوظ کرلیا جاتا ہے۔

تفسیر نمبر ۵، ۶، ۷ محو و اثبات، سعادت و شقاوت اور رزق و اجل کے متعلق ہے۔

حکایت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کعبہ معظمہ کا طواف کرتے ہوئے آنسو بہا رہے تھے اور کہتے: یا اللہ!

اگر مجھے ازل میں اہلِ سعادت سے لکھا ہے تو اسے ثابت رکھنا اور اگر اہلِ شقاوت سے لکھا ہے تو اپنے فضل و کرم سے اہلِ شقاوۃ کے دفتر سے میرا نام مٹا کر اہلِ سعادۃ میں لکھ دے۔

حدیث شریف کسی انسان کی عمر جب تیس سال باقی رہ جاتی ہے تو اس سے قطع رحمی کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ اس کی عمر باقی صرف تین دن لکھ دو۔ اسی طرح بعض بندوں کی عمر کے صرف تین دن رہ جاتے ہیں وہ صلہ رحمی کرتا ہے تو حکم ہوتا ہے اس کی تیس سال عمر لکھ دی جائے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ مشیت (عوام) کی سعادت و شقاوت اور اجل و ارادہ کی حرکات و سکنات کے وقوعِ فعل کے لحاظ سے وقت معین ہے۔ اسی طرح اہلِ اذن و رضا (اہل اللہ) کے لیے بھی پھر اللہ تعالیٰ سعادت سے اہلِ شقاوت کے افعال مٹا کر ان کے اہلِ سعادت کے اعمال لکھتا ہے اسی طرح اہلِ شقاوت سے اہلِ سعادت کے افعال مٹا کر اہلِ شقاوت کے اعمال لکھتا ہے۔

وَعِنْدَہٗٓ اس کے پاس ہے اُمُّ الْکِتٰبِ ام الکتاب کہ جس میں دونوں فریق اہلِ سعادت و شقاوت کے معاملات اور ان کے خاتمے لکھتا ہے پھر اس میں نہ اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ کمی۔

مزید تشریح از صاحبِ روح البیان (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ) سعادت و شقاوت کا محو و اثبات اس میں ہوتا ہے تو سعادت و شقاوت عارضی ہیں ورنہ جو اصلی اور ازلی ہیں ان میں محو و اثبات نہیں ہوتا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت نطفے کو ماں کے پیٹ میں پینتالیس راتیں گزرتی ہیں تو ایک فرشتہ اس نطفے پر پہنچ کر عرض کرتا ہے یا اللہ! یہ سعید ہے یا شقی؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہ اسی طرح لکھتا ہے۔ پھر عرض کرتا ہے یا اللہ! لڑکا ہے یا لڑکی؟ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوتا ہے اسے لکھتا ہے۔ پھر اس کے عمل اور رزق کے بارے میں پوچھتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ بھی لکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنا دفتر لپیٹ لیتا ہے۔ پھر نہ کوئی اضافہ ہوتا ہے نہ کمی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماں کے پیٹ کے اندر جو لکھا جاتا ہے وہ لوحِ ازلی کے مطابق ہوتا ہے اور جو دنیا میں ہوتا ہے وہ لوحِ محفوظ کے مطابق ہوتا ہے۔

اس تقریر پر ان علماء کے قول کو محمول کیا جائے گا جو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے میں محو و اثبات فرماتا ہے۔ سوائے سعادت و شقاوت، موت و حیات، رزق، عمر، اجل اور صورت و سیرت کے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

خوئے بد در طبیعتی کہ نشست
نرہد جز بوقتِ مرگ از دست

ترجمہ: بری عادت جو کسی کی طبیعت میں گھر کر جاتی ہے وہ موت سے پہلے ہرگز نہیں جاتی۔

ف : صلۂ رحمی سے عمر کے اضافے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عملنامے میں نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں یا وہ از تعلیق سے ہوگا کہ مثلاً لکھ دیا ہوگا کہ اگر اس نے صلۂ رحمی کی تو اس کی عمر بڑھا دی جائے گی یا یہ ہو کہ بالفرض والتقدیر اگر کسی کی عمر میں بڑھنے کا معاملہ ہو تو وہ صلۂ رحمی میں ہے ۔

تفسیر نمبر ۸ : اللہ تعالیٰ احوال کا اثبات فرماتا ہے اور ان کے اضداد کو مٹاتا ہے ۔ پھر ماں کے پیٹ کے اندر نُطفہ ٹھہرا ، پھر علقہ ، پھر مضغہ ، یہاں تک کہ اس کا مکمل ڈھانچہ تیار ہوا ۔ اس اعتبار سے پہلے احوال مٹتے گئے دوسرے ثابت ہو گئے ۔

تفسیر نمبر ۹ : اعمال کا محو و اثبات ہوتا ہے ۔ مثلاً پہلے کوئی شخص کافر تھا پھر مسلمان ہوگیا تو اس کے حالتِ کفر کے جمیع اعمال مٹا دیے جاتے ہیں اور ان کے عوض اس کے اعمالنامے میں نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں ۔ چنانچہ فرمایا :

یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات ۔ اللہ تعالیٰ برائیوں کے بدلے نیکیاں عطا فرماتا ہے ۔

اسی طرح پہلے مسلمان ہو لیکن وہ (معاذ اللہ) آخر عمر میں کافر ہو جائے اور اسی پہ وہ مرے تو اس کے اعمال صالحہ اسے کسی قسم کا فائدہ نہ دیں گے ۔ کما قال تعالیٰ :

وحبط ما صنعوا فیھا و باطل ما کانوا یعملون ۔ جو کچھ کیا وہ حبط ہوگیا اور ان کے جملہ اعمال بیکار ہو جائیں گے ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وُہ کفر کو مٹا کر ایمان اور جہل ختم کر کے علم اور معرفت اور غفلت و نسیان مٹا کر حضور و ذکر اور بغض مٹا کر یقین ، اور خواہش نفسانی مٹا کر عقل ، اور ریاء مٹا کر خلوص ، اور بخل مٹا کر سخاوت ، اور حسد مٹا کر شفقت ، اور تفرقہ مٹا کر جمع لکھتا ہے ۔ اسی طرح جملہ افعال اضداد یہ کا قیاس کیجئے ۔ کما قال تعالیٰ :

کل یوم ھو فی شان ۔ ہر لحظہ میں اسکی نئی شان ہے محو و اثبات کے بارے میں ۔

تفسیر نمبر ۱۰ : **حدیث شریف** حضرت ابُو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں اپنی مخصوص کتاب کو دیکھتا ہے جو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا ۔ اس سے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے ۔ (کذا قال الکاشفی)

تفسیر نمبر ۱۱ : فصول میں لکھا ہے کہ ابرار کے قلوب پر جو انکار کے نقوش ہوتے ہیں وُہ مٹا کر ان کے بجائے اسرار و رموز لکھتا ہے ۔

تفسیر نمبر ۱۲ : حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شہود عبودیت اور اس کے اوصاف مٹا کر ان کے بجائے شہود ربوبیت اور اس کے دلائل لکھتا ہے ۔

تفسیر نمبر ۱۳ : حضرت ابن عطا نے فرمایا کہ قلوب اولیاء سے بشریت کے اوصاف مٹا کر ان کے بجائے اسرار لکھتا ہے

اس لیے کہ وہی اوصاف مشاہدہ کا مرکز ہیں۔

تفسیر نمبر ۱۴: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یمحوا اللہ ما یشاء عوام سے اخلاق ذمیمہ مٹا کر و یثبت اخلاقِ حمیدہ لکھتا ہے جو چاہتا ہے اور خواص سے اخلاق روحانیہ مٹا کر اخلاقِ ربانیہ لکھتا ہے اور اخص الخواص سے آثار الوجود مٹا کر آثار الجود لکھتا ہے اس لیے کہ:

کلّ شیء ھالکٌ الّا وجھہٗ۔ ہر شے کو فنا ہے سوائے ذات حق کے۔

تفسیر نمبر ۱۵: امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ بندے سے حظوظِ نفسانی مٹا کر حقوق ربانی لکھتا ہے۔

تفسیر نمبر ۱۶: شہود خلق مٹا کر شہود حق لکھتا ہے۔

تفسیر نمبر ۱۷: آثارِ بشریت مٹا کر آثارِ احدیت لکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندہ انسانیت سے فنا ہو کر بقاء بالاحدیۃ پاتا ہے اس لیے کہ اولیت بھی اسی کی شان ہے اور آخریت بھی۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جلال وعزت کے غلبہ سے درمیان کی اضافت ختم ہوگئی۔ بندے کو فنا سے بقا ملی اسی لیے کہنا پڑا کہ اول بھی وہی اور آخر بھی وہی۔

ے

محنت ہمہ در نہاد آب و گل ماست

پیش از دل و گل چہ بود آں حاصل ماست

در عالم نیست خانۂ داشتہ ایم

رفتیم بداں خانہ کہ سر منزل ماست

ترجمہ: عالمِ دُنیا کا تمام کارخانہ ہم ہیں اسی عالمِ دنیا سے پہلے جو کچھ تھا وہ بھی ہم ہیں۔ اس عالمِ دنیا میں ہمارا کیا رکھا ہے ہم اسی منزل کو واپس جائیں گے جہاں ہماری حقیقی منزل ہے۔

وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ ہر وہ شے جو اصل کے قائم مقام ہو اسے اہلِ عرب اُم سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً: اُم الراس دماغ کو اور اُم القریٰ مکہ معظمہ کو۔ یعنی ہر وہ اصل جو تغیر پذیر نہ ہو۔ اُم الکتاب سے ازل کا لکھا ہوا مراد ہے۔ یعنی وہ علم ازلی ابدی سرمدی جو اسی کی ذات سے قائم ہے اور وہی علم ہر شے کو محیط ہے اس میں اضافہ اور کمی نہیں ہوتی اور ہر شے اپنی مقدار پر اسی کے علم میں ہے۔ اس سے لوح قضاء مراد ہے جو سابقاً ازل میں تھی۔

لوح چہار قسم ہے

① لوح القضاء ② لوح القدر

③ لوح النفوس ④ لوح الھیولیٰ

○ لوح القضاء یعنی وہی ازلی حکم۔ اس میں محو و اثبات نہیں ہوتا۔ اس کو لوح العقل الاول بھی کہتے ہیں۔

○ لوح القدر یعنی لوح النفوس الناطقۃ الکلیۃ اس میں لوح اول کی تفصیل مندرج ہے اور لے اسباب سے

متعلق کیا گیا ہے۔ اسے لوح محفوظ کہا جاتا ہے۔ (یہی عوام میں مشہور ہے)

- لوح النفوس الجزئیۃ السماویہ۔ اس میں اسی عالم کے نقوش و ہیئات اور مقدار منقش ہیں۔ اسے سماء الدنیا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بمنزلہ خیال عالم کے ہے جیسے لوح اول بمنزلہ رُوح کے ہے۔ لوح محفوظ بمنزلہ خیال قلب کے ہے۔
- لوح الهیولی۔ یہ عالم شہادت کی صورتوں اور شکلوں کا مجموعہ ہے۔

اٹھارہ ہزار عالم کی تفصیل

الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ عالم دو ہیں:

① عالم معنوی
② عالم صوری

عالم صوری اٹھارہ ہزار پر منقسم ہے۔ ان اٹھارہ ہزار عوالم میں سب سے چھوٹا عالم تعین ہے۔ عالم صوری تغیر و تبدل کو قبول کرتا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یمحوا اللہ مایشاء و یثبت۔

اور عالم معنوی میں نہ تغیر ہے نہ تبدل نہ اس میں زمان ہے نہ جسم۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ لوح محفوظ سرخ رنگ کا یاقوتی جوہر ہے اور اس کے اطراف زبرجد کے ہیں یہ عالم صوری کے متعلق ہے۔ عالم معنوی کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس میں تغیر و تبدل وغیرہ نہیں۔

مسئلہ: جملہ عوالم (معنوی و صوری) اللہ تعالیٰ کے ایک ہی ارادہ سے پیدا ہوئے۔

حضرت انسان

انسان کے اندر بھی لوح جزوی معنوی بھی ہے اور لوح جزوی صوری اسی لوح کلی صوری کا دروازہ۔ لوح صوری کا انکشاف تو اکثر اولیاء کو ہوتا ہے لیکن معنوی کا صرف ایک ولی کامل کو ہوتا ہے جو اس کے وصال کے بعد کسی دُوسرے کو نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ: الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ جمیع ماسوی اللہ میں جو ہُوا یا ہوگا وہ تمام اللہ تعالیٰ کے ایک ہی ارادہ سے ہوا اور اس کا ارادہ ازلی ابدی ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں۔ اسی لیے فرمایا:

مایبدل القول لدی۔ میرے ہاں کوئی تبدل تغیر نہیں۔

اور فرمایا: یمحوا اللہ مایشاء و یثبت۔

اس میں اشارہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسی ارادہ ازلیہ سے ہو رہا ہے اور وہ ارادہ اس کی صفات قدیمہ ازلیہ سے ہے۔ جب اسی عالم میں کوئی فعل ہوتا ہے تو اسی ارادہ سے متعلق ہوتا ہے جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی صادر ہوتا ہے اسی میں سے بندوں کے افعال ہیں کہ یہ بندوں کے اپنے اختیار اور ارادے سے صادر ہوتے ہیں یعنی

جیسے وہ اپنے اختیار و ارادہ کو استعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسی طرح کا فعل پیدا فرما دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسب بندے کا ہے اور تخلیق اللہ تعالیٰ کی۔ اس سے واضح ہوا کہ بندہ مجبور محض نہیں۔[1]

مسئلہ: اعمال بندے کے خاتمے کی علامات ہیں۔ کسی کا خاتمہ سعادت پر ہوتا ہے تو اسے نیک اعمال کی عادت ہوتی ہے اور جس کا خاتمہ بُرا ہوتا ہے تو اسے مرنے سے بُرے اعمال کی عادت پڑ جاتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا کوئی نیک عمل کرتا ہوا بہشت کے ایک بالشت کے قریب پہنچ جاتا ہے لیکن اس پر تقدیر کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اہلِ نار کے عمل کرنے شروع ہو جاتا ہے اسی طرح بہت سے بندے برائیاں کرتے کرتے جہنم کے قریب پہنچ جاتے ہیں جنھیں صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر ربانی غالب آجاتی ہے وُہ نیکیاں کرنے لگ جاتا ہے اسی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بہشت میں چلا جاتا ہے۔

تنبیہ: اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پھر نیک عمل کرنے کا کیا فائدہ ہوا۔ اس کا جواب حدیث شریف میں آگیا ہے کہ بہشت و دوزخ کے داخلے کا سبب لامحالہ اعمال ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاتمہ پر اعمال کا نتیجہ مرتب ہوا اس میں اُلٹا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو ترغیب دلائی ہے کہ ہر وقت خاتمہ کا خیال رکھو ایسا نہ ہو کہ آخر میں برائی کرتے کرتے جہنم میں چلے جاؤ۔ سمجھدار کو اتنا کافی ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے انعامات و عطایا کو اعمال صالحہ سے متعلق فرمایا ہے یعنی نیک اعمال سے بھی بندے کو دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدعاء ینفع مما نزل و مما لم ینزل۔ نازل شدہ اور نازل ہونے والی مشکلات کے لیے دُعا فائدہ دیتی ہے۔[2]

بدل جاتی ہیں تقدیریں سوال: احیاء العلوم شریف میں ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ دُعا کا فائدہ ہی کیا جب اللہ تعالیٰ کی تقدیر ٹلنے والی نہیں۔

جواب: یہ بھی منجملہ قضا و قدر کا حکم ہے کہ دعا، تقدیر بدل دیتی ہے اس لیے کہ دُعا بلاؤں کے رد کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کی

---

[1] یہی تقدیر کا مسئلہ ہے جس میں عقل کے بندے بُری طرح مار کھاتے ہیں اور مختصر طور پر اس کا حل دیا گیا ہے۔ اگر اشکال ہو تو تفسیر اویسی دیکھئے۔ بہتر یہ ہے کہ اس مسئلے کے درپے نہ ہو۔

[2] اسی کے تحت ہم اہلسنت اولیاء کرام کے حضور میں جا کر دُعا کراتے ہیں اور اسی معنے پر انھیں مجازاً مشکلکشا اور حاجت روا کہا جاتا ہے اور چونکہ ان کی دُعا مستجاب ہوتی ہے اس لیے انھیں عرض کیا جاتا ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا صاحب وصال۔ ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون۔ ۱۲

رحمت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے دعاء تقدیر کے سامنے ڈھال بن جاتی ہے۔ جب ڈھال کو تیر کے روکنے کے لیے تقدیر کا انکار نہیں تو پھر دعاء کو ڈھال بنا کر تقدیر کے روکنے کا سبب ماننا کیوں گناہ سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا اٹل فیصلہ سنا کر اس کے ٹالنے کا سبب بھی بتایا ہے اور تقدیر ٹالنے والی یہی دعا ہے۔

لطیفہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: گناہ کر کے اللہ تعالیٰ سے بہشت مانگنا یہ بھی ایک گناہ ہے۔

لطیفہ: موصوف الصدر نے فرمایا کہ عمل کر کے نیکی میں ڈالنے کا نام حقیقت ہے۔ نیک عمل کسی حیثیت سے بھی ترک نہ کیا جائے۔

سبق: سمجھدار وہ ہے جو نیکیوں میں جدوجہد کرتا ہے اور نفس کو برائیوں اور خواہشات سے روکتا ہے۔ مرتے دم تک اس کا یہی طریقہ ہو تو بیڑا پار ہے۔

کمال خجندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

بکوش تا بکف آرے کلید گنج وجود

کہ بے طلب نتوان یافت گوہر مقصود

ترجمہ: جدوجہد کیجئے تا کہ گنج مخفی نصیب ہو۔ طلب کے بغیر گوھر مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ یہ تو آپ کو اپنی ظاہری زندگی میں دکھا دیں گے۔ یہ دراصل ان ما تھا۔ نون کو ما کے میم میں مدغم کیا گیا ہے اور ما زائدہ شرط کے معنی کی تاکید کرتا ہے اسی وجہ سے فعل پہ نون تاکیدی داخل کیا گیا ہے۔ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اس کا بعض حصہ جس سے ہم انہیں ڈراتے ہیں یعنی مشرکین مکہ کو دنیوی عذاب اور زلزلوں اور مختلف مصائب میں مبتلا کر دیں گے۔

ف: شرط کا جواب محذوف ہے۔

فذاك شافيك من اعدائك۔ پس دشمنوں کی ہلاکت سے آپ کو راحت و خوشی ہوگی۔

؎

پس از مرگ آنکس نباید گریست

کہ روزے پس از مرگ دشمن بزیست

ترجمہ: اس کی موت پر رونا نہیں چاہیے جو دشمن کی موت پر اپنی زندگی سے خوش ہوا۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یا ہم کو ظاہری وفات دے دیں تو غم نہ کھائیے فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ۔ البلاغ اسم ہے

تبلیغ کے قائم مقام مستعمل ہے۔ جیسے لفظ اداء تادیۃ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یعنی آپ کا کام تبلیغ رسالت اور ادائے امانت ہے وہ آپ نے کر دیا اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ اور ہمارے اُوپر حساب ہے کہ ہم انھیں قیامت میں جزا و سزا دیں گے آپ کا کام تبلیغ تھا وُہ آپ نے کیا ہم ان سے حساب لے کر جزا و سزا یعنی سخت سے سخت عذاب دیں گے ان کی رُوگردانی سے آپ ملال نہ کریں اور نہ ہی ان کے عذاب کے لیے عجلت کریں۔ چنانچہ دُوسرے مقام پہ فرمایا:

فاما نذهبن بك فانا منهم منتقمون۔ یا ہم کو دنیا سے اٹھالیں گے پھر ہم ان سے بدلہ لیں گے۔

یعنی وہ کفار و مشرکین عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکتے خواہ آپ دُنیا میں رہیں یا آپ کا وصال ہو جائے۔

تفسیر صُوفیانہ

و اما نرینك یا ہم آپ کو کشف و مشاہدہ کرائیں بعض الذی نعدهم جس کا ہم ان کے لیے عذاب و ثواب کا وعدہ کرتے ہیں جیسا وصال سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ مبشرہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ کو بہشت کی خوشخبری سُنائی۔ اور ایک صحابی نے آپ سے اپنے والد کے بارے میں پُوچھا کہ وُہ کہاں ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا اور تیرا باپ جہنم میں ہیں[1]۔ اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم میں فلاں فلاں کو دیکھا[2]۔ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یا ہم آپ کو ان کے احوال دکھانے سے پہلے دُنیا سے اٹھالیں فانما علیك البلٰغ جس کا ہم نے آپ کو حکم دیا اسے آپ نے پہنچانا ہے اور جو باتیں تبلیغ سے غیر متعلق ہیں وہ آپ کے ذمے نہیں وعلینا الحساب اور ہم رد اور قبول کے مالک ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ **شانِ نزول**: کافروں نے کہا کہ اے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارا رب تعالیٰ جن امور کے لانے کا وعدہ تمہارے ساتھ کیا ہے وہ کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم لاتے ہیں زمین کو۔ یعنی ہمارا زمین پر حکم ہوتا ہے نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ہم اس کے اطراف سے گھٹاتے ہیں۔ یہ نَاْتِى کے فاعل سے یا اس کے مفعول سے حال ہے۔ یعنی ہم کافروں کے ملک چھین کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلاموں کے قبضہ میں دے دیتے ہیں جہاں تک اسلام کا غلبہ ہوا اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آئے اور وہ کافروں سے چھینے گئے۔ اسے نقص الارض سے تعبیر کیا ہے یعنی اگر جب رب تعالیٰ ان ممالک کو مسلمانوں کے قبضے میں دے سکتا ہے تو قادر ہے کہ تمام دنیا مسلمانوں کے قبضے میں دے دے لیکن کفار اس سے کسی قسم کی عبرت حاصل نہیں کرتے وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ لا اپنے مدخول مع متعلقات کے مل کر

---

[1] یہ حدیث پاک اس وقت سے پہلے کی ہے جبکہ آپ نے اپنے والدین ماجدین کو زندہ کر کے اسلام کی دولت سے نوازا۔

[2] یہ دلائل کشف و مشاہدہ کے ہیں جسے ہم علم غیب کہتے ہیں۔

محلاً منصوب علی الحال ہے اب عبارت یُوں ہوئی،

یحکم نافذا حکمہ خالیا عن المعارض والمتناقض۔ وہ ایسا فیصلہ کرتا ہے جو ہو کر رہتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور نہ ہی اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب وُہ نافذ ہوتا ہے نہ اسے کوئی رد کر سکتی ہے اور نہ اُس کا ابطال ہو سکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا کہ اسلام کو فتح و نصرت ہو گی اور کافر مغلوب ہو کر مٹ جائینگے اور یہ ایسا فیصلہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے کہ دنیا کے عذاب قتل و قید جلا وطنی کے بعد قیامت میں بہت تھوڑے سے وقت میں ان کا حساب لے گا۔

سوال: آیت میں فتح و نصرت کی خوشخبری دی گئی ہے اور وہ جہاد سے ہی ہوئی اور جہاد مدینہ طیبہ میں فرض ہوا اور یہ سورۃ مکیہ ہے۔

جواب: (صاحب روح البیان نے فرمایا کہ) سورۃ کا مکیہ ہونا اس کے منافی نہیں کیونکہ ممکن ہے اس کی بعض آیات مدنیہ ہوں۔

سوال: مفسرین کی عادت ہے کہ جو سورۃ مکیہ یا مدنیہ ہوتی ہے اس میں آیات اس کے برعکس ہوتے ہیں تو عنوان میں اس کی تصریح کر دیتے ہیں۔ آپ نے سورۃ کے عنوان قائم کرتے وقت اس کی تصریح نہیں کی اور نہ ہی دیگر مفسرین نے۔

جواب: (صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا) یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ عنوان میں اس کی تصریح کی جانے یا مفسرین اسکی نشان دہی فرمائیں مضمونِ آیت جس طرح کا ہو گا آیات کا مکّی مدنی ہونا اسی اعتبار سے ہو گا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ نقص الارض سے بے برکتی اور وہاں کے علاقوں کی ویرانی اور وہاں کے رہنے والوں کی موت یا وہاں کے علماء کرام و فقہاء و مشائخ عظام کا وصال مراد ہے۔

حدیث شریف در فضیلت علماءِ کرام

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے علم جبراً نہیں چھین لے گا۔ بلکہ قبض العلم کا معنیٰ یہ ہے کہ علماءِ کرام کو دُنیا سے اُٹھائے گا یہاں تک کہ دُنیا میں کوئی عالمِ دین نہ ہوگا۔ پھر لوگ اپنے لیڈروں سرداروں جاہلوں کو اپنا مقتدا بنا لیں گے وُہ انہیں غلط باتیں بتائیں گے وُہ خود بھی گمراہ ہوں گے دُوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔[1]

نکتہ: آیت میں لفظ اِنْ کے بجائے اذا میں اشارہ ہے کہ یہ فتح و نصرت یا دُوسرے امور یکبارگی نہیں بلکہ تدریجاً ہونگے۔

علم دینی کی برکت

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگ خیر و برکت سے رہیں گے جب تک ان میں اوّل یعنی اہلِ علم زندہ ہوں جب وہ دُوسروں کو پڑھا کر دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے جانشینوں نے

---

[1] یہ سلسلہ اس صدی سے شروع ہے کہ عوام کی نگاہوں میں علماء و مشایخ کی قدر و منزلت نہیں رہی لیکن لیڈروں کو اپنا ملجاو ماوٰی سمجھتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی ۱۲

اوروں کو علم دینی پڑھایا یہاں تک کہ جب علم دینی کی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ ختم ہُوا تو لوگ تباہ و برباد ہو کر مریں گے۔ (غور کیجئے ایسا سلسلہ ختم ہونے کو ہے یا نہیں کہ دینی درس گاہوں کا حال زبُوں ہے۔ کالجوں سکولوں میں انگریزی تعلیم عروج پر ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین)

دنیا کی تباہی کے اسباب حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام پانچ وجوہ کی کمی سے تباہ و برباد ہوگی۔ وُہ پانچ یہ ہیں:

① علماء ② غازی

③ زاہد ④ تاجر

⑤ حُکّام

علماء ورثۃ الانبیاءؑ ہیں اور زاہد زمین کے ستون ہیں اور غازی زمین پر اللہ تعالیٰ کے لشکری ہیں اور تاجر زمین پر اللہ تعالیٰ کے امین ہیں اور حکام اللہ تعالیٰ کی زمین کے نگران ہیں۔

- وُہ عالم جو دین ضائع کر کے دُنیا حاصل کرتا ہے وہ عالم نہیں جاہل ہے۔
- وُہ زاہد جو دنیا بٹورنے کے لیے بیٹھا ہے وہ ڈاکو ہے۔
- وُہ غازی جو طمع و لالچ میں گرفتار ہے وہ خاک فتح و نصرت حاصل کر سکے گا!
- وُہ تاجر جو خیانت (ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، لوٹ مار وغیرہ) کرتا ہے اس سے خدا تعالیٰ کی امانت کی کیا امید ہو سکتی ہے۔
- وُہ حاکم جو عوام پر ظلم کرتا، ان کا خُون چوستا اور اُن کا مال لُوٹتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا نگران نہیں بلکہ بھیڑیا ہے۔

ف

نکند جور پیشہ سلطانی

کہ نیاید ز گرگ چوپانی

ترجمہ: بادشہ (حاکم) ہو کر ظلم نہ کرنا چاہیے۔ اگر ایسا ہے تو بھیڑیئے سے (بکریوں کی) نگرانی کی کیا امید۔

تفسیر صُوفیانہ اولم یروا انا نأتی الارض کیا انھیں معلوم نہیں کہ ہم ان کی ارض بشریت کو ننقصہا من اطرافہا اوصاف بشریت سے گھٹا کر اوصاف روحانیہ کا اضافہ کرتے اور ارض روحانیہ سے کم کر کے یعنی اس کے اوصاف کو اخلاق ربانیہ سے بدل دیتے ہیں اور ارضِ عبودیت کو آثار خلقیہ سے گھٹا کر انوار ربوبیت ظاہر فرماتے ہیں وَاللّٰہُ یَحْکُمُ اور اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک فیصلہ فرماتا ہے لَا مُعَقِّبَ اور نہ کوئی آگے کرنیوالا ہے اور نہ پیچھے ہٹانے والا اور نہ ہی تبدیل کرنے والا لِحُکْمِہٖ وَھُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ جو مقدر کرتا ہے، اور جو تدبیر کرتا اور حکم

فرماتا ہے اسے جلد پورا کرتا ہے۔ اس کے کسی حکم کو کوئی بھی تبدیل نہیں کر سکتا۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور ان سے پہلے والے کافروں نے بھی مکر کیا یعنی مشرکین سے پہلے کفار نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں سے مکر کیا۔ جیسے اہل مکہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائیں۔ کافروں کے مکر کا یہی معنیٰ ہے کہ پوشیدہ طور ان کے قتل اور دیگر ایذاؤں کے منصوبے بنانے جیسے ابراہیم علیہم السلام نے ساتھ نمرود نے کیا کہ ایک بڑا اونچا محل بنوایا تاکہ اس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدا کو قتل کرے اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے اور یہود نے عیسیٰ علیہ السلام سے اور ثمود نے صالح علیہ السلام سے کیا۔ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کو کہا کرتے تھے کہ رات کے کسی وقت میں ہم تمہیں قتل کر دیں گے اور کفار مکہ نے دار الندوہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے خفیہ منصوبے تیار کیے فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا پس اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے خفیہ تدبیر کہ انہیں ایسے طریقے سے تباہ و برباد کرنا ہے کہ انہیں پتا بھی نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فعل کو مکر سے استعارہ کے طور تشبیہ دی ہے۔

ف: الحواشی میں لکھا ہے کہ مکر کے اسباب اور اس کی جزا اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے پر کون غالب ہو سکتا ہے۔ پھر وہ ان کے مکر کی انہیں سزا دیتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو فتح و نصرت دے کر کفار کی تمام تدبیریں ملیامیٹ کر دیتا ہے کیونکہ ان کا مکر بھی اسی کی تخلیق ہے اور مخلوق کا کوئی ذرہ اس کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

ربط: يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اپنے مکر (خفیہ تدبیر) کی قوت اور اس کا کمال بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کے کردار کو جانتا ہے، وہ اچھے ہوں یا برے، ان میں ہر ایک کی جزا و سزا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر زمانے اور ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے بندے مکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ خفیہ تدبیریں کرتا ہے اس لیے کہ کائنات کا تمام کارخانہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہر زمانے کے لوگوں کا یہ مکر اہل حق کے ساتھ ہوتا ہے اس سے اہل حق کی آزمائش مطلوب ہوتی ہے تاکہ وہ اس آزمائش پر صبر کر کے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ مر ضعیفاں را تو بے خصمے مداں
از نبی اذ جاء اللہ بخواں

۲ گرد خود چوں کرم پیلہ بر متن
بہر خود چہ میکنی اندازہ کن

۳ گر تو پیلی خصم تو از تو رمید
نک جزا طیراً ابابیلت رسید

۴ گر ضعیفی در زمین خواہد اماں
غلغل افتد در سپاہ آسماں

۵ گر بدندانش گزی پر خوں کنی
درد دندانت بگیرد چوں کنی

ترجمہ: ۱۔ کمزوروں کو بے مدومت سمجھ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے فرمایا: اذا جآء نصر اللّٰہ۔

۲۔ اپنے ارد گرد مکڑی کی طرح جالہ نہ تن اپنے اندازہ کے مطابق ہی دُنیا کی چیزیں حاصل کر۔

۳۔ اگر تُو فیلِ مست بھی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کو مت بھول۔ دیکھ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے لشکر کو ابابیلوں سے مروا دیا۔

۴۔ اگر کوئی ضعیف زمین پر اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتا ہے تو آسمان کی سپاہ میں شور برپا ہو جاتا ہے۔

۵۔ اگر تُو کسی کو دانتوں سے چبائے گا تو تیرا مُنہ خُون سے بھر جائے گا، اگر تُو دانت اکھاڑے گا تو تجھے سخت درد ہو گا۔

تفسیر عالمانہ وَسَیَعْلَمُ الْکُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَی الدَّارِ اور عنقریب کافروں کو معلوم ہو گا کہ دونوں فریقوں میں آخرت کی نیک عاقبت کسے نصیب ہو گی۔ ایسا ہو گا کہ کافر غفلت کے نشے میں ہوں گے تو ان کے لیے تیار شدہ عذاب ان کے سروں پر آجائے گا۔ لام دلالت کرتی ہے کہ اس سے نیک عاقبت مراد ہے اور الدار سے دنیا مراد ہے اور اس کی عاقبت سے مراد یہ ہے کہ بندہ کا خاتمہ ایمان اور رحمت و رضوان پر ہو اور اس کی موت کے وقت فرشتے مبارکبادیں پیش کریں اور وہ مرتے ہی سیدھا بہشت میں چلا جائے۔

ف: سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ عنقریب کافروں کو معلوم ہو گا کہ بالآخر دُنیا کا مالک کون ہو گا۔ اس معنے پر لام تملیک کی ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ وُہ صرف اپنے مالک و مولیٰ پر توکّل کر کے اس کے وعدہ پر اعتماد کرے اور جو چیزیں اس نے جلد عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا ان کی اسی عجلت پر راضی ہو اور جن سے چند روز کی مُہلت کا وعدہ فرمایا ہے تو اسی وعدہ کا انتظار کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ویسے ہی ہوا۔ اسی طرح جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کرتا ہے خواہ وہ کسی زمانہ میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں پر اسے غلبہ عنایت فرماتا ہے ظاہراً بھی باطناً بھی۔

سماعِ موتیٰ کا ثبوت غزوۂ بدر کی فتح کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ کفار کے

مرداروں کو ایک گڑھے میں پھینک دو۔ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ جہاں فتح و نصرت پاتے وہاں تین روز قیام فرماتے۔ جب تیسرا دن ہُوا تو آپ نے صحابہ کرام کو روانگی کا حکم فرمایا آپ کی سواری تیار کی جا رہی تھی تو آپ ان کفار کے گڑھے کی طرف تشریف لے گئے چند صحابہ بھی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ آپ نے اسی گڑھے کے اُوپر کھڑے ہو کر فرمایا اے فلاں بن فلاں! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کیا وہ پورا ہو گیا کیا تم نے اس وعدہ کا مزہ چکھا ہے یا نہیں مجھ سے وعدہ دیا گیا تھا وہ تو پورا ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

یا رسول اللہ! کیف تکلم الاجساد لا ارواح فیھا۔

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ایسے اجساد سے کلام کر رہے ہیں جن کے اندر ارواح نہیں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انتم باسمع لما اقول منھم۔

میری باتوں کو تم سے وہ بہت زیادہ سنتے ہیں۔

دوسری روایت یوں ہے:

لقد سمعوا ما قلت غیر انھم لا یستطیعون ان یردوا شیئا۔

انہوں نے میری باتوں کو سُن لیا ہے ان میں صرف اتنی کمی ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔

اعجوبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

احیاھم اللہ حتّٰی سمعوا کلام رسول اللہ توبیخا لھم وتصغیرا ونقمۃ وحسرت۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن لیا، تاکہ اس سے انھیں زجر و توبیخ اور ذلت و خواری اور حسرت ہو۔

ابُولہب کا انجام بد

ابولہب غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکا۔ قریش مکہ کی ذلت و خواری کے تھوڑے عرصہ بعد عدسہ کی بیماری میں فوت ہوا۔ عدسہ ایک طاعونی بیماری کا نام ہے جس سے مسور کی دال کے دانے کے برابر پھنسیاں جسم پر نکل آتی ہیں جو بہت گندی اور سخت خطرناک ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ وبائی اور متعدی مرض ہے اس کے وارثوں نے اس خوف سے کہ اس کی بیماری دُوسروں کو نہ لگ جائے انہوں نے بجائے گڑھا کھودنے کے ایک دیوار کے ساتھ بٹھا کر اس پر پتھر ڈالنے شروع کر دیے یہاں تک کہ اس کا جسم چھپ گیا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ عدسہ ایک زخم کا نام ہے جسے اہلِ عرب منحوس بیماری سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس جیسی گندی اور متعدی مرض اور کوئی نہیں اس لیے ابولہب کو اس کے بیٹے بھی چھوڑ گئے تھے۔ تین دن بے گور و کفن پڑا رہا۔ لوگ اس کے جنازے کے قریب جانے سے گھبراتے تھے اور وہ اسے دفن نہ کرتے تھے۔ جب کافی وقت گزر گیا اور اس کے مردار سے بدبو پھیلنے لگ

تو اس کے بیٹے گھبرائے کہ کہیں عوام گالی نہ دیں۔ پھر وہی کارروائی کی جو اوپر مذکور ہوئی۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ پہلے ایک گڑھا کھودا گیا پھر اسے لاٹھیوں سے دھکیل کر اس میں ڈال کر اوپر سے پتھر پھینکے گئے یہاں تک کہ وہ گڑھا پُر ہوا۔

سبق: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کی سزا یہی ہوتی ہے کسی کو کھلم کھلا سزا ملتی ہے کسی کو پوشیدہ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جونہی اس جگہ سے گزرتی تھیں تو ہمیشہ اپنا چہرہ چھپا لیتی تھیں جیسے کسی بدبو دار شے سے منہ چھپایا جاتا ہے۔۔۔

ایک غلطی کا ازالہ

اب مشہور یہ ہے کہ ابولہب کی قبر کو اب پتھراؤ کیا جاتا ہے وہ ابو لہب کی قبر نہیں بلکہ ان دو بدبختوں میں سے ایک کی ہے جنہوں نے کعبہ معظمہ کو گندگی لپیٹ دی تھی۔ یہ بنو عباسیہ کے دور کی بات ہے۔

کعبہ شریف پر گندگی ڈالنے والے کا بدانجام

بنو عباسیہ کے دور کی بات ہے کہ ایک شب کو صبح جب اہل اسلام کعبہ معظمہ میں پہنچے تو کعبہ شریف کو غلاظت سے لتھڑا ہوا پایا۔ غلاظت لپیٹنے والے بدبختوں کو تلاش کرنے پر پکڑ لیا گیا۔ چند دنوں کے بعد اسی مقام پر ان دونوں کو سولی پہ لٹکایا گیا۔ اس وقت سے تا حال ان کی قبروں پر پتھراؤ ہو رہا ہے۔ یہ تو ان کی دنیوی سزا ہے نہ معلوم آخرت میں انھیں کتنا عذاب ہوگا۔

سبق: یاد رکھو دین یا دین والوں یعنی علماء و مشائخ کی جو بھی بے ادبی اور گستاخی کرتا ہے اس کا انجام تباہی و بربادی ہوتا ہے۔

ولی کامل کا گستاخ وزیر

ہمارے پیر و مرشد قدس سرہٗ کے ساتھ ایک وزیر گستاخی سے پیش آیا وہ چند دن کے بعد مر گیا تو اسے خواب میں الٹا لٹکا ہوا دیکھا گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں جو مارے شرم کے دیکھتا بھی نہیں تھا۔ اسے یہ سزا ایک ولی کامل کی بے ادبی اور گستاخی پر ملی تھی۔ اللھم احفظنا واعصمنا من سوء الحال وسیئات الاعمال۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کہتے ہیں یعنی مشرکین کہ یا یہودیوں کے لیڈر۔ اس دوسرے معنے پر یہ آیت مدنیہ ہے۔ لَسْتَ مُرْسَلًا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ رسول نہیں ہیں۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے تھے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رسول نہیں۔ جیسے بعض فلاسفہ کا خیال ہے کہ (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام نبی نہیں بلکہ ایک فلاسفر (حکیم) تھے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہ ماننے والے کافر ہیں۔

عقیدہ: حجۃ المبتدعین میں ہے کہ حضور سرور عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ وہ ہمارے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء والمرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

عقیدہ اور رد مرزا قادیانی جو شخص حضور سرور عالم کو رسول تو مانتا ہے لیکن یہ نہیں مانتا کہ آپ

خاتم النبیین ہیں اور نہ ہی یہ مانتا ہے کہ آپ کا دین قیامت تک غیر منسوخ ہے تو وہ کافر ہے (اسی لیے ہم قادیانیوں و مرزائیوں کو کافر کہتے ہیں، جمہور کا یہی مذہب ہے کہ منکرِ ختمِ نبوت کافر ہے)

؎

شمسۂ نہ مسند و ہفت اختران
ختم رسل و خواجۂ پیغمبران

ترجمہ: آپ صدرِ فلک اور ہفت اختر یعنی کائنات کے شمس ہیں بلکہ خاتم الرسل اور تمام پیغمبروں کے آقا و امام ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کافی ہے باء فاعل پر داخل (اور زائدہ) ہے شَهِيْدًا یہ تمیز ہے یعنی گواہ ہونے کے لحاظ سے بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ میرے اور تمہارے درمیان۔

ف: اللہ تعالیٰ کی شہادت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معجزات ظاہر کرتا ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ اور وہ کہ جس کے ہاں اُمّ الکتاب ہے یعنی وہ بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی شہادت کے لیے کافی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دے کر اس کا بیان سکھایا اور اسے قرآن مجید کے آیات اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دکھائے۔ انہی وجوہ سے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہے پھر ایسے لوگوں کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر شہادت قطعی بن جاتی ہے کہ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہتا۔

عقیدہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی ساری خدائی مثلاً انس و جان، ملک و حیوان اور نباتات و جمادات وغیرہ کے رسول ہیں۔

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

داعئ ذرات بود آں پاک ذات
در کفش تسبیح ازاں گفتہ حصات

ترجمہ: چونکہ آں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم ذرہ ذرہ کے نبی ہیں اسی لیے آپ کے ہاتھ مبارک میں کنکریاں بھی تسبیح پڑھتی تھیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ سنگہا اندر کف بو جہل بود
گفت ای احمد بگو این چیست زود

۲ گر رسولی چیست در مشتم نہاں
چوں خبر داری ز راز آسماں

۳ گفت چوں خواہی بگویم آں چہا ست
یا بگویند آنکہ ما حقیم و راست

۴ گفت بوجہل ایں دوم نادر تر ست
گفت آری حق ازاں قادر تر ست

۵ از میان مشت او ہر پارہ سنگ
در شہادت گفتن آمد بے درنگ

۶ لا الٰہ گفت و الا اللہ گفت
گوہر احمد رسول اللہ سفت

۷ چوں شنید از سنگہا بوجہل ایں
زد ز خشم آں سنگہا را بر زمین

ترجمہ: ۱۔ ابوجہل نے کنکریاں ہاتھ چھپا کر عرض کی کہ اگر آپ رسول ہیں تو جلد بتائیے:
۲۔ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو فرمائیے میرے ہاتھ میں کیا پوشیدہ ہے جبکہ آپ آسمان کی خبر دیتے ہیں۔
۳۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں بتاؤں کہ یہ کیا ہے یا تیرے ہاتھ میں پوشیدہ چیز خود بولے۔
۴۔ ابوجہل نے کہا یہ دوسرا تجربہ ہے۔ آپ نے فرمایا میرا اللہ اس سے بھی بڑی قدرت والا ہے۔
۵۔ ابوجہل کی مٹھی میں ہر کنکر کلمہ شہادت پڑھنے لگی۔
۶۔ لا الٰہ کہا اور الا اللہ بھی اور احمد رسول اللہ کے موتی بھی پروئے۔
۷۔ جب ابوجہل نے پتھروں سے کلمہ شہادت سنا تو ان کنکریوں کو زمین پر دے مارا۔

فائدہ اور کرامتِ اولیاء اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں سے حیاتِ جماد دیکھنے کی قوت سلب کر لی ہے۔ ہاں بعض خواص (اولیاء کرام) کو جنہیں چاہتا ہے جمادات کی حیات کا ادراک عطا فرماتا ہے۔

نکتہ: اگر کائنات کے ذرہ ذرہ میں حیات نہ ہوتی تو پتھر اور کنکریاں کیسے خدا تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و ان من شئ الا یسبح بحمدہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

حدیث شریف ہر شے موذن کی اذان سن کر قیامت میں اس کی اذان کی گواہی دے گی وہ شے خشک ہو یا تر، گواہی یا تسبیح اسی شے سے سرزد ہو سکتی ہے جو علم اور حیات رکھتی ہو۔

نکتہ: کسی سے محبت بھی وہی رکھتا ہے جسے علم و حیات ہو۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اُحد ہمارے ساتھ محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے۔

شانِ رسالت کا بیان اور عقیدۂ مسلمان عالم (تمام عالم) کا ذرہ ذرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دے رہا ہے اور ہر شے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامت کی دلیل ہے۔

عرش بریں پر لکھا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) عرش اول الخلق اور عظمت میں سب سے اعظم۔ اسے جب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو اس پر لکھا، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

آدم یافتے توبہ مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش (ظاہری خطا) ہوئی تو بارگاہِ حق میں عرض کی؛

یارب اسئلك بحق محمد ان غفرت۔

اے اللہ کریم! میں تجھ سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بخشش کا سوال کرتا ہوں۔

(اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا؛)

کیف عرفت محمداً صلی اللہ علیہ وسلم۔

اے آدم علیہ السلام! تُو نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا؛

آدم علیہ السلام نے عرض کی؛

لانك لما خلقتني بيدك و نفخت فيّ من روحك رفعت راسي فرأيت على قوائم العرش لا الٰہ الا اللہ محمد رسول

اس لیے کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنا کر میرے اندر رُوح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا تو قوائمِ عرش پر لکھا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول

ے اس موضوع پر فقیر نے رسالہ لکھا ہے "شہد سے میٹھا نام محمد" اویسی غفرلہٗ

لہ بعض گندہ دماغ لکھتے ہیں کہ بحق فلاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم و پیرِ دستگیر رحمۃ اللہ وغیرہ ناجائز ہے اس حدیث کو یا سرے سے مانتے نہیں یا پھر ضد ہے۔ عوام اہلِ اسلام ایسے ضدیوں سے بچ کر رہیں ۱۲

ئہ جیسے اللہ تعالیٰ کا کسی بات کا پوچھنا اس کے علم کے منافی نہیں ایسے ہی حضور علیہ السلام کا صحابہ کرام یا دوسروں سے پوچھنا بھی ان کے علم کے منافی نہیں۔ فافہم ولا تکن من الوہابیین۔ ۱۲

اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فعلمت انک لم تضف الی اسمک الا احب الخلق الیک۔

اللہ' اس سے میں نے سمجھا کر تُو نے اپنے ساتھ محبوب ترین اسم کو ملایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

صدقت یا آدم انہ لآخر النبیین من ذریتک ولولاہ ما خلقتک۔

اے آدم (علیہ السلام)! آپ نے سچ کہا بیشک وہ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کی اولاد سے ہیں وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ فرماتا۔

عرش کا چین اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

ولقد خلقت العرش علی الماء فاضطرب فکتبت علیہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ فسکن۔

میں نے عرش کو پیدا فرمایا تو بے چین ہو گیا۔ اس پر لکھا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس کو سکون ملا۔

پتے پتے پہ لکھا ہے نامِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ ہم نے ایک بہت بڑا پتہ دیکھا جو نہایت خوشبودار تھا اور واضح اور کھلا۔ اس کی سبزی پر سرخ و سفید رنگ میں نہایت عجیب و غریب طرز سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے لکھا۔ پہلی سطر پہ لا الٰہ الا اللہ، دوسری پر محمد رسول اللہ، تیسری پر ان الدین عند اللہ الاسلام۔

نکتہ: الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ ہر مسئلے پر اہلِ اسلام کا ہر زمانے میں اختلاف رہا اور رہے گا صرف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں کسی اہلِ اسلام کا اختلاف نہ ہوا اور نہ ہوگا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کلمہ محقق ہے اور اس کی حقانیت یقینی ہے اگرچہ کوئی بوجہ ضد وعناد یا بوجہ تنگ ظرفی ہمارے نبی ﷺ کا توڑ و ادب ہے۔

نوٹ: (صاحب روح البیان نے فرمایا کہ) اس سورۃ رعد کی تفسیر ۱۲ شوال ۲۰ ۱۱ھ کو اختتام پذیر ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ عرض کرتا ہے کہ اس ناکارہ آوارہ نے اس کا ترجمہ، ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۹۶ھ بر مکان صاحبزادہ سید محمد مزمل شاہ صاحب سجادہ نشین آستانہ چشتیہ نظامیہ ماڑو الا تحصیل و ضلع میانوالی میں ختم کیا۔ والله الحمد علی ذالک والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

---

[۱] اسی روایت کے مطابق ہم کہتے ہیں، ع
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

[۲] اس موضوع پر فقیر اویسی غفرلہٗ کی ایک مستقل تصنیف ہے ۱۲

سُورۃ ابراہیم

سُورَةُ إِبْرَاهِيمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً وَسَبْعُ رُكُوعَاتٍ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○

الٓرٰ ۚ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ○ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ○ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ○ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ○ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ○

ترجمہ : یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتاری تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب تعالیٰ کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائیں۔ اس کے رستہ کی طرف جو عزت والا خوبیوں والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہ جس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور کافروں کی سخت خرابی ہے ایک سخت عذاب سے جو آخرت پر دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے اور اس میں ٹیڑھا پن چاہتے ہیں اور یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی اپنی قوم کی زبان میں تاکہ وہ اُنھیں کھول کر بتائے پھر جسے اللہ چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہی عزت والا حکمت والا ہے اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تاکہ اپنی قوم کو اندھیریوں سے روشنی کی طرف لائیں اُنھیں اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلائیں بیشک اس میں ہر بڑے صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ یاد

کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی ہے کہ جب اس نے تمہیں فرعون والوں سے نجات بخشی جو تمہیں بُری سزا دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب تعالیٰ کا (تم پر) بڑا فضل ہوا۔

سورہ ابراہیم شریف مکیہ ہے صرف "الم تر الی الذین بدلوا" دو آیتیں مدنیہ ہیں اور اس کی دو سو اکیاون یا چون یا پچپن آیات ہیں۔

تفسیر عالمانہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بسم اللہ شریف میں اللہ تعالیٰ کے اسم کی برکت کی طرف اشارہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور یہی اسم اعظم ہے۔ تمام عالمین کی تخلیق کی ابتداء بسم اللہ شریف کی برکت سے ہوئی تاکہ اس کی صفت رحمانیہ و رحیمیہ کا اظہار ہو تاکہ عالم دُنیا اس کی صفت رحمانیہ کا مظہر ہو۔ اسی لیے دعاءِ ماثورہ میں ہے:

یا رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ۔ الخ — اے دنیا کے رحمٰن اور آخرت کے رحیم۔

اس کی تشریح یُوں ہے کہ تمام مخلوقات حیوانات ہوں یا جمادات، مومن ہوں یا کافر، سعید ہوں یا شقی وغیرہ وغیرہ ہر ایک دنیا میں صفت رحمانیہ سے نفع پا رہے ہیں جو کہ یہ رحمت کا صیغہ مبالغہ ہے اور آخرت میں صفت رحیمیہ سے صرف اہل ایمان منتفع ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ:

وکان بالمؤمنین رحیما۔ — اور اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے لیے رحیم ہے۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

(حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا) ؎

جامی اگر ختم نہ بر رحمتست
بہر چہ شد خاتمۂ آں رحیم

الٓرٰ الف میں قسم یعنی بآلائہ و نعمائہ کی طرف اشارہ ہے اور لام میں اس کے لُطف و کرم کی طرف اور راء میں قرآن کی طرف۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ مجھے اپنی نعمتوں کی قسم کہ میری صفت لطف و کرم کا تقاضا ہُوا کہ قرآن مجید نازل کروں۔ قرآن مجید سے وہی کتاب قدیم یعنی کلام خداوندی مراد ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اہل سلوک (یعنی اہل اللہ) متشابہات کو اپنے مراتب کے مطابق جانتے ہیں۔ مثلاً قٓ اور نٓ میں ملک وجود کے مرتبہ واحدہ کی طرف اور حٰمٓ میں دو مرتبوں کی طرف اور الٓمٓ اور الٓرٰ میں تین مراتب کی طرف اور کٓھٰیٰعٓصٓ اور حٰمٓ عٓسٓقٓ میں پانچ مراتب[1] کی طرف اشارہ ہے اور بعض میں سات مراتب کی

---

[1] وہی مراتب جو صوفیا کے ہاں مشہور و معروف ہیں۔ ۱۲

طرف بھی اشارہ ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کے جیسے ظاہری معانی ہیں ایسے ہی باطنی بھی۔ لیکن انھیں سوائے اہلِ معرفت (اولیاءِ کرام) کے اور کوئی نہیں جانتا۔

سوال: بہت سے علماءِ کرام مثلاً صاحب کشاف اور بیضاوی وغیرہما نے ان متشابہات کے معانی تحریر فرمائے ہیں کیا وہ غلط ہیں۔

جواب: علماء کے بیان کردہ معانی تاویلی ہیں تحقیقی نہیں اور وہ بھی صرف لفظوں تک محدود ہیں معانی اور حقائق پر مشتمل نہیں۔

نظرِ اولیاء میں کیمیا تفسیر بیضاوی کو کتنی شہرت حاصل ہے اور اس میں جتنی روحانیت اور برکت ہے یہ سب حضرت عمر نسفی مصنف تفسیر التیسیر والمنظومہ فی الفقہ رحمہ اللہ کی دعا کا نتیجہ ہے۔

حضرت عمر نسفی[1] صاحب العقائد النسفیہ کا نکیرین کو نظم میں جواب دینا یہ حضرت مدرس الثقلین تھے۔ آپ کے متعلق منقول ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر عرض کیا کہ آپ نے نکیرین کو کیا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے نکیرین کے سوال کے لیے میری روح میرے جسم میں لوٹائی تو نکیرین نے مجھ سے حسبِ دستور سوالات کیے۔ میں نے ان سے کہا جواب نظم میں ہو یا نثر میں۔ انہوں نے فرمایا: نظم میں جواب دیجئے۔ آپ (عمر نسفی) نے فی البدیہہ فرمایا: ؎

ربی اللہ لا الٰہ سواہ

و نبیی محمد مصطفاہ

دینی الاسلام و فعلی ذمیم

اسأل اللہ عفوہ و عطاہ

ترجمہ: میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں اور میرے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میرا دین اسلام ہے اور میں اگرچہ گنہگار ہوں لیکن اللہ تعالیٰ سے عفو و عطا کا سائل ہوں۔

یہ سن کر وہ شخص جاگ پڑا اور اسے یہ دونوں شعر یاد رہ گئے۔

صوفی کا مقام فقیر (حقی) کہتا ہے کہ حروف مقطعہ (الم، حم، ص، ق وغیرہ) پر صوفیاء محققین کے علوم کی انتہا ہوتی ہے اور وہ حضرات انکے علوم کو چالیس سال کے بعد پاتے ہیں یعنی سلوک کی پہلی

---

[1] یہ وہی بزرگ ہیں جن کی مدارس عربیہ کے کورس میں عقائد نسفیہ مع شرح از علامہ تفتازانی داخل ہے ۱۲

منزل طے کرتے ہوئے مسلسل چالیس سال کے بعد ان کے علوم کو پہنچتے ہیں اور اسرارِ مخفیہ کے انکشاف کی یہاں سے ان کی منزل اوّل کا آغاز ہوتا ہے۔

سبق : ہر عاقل طالب سالک پر لازم ہے کہ کسی کامل کی نگرانی میں ان منازل کو طے کرنے میں بہت زیادہ جدّوجہد کرے۔
حضرت کمال خجندی قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

گرت دانستن علم حروفست آرزو صوفی
نخست افعال نیکو کن چہ سود از خواندن اسما
بنا اہل ار نشان وادی کمال از خاک درگاہش
کشیدی کحل بینائی ولے در چشم نابینا

ترجمہ: اگر صوفی کی تمنا صرف حروف پڑھنے سیکھنے کی ہے اسے کہہ دو کہ پہلے ان پر عمل کرنے میں کوشش کرنے صرف لفظ گردانی کا کیا فائدہ۔ اسی طرح نااہل کو اے کمال! (شاعر کا نام) اگر تم نے ذات حق کی درگاہ کی رہنمائی کی تو اسی طرح بیکار ہے جیسے نابینا کی آنکھ میں سُرمہ لگایا جائے۔

مسئلہ: کاشفی نے لکھا کہ حضرت امام ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حروف مقطعہ بھی منجملہ آزمائش کے ہیں کہ مومن ان کی تصدیق کرے گا اور کافر تکذیب۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی وہ جس طرح چاہے اپنے بندوں کا امتحان لے۔

کِتٰبٌ یہ کتاب ہے یعنی قرآن مجید، جو سورۂ ہٰذا اور اسی طرح کی دُوسری سُورتوں پر مشتمل ہے۔ وہ کتاب ہے یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔

مسئلہ: کاشفی نے لکھا کہ ایک جماعتِ مفسّرین کا مذہب ہے کہ حروف مقطعہ قرآن مجید کے اسماء ہیں۔ اس معنے پر یُوں کہنا صحیح ہوگا کہ الٓر یعنے قرآن (کا ایک نام) کتاب ہے۔

اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ ہم نے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے آپ کے ہاں نازل کیا درانحالیکہ وُہ اپنے اعجاز کے لحاظ سے آپ کی رسالت و نبوّت کی مضبوط اور پختہ حجّت و دلیل ہے اور اسی کے مناسب ہے۔ قولِ باری تعالیٰ:

ولقد ارسلنا موسٰی بآیٰتنا۔ اور بیشک ہم نے موسٰی علیہ السلام کے ہاں آیات بھیجے۔

اس کے بعد اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر انزال کتاب کی مصلحت بتائی کہ لِتُخْرِجَ النَّاسَ تاکہ آپ تمام لوگوں کو نکالیں اور انھیں ان ارشادات و دعوات کی طرف لائیں جو کتاب کے اندر عقائدِ حقہ اور احکام نافعہ موجود ہیں مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ظلمات سے نور کی طرف یعنی انواع ضلالۃ سے ہدایت کی طرف اور ظلمتِ کفر و نفاق اور شک و بدعت سے نورِ ایمان و اخلاص اور یقین و سنۃ کی طرف اور ظلمت کثرۃ سے نور وحدت کی طرف اور حجب افعال و استار صفات سے

وحدۃ الذات کے نور کی طرف اور ظلمت خلقیہ سے تجلی صفت ربوبیت کی طرف ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم آخرت یعنی عالم ارواح کو نور سے پیدا فرمایا اس کا زبدہ روح انسانی کو بنایا۔ ایسے ہی عالم دنیا یعنی عالم اجسام کو پیدا فرمایا اس کا زبدہ جسم انسانی کو بنایا۔ پھر جیسے اللہ تعالیٰ نے عالم اجسام کو عالم ارواح کے لیے حجاب بنایا ایسے ہی دونوں عالموں کو روح و جسم کے ظلمات نور صفت الوہیت کے حجاب ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ظلمات و نور کے ستر حجابات ہیں اگر وہ کھل جائیں تو ان کی تجلیات تمام اشیا کو جلا دیں۔ ان حجابات سے کسی کو نکلنے کی استعداد نصیب نہیں ہوتی سوائے حضرت انسان کے ۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نکالے تو اس کی مہربانی۔ حضرت انسان کے اختصاص کی دلیل یہ ہے ؛

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔ — اللہ ولی ہے مومنوں کا جو انھیں ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

ف : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن ہی مومنین کو ان ظلمات سے نور کی طرف نکالنے کے اسباب ہیں باِذنِ ربِّھِم اپنے رب تعالیٰ کے اذن سے۔ یعنی اس کی قوت و طاقت سے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔

نکتہ : من ربک کے بجائے من ربھم اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا مربی ہے۔ اگر حضور علیہ السلام ان کی تربیت فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف : بعض مفسرین نے باء لتخرج کے متعلق کیا ہے۔ اس معنے پر بھی اذن النہی کا معنیٰ ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت نہیں دیتے بلکہ آپ میرے اذن وعطا سے ہدایت دیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی بھی ہدایت نہیں پا سکتا۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے ہدایت دیتا ہے اس کے لیے اسباب آسان کر دیتا ہے اور چونکہ حضور علیہ السلام ہی تمام اسباب سے بہتر سبب ہیں وہ خود کب براہِ راست ہادی ہونے کے مدعی ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کیونکہ جسے تخلیق سے تعلق ہے وہ صرف ملک خداوندی ہے اور حضور علیہ السلام غیر کی ملک میں کیسے تصرف فرما سکتے ہیں۔ ہاں اگر کسی کو اصل مالک سے تصرف کی اجازت ہو تو اس کے لیے اس تصرف میں آسانی ہوتی ہے۔

ف : دعوت عام ہوتی ہے اور ہدایت خاص۔ کما قال تعالیٰ :

واللہ یدعوا الیٰ دار السلام ویھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔ — اللہ تعالیٰ دار السلام کی ہر ایک کو دعوت دیتا ہے اور سیدھے راستے کے لیے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ کا اذن ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو ظلمات میں تھے اس لیے عالم کے ایجاد سے اور تمام مخلوق کی پیدائش سے مقصود بالذات انسان کامل کا ظہور ہے اور وہ ظاہر ہو چکا۔ اور وہ الف کی طرح ہے وہی حقیقت میں سوادِ اعظم ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ کی حکمت کے مقتضا کے خلاف ہے کہ ساری مخلوق حقانیت

پرہ اس لیے کہ وُہ چاہتا ہے کہ اس کے جلال و جمال دونوں اثر ظاہر ہوں۔ ؎

در کارخانۂ عشق ز کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوزد گر بُولہب نباشد

ترجمہ: عشق کے کارخانے میں کفر ضروری ہے
اگر ابولہب نہ ہوتا تو آگ کسے جلاتی۔

تفسیر عالمانہ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ عزیز حمید کے راستے کی طرف۔ یہ نور سے بدل ہے عامل کو مکرر لایا ہے اور عزیز و حمید اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی ہیں اور اس کی طرف صراط کی طرف اضافت تشریفی ہے نے صراط کی تعظیم کے لیے لایا گیا ہے۔ اس سے دین اسلام مراد ہے اس لیے کہ یہی موصل الی الجنۃ والقربۃ والوصلۃ ہے۔ عزیز وہ ہے جو اہلِ دین کے لیے ان کے دشمنوں سے بدلہ لیتا ہے اور حمید وہ محمود ہے جو بندوں کی حمد کا مستحق ہے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ظلمات جسمانیہ اور انوار روحانیہ سے نکلنے سے ہی اللہ تعالیٰ کا راستہ نصیب ہوتا ہے اور عزیز وہی ذات ہے کہ اس کی طرف بندہ نہیں پہنچ سکتا جب تک ان حجابات سے نہ نکلے۔ اور حمید وہی ہے جو اپنی جلالیت و جمالیت کے کمال کی وجہ سے عزت کبریا و عظمت کے پردوں میں محجوب ہو۔

تفسیر عالمانہ اللّٰہِ یہ مجرور العزیز الحمید کا عطف بیان ہے اس لیے کہ یہ خالق عالم واجب لذاتہ کا علم دائم ہے اَلَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وہ جس کے ملک میں آسمانوں اور زمینوں کے مکین ہیں وہ عقلاء ہوں یا بے عقل یعنی عالم موجودات کا ذرہ ذرہ اسی کی ملک ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ سالکین کی سیر منتہی صفات باری تعالیٰ نہیں یعنی عزیز و حمید سالک کی منزل مقصود نہیں بلکہ اس کی منزل کا منتہیٰ ذاتِ حق تعالیٰ ہے۔ یاد رہے کہ یہ تمام مکونات ذات حق تعالیٰ کے صفات ہیں جو اس کے افعال میں پھنسا رہے وہ اس کے صفات تک نہیں پہنچ سکتا اور جو صرف اس کے صفات میں محو رہے وہ ذات تک نہیں پہنچ سکتا اور ذات کے وصال بلا اتصال و انفصال کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ جب تک سالک اپنی انانیت سے نکل کر ہویت باری تعالیٰ میں مکمل طور داخل نہ ہو۔ واصل باللہ ہی صفات و افعال سے متمتع ہو سکتا ہے۔ کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

وصل میسر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ ببرید نست

ترجمہ: قطع تعلق کے بغیر وصالِ الٰہی نصیب نہیں ہوتا۔ قطع تعلق یہی ہے کہ ماسوی اللہ سے بالکل فارغ ہو جائے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

سبحانك لا علم لنا الا ما

علمت و الهمت لنا الهاما

مارا برہان ز ما و آگاہی دہ

از سر معنیٰ کہ داری با ما

ترجمہ : تو پاک ہے ہمیں اتنا علم ہے جتنا دیا یا ہمارے ہاں الہام فرمایا ہمیں انانیت سے نجات دے کر آگاہی بخش۔ اس معنے سے ہمیں آگاہی بخش جس کے متعلق تو ہمارے لیے ارادہ رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَوَيْلٌ ویل بمعنے ہلاکت۔ کاشفی نے اس کا معنیٰ رنج و مشقت لکھا۔ یہ مبتدأ اور اس کی خبر لِّلْكٰفِرِيْنَ ہے۔ یعنی ان کافرین کے لیے ہلاکت ہے جو کتاب کا انکار کرتے ہیں۔ اسے دوسرے مصادر کی طرح منصوب ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ اس سے افعال کا اشتقاق نہیں ہوتا اسی لیے اسے منصوب نہیں لایا گیا۔

سوال : اگر یہ منصوب ہونا تھا تو پھر مرفوع کیوں۔

جواب : چونکہ منصوب ہوتا تو جملہ فعلیہ ہوتا اور یہاں استمرار مطلوب ہے۔ اسی لیے کافروں کے لیے دائمی ہلاکت ثابت کرنے کے لیے جملہ اسمیہ لایا گیا ہے۔ یہ بددعا کے طور پر بولا جاتا ہے جیسے سلام علیکم دعا کے لیے ہوتا ہے۔

مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ سخت عذاب سے۔ یہ مِنْ جنس کے بیان کے لیے اور ویل کی صفت یا ھُوَ ضمیر سے حال ہے یا یہ ابتدائیہ ہے اور ویل کے متعلق ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ عذاب شدید سے روئیں گے اور کہیں گے : یا ویلاہ۔ یعنی پریشانی کے وقت فریاد کے طور کہیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا :

دعوا ھنالك ثبورا۔ وہ اس وقت ہلاکت اور تباہی کو پکاریں گے۔

ۨالَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ اسم موصول کا محل خبر ہے اس معنے پر کہ وہ کافرین سے بدل یا اس کی صفت ہے۔ محبۃ کا باب استفعال ہے۔ یعنی وہ کافر جو آخرت کے بجائے دنیا سے محبت رکھتے تھے حالانکہ آخرت حیات ابدیہ تھی اسے چھوڑ کر دنیا فانی کو ترجیح دیتے تھے ظاہر ہے کہ جو شخص ایک شے کو دوسری شے پر ترجیح دے تو وہ راجح سے اپنی محبت کا ثبوت دیتا اور راجح شے کو مرجوح سے افضل سمجھتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ وہ لوگ امر آخرت کو لا شئے سمجھ کر دنیا کو چاہتے تھے کہ وہ جلدی کا سودا ہے یہی کافر حقیقی کا شیوہ ہے کہ وہ دنیا اور اس کے شہوات کی طلب میں جد و جہد کرے اور آخرت کی طلب میں سستی کرے اور سمجھے کہ اس کے لیے مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور نفس کی مخالفت اور خواہش کا ترک کرنا اس کے لیے دشوار نظر آتا ہے اور شرع کی موافقت اسے بوجھ محسوس ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ حقیقی مومن وہ ہے کہ صرف ظاہری اسلامی امور پر خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی تقلیدی ایمان پر راضی ہوتا ہے اسی لیے رسمی اسلام اور تقلیدی ایمان ظلمات سے خالی نہیں۔ ہاں ایمان حقیقی نور خالص ہے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ؎

کے سیہ گردد ز آتش روئے خوب
گو نہد گلگونہ از تقوی القلوب

ترجمہ: حسین چہرہ آگ سے سیاہ نہیں ہوتا لیکن قلوب کو تقویٰ کا سنگار رچا ہیے۔

تفسیر عالمانہ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکتے ہیں۔ یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے سے روکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اہل ہوٰی طالبانِ راہِ حق کو اللہ تعالیٰ کی طلب سے بلکہ انھیں میٹھی میٹھی باتیں سنا کر طریق حق سے منع کرتے ہیں[ل] اور بعض ایسے بدبخت بھی ہیں جو سالکانِ راہِ حق کو ترک دنیا اور گوشہ نشینی اور خلق کے انقطاع اور ان سے دُوری سے روکتے ہیں (جیسے جدت پسند ماڈرن مسلم یا کمیونسٹ پارٹی کا کام ہے کہ وہ اسلام کے طور طریق پر مذاق اور نیک نمازیوں کو اسلام روش سے منع کرتے ہیں) حالانکہ اسلام اور تصوف کے طور طریقوں پر عمل کرنے والے حضرات کا مقصد صرف توجہ الی الحق ہے اور بس۔ لیکن روکنے والوں کو ہماری یہ طرز ادا ناپسند ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَبْغُوْنَهَا اور اس راستہ کے لیے چاہتے ہیں۔ در اصل یبغون لہا لام جارہ کو محذوف کر کے محذوف کر کے فعل کو بلا واسطہ متعدی کیا گیا۔ عِوَجًا بمعنے زیغاً و اعوجاجا یعنی ٹیڑھا پن، یعنی راہِ حق پر چلنے والوں کو یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس راستہ پر تم چل رہے ہو یہ ٹیڑھا اور نہایت سخت ہے۔ اس پر چلنے سے منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکو گے۔ الزیغ بمعنے المیل عن الصواب یعنی راہِ صواب سے ہٹ جانا۔ النکوب بمعنے اعراض (روگردانی کرنا) اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جو قبائح مذکورہ سے موصوف ہیں فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ گمراہی بعید میں ہیں۔ یعنی راہِ حق سے اتنی دُور نکل گئے ہیں کہ ان کا راہِ ہدایت پر واپس آنا ناممکن ہے۔

سوال: بعید ہونا تو در اصل گمراہ کا کام ہوتا ہے لیکن یہ صفت گمراہی کی بتائی گئی ہے۔

جواب: چونکہ مبالغہ مطلوب ہے اسی لیے مجازاً بُعد کو گمراہی کی صفت ظاہر کیا گیا ہے اس میں مبالغہ یوں ہوگا کہ انھیں گمراہی اس قدر محیط ہو چکی ہے کہ گویا گمراہی ان کے لیے بمنزلہ ظرف کے ہے۔

[ل] جیسے تبلیغی جماعت (وہابی دیوبندی) کی ایک شاخ ہے کہ ان کا کام ہے کہ میٹھی باتوں اور اسلام کے نام سے اولیاء اللہ کی عقیدت اور اہلسنت کے عقائد سے روکتے ہیں ۱۲

ف : شیطان کے راستہ پر چلنے والے سے اور کوئی بڑا گمراہ نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے سے اور کوئی بڑا ہدایت یافتہ نہیں۔

انہی آیات میں ان ہر دو کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب کا نزول آپ کی ہدایت کی دلیل ہے۔ چنانچہ آپ پر منت و احسان جتلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وماکنت تدری ماالکتٰب ولا الایمان ولکن جعلنٰه نورًا نهدی به الأیة۔

لتخرج آپ کے رُشد و ہدایت کے لیے تصریح ہے۔

اولیاءِ کرام کی شان

چونکہ اولیاءِ کرام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل وارث ہیں اسی لیے انہیں ان دونوں مقامات سے وافر حصّہ نصیب ہوا ہے۔ یہ حضرات بھی "ھادی" کے کامل مظہر ہیں۔

ف : یستحبون و یصدّون میں ان کے ضلال و اضلال کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کافر شیطان کے وارث ہیں اور وہ اسم مضل کا مظہر ہے۔

سبق : مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ذکر کثیر سے اپنے ایمان کو مضبوط اور پختہ کرے دنیا و مافیہا سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ علیم و خبیر کی طرف متوجہ ہو۔

ملفوظات حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ

حضرت سلطان العارفین سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے فریضہ وسنّۃ کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا : سنۃ ترکِ دُنیا اور فریضہ اپنے مولیٰ کا قُرب حاصل کرنے کا نام ہے۔ اس لیے کہ سنۃ ترکِ دُنیا پر دلالت کرتی ہے اور کتاب یعنی قرآن مجید صحبت و قربِ مولیٰ پر دلالت کرتا ہے اور جسے سنّت و فریضہ پر عمل نصیب ہوجائے اسے نعمت الٰہی نصیب ہوگئی۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخیار و ابرار و اولیاء کرام کے راستے پر چلنے کا شرف بخشے۔ (آمین)

شانِ نزول

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ۔ زاد المسیر میں ہے کہ کفار نے اعتراض کیا کہ دُوسرے پیغمبروں پر کتابیں عجمی لغت میں نازل ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب عربی میں کیوں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا : اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا اِلَّا مگر درانحالیکہ وہ متلبس ہوتا ہے بِلِسَانِ قَوْمِهٖ اپنی قوم کی لغت میں۔ لسان بمعنے عضو معروف یعنی زبان اور بمعنے لغت۔ یہاں یہی دوسرا معنیٰ مراد ہے یعنی ہر نبی علیہ السلام اسی لغت میں تشریف لاتا ہے جو وہاں کے لوگوں کی لغت ہوتی ہے۔ یعنی جس قوم میں وہ پیدا ہوتا ہے اسی کی بولی میں آتا ہے تاکہ پہلے اپنے قریب والوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام بتائیں پھر دُوسروں کو۔ جیسا کہ آیات "و الی عاد اخاھم ھودًا" اور "و الی ثمود اخاھم صالحًا" وغیرہ دلالت کرتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق بھی سوال نہیں ہوسکتا اس لیے کہ انہوں نے

اگرچہ اپنے مولد و مسکن سے دُور دُوسرے علاقہ میں کسی بی بی سے نکاح کیا اور وہیں پر آپ کو نبوت و رسالت کا حکم ہوا۔ لیکن بولی آپ کی وہی تھی جہاں نکاح کیا تھا۔

ف : حضرت ابوسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الا بلسان قومہ عام ہے بایں معنیٰ کہ نبی علیہ السلام ایسے لوگوں کی طرف مبعوث ہوتے ہیں جن کی لغت پر ان سب کا اتفاق ہوتا ہے۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ تاکہ ہر رسول علیہ السلام بیان فرمائے۔ لھم ان لوگوں کو وُہ احکام جن کے لیے انہیں دعوت دیجاتی ہے اور انہیں حکم ہوتا ہے کہ وہ اسے قبول کر کے عمل کریں چونکہ وُہ احکام وغیرہ ان کی بولی ہوتے ہیں۔ اسی لیے انہیں وہ آسانی سے سمجھ سکیں گے اور دُوسروں کو سمجھائیں گے۔ اسی بنا پر وہی زیادہ مستحق ہیں ان کی بولی میں کتاب کا نزول ہو اور پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہُوا کہ وہ سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں حالانکہ آپ نہ صرف تمام انسانوں بلکہ جنوں اور ساری خدائی کے رسول تھے۔ اگر ہر ایک کی زبان میں علیحدہ علیحدہ کتاب کا نزول ہوتا تو ان گنت کتابیں بھیجی جاتیں۔ آپ کی نبوت ہمہ گیر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی زبان میں قرآن مجید نازل فرمایا جو تمام لغات کی سرتاج ہے اور یہ ایسی معجزہ نما ہے کہ اس کا اعجاز پر شکوہ تھا کہ جس کا کوئی بھی مقابلہ نہ کر سکا۔ اور نہ ہی اس میں تحریف اور تغیر و تبدل کا امکان ہے۔ کروڑوں مخالفین ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے لیکن اس کے اعجاز کو نہ توڑ سکے۔

لیکن باوجود مختصر کتاب (قرآن مجید) ہونے کے ایسی جامع ہے کہ کائنات کا مضمون اس سے رہ نہیں گیا اور جمیع عالم کے علوم اس مختصر سی کتاب میں موجود ہیں اور اس کی طرزِ بیان میں طاعات و عبادات کے جمیع مسائل مذکور ہوئے اور ایسی کامل کتاب کامل نبی بلکہ اکمل الانبیاء اور افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی جس کی اُمت بھی تمام امم سے افضل اور آپ کی شریعت اشرف الشرائع ہے۔ اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہُوا کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی ہمہ گیری کو ایک جامع کتاب پر جمع فرمادے تاکہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت اور کمالیت کا اظہار ہو۔ چونکہ عربی سید الالسنہ یعنی تمام بولیوں کی سردار اور اشرف اللغات ہے اس لیے یہی بولی آپ کی قوم کو عطا کی گئی۔ اور یہی اہلِ جنت کی بولی ہے۔ عالم دُنیا کی تمام بولیاں اسی بولی کے تابع ہیں اسی لیے تمام لوگ عرب کے تابع ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید کو کسی دُوسری زبان میں نہیں اتارا گیا عربی سے دوسری بولی کا ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ دُوسری بولیوں میں قرآن مجید کی ضرورت نہیں تاکہ طوالت نہ ہو۔ تاہم یُوں ہُوا کہ آپ کے وارثین [illegible]، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، مشائخ، اولیاء کرام و علماء عظام نے اپنی اپنی بولیوں میں اُمت تک قرآن مجید کے مضامین پہنچائے۔

ف : ترجمہ بمعنے ایک زبان کو دُوسری زبان میں منتقل کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے، ترجم لسانہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی بولی کو دُوسری بولی میں بیان کرے۔ اسی لیے ایک بولی کو دُوسری بولی میں بیان کرنے والے کو اہلِ عرب "ترجمان" سے تعبیر کرتے ہیں۔ (کذا فی الصحاح)

یہود کے اوہام کا ازالہ یہود کے ایک فرقے عیسویہ (جو عیسیٰ اصفہانی کے متبع ہیں) کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے نبی اور رسول ہیں انھیں بنی اسرائیل سے کوئی تعلق نہیں۔ یہود کا ردّ ہو گیا اس لیے کہ آیت تمام کائنات کی رسالت ثابت کرتی ہے۔ انہوں نے یہ عقیدہ اس لیے گھڑا تاکہ ان کے دین کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسولِ برحق مانتے تو ان کا دین و مذہب خاک میں مل جاتا۔

سوال: وما ارسلنٰک من رسول الا بلسان قومہ سے تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ صرف عرب والوں کے رسول ہیں۔

جواب: آیت میں رسالت کا انحصار لغت پر نہیں رکھا گیا بلکہ یہ بتایا گیا کہ ہر رسول اپنی اُمت کی بولی بولتا تھا تاکہ وہ ان کی بات سمجھ سکیں پھر وہی دُوسروں کو سمجھائیں۔ عرب والے تکلّم میں تمام عجم کے سرتاج تھے اسی لیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لائے۔ جیسے موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام دونوں بنی اسرائیل میں تشریف لائے اور ان دونوں کی کتابیں (تورات و انجیل) سریانی زبان میں تھیں اور ان حضرات کے بعض اُمتی سریانی نہیں بلکہ یُونانی جانتے تھے۔ جیسے رومی، ان کی زبان رومی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت لغت میں محدود نہیں ہوتی بلکہ افہام و تفہیم کا ایک ذریعہ ہے اسی لیے اس کا نام لیا گیا۔

اضحوکہ منقول ہے کہ چار آدمی (عجمی، عربی، ترکی، رومی) ہمسفر تھے۔ راستہ میں ایک درہم پایا۔ ان سب کا آپس میں اختلاف ہوا۔ چونکہ ایک دُوسرے کی بولی نہ جانتے تھے اس لیے مخاصمت پیدا ہو گئی۔ حالانکہ مقصد سب کا ایک تھا۔ ایک شخص انھیں ملا جو سب کی بولی جانتا تھا اس نے عربی سے پوچھا: ای شئ ترید (آپ کیا چاہتے ہیں؟) عجمی سے پوچھا: چہ میخواہی؟ اسی طرح رومی سے پُوچھا: استرسین؟ سب کا مقصد تھا کہ انگور خریدیں۔ لیکن ایک دُوسرے کی لغت نہ جاننے پر سمجھ نہیں رہے تھے۔ وہ شخص ان سے وہ درہم لے کر انگور خرید لایا اور انھیں دے دیا۔ وہ سب خوش ہو گئے۔ اس طرح ان کا اختلاف رفع ہو گیا کیونکہ وہ شخص ان سب کی بولی جانتا تھا۔

حکایت و کرامت ایک ولی کامل کے مخالفین نے ان کو رُسوا کرنے پر ان سے کہا کہ آپ عربی میں تقریر سنائیں۔ لیکن وُہ عربی نہیں بول سکتے تھے اور تھے بھی ان پڑھ۔ دل میں پریشان ہُوئے۔ خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ انھیں عربی میں وعظ سنائیں۔ صبح کو وہی لوگ حسبِ وعدہ حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں فصیح عربی زبان میں وعظ سنایا اور قرآن پاک کے حقائق اور اسرار و رموز بتائے اور فرمایا میں کل عجمی تھا آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے عربی ہوں۔

مثنوی شریف میں ہے،

؎

خویش را صافی کن از اوصافِ خویش
تا بینی ذاتِ پاکِ صافِ خویش

بینی اندر دل علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

ستر امسینا لکردیا بدان
راز اصبحنا عرابیا بخوان

خلاصہ : اپنے صفات قبیحہ سے اپنے آپ کو صاف کر تاکہ تجھے ذاتِ پاک صاف نظر آئے اپنے انبیأ کے علوم دیکھے گا اس سے تجھے کسی کتاب اور استاد کی ضرورت نہ ہوگی۔

فَیُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ یَّشَآءُ پس جس کے لیے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے ایسے اسباب پیدا فرماتا ہے جو کفر اور گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنی نظرِ کرم سے گرا دیتا ہے جس سے وُہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ فقلنا اضرب بعصاك الحجر کی فاء کی طرح یہ فاء فصیحیہ ہے۔ گویا یہ عبارت سوال کا جواب ہے کہ جب انہوں نے اتنی بڑی غلطیاں کیں تو پھر ان کے متعلق کیا ہُوا، تو جواب ملا کہ فیضل اللّٰہ الخ یعنی جس کے لائق گمراہی مناسب تھی اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یعنی جس کے لیے ہدایت فرماتا ہے تو اس کے اندر ہدایت کے اسباب پیدا فرماتا ہے مثلاً اسے توجہ الی اللہ اور عجز و انکسار کی توفیق بخشتا ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ جس کے لیے راہِ ہدایت کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے راہِ ہدایت پر پہنچنے کی توفیق بخشتا ہے وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اور وہ ہر شے پہ غالب ہے کہ اسکی مشیت و ارادہ پر کسی کو غلبہ نہیں ہو سکتا۔ الحکیم حکیم وُہ ہے جس کا ہر فعل مثلاً اضلال وہدایت حکمت بالغہ پر ہوتا ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو تبلیغ رسالت و تبیین طریق کے امور سپرد کیے گئے ہیں اور کسی کو منزلِ مقصود تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو کسی کے لیے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه یعنی ہر رسول علیہ السلام اپنی امت سے ان کی عقول کے مطابق کلام کرتا ہے لیبین لھم تاکہ انھیں طریق الی اللہ اور ظلمات انانیت سے نکلنے اور نورِ ہویت تک پہنچنے کا طریقہ بتائیں۔ فیضل اللہ من یشاء پس اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے انانیت میں گمراہ کرتا ہے ویھدی من یشاء اور جسے چاہتا ہے اسے انانیت تک پہنچنے کی ہدایت دیتا ہے وھو العزیز اور وہ بڑی طاقت کا مالک ہے کہ اگرچہ وُہ سب کو ہویت کی راہ دکھا دے تو دکھا سکتا ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ ظلمات انانیت سے نکال کر ہویت کی راہ صرف وہی دکھاتا ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ طریق حق کے حصول کے لیے اور براوی انانیت سے نکلنے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے طریقے بھی بتانے اور اس کے اسباب کی رہبری بھی فرمائی۔ اس کے بعد سوائے اس میں داخل ہونے اور اس سے منسوب ہونے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں۔

نسخۂ روحانی مشائخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نظرِ صحیح سے ہی معرفتِ حق نصیب ہو سکتی ہے اور نظرِ صحیح کا مطلب یہ ہے کہ شرعی امور کا ایک راستہ طے کر کے اس کے بعد کے راستہ کو طے کرنا شروع کر دے۔ اسی طرح پھر آگے کی منزل طے کرے یہاں تک کہ ذات تک پہنچنا نصیب ہو۔ لیکن تصور (شیخ) اور ذکر (حقیقت) کو ہر وقت مدِ نظر رکھنا ضروری ہے ورنہ بہت سے اس راہ پہ چلنے والے انانیت اور دُوئی میں پھنس کر منزلِ مقصود سے محروم ہو گئے۔

ف: مکاشفہ میں مذکورہ طریقہ کام دیتا ہے۔ ہاں اس بارے میں ذکرِ الٰہی بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبھم و یتفکرون فی خلق السمٰوٰت و الارض۔

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اپنی کروٹوں پر لیٹ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور سمٰوٰت و ارض کی تخلیق میں فکر کرتے ہیں۔

نکتہ: آیت میں ذکر کو پہلے اور فکر کو اس کے بعد ذکر فرمایا اس میں اشراقیین اور صوفیاء کرام کے طریقوں کی طرف اشارہ ہے۔

مسئلہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کو جسمانیت سے مانتا ہے وُہ کافر ہے اور جو اسے طبیعت سے مانتا ہے وہ ملحد ہے اور جو اسے نفس سے مانتا ہے وُہ زندیق ہے اور جو اسے عقل سے مانتا ہے وہ حکیم ہے اور جو اسے قلب سے مانتا ہے وہ صدیق ہے اور جو اسے سر سے مانتا ہے وہ موقن ہے اور جو اسے روح سے مانتا ہے وہ عارف ہے اور جو خفی سے مانتا ہے وہ منفرد ہے اور جو اللہ کو اللہ تعالیٰ سے جانتا ہے وہ موحد بالتوحید الحقیقی ہے۔ ؎

طالب توحید را باید قدم بر "لا" زدن
بعد زان در عالم وحدت دم "الا" زدن
رنگ و بوئے از حقیقت گر بدست آوردہٴ
چوں گل صد برگ باید خیمہ بر صحرا زدن

ترجمہ: طالب توحید "لا" پر ثابت قدم ہونا ضروری ہے بعد ازاں عالم وحدت میں دم مارنا لازمی ہے اگر تمہیں حقیقت کی خوشبو نصیب ہو جائے تو گلِ صد برگ کی طرح خیمہ مارنا لازمی ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی غیرت کی اجازت نہیں کہ وہ اغیار کو اسرار سے خبر دے۔ ؎

معشوق عیان میگذرد بر تو و لیکن
اغیار ہمی بیند ازان بستہ نقاب است

ترجمہ: محبوب تو ہر وقت تیرے سامنے ہے لیکن اغیار کے لیے پردے لٹکا دیے گئے ہیں۔

ف: وہ وحدۃ جو توحید سے حاصل ہوتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ وجودِ مجازی (جس میں دُوئی ہی دُوئی ہے) کو ایسا فنا کیا جائے کہ صرف وجودِ حقیقی ہی باقی رہ جائے۔ ؎

ہر موج ازین محیط انا البحر میزند
کہ صد ہزار دست بر آید دعا یکیست

ترجمہ: اس محیط بحر کی ہر موج اعلان کر رہی ہے کہ انا البحر (میں دریا ہوں) اگرچہ ہزار ہاتھ ہوں لیکن دعا صرف ایک ہی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقائق توحید اور سر تجرید و تفرید نصیب فرمائے اور ہمیں ان رہروان حضرات کے گر بنائے جو طریق حق کی دعوت دیتے ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا درانحالیکہ وہ متلبس ہیں بِاٰیٰتِنَآ ہمارے آیات کے ساتھ۔ آیات سے ید بیضا اور عصا اور دُوسرے معجزات مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔ اَنْ یہ مفعول مقدر کا مفسر ہے اس لفظ کی تفسیر کرتا ہے جو قول کے معنے کو ادا کرتا ہے۔ یعنی ارسلنا اَخْرِجْ امر ہے اور وہ ارسلنا کی تفسیر ہے اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکالیے۔ ظلمات سے مختلف قسم کی گمراہی جو وہ بھی تاریکی ہی تاریکی ہیں انواعِ ضلالت یہ ہیں:

① کفر

② جہالت

③ شک و شبہ وغیرہ

اِلَى النُّوْرِ نور کی طرف۔ یعنی ہدایت کی طرف۔ اس سے ایمان، علم، یقین وغیرہ مراد ہیں۔

ف: حضرت ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیات سے موسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزات مراد ہیں جو آپ نے اپنی قوم کو دکھائے اور اخراج کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مرنے کے بعد اپنی قوم کو کفر و جہالت سے نکالا اور انہوں نے انہی جہالتوں کی وجہ سے کہہ دیا تھا:

اجعل لنا الٰہا کما لہم الٰھۃ۔ اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لیے ان جیسا معبود بنا دے۔

موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ایسی جہالتوں سے نکال کر ایمان باللہ اور توحید حق اور اسی طرح جمیع اوامر الٰہیہ کی طرف لائے۔ گویا اس تفسیر پر نور سے ایمان باللہ وغیرہ مراد ہے۔

صاحبِ رُوح البیان کی تحقیق فقیر (حقی) کہتا ہے کہ قاعدہ ہے کہ قرآن کا ایک مضمون دُوسرے مضمون کی تفسیر کرتا ہے۔ اس قاعدہ پر واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آیات سے تورات کے علاوہ دیگر آیات اور قوم سے قبطی مثلاً فرعون اور اس کے اتباع مراد ہیں۔ چنانچہ آیت ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا وسلطان

مبین الی فرعون وملائہ اسی مضمون کی تفسیر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و ارشاد کے ابتدائی دور کی ہے۔

نکتہ: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لتخرج الناس اور موسیٰ علیہ السلام کو اخرج قومک کے خطاب میں یہ راز ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے رسول (علیہ السلام) ہیں اور موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے۔ اسی لیے ان کے لیے عام یعنی الناس اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مخصوص یعنی قوم کا نام لیا۔

نکتہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو باذن ربھم فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے اذن کی قید نہیں لگائی۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت اجابت کو بالفعل ظلمات سے نکالا اور موسیٰ علیہ السلام نے قبطیوں کو بالفعل ظلمات سے نہیں نکالا۔ اگرچہ بنی اسرائیل نے آپ کی دعوت کو قبول فرمایا لیکن قبطی تباہ و برباد ہو گئے حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے اصل مقصود وہی تھے۔

سوال: نبی علیہ السلام کو دعوت میں اوّلاً انذار ضروری ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا: انّی لکم نذیر مبین۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وذکرھم بایام اللہ۔

جواب: یہاں پر ذکرھم بایام اللہ کو انذار پر محمول کیا جائے گا۔

وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ایام اللہ سے اُمم ماضیہ جیسے نوح و عاد و ثمود کی قوموں کے واقعات مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ انھیں ان واقعات کی عظمت بتائیے تاکہ آپ کی قوم سن کر ڈرے اور ایمان لائے۔ عربی کا مقولہ مشہور ہے:

رھبوت خیر من رحموت۔ — ڈرانا شفقت ورحمت سے بہتر ہے۔

ف: جہاں ایام العرب آئے وہاں ان کے آپس کے جھگڑے اور جنگیں مراد ہوتی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے: یوم حنین اور یوم بدر وغیرہ وغیرہ۔

ف: بعض کہتے ہیں کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! انھیں میری نعمتیں یاد دلاؤ تاکہ وہ مجھ پر ایمان لائیں۔

وحی موسیٰ علیہ السلام مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ میرے بندے کے دل میں میری محبت پیدا کیجئے۔ عرض کی: یا اللہ! میں ان میں کیسے محبت پیدا کروں جبکہ ان کے دل تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انھیں میری نعمتیں یاد دلائیے۔

مسئلہ: علماء کرام نے یہاں سے استدلال کیا ہے کہ دوست احباب واقارب سے گفتگو کرتے وقت ایسے الفاظ کہے جائیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور لطف وکرم کی اُمید دلائیں۔ مثلاً کہا جائے:

لا تحزن فقد وفقك الله للحج او — غم نہ کھائیے اللہ تعالیٰ نے تجھے حج اور جنگ یا

للغزو او لطلب العلم ۔ طلب علم کی توفیق بخشی ہے۔

اسی طرح دیگر وجوہ خیر میں اسی طرح کے کلمات استعمال کیے جائیں۔ اسے یُوں بھی کہا جا سکتا ہے :

ولو لم یرد بك خیراً لما فعله فی حقك ۔ اگر اللہ کا تیرے متعلق بھلائی کا ارادہ نہ ہوتا تو تجھے اس کی توفیق نہ بخشتا۔

تفسیر صُوفیانہ حقیقت میں ایامِ اللہ سے کان اللہ ولم یکن معه شئ من ایام الدنیا ولا من ایام الاٰخرة (اللہ تعالیٰ تھا لیکن اس کے ساتھ اور کوئی شے نہ تھی نہ دنیا کے لمحات نہ آخرت کی گھڑیاں) وغیرہ مراد ہے۔

ف : سالک پر لازم ہے کہ تفکر کرے اور یاد کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ اس وجودِ مجازی سے نکلنے کی کوشش کرے جو دن اور رات کی قیود میں جکڑا ہوا ہے اور وجودِ حقیقی میں پہنچنے کی جدوجہد کرے جہاں نہ دن ہے نہ رات۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اس میں اشارہ ہے انہی ایام اللہ کی طرف لَاٰیٰتٍ بہت زیادہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت اور علم و حکمت پر دلالت کرتی ہیں لِّكُلِّ صَبَّارٍ ہر اس بندے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادات اور مصائب و بلیات پر بہت زیادہ صبر کرتا ہے شَكُوْرٍ ہر وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی عطاؤں پر بہت بڑا شکرگزار ہے۔

ف : ان دونوں صفات میں مؤمن کامل کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ایمان کے دو اجزا ہیں :

① صبر

② شکر

سوال : نعمتیں تو ہر ایک کو نصیب ہو رہی ہیں اللہ تعالیٰ نے صرف صبور شکور کو کیوں مخصوص فرمایا ؟

جواب : چونکہ نعمتوں سے یہی حضرات نفع پاتے ہیں اس لیے انہی کا نام لیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ آیات دُوسروں پر مخفی ہیں اور ان پر ظاہر ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سُورج سے بھی زیادہ روشن ہیں لیکن چونکہ مومن کامل کو فائدہ نصیب ہوتا ہے اسی لیے انہی کا ذکرِ خیر ہوا۔

نکتہ : شکر چونکہ صبر کے لیے بمنزلہ پھل کے ہے اسی لیے صبر کو مقدم اور شکر کو مؤخر فرمایا۔ کسی نے کہا کہ : ؏

آخر ہر گریہ خندہ ایست

ترجمہ : آنسو بہانے کے بعد تبسم بھی نصیب ہوتا ہے۔

منذرین (بالکسر) یعنی غلط کاروں کو خدا تعالیٰ کا ڈر سنانے والوں اور مذکرین (بالکسر) یعنی خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانے والوں نے دشمنوں کی ایذاؤں اور ان کی تکالیف اور مشقتوں پر صبر کیا تو کامیاب رہے اس لیے نیک انجام متقین کو نصیب ہوتا ہے اور منذرین (بالفتح) یعنی کفار اور خطاکار لوگ جنہیں خدا تعالیٰ کا خوف اور ڈر سنایا گیا اور مذکرین (بالفتح)

جنہیں خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی گئیں۔ وُہ بغاوت اور ضلالت کے گڑھے میں پھنسے تو تباہ و برباد ہوئے۔ اور تباہی و بربادی ہمیشہ ظالموں کو نصیب ہوتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

عاقل از سر بنہد ایں ہستی و باد
چوں شنید انجام فرعونان و عاد
ورنہ بنہد دیگراں از حال او
عبرتے گیرند از اضلال او

ترجمہ: عاقل وہ حضرات ہیں جنہوں نے اس موہوم ہستی کا تصور ہی دل سے بھلا دیا جب انھیں فرعون و عاد کی قوم کا انجام معلوم ہوا۔ اگر وہ ہستی موہوم کو کچھ وقعت دیتا ہے تو پھر دُوسرے اس کی عاقبت بد سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اے میرے افضل الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کو یاد دلائیے موسٰی علیہ السلام کا وہ ارشاد جو انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ قوم سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور تذکیر الاوقات سے بنی اسرائیل سے بنی اسرائیل کے وہ واقعات مراد ہیں جو ان میں تفصیل وار واقع ہوئے۔ کیونکہ اوقات کی یاد دہانی اس کے اندر کے واقع ہونیوالے تمام واقعات مراد ہوتے ہیں اور حضور سرورِ عالم کو یاد دہانی کا اس لیے حکم ہوا کہ گویا آپ ان واقعات کا معائنہ اور مشاہدہ فرما چکے ہیں۔ اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اللہ تعالیٰ کی وُہ نعمتیں یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عنایت فرمائیں۔ مثلاً فرعون اور اس کے اتباع سے تمہیں نجات بخشی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرعون اور اس کے تبعین اور اس کے دین والوں کے ظلم و ستم سے بچایا۔ یہ بھی منجملہ اس کی نعمتوں سے ایک ہے۔

ف: اس سے قبطی مراد ہیں۔

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یہ جملہ مستانفہ ہے بنی اسرائیل کی نجات کے بیان کے لیے واقع ہوا ہے۔ یا آلِ فرعون سے حال ہے۔

حل لغات: تہذیب المصادر میں ہے کہ السوم بمعنے کسی کو عذاب اور خواری کا مزہ چکھانا۔ کما قال تعالیٰ، یسومونکم سوء العذاب۔

اور بحر العلوم میں ہے کہ یہ سام السلعة سے ماخوذ بمعنے طلب السلعة یعنی اس نے سامان طلب کیا۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ وُہ تمہیں سخت عذاب چکھاتے تھے اور ان کا ارادہ تھا کہ وہ تمہیں ذلیل و خوار کریں۔ اور السّوء، ساء یسوء کا مصدر ہے جملہ آفات کا جامع یہی لفظ ہے یعنی ہر قسم کی بلا و آفت وغیرہ کو سوء کہا جاتا ہے۔ (کذا فی التبیان)

ف: اس سے ہر طرح کا برا اور سخت عذاب یا فرعونیوں کا بنی اسرائیل کو ذکر و غلام رکھنا یا انھیں بہت بڑے مشقت بھرے امور میں لگانا یا انھیں ہر وقت ذلیل و خوار کرنا مراد ہے۔ اسی طرح ہر وہ مفہوم جو ذلت و خواری پر دلالت کرے مراد لیا جا سکتا ہے۔

وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ اور وہ تمہارے ان بچوں کو قتل کر دینے کا عذاب سخت تر اور زیادہ گھبراہٹ ڈالتا ہے یا ایسا برا اور سخت عذاب ہے کہ دوسرے معتاد عذابوں سے یہ ایک علیحدہ حیثیت رکھتا ہے۔

ف: اگر درمیان میں واو عاطفہ نہ ہوتی تو یذبحون ابناءکم، یسومونکم الخ کا عطف بیان یا اس کی تفسیر بنتا جیسا کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں بلا حرف العطف ہے۔

فرعونیوں کا بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا بیان

فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ اٹھی اس نے فرعونیوں کے تمام مکانات جلا دیے اور بنی اسرائیل کے مکانات کو محفوظ چھوڑ دیا۔ فرعون نے اس کی تعبیر کاہنوں سے پوچھی تو سب نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کا تختہ الٹ دے گا۔ اس نے اس وقت تہیہ کیا کہ ہر نیا بچہ جو پیدا ہوگا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ لاتعداد معصوم بچے قتل کرا دیے گئے۔ بیوقوف فرعون نے خدا تعالیٰ کی تقدیر کا بڑا مقابلہ کیا لیکن تابکے۔ آخر وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

ے

صعوہ کہ با عقاب سازد جنگ
دہد از خون خود پرش را رنگ

ترجمہ: جو ممولہ عقاب سے جنگ کرتا ہے اپنے پروں کو خون سے رنگتا ہے۔

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ اور وہ تمہاری عورتوں اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے تاکہ ان سے خدمت کرائیں اور انھیں کنیزیں بنائیں اور فرعونیوں کی ایک یہ کمینی اور بری عادت تھی کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو ان کے شوہروں کے پاس جانے کے بجائے اپنے پاس محبوس رکھتے تھے اور باعزت انسان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سی مضرت ہو گی اور یہی عظیم ترین مصیبت ہے بلکہ ایسی ذلت سے باحیا انسان کے لیے مر جانا بہتر ہے وَفِي ذَٰلِكُمْ اور ان برے افعال مذکورہ میں بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ تمہارے رب تعالیٰ سے یہ عظیم مصیبت تھی جس کا برداشت کرنا سخت مشکل تھا۔

سوال: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے لیے یہ آزمائش اور امتحان تھا۔

جواب: فرعونیوں کو قدرت دے دی اور مہلت عطا فرمائی کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ جو چاہے کریں۔ یہی قرینہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی آزمائش کی۔

(باقی بر صفحہ ۳۲۶)

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ○ وَقَالَ مُوسَىٰ
إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ○ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي
شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ○ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ۚ قَالُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ
مِثْلُنَا ۚ تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ○ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ
إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ
بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ
هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ○

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے رب تعالیٰ نے بتادیا کہ اگر شکر کروگے تو تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب سخت ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم اور تمام وہ جو زمین میں ہیں کافر ہوجاؤ تو بیشک اللہ تعالےٰ بے نیاز تمام خوبیوں والا ہے۔ کیا تمہارے ہاں تمہارے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں (یعنی) قوم نوح اور عاد و ثمود (کی خبریں) اور جو ان کے بعد گزرے انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ان کے ہاں ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں کی طرف لے گئے اور کہا جو تمہیں دے کر بنا کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس کی ہمیں تم دعوت دیتے ہو اس میں ہمیں ایسا شک ہے کہ وہ بات کھلنے نہیں دیتا ان کے رسولوں نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تمہیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے۔ کافروں نے کہا تم تو ہمارے جیسے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو اس سے جس کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے تو ہمارے ہاں کوئی روشن سند لاؤ رسولوں نے فرمایا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اور یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی سند لے آئیں اور اہل ایمان تو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کریں اس نے تو ہمیں ہماری ہدایت کی راہیں دکھائیں اور بیشک ہم اس پر صبر کریں گے جو تم ہمیں ایذائیں دے رہے ہو اور بھروسہ کرنے والوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

(بقیہ صفحہ ۳۲۴)

ف : یہ بھی جائز ہے کہ ذالکم کا مشارٌ الیہ انجاء (بنی اسرائیل کو نجات دینا) کی طرف ہو تو اس وقت بلاء سے مراد نعمت ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جیسے تکالیف سے امتحان لیتا ہے ایسے ہی نعمتیں دے کر۔ کما قال :

ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ ۔ اور ہم تمہیں شر و خیر سے آزمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تکالیف اور مشقتوں سے اس لیے آزماتا ہے تاکہ وہ صبر کریں اور خیر سے اس لیے تاکہ شکر کریں۔ اس معنے پر ایسی آزمائش بھی بندوں کے لیے نعمت ہوگی۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ اس کا عطف نعمت پر ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے مقولہ میں داخل ہے ۔ گویا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تذکیر نعمت کے بعد فرمایا اے بنی اسرائیل ! یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب جتلایا ۔ یہاں پر تاذن (آذن) بمعنے اعلم اعلاماً بلیغاً یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے بہتر طریقے سے باخبر فرمایا کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔

سوال : تم نے تاذن میں اتنا مبالغہ آمیز ترجمہ کیوں کیا ہے۔

جواب : تفعل کا باب تکلف کا معنیٰ دیتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا معنیٰ ناجائز ہے اسی لیے معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال طریقہ سے باخبر فرمایا۔

ف : خلیل نے کہا کہ تاذن لکذا ۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص فعل کو اپنے ذمہ ضروری قرار دے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لئن شکرتم الخ کا مضمون اپنے ذمۂ کرم واجب فرمایا۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ یہ لام توطئہ کی ہے توطئہ کی لام وہ ہے جو شرط پر داخل ہوتی ہے اور اس سے پہلے قسم (لفظاً یا تقدیراً) کا ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ آنے والا جملہ قسم کا جواب ہے نہ کہ شرط کی جزاء اور یہ جملہ لئن شکرتم الخ تاذن کا مفعول ہے اس لیے کہ تاذن ' قال کے قائم مقام واقع ہوا ہے اس لیے کہ تاذن بھی قول کی ایک قسم ہے ۔ یا یوں کہو کہ یہ قول محذوف کا مقولہ ہے ۔ اس تقدیر پر معنیٰ ہوگا واذ تاذن ربکم فقال لئن شکرتم یعنی یاد کرو اے بنی اسرائیل ! تمہیں اللہ تعالیٰ نے خوب جتلا کر فرمایا کہ اگر تم نعمت انجاء و اہلاک اعداء وغیرہ کا شکر کرو اور تم ان نعمتوں کو ایمان کامل اور عمل صالح سے قبول کرو گے لَاَزِيْدَنَّكُمْ تو ہم تمہیں نعمتوں سے مالا مال فرما دیں گے بلکہ جتنا دیا ہے اس سے کئی گنا اور عطا فرمائیں گے۔

ف : یہ لام قسم کے جواب اور شرط کی جزا ہر دو کے قائم مقام ہے۔

تفسیر صوفیانہ ا کاشفی نے لکھا کہ حضرت عبدالرحمٰن سلمی ابو علی جرجانی قدس سرہما سے نقل فرماتے ہیں کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا کہ اگر تم اسلام کی نعمت پر شکر کرو گے تو تمہیں ایمان کی دولت سے نوازا جائے گا۔ اگر ایمان پر شکر کرو گے تو تمہیں احسان کی نعمت عطا ہوگی اگر احسان پر شکر کرو گے تو تمہیں معرفت نصیب ہوگی۔ اگر تم معرفت پہ شکر کرو گے تو تمہیں مقام وصل حاصل ہوگا۔ اگر مقام وصل پر شکر کرو گے تو تمہیں خلوت گاہ خاص کے انس اور مشاہدات سے نوازا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شکر درجات کی ترقی کا موجب ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

شکر نعمت نعمت افزوں کند
کس زیان بہ شکر لفتی چوں کند
شکر باشد دفع علتہائے دل
سود دارد شاکر از سودائے دل

ترجمہ۔ نعمت پر شکر سے اضافہ نصیب ہوگا جس کا تم شکر کرو ہے جو وہ ذات کسی کا عمل ضائع نہیں فرماتی بلکہ شکر تو دل کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ دل کی سوداوی بیماری کے لیے شکر اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ۲ تاویلات نجمیہ میں ہے لئن شکرتم اگر تم توفیق ایزدی کا شکر کرو گے لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ تو تم ہمارے قریب ہو جاؤ گے اور اگر تم اس قرب کا شکریہ ادا کرو گے تو ہم تمہارے قریب ہو جائیں گے اور اگر تم ہمارے اس قرب کا شکر کرو گے تو ہم تمہیں محبت و عشق سے نوازیں گے اگر تم اس محبت و عشق کا شکر کرو گے تو ہم تمہارے ساتھ محبت کریں گے یعنی پہلے تمہیں محب بنایا گیا تھا اب تم ہمارے محبوب بن جاؤ گے اگر تم ہماری اس محبت کی قدر کرو گے تو ہم تمہیں اپنا جذبہ عطا فرمائیں گے اور اگر جذبے پر تم نے شکر کیا تو ہم تمہیں بقا عنایت فرمائیں گے اگر تم اس پر خوشی کا اظہار کرو گے تو ہم تمہیں وحدت کا درجہ بخشیں گے اگر تم وحدۃ پر شکر کرو گے تو صبر علی الشکر والشکر علی الصبر اور الصبر علی الصبر والشکر علی الشکر کے درجات سے نوازیں گے تاکہ تم صبور و شکور کے مقام بلند و بالا کو پہنچ جاؤ۔

تفسیر عالمانہ وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اگر میری نعمت کا شکر نہ کرو گے بلکہ اسے بھلا کر کفرانِ نعمت کا ارتکاب کرو گے تو میں تمہیں سخت عذاب دوں گا۔ اس معنے پر اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ یہ جواب محذوف کی علامت ہے یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ کفرانِ نعمت پر تمہیں انہی مصائب میں مبتلا ہونا ہوگا جن میں تم سے پہلے کافر وغیرہ مبتلا ہوئے۔

نکتہ: اسے تصریح کے بجائے تعریضاً اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ کریم الطبع لوگوں کی عادت ہے کہ وعدہ کریمانہ فرماتے ہیں تو تصریح کر کے۔ لیکن اگر کسی کو وعید سناتے ہیں تو تعریضاً۔ یہ تو عام کریموں کی عادت ہے اور وہ کریم تو اکرم الاکرمین ہے۔ اسی لیے ان عذابی لکم کی تصریح کے بجائے ان عذابی لشدید فرمایا۔ یعنی میرا عذاب بہت سخت ہے۔ جیسے دُوسرے

مقام پر فرمایا،

نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم و ان — میرے بندوں کو خبر دو کہ میں غفور رحیم ہوں اور

عذابی ھو العذاب الالیم۔ — میرا عذاب بھی بڑا دردناک ہے۔

نکتہ: سعدی حلبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ جب خیر کو بندوں کے لیے بیان فرماتا ہے تو فعل کو اپنی طرف اسناد فرماتا ہے اگر عذاب وغیرہ کو بیان فرماتا ہے تو اسلوب بدل دیتا ہے۔ مثلاً آیت ہذا کو دیکھیے لئن شکرتم میں لازیدنکم فرمایا لیکن کفرتم میں لاعذبنکم کے بجائے ان عذابی لشدید فرمایا۔

ف: عذاب کی شدت دنیا میں سلب نعمت سے اور آخرت میں جہنم میں داخل کرنے سے ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عذاب سے مفارقت حق مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا وصال نصیب نہ ہوگا بلکہ جدائی اور مفارقت میں رکھا جائے گا اس بندے کو کفران نعمت کرتا ہے۔ عذاب سخت تر ہے اس عذاب سے کہ بندے سے دنیا و آخرت کی نعمتیں چھین لی جائیں اس لیے کہ اس عذاب سے نفس کو تکلیف پہنچتی ہے لیکن مفارقت و ہجران کے عذاب سے ارواح و قلوب کو دکھ پہنچتا ہے اور قلوب و ارواح کا درد نفس کے درد سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش کر کے کفران نعمت کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں طاعون و قتل کے عذاب میں مبتلا فرمادیا۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے چار اعمال نصیب ہوئے وہ چار نعمتوں سے محروم نہیں ہوگا،

(١) جسے شکر کی توفیق نصیب ہوئی وہ ازدیاد نعمت سے محروم نہ رہے گا۔ کما قال تعالیٰ،

لئن شکرتم لازیدنکم۔

(٢) جو صبر کرتا ہے وہ ثواب سے محروم نہ رہے گا۔ کما قال تعالیٰ،

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ — بیشک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر و ثواب نصیب ہوگا۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

اگر ز سہم حوادث مصیبتے رسدت

درین نشیمن حرمان کہ موطن خطر ست

مکن بدست جزع خرقۂ صبوری چاک

کہ فوت اجر مصیبت مصیبت دگر ست

ترجمہ: اگر حوادث کے تیر سے تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو اس دنیا (جو خطرات کا گھر ہے) میں جزع فزع کر کے صبر کا دامن چاک نہ کرنا کہ اجر و ثواب کا ضائع ہو جانا دوہری مصیبت ہے۔

③ جسے توبہ نصیب ہوتی ہے وہ قبولیت حق سے نوازا جائے گا۔ کما قال تعالیٰ:

وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ۔ وُہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

④ جو استغفار کرتا ہے اسے مغفرت نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

استغفروا ربکم انہ کان غفاراً۔ اپنے رب تعالیٰ سے استغفار کرو بیشک وُہ بہت غفور ہے۔

⑤ جو دُعا مانگتا ہے اس کی دُعا قبول ہو گی۔ کما قال تعالیٰ:

ادعونی استجب لکم۔ مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا۔

⑥ اللہ تعالیٰ کے راہ میں جو خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے بدل ملتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وما انفقتم من شئ فھو یخلفہ۔ اور جو کچھ کوئی خرچ کرتا ہے اس کا اسے بدل ملتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند
دو فرشتہ خوش منادی می کنند

۲ کاے خدایا منفقاں را سیر دار
ہر درمشاں را عوض دہ صد ہزار

۳ اے خدایا ممسکاں را در جہان
تو مدہ الا زیان اندر زیان

ترجمہ: ۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیشہ نصیحت کے لیے دو فرشتے ندا کرتے ہیں۔

۲۔ اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو سیر رکھ ان کے ہر درم کے بدلے میں لاکھ لاکھ درہم عطا فرما۔

۳۔ اے اللہ! بخیلوں کو جہان میں نقصان ہی نقصان دے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وُہ ہر نعمت کا شکر کر کے اللہ تعالیٰ قادر خالق رازق سے اُمید رکھے کہ اس کا دل اور زبان اور ہاتھ کو فکر و ذکر اور خرچ کرنے سے سُست نہ بنا دے۔ دیکھیے بلعم باعور اُنے جب نعمت اسلام و ایمان کا شکر ادا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے محرومی اور دُوری سے سزا دی۔ ہم رُسوائی سے پناہ مانگتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں ذاکرین شاکرین

مطیعین صابرین قانتین سے بنا اس لیے کہ تو ہر وقت اور ہر گھڑی معین و مددگار ہے۔ آمین یارب العالمین

تفسیر عالمانہ وَقَالَ مُوْسٰی اِنْ تَکْفُرُوْٓا اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ناشکری کروگے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی اَنْتُمْ تم اے بنی اسرائیلیو! وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اور زمین والے انس وجن بھی جَمِیْعًا معطوف ومعطوف علیہ ہر دو سے حال ہے۔ یعنی سب کے سب فَاِنَّ اللّٰہَ یہ جواب محذوف ان تکفروا الخ کی علت ہے۔ یعنی اگر تم ناشکری کروگے تو اس کا وبال تمہارے اوپر ہوگا اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ لَغَنِیٌّ تمہارے اور تمہارے غیروں کے شکر سے بے نیاز ہے حَمِیْدٌ ذاتاً وصفاتاً وافعالاً محمود ہے نہ اسے کسی کے ایمان کی ضرورت ہے نہ کسی کے کفر سے نقصان۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ ذرات مخلوق میں اس کی نعمتوں پر ناطق اور جمیع اشیاء کی زبانیں اس کی تسبیح وتہلیل میں جاری ہیں۔

؎

بذکرش جملہ ذرات گویا
ہمہ او را ز روئے شوق جویا

ترجمہ: جملہ ذرات اس کے ذکر میں رطب اللسان اور تمام کائنات اس کے دیدار کی مشتاق ہے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بذکرش ہر چہ بینی در خروشست
دلے داند دریں معنی کہ گوشست
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانیست
کہ ہر خارے بتوحیدش زبانیست

ترجمہ: جسے دیکھو اسی کی تسبیح میں ہے لیکن یہ معنے وہ جانتا ہے جسے حقیقی کان حاصل ہیں صرف بلبل پھول پر بیٹھ کر اس کا ذکر نہیں کرتی بلکہ ہر کانٹے کی زبان پر اس کی توحید جاری ہے۔

اَلَمْ یَاْتِکُمْ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کا حکائی کلام ہے انکار کے طور اتیان کی نفی کے لیے استفہام فرمایا ہے۔ اس سے اتیان کا اثبات ہوتا ہے اس لیے کہ قاعدہ کسی شے کی نفی واستفہام سے کی جائے تو اس سے اس کا اثبات مطلوب ہوتا ہے۔ معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارے ہاں آئی ہیں نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ان لوگوں کی خبریں جو تم سے پہلے گزرے ہیں قَوْمِ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کی قوم کہ جب انہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو طوفان میں غرق کر دیئے گئے قوم نوح 'الذین من قبلکم' سے بدل ہے وَعَادٍ اور عاد، یہ سخت آندھی سے تباہ وبرباد ہوئے۔ اس کا عطف قوم نوح پر ہے وَثَمُوْدَ اور یہ ثمود صیحہ سے برباد ہوئے وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔ جیسے قوم ابراہیم اور اصحاب مدین اور دیگر اُلٹی ہوئی بستیاں وغیرہ وغیرہ۔ اس کا عطف بھی قوم نوح پر ہے۔ یعنی

قوم نوح اور دوسری باغی قوموں کو لَا یَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ یہ جملہ معترضہ ہے۔ یعنی ان کی گنتی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا بوجہ ان کی کثرت کے۔ یعنی ان کی ذوات اور ان کی صفات اور ان کے اسماء اسی طرح ان کے جمیع متعلقات سوائے اللہ تعالیٰ اور کسی کو معلوم نہیں اس لیے کہ ان کے نام ونشان بھی مٹ گئے اور ان کی خبریں دینے والے نہ رہے۔

مسئلہ: حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ ہر اس شخص کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جو اپنا نسب آباؤ اجداد فرداً فرداً آدم علیہ السلام تک بیان کرتا۔ اسی طرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ آیت پڑھ کر فرماتے، انساب جھوٹ بولتے ہیں۔ جب کہتے ہیں کہ ہم آدم علیہ السلام تک نسب بیان کرسکتے ہیں۔ اس لیے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کی بندوں سے نفی فرمائی ہے۔

ف: نسب بیان کرنے والے اس کے مدعی نہیں ہیں کہ وہ جمیع اُمم کے نسب جانتے ہیں بلکہ ان کا دعویٰ بعض انساب کا ہے اس کے لیے آیت سے ٹکراؤ نہیں۔ (کذا فی التبیان)

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عدنان سے آدم علیہ السلام تک تیس پشتیں ہیں۔ لیکن تفصیل کسی کو معلوم نہیں۔ بعض کے نزدیک چالیس اور بعض کے نزدیک سینتیس۔

ف: النہر لابن حبان میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اکتیسویں نمبر پر ہے۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ عدنان حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہمزمان تھا یہاں تک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک پر سب کا اتفاق ہے۔ ہاں ان سے آدم علیہ السلام تک آپ کے نسب کا اختلاف ہے اس لیے کہ قدمائے عرب کتابت (لکھنا پڑھنا) نہیں جانتے تھے۔ اسی لیے نسب کی حفاظت کا ان سے اہتمام نہ ہوسکا البتہ زبانی یاد رکھتے تھے جو انھیں سینہ بہ سینہ محفوظ کرتے چلے آئے۔

ف: جمہور اسلام کا مذہب ہے کہ عرب دو قسم ہیں،

۱۔ قحطانی

۲۔ عدنانی

پھر قحطانی کی دو شاخیں ہیں،

۱۔ سبا

۲۔ حضرموت

اسی طرح عدنانی کی بھی دو شاخیں ہیں،

۱۔ ربیعہ

۲۔ مضر

ف: قضاعہ قبیلہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض انہیں قحطان کی شاخ سمجھتے ہیں اور بعض عدنان کی۔

سوال: حضرۃ الشیخ علی سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ تعالیٰ قد رفع الی الدنیا فانا انظر الیھا والی ماھو کائن فیھا الی یوم القیٰمۃ کانما انظر الی کفی ھذہ جلیا جلاھا اللہ لنبیہ کما جلاھا للنبیین۔ (رواہ الطبرانی فی معجم والفردوس)	بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دنیا کو اٹھایا تو ان کو اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کو ایسے روشن دیکھا جیسے ہاتھ کی ہتھیلی پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے روشن کیا۔

(ف: اس حدیث شریف سے صاحبِ تفسیر نتیجہ نکالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:)

قیل لدلالۃ صریحًا علیٰ ان جمیع الکوائن الی یوم القیٰمۃ مجلّیً ومکشوف کشفاتاما للانبیاء علیھم السلام۔	اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک ذرہ ذرہ انبیاء علیہم السلام کے لیے مکمل طور روشن اور واضح ہے۔

خلاصہ سوال یہ ہوا کہ آیت سے ثابت ہوا کہ امم سابقہ کے حالات کوئی نہیں جانتا اور حدیث شریف مذکورسے واضح ہے کہ حضور سرورِ عالم اور دیگر انبیاء علیہم السلام سابقہ اُمتوں کے ذرہ ذرہ کو جانتے ہیں۔

جواب ۱: (صاحبِ رُوح البیان) اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

ان اللہ اعلم حبیبہ علیہ السلام لیلۃ المعراج جمیع ماکان و ما سیکون وھو لاینافی الحصرفی الآیۃ لقولہ تعالیٰ "فی آیۃ اُخری" فلا یظھر علیٰ غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول یعنی[1] بہ جنابہ علیہ السلام۔	اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو شب معراج جملہ ماکان و مایکون کا علم عطا فرمایا اور یہ آیت کے خلاف نہیں جبکہ دُوسری آیت میں فرمایا فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الخ

جواب ۲: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کلیہ پر مشتمل تھے جسے ابتدائی دور میں علوم اجمالیہ سے تعبیر

---

[1] اس سے اہلِ انصاف کو دعوتِ انصاف ہے کہ یہی عقیدہ اہلسنت بریلوی کا ہے جو الحمد للہ سینکڑوں سال پہلے مصطفےٰ اکرم کی اُمت کے مقتدیان اسلام بیان فرما گئے ہیں۔

کیا جاتا ہے اور پھر تدریجاً وہی علوم تفصیلی طور پر حاصل ہوتے گئے۔ ہم ابتداً ہی حضور علیہ السلام کے لیے علوم کلیہ و جزئیہ دونوں کے لیے تفصیل کے قائل نہیں۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں تو حضور علیہ السلام نے اپنے خاتمہ بالخیر سے بھی لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ کما قال،

ما ادری ما یفعل بی و لا بکم۔

(یہی جواب ہم اہلسنت کا مؤید ہے لیکن وہابی دیوبندی اس راز سے بے خبر ہیں اسی وجہ سے وہ اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اس قسم کی آیات پیش کرتے ہیں جو ابتدائے اسلام سے تعلق رکھتی ہیں اہلِ انصاف وہابیوں دیوبندیوں کی تصانیف دیکھیں وہ صاف لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو (معاذ اللہ) اپنے خاتمے کا بھی علم نہیں تھا (براہین قاطعہ، تقویۃ الایمان وغیرہ)

جواب[1]: یہ آیت کریمہ ہے اور آیاتِ کثیرہ میں علوم کی نفی سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد نہیں بلکہ وہاں مشرکین کے اوہام کا ازالہ مطلوب ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "احسن البیان فی المقدمۃ لتفسیر القرآن" میں ہے۔)

جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُم ان کے ہاں ان کے رسل کرام لائے درانحالیکہ وہ متلبس تھے بِالۡبَيِّنٰتِ معجزات سے۔

ف: کاشفی میں ہے کہ باء تعدیہ کی ہے یعنی وہ حضرات ایسے واضح معجزات لائے جن کی حقیقت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں تھا اور ہر ایک نبی علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کو حق کا راستہ بتایا۔ یہ جملہ مستانفہ اور نبأھم کے بیان کے لیے واقع ہوا ہے۔

فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فِىۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ پس انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زبانوں کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی بجائے زبان سے تکذیب کا مضمون سنانے کے ہاتھوں کے اشاروں سے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔ یہ بطور مبالغہ کے ہے یعنی کفار نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے متعلق ہاتھوں کے اشاروں سے ظاہر کیا کہ ہم سے ایمان کی امید مت رکھو ہم کسی صورت میں آپ حضرات پر ایمان لانے والے نہیں اس لیے کہ (معاذ اللہ) آپ حضرات ہمارے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اس معنے پر فی بمعنے علیٰ ہے۔ (کذا فی الکواشی)

ف: حضرت قتادہ نے فرمایا اس جملے کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور جو احکام و پیغام وہ حضرات لائے انہیں ٹھکرا دیا۔ یہ اس محاورے سے ہے کہ کہا جاتا ہے،

رددت قول فلان فی فیہ۔ میں نے اس کے قول کو اس کے منہ پر مارا۔

اس سے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے اس کی بات ٹھکرا دی۔

وَقَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ اور کفار نے کہا کہ اے انبیاء علیہم السلام! جو تمہارا خیال ہے کہ تم کتب الٰہیہ اور رسالت لائے ہو ان سے ہمارا انکار ہے۔

---

[1] یہ اضافہ فقیر اویسی غفرلہٗ کا ہے تاکہ موجودہ دور کے دھوکہ سازوں کے اعتراضات کا ٹھوس جواب ناظرین و قارئین کے پاس ہو۔

ف ؛ مولانا ابو السعود نے فرمایا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام کے وہ معجزات مراد ہیں جو انہوں نے کفار کو اپنی رسالت کی صداقت و حقانیت کے لیے ظاہر فرمائے اور کفر سے بھی یہاں پر کفر حقیقی مراد ہے کہ کفار نے انبیاء علیہم السلام کو یہی کہا کہ ہم تمہاری رسالت کے قائل نہیں اور نہ ہی ہم تمہیں نبی ماننے کے لیے تیار ہیں۔

وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ اور ہم تو بہت بڑے شک میں ہیں مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ ان امور سے جن کی تم دعوت دیتے ہو۔ اس سے ایمان و توحید مراد ہے۔

ف ؛ سعدی مفتی نے فرمایا اس سے مؤمن بہ یا صحت ایمان مراد ہے اس لیے کہ انھیں نفس ایمان میں شک نہیں تھا۔

سوال ؛ لفظ شک اور لفظ انا میں منافات ہے اس لیے کہ انّا میں جزم اور یقین لازمی ہے اور ہے بھی یہی صحیح کہ انھیں اپنے کفر پر یقین تھا۔

جواب ؛ کفر کا تعلق کتب سماویہ و احکام الٰہیہ سے ہے یعنی کتب سماویہ و احکام الٰہیہ جو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے کافروں نے ان کا انکار کر کے کفر کیا اور اس پر انھیں یقین تھا اور شک کا تعلق انبیاء علیہم السلام کی دعوت توحید پر تھا ان میں سے ایک میں یقین اور دوسرے میں شک ہو تو اسے تناقض نہیں کہتے۔

مُرِیْبٍ شک میں ڈالنے والا ہے ریبۃ سے ہے بمعنے قلق النفس وعدم اطمینانہا بالشئ۔ یعنی نفس کی قلق اور اس کے کسی شئے سے غیر مطمئن ہونے کو عربی میں ریبۃ کہتے ہیں اور یہ شر کی علامت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایسا گمان جو نفس کو مضطرب اور قلب کو بیقرار اور عقل کو پریشان کرتا ہے۔ مریب شک کی تاکیدی صفت ہے۔ قَالَتْ رُسُلُهُمْ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنی رسل کرام علیہم السلام نے ان کی احمقانہ باتوں سے انکار اور متعجب ہو کر فرمایا ؛ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے متعلق اور اس کی ذات وجود اور اس کی وحدۃ اور اس پر وجوب ایمان میں شک کیسا حالانکہ اس کی ذات ظاہر و باہر بلکہ اظہر ہے اور تم اے بیوقوفو! ایسی کامل اکمل ذات کا انکار کرتے ہو۔ خلاصہ یہ کہ اے کافرو! اللہ تعالیٰ کی ذات میں شک نہ کرو۔

ف ؛ ہمزہ ظرف یعنی حرف فی پر انکار کے لیے داخل ہوا ہے اس لیے کہ گفتگو مشکوک فیہ میں ہو رہی ہے نہ کہ شک میں یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کی دعوت دیتے ہیں اور اس میں شک کرنا حماقت ہے اس لیے کہ اس کے وجود پر بے شمار دلائل ہیں اور ان کی ہر دلیل واضح بلکہ اوضح ہے۔

چنانچہ ان دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ اللہ (جل شانہٗ) کی صفت ہے کہ وہ اللہ کریم آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے اور تمہیں جتنی مصنوعات ان آسمانوں اور زمینوں میں نظر آتی ہیں سب اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ یہ آسمان و زمین بلکہ تمام مصنوعات دلالت کرتی ہیں کہ ان کا کوئی موجد ہے اس لیے کہ کوئی شے موجد کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی اور موجد کا بھی واجب الوجود ہونا ضروری ہے ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے اور ایسا موجد جو واجب الوجود ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

حکایت امامِ اعظم رضی اللہ عنہ

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ چند زندیق (بے دین) آپ کو شہید کرنے کے قصد سے حاضر ہوئے آپ نے فرمایا میرے ایک سوال کا جواب دو پھر جو مرضی ہو کرو۔ اُنھوں نے عرض کی: فرمائیے وہ سوال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے ایک کشتی دیکھی تھی جو اسباب سے بھرپور لیکن دریا میں ملاح کے بغیر چلی جا رہی تھی۔ انہوں نے کہا یہ تو محال ہے اس لیے کہ ملاح کے بغیر کشتی کا دریا میں چلنا عقل باور نہیں کرتی۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: سُبحان اللہ! ایک معمولی کشتی تو ملاح کے بغیر چل نہیں سکتی تو یہ عجیب حتیٰ افلاک و کواکب اور پھر علوی و سفلی نظام چلانے والے کے بغیر کیسے چل رہا ہے۔ کچھ تو لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے اور بعض نے اسلام قبول کر لیا۔

يَدْعُوكُمْ تمہیں رسل کرام اور کتب سماویہ کے ذریعے اپنی طاعت کی دعوت دیتا ہے لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ تاکہ تمہارے بعض گناہ بخش دے اس سے حقوق العباد و مظالم مستثنیٰ ہیں اسی طرح حقوق اللہ بھی اس لیے اسلام قبول کرنے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

قاعدہ: ایجاب میں من زائدہ سیبویہ صاحب ناجائز سمجھتے ہیں لیکن ابو عبیدہ کے نزدیک جائز ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یدعوکم تمہیں اپنی تخلیق میں کسی شے کی تمہیں صرف تمہاری ضرورت کے لیے دعوت دیتا ہے اس سے اپنی کوئی حاجت نہیں اس لیے کہ وہ مستغنی از ہر شے ہے لیغفر لکم تاکہ تمہیں صفت غفاریہ سے نوازے من ذنوبکم یعنی تمہارے وُہ گناہ بخش دے جو آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے تمہیں ظلمات کے حجابات لاحق ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے تم ذاتِ حق سے محجوب ہو گئے ہو۔

تفسیرِ عالمانہ

وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى اور تمہیں ایک میعاد مقرر کے لیے مہلت دیتا ہے یعنی ایک ایسے وقت کے لیے جو تمہاری زندگیوں کے آخری لمحات ہیں اگر ایمان لاؤ گے تو وہ وقت تمہارے لیے رحمت بن جائے گا ورنہ تمہیں ہلاکت اور تباہی گھیرے گی بعجلت یا بدیر۔ اس آیت کا وہی مضمون ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصدقة تزید العمر۔ (صدقہ زندگی بڑھاتا ہے[1])

ف: اس سے معتزلہ کا مذہب ثابت ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ہر ایک مرنے والے کے لیے متعدد اجل ہوتے ہیں۔

قَالُوا کفار نے رسل کرام علیہم السلام سے کہا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے إِنْ أَنتُمْ ہیئت و شکل میں تم نہیں ہو إِلَّا بَشَرٌ مگر بشر آدمی مِّثْلُنَا ہمارے جیسے تمہیں ہمارے اوپر کسی قسم کی فضیلت نہیں کہ جس سے تم نبوت کے اہل ہو اور اسی فضیلت کی وجہ سے تم ہمیں توحید کی دعوت دیتے ہو جیسے تم ہو ویسے ہم ہیں پھر نبی کیسے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کو رسل کرام علیہم السلام بھیجنے تھے تو ہم سے افضل مخلوق یعنی ملائکہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔

ف: یہ بھی ان کا اپنا خیال تھا کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں اس لیے کہ وہ شہوات سے معصوم ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی برائیاں

---

[1] اس کے جوابات علم کلام میں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ امر تقدیر کے متعلق کے قبیل سے ہے۔ تقدیر کے اقسام فقیر کی شرح مثنوی میں پڑھیے ۱۲

انھیں لاحق ہوتی ہیں اور اہل السلام کے نزدیک ہر ملک ہر انسان سے افضل نہیں بلکہ بعض انسان ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام علی الاطلاق اور اولیاء کرام بعض ملائکہ سے افضل ہیں۔ [1]

تُرِيْدُوْنَ دعویٰ نبوت کر کے تم ارادہ رکھتے ہو کہ اَنْ تَصُدُّوْنَا تم ہمیں پھیر دو صرف اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ کی عبادت کے لیے عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اس سے جو ہمیشہ عبادت کرتے تھے یعنی بتوں کی پرستش سے تم ہمیں روکتے ہو اور جس کا موجب بھی کوئی نہیں۔ اگر جیسا کہ ہم کہتے ہیں وہ معاملہ نہیں اور تم واقعی اللہ تعالیٰ کے رسل ہو فَاْتُوْنَا تو لائیے بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اپنی صداقت وفضیلت اور اپنے اسی مرتبہ کے استحقاق کی روشن دلیل جسے دیکھ کر ہم بتوں کی پرستش کو چھوڑ دیں جنھیں ہم کئی پشتوں سے پوجتے چلے آرہے ہیں باوجودیکہ انبیاء علیہم السلام نے بے شمار معجزات دکھائے اور لاتعداد دلائل و براہین قائم فرمائے لیکن کفار نے انھیں غیر معتبر سمجھ کر محض سرکشی اور ہٹ دھرمی سے ان کے علاوہ اور معجزات و دلائل طلب کیے قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ انھیں رسل کرام نے فرمایا۔

سوال: یہاں پر لفظ لھم کا اضافہ کیوں۔

جواب: چونکہ انبیاء علیہم السلام اب ان سے خصوصیت سے باہم گفتگو ہیں کہ اب انھیں الزامی جواب دیں گے بخلاف کلام سابق کے کہ وہاں عام گفتگو تھی اور سب کو کہا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق تمہیں شک کیسا وغیرہ وغیرہ یہاں صرف انہی کو الزام لگانا مطلوب ہے اسی لیے لفظ لھم کا اضافہ کیا یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی بشریت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ واقعی ہم بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر بہت فضل و کرم فرمایا کہ نبوت جیسا اہم عہدہ ہمیں عطا فرمایا۔

چنانچہ فرمایا اِنْ نافیہ ہے نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ نہیں ہیں ہم مگر بشر تمہاری مثل یعنی جیسے تم کہتے ہو ہمیں اس سے انکار نہیں وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ لیکن اللہ تعالیٰ منّت لگاتا ہے اور نبوت و وحی جیسی نعمت سے نوازتا ہے عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے جنھیں چاہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ نبوت سلطنت کی طرح عطا ہوتی ہے۔

وَمَا كَانَ اور لائق نہیں لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ ہمارے لیے کہ ہم لائیں معمولی سی دلیل چہ جائیکہ بہت واضح دلیل اور مضبوط برہان کسی سبب سے اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس لیے کہ دلائل و براہین مشیتِ ایزدی سے متعلق ہوتے ہیں وہ چاہے تو ہوگا ورنہ ہم حکم ایزدی کے پابند ہیں کیونکہ ہم اس کے بندے اور اسی کی تربیت کے محتاج ہیں ؎

ناتوانی و عجز لازم ماست

قدرت و اختیار از آن خدا ست [2]

---

[1] و [2] یہ اضافہ فقیر کا ہے! اویسی غفرلہٗ

کارہا بحکم راست کند

او تواناست ہرچہ خواست کند

ترجمہ: ناتوانی وعاجزی ہمارے لیے لازم ہے قدرت واختیار صرف اسی خدا تعالیٰ کو ہے تمام کام اسی کے حکم سے چل رہے ہیں وہ بڑی قدرت کا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ اور صرف اللہ تعالیٰ پر فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ چاہیے کہ اہلِ ایمان توکل کریں۔ یعنی مومن کا کام ہے کہ وہ غیر اللہ پر توکل نہ کرے دشمن جتنی مخالفت اور دشمنی کریں وہ صبر اور اپنے مالک پر بھروسہ کرے وَمَا لَنَآ اور ہمارے لیے کون سا عذر ثابت ہے اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کریں وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا حالانکہ ہمیں سیدھے راستوں کی رہبری فرمائی یعنی اپنے سیدھے راستہ اور اپنے مخصوص طریقہ کے لیے ہمیں توفیق بخشی جس راستہ کے لیے اپنے بندوں کو چلنے کا حکم فرمایا ہے اسی کے لیے ہمیں تبلیغ کا حکم فرمایا۔ یہی بات توکل کی داعی اور موجب ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سبل سے ایمان، معرفت، محبت الٰہی مراد ہے اس لیے کہ وصول الی اللہ اور سلوک کے بلند مقامات کے راستے یہی ہیں۔

ف: چونکہ کفار کی اذیتیں اور تکلیفیں توکل میں اضطراب پیدا کرسکتی تھیں اس طرح سے توکل سے ہٹنا انبیاء علیہم السلام سے ممکن عادی تھا اسی لیے کفار کو اس کے لیے اپنے عزم بالجزم کا اظہار قسم تاکیدی سے فرمایا۔

تفسیر عالمانہ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا اور تم ہمارے ابدان و اعراض پر جتنی اذیتیں چاہو پہنچاؤ یا ہمیں جھٹلاؤ اور ہماری دعوت رد کرو اور ہماری تبلیغ کے خلاف اللہ تعالیٰ سے اعراض اور ہٹ دھرمی اور ضد پر ڈٹ جاؤ اور محض ضد اور ہٹ دھرمی سے آیات و معجزات کا مطالبہ کرتے رہو اور ایسی باتیں کرو جن میں کسی قسم کی خیر نہ ہو تو ہم تمہارے ان جملہ امور سے صبر کرتے رہیں گے یہ قسم محذوف کا جواب ہے وَعَلَى اللّٰهِ اور صرف اللہ تعالیٰ پر فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ متوکل توکل کریں یعنی متوکل لوگوں کا کام ہے کہ وہ توکل جو ان کے ایمان کا سبب ہے اس پر ثابت قدم رہیں۔

سوال: فلیتوکل کو دوبارہ لانے سے تکرار لازم آگیا۔

جواب: پہلا احداث توکل کے لیے، دوسرا اس پر ثابت قدمی کے لیے ہے اس لحاظ سے اس میں تکرار لازم نہ آیا۔

ف: جملہ امور کے مالک کی طرف اپنے امور کی سپردگی کو توکل کہا جاتا ہے۔

متوکل کی علامت متوکل کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی مشکل سے نچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب نہ کرے۔

مسئلہ: مشکل سے نجات پانے کے لیے دوسرے سے مدد طلب کرنا توکل کے منافی نہیں اس لیے کہ غیر اللہ کی استمداد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں۔

توکل کی اقسام تاویلات نجمیہ میں ہے کہ توکل کی کئی قسمیں ہیں :

① توکل المبتدی

② توکل المتوسط

③ توکل المنتہی

مبتدی کا توکل یہ ہے کہ اسباب کے قطع نظر صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنے مقصد کی طلب کرے ۔
متوسط کا توکل یہ ہے کہ مسبب الاسباب سے ایسا تعلق پیدا کرے کہ اسباب کے تعلق کا تصور تک نہ ہو۔
منتہی کا توکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی محویت حاصل کرے کہ ماسوی اللہ کا وہم وگمان ہو جائے ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وما لنا ان نتوکل علی اللہ اور ہمارے لیے کیا عذر ہے یعنی ہمارے لیے وجوہ احسان جو لازم ہیں ہم کیوں انھیں پورا نہ کریں اور ہمارے اُوپر مصائب وتکالیف برائے امتحان وارد ہیں ہم انھیں اپنی روحانیت کے لیے کیوں نہ مفید سمجھیں ولنصبرن علیٰ ما اٰذیتمونا اور تم ہمیں جتنی ایذائیں دو ہم صبر کریں گے اس لیے کہ بلا پر صبر کرنا آسان ہے جب بلا اور مصیبت میں ڈالنے والا سامنے ہو۔ اسی معنیٰ پر کسی شاعر نے کہا : ؎

مرما مربی لاجلك حلو

وعذابی لاجل حبك عذب

ترجمہ : میرے ساتھ جو کچھ ہُوا وہ مجھے شہد سے میٹھا ہے اس لیے کہ تیری وجہ سے اور تیری محبت میں ہوا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

اگر بلطف بخوانی مزید الطافست

دگر بقہر برانی درون ما صافست

ترجمہ : اگر مہربانی سے بلاؤ تو کرم بالائے کرم ، اگر قہر سے دھکے دو تو بھی مہربانی ، اس لیے کہ ہمارا دل صاف ہے۔

حکایت منصور حلاج حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کو جب سزا دینے کے لیے لایا گیا تاکہ آپ کے ہاتھ کاٹے جائیں تو سب سے پہلے آپ کا دایاں ہاتھ کاٹا گیا۔ اس پر آپ ہنس پڑے ۔ اس کے بعد آپ کا بایاں ہاتھ کاٹا گیا تو آپ پہلے سے بھی زیادہ ہنسے ۔ لیکن چونکہ جسم سے خون بہت زیادہ نکل چکا تھا اسی لیے آپ کو خطرہ محسوس ہُوا کہ کہیں آپ کا چہرہ زرد نہ نظر آنے لگے آپ نے اپنا چہرہ اپنے بہتے ہوئے خون میں ڈال دیا ۔ چہرے اور بدن کو خون سے خوب لت پت کر کے یہ اشعار کہے : ؎

۱ الله یعلم ان الروح قد تلفت
شوق الیك و لكنی امنیها

۲ و نظرة منك یا سؤلی و یا املی
اشهی الیّ من الدنیا و ما فیها

۳ یا قوم انی غریب فی دیارکمو
سلمت روحی الیکم فاحکموا فیها

۴ لم اسلم النفس للاسقام تتلفها
الا لعلمی بان الوصل یحییها

۵ نفس المحب علی الآلام صابرة
لعل مسقمها یوماً یداویها

ترجمہ: ۱۔ اللہ جانتا ہے کہ میری روح تیرے شوق میں تیرے ہاں آنا چاہتی ہے۔ لیکن تا حالِ میرے پاس ہے۔
۲۔ اے محبوب! تیری صرف ایک نگاہ مجھے دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔
۳۔ اے میرے دوستو! میں تمہارے ہاں مسافر ہوں اب میں تمہارے ہاں بھیجتا ہوں اس کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔
۴۔ نفس کو بیماریوں کے ہاتھ اس لیے دیتا ہوں مجھے یقین ہے کہ اسے وصالِ محبوب سے زندگی نصیب ہوگی۔
۵۔ محب کا نفس درد و آلام پر صابر ہوتا ہے۔ امید ہے کہ جو بیمار کرتا ہے وہ اس کا علاج بھی کرتا ہے۔
یہ پڑھ کر آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے میرے آقا! میں تیرے بندوں میں مسافر ہوں اور تیرا ذکر مجھ سے بھی زیادہ مسافر ہے اس لیے مسافر مسافر سے انس کرتا ہے اسی اثناء میں آپ سے کسی نے پوچھا کہ عشق کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے ظاہر کی یہی حالت ہے جو مجھے دیکھ رہے ہو اور باطن کو خدا تعالیٰ کی مخلوق کی سمجھ سے باہر ہے۔

مچھروں سے بچنے کا وظیفہ مستغفری اسی آیت کے لطائف میں ابوذر سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ جسے مچھر ستائیں اسے چاہیے کہ ایک پانی کے پیالے پر آیت مذکورہ یعنی و ما لنا الا نتوکل علی اللہ (الآیہ) سات مرتبہ پڑھ کر پھر مچھروں کو مخاطب ہو کر کہے:

ان کنتم مومنین فکفوا شرکم و اذاکم عنا۔ اگر تم مومنین ہو تو ہمیں ایذا دینے اور دکھ پہنچانے سے باز آ جاؤ۔

(روح البیان ۳۰۲)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ
رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ
وَعِيدِ ۝ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَاءٍ
صَدِيدٍ ۝ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِنْ
وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي
يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ
خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ
بِعَزِيزٍ ۝ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ
عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ ۖ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا
مَا لَنَا مِنْ مَحِيصٍ ۝

ترجمہ: اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں اپنے علاقے سے ضرور نکال دیں گے یا تم نے ہمارے مذہب میں آجانا ہوگا تو ان کے رب تعالیٰ نے انھیں وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے اور ان کے بعد اس علاقہ میں ہم تمہیں بسائیں گے یہ اس کے لیے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے اور میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے اور انہوں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ہٹ دھرم نامراد ہوا اس کے پیچھے دوزخ ہے اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائیگا اسے گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور اسے گلے سے نیچے نہ کر سکے گا اور اسے ہر طرف سے موت آئے گی اور وہ مریگا نہیں اور اس کے لیے گاڑھا عذاب ہوگا اپنے رب تعالیٰ سے کافروں کا حال ایسا ہے کہ ان کے اعمال راکھ کی طرح ہیں کہ جس پر ہوا کا سخت جھونکا یا اس پر آندھی کے دن ہوا زور سے چلے) وہ اپنی تمام کمائی سے کچھ بھی نہیں پا سکیں گے یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا اگر چاہے تو تمہیں جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل نہیں اور تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور علانیہ حاضر ہوں گے تب کمزور لوگ اپنے بڑے لیڈروں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے تو کیا تم آج ہم سے کچھ عذابِ الٰہی ٹال سکتے ہو۔ وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کرتے ہمارے لیے برابر ہے کہ ہم واویلا کریں یا صبر سے کام لیں ہمارے لیے کہیں پناہ نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۳۹)

یہ کہہ کر اپنے بستر کے ارد گرد وہ پانی چھڑک دے اِن شاء اللہ تعالیٰ اس رات مچھر نہیں ستائیں گے۔

حکایت ـــ مچھروں اور بچھوؤں پر دعویٰ دائر ابن ابی الدنیا نے لکھا ہے کہ افریقہ کے حاکم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو عریضہ بھیجا کہ ہمیں مچھروں اور بچھوؤں وغیرہ نے تنگ کر رکھا ہے آپ ان کے متعلق کوئی تجویز بتائیے آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ صبح و شام وما لنا ان لا نتوکل علی اللہ (الآیہ) بکثرت پڑھا کرو۔

ف : حضرت زرعہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ مچھروں وغیرہ کے لیے بہت مفید ہے۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

مُوذی کتے سے بچنے کا وظیفہ بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ نے کتے سے وعدہ لیا کہ جو کوئی اس کے سامنے وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ پڑھ کر اس کی طرف دم کرے گا وہ اسے ایذا نہیں پہنچائیگا۔

بچھو وغیرہ کی ایذا سے بچنے کا وظیفہ بچھو سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ جو کوئی اس پر سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ پڑھ کر دم کرے گا تو وہ اسے ایذا نہ دے گا۔

مچھروں کا ایذا نہ دینے کا وعدہ اور مچھروں وغیرہ سے وعدہ لیا کہ جو کوئی ان پر وَمَا لَنَا اَنْ لَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ (الآیہ) پڑھ کر دم کرے تو اسے مچھر ایذا نہیں دیں گے۔ اسی طرح جو شخص ان کی ایذا سے بچنے کے لیے آیت مذکورہ سات بار اور اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَلْقُوْا اَشَرَّكُمْ عَنَّا اَيَّتُهَا الْبَرَاغِيْثُ سات بار پڑھ کر اپنے بستر کے اردگرد چھڑک دے۔ ؎

غنیمت شمارند مردان دعا
کہ جوشن بود پیش بلا

ترجمہ : اللہ والے دُعا کو غنیمت جانتے ہیں کہ تیرِ بلا کے لیے دُعا ڈھال ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۳۴۰)

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اور کافروں نے رسل کرام سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین یعنی اپنے شہروں اور علاقوں سے نکال دیں گے اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ عاد بمعنے صار اور فی ملتنا (ظرف) خبر ہے۔

سوال : حضرات انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت ان کے دین پر نہ تھے تو پھر کفار نے انھیں اپنے دین میں لوٹنے کا کیوں کہا۔

جواب : چونکہ قبل از نبوت انبیاء علیہم السلام نے کفار کو ان کے حال پر چھوڑے رکھا تھا کسی قسم کی روک ٹوک نہ فرمائی اس لیے کفار کا گمان تھا کہ شاید وہ ان کے دین پر ہیں۔ پھر جب انہوں نے نبوت کے اظہار کے بعد کفار کو کفر سے روکا تو وہی کہا جو مذکور ہُوا۔

جوابؔ : عاد بمعنے رجع ہے۔ اس سے رسل کرام اور جملہ اہل ایمان مراد ہیں اور چونکہ متعدد اہل ایمان ان کے دین پر تھے اسی لیے یہ خطاب عوام کو ہو گا اور انبیاء علیہم السلام تغلیباً شامل کر دیئے گئے۔

خلاصہ یہ کہ کفار نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے تبعین سے کہا کہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ ورنہ ہم تمھیں شہر بدر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

ف : یہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور تسلی کے کہا گیا ہے تاکہ آپ کفار مکہ کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کریں جیسے سابقہ رسل کرام علیہم السلام نے اپنے زمانے کے کفار کی تکالیف اور اذیتوں پر صبر فرمایا۔

فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ پس رسل کرام علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی رَبُّهُمْ ان کے رب تعالیٰ نے یعنی ان کے جملہ امور کے مالک نے جب دیکھا کہ کفار کا کفر انتہا کو پہنچ چکا ہے اور اب ان کے ایمان کی امیدیں منقطع ہو گئیں تو فرمایا لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ہم ظالمین یعنی مشرکین کو تباہ و برباد کریں گے۔

سوال : تم نے ظالمین کی تفسیر مشرکین سے کیوں کی ؛

جواب : شرک ہی سب سے بڑا ظلم ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛

ان الشرك لظلم عظيم ۔ بیشک شرک بہت بڑا جرم ہے۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ اور اے ایمان والو ! ہم تمھیں ان مشرکین کی زمین اور ان کے مکانات میں ٹھہرائیں گے مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے تباہ و برباد ہو جانے کے بعد تاکہ انھیں لنخرجنکم من ارضنا کے کہنے کی سزا ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ من آذی جاره ورثه الله داره ۔ یعنی جو اپنے ہمسایہ کو ایذاء دیتا ہے اللہ تعالیٰ مظلوم کو ظالم کے گھر کا مالک بنا دیتا ہے۔

حکایت زمخشری کشاف میں لکھتا ہے کہ حدیث مذکور کا نتیجہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وُہ اس طرح کہ میرے گاؤں میں ہی میرا ماموں رہتا تھا۔ اس گاؤں کا چودھری اسے ستایا کرتا تھا اور میں بھی ہر وقت اس کے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہتا تھا تھوڑے عرصہ کے اندر وہ چودھری مرگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام زمین کا مجھے مالک بنادیا۔ ایک دن میں نے اپنے ماموں کے لڑکوں کو دیکھا کہ اس ظالم چودھری کے مکان خاص میں آجا رہے ہیں اور بے دھڑک وہاں بیٹھ کر عوام کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں لیکن انھیں روک ٹوک کرنے والا کوئی نہیں۔ میں نے انھیں حدیث مذکور سنائی وہ سن کر سجدہ میں گر گئے اور شکرِ الٰہی بجالائے کہ وہ وقت یاد تھا کہ اسی گھر میں ہمارے اوپر ظلم کیا جاتا تھا اور آج ہم ہی اس گھر کے مالک ہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے

تحمل کن اے ناتواں از قوی

کہ روزے توانا از وے شوی

لب خشک مظلوم را گو بخند
که دنداں ظالم بخواہند کند

ترجمہ : اے عاجز! طاقتور ظالم کے ظلم پر حوصلہ کر اس لیے کہ کبھی تو اس سے قوی تر ہو گا ۔
مظلوم کے لب خشک کو خوشخبری دو کہ ہنس اس لیے کہ عنقریب ظالم کے دانت اکھیڑ لیے جائیں گے ۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ موحی بہ یعنے اهلاك الظالمين واسكان المومنين ديارهم کی طرف ہے ۔ یعنی وہ وعدہ اور امر حق محقق اور ثابت ہے لِمَنْ خَافَ خوف وہ غم ہے جو تکلیف کے پہنچنے کی توقع سے لاحق ہو یعنی اس کے لیے جو خوف کرتا ہے مَقَامِیْ میری حاضری کو ۔ اس سے موقف حساب مراد ہے اس لیے کہ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حساب کے لیے اپنے ہاں کھڑا کرے گا اس کی مقدار تین سو سال کی ہے اتنے عرصے تک انھیں بیٹھنے کی بھی اجازت نہ ہوگی لیکن اہلِ ایمان کے لیے فرض نماز کی ادائیگی سے بھی آسان تر ہوگا بلکہ انھیں قیامت میں کُرسیاں بچھا کر دی جائیں گی جن پر وہ بیٹھیں گے اور بادل ان پر سائبان بن کر کھڑے رہیں گے اور قیامت کا دن ان کے لیے گھڑی بھر ہوگا ۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عوام دوزخ اور اس میں داخلے اور اس میں رہنے سے ڈرتے ہیں اور خواص جنت اور اس میں داخل ہونے اور اس میں رہنے کی آرزو کریں گے اس لیے کہ وہی اہل ایمان کے لیے دار الاقامۃ ہے اور اخص الخواص مقام وصال کے فوت سے خوفزدہ رہتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ

وَخَافَ وَعِیْدِ یہاں یاء متکلم محذوف ہے دال کی کسرہ کی دلالت کی وجہ سے دراصل وعیدی بالعذاب وعقابی یعنی وہ خوف کرتا ہے میری وعید اور میرے عذاب سے ۔ یعنی اوپر والا مرتبہ اس کے لیے حق ہے دونوں خوفوں کا جامع ہے اور متقین کے لیے بھی ۔ کما قال :

والعاقبۃ للمتقین ۔ اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے ۔

وَاسْتَفْتَحُوْا اس کا عطف فاوحی پر ہے اور ضمیر رسل کی طرف راجع ہے ۔ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اور اس سے فتح و نصرت کا سوال کیا کہ انھیں انکے اعداء پر غلبہ عطا فرمائے ۔ یا استفتحوا کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہے وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ اور ہر سرکش اور ضدی ہلاک ہُوا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو فتح و نصرت کی طلب پر کامیاب فرمایا اور جو کچھ وہ چاہتے تھے ویسے ہی ہوا اور ان کے دشمن خائب و خاسر ہوئے ۔ یعنی انبیاء علیہم السلام سے جو بھی ٹکرایا وہ عذابِ الٰہی کے نزول سے تباہ و برباد ہوگیا ۔ اس معنے پر الخیبۃ بمعنے مطلق محرومی مراد ہے نہ صرف مطلب و مقصد سے محرومی ۔ اگر استفتحوا کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہو تو اس محرومی سے ان کے مقصد کی محرومی مراد ہے کہ انہوں نے جو کچھ طلب کیا اس سے وہ خائب و خاسر ہوئے اور دشمنوں کے دل کی پریشانی کے لیے یہی زیادہ موثر ہے اس لیے کہ جن امور خیر کے لیے وہ اپنے لیے امید رکھتے تھے وہ ان کے دشمنوں (یعنی رسل کرام علیہم السلام) کو نصیب ہوئے ۔ اس سے

انسان کو سخت سے سخت دُکھ پہنچتا ہے کہ جدوجہد کرکے اپنے لیے خیر اور بھلائی کی توقع میں ہو۔لیکن وہ بھلائی اس کے دشمن کو نصیب ہوجائے۔

ف : وخاب کل جبار عنید میں کفار کی سخت مذمت اور سرزنش کی گئی ہے کہ وہ پرلے درجے کے ضدی اور سخت قسم کے جابر و ظالم اور سرکش ہیں۔اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے بعض ایسے نہیں ہوں گے اور نہ ہی ان کو خیبۃ و خسران نصیب ہوگا بلکہ موجبہ کلیہ ہے اس سے ان کا کوئی فرد بھی اس مذمت سے خارج نہیں۔

ف : الجبار ہر وہ شخص جو اپنی مراد پُوری کرانے کے لیے دوسروں کو مجبور کرے اور المتکبر ہر وہ جو طاعت الٰہی سے منہ موڑے اور المتعظم ہر وُہ جو امر الٰہی کے لیے سر نہ جھکائے المعاند ہر وہ جو لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کرے العتیل اور المعاند کا ایک معنٰی ہے یا العنید بمعنے حق سے کنارہ کشی کرنے اور اہلِ حق سے عداوت رکھنے والا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ جو حق سے جنگ یا طاعتِ الٰہی سے رُوگردانی کرتا ہے وُہ سرکش ہے اسے ہرگز نجات نصیب نہیں ہوگی۔

حکایت منقول ہے کہ ولید بن یزید بن عبدالملک نے ایک دن قرآن مجید سے فال نکالی تو یہی ارشادِ گرامی اس کی فال میں نکلا کہ وخاب کل جبار عنید۔ اس نے یہ الفاظ دیکھتے ہی طیش سے قرآن مجید کو پھاڑ ڈالا اور کہا : ؎

اتوعد کل جبار عنید

فہا انا ذاک جبار عنید

اذا ما جئت ربک یوم حشر

فقل یا رب مزقنی الولید

ترجمہ : اے قرآن مجید تو ہر جبار و عنید کو دھمکیاں دیتا ہے سُن لے وُہ جبار و عنید میں ہوں اور جب تم قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو تو کہہ دینا کہ ولید نے مجھے پھاڑ ڈالا تھا۔

اس کے بعد اسے چند دنوں کے اندر قتل کر دیا گیا اور اس کے سر کو محل کے صدر دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ (کذا فی حیوٰۃ الحیوان للامام الدمیری نقلاً عن الماوردی فی کتاب ادب الدنیا والدین)

اعجوبے

- انسان العیون میں ہے مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اور
- اس کا بیٹا عبد الملک عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنا اور
- ولید بن یزید بن عبد الملک سے بھی بہت گندے امور سرزد ہوئے۔

لہ مروان کے لیے مزید زبان کشائی اچھی نہیں اس لیے کہ اس نے بچپن میں بحالت ایمان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور صحابہ جیسی ہستیوں نے اس سے احادیث روایت کیں۔

بعض بنو اُمیہ کی مذمّت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بنو اُمیہ کو بندروں کی شکل میں دیکھ کر ان پر لعنت فرمائی اور فرمایا:

ویل لبنی امیۃ۔ بنو امیہ کے لیے خرابی ہو۔

اسی طرح تین بار فرمایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان سے خیر و اسلام کے صدور کے بجائے شر بلکہ فتنے اور فسادات برپا ہُوئے۔ ہاں چند حضرات اس مذمت سے مستثنیٰ ہیں جیسے حضرت ابو سفیان حضرت امیر معاویہ[1] حضرت عثمان حضرت عمر بن عبدالعزیز وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

ف: بنو اُمیہ کی دولت و سلطنت ابُو مسلم خراسانی کی معاونت سے آلِ عباس کی طرف منتقل ہُوئی۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے منبر پر بندر ناچ رہے ہیں تو آپ نے انہی بنو امیہ (یزید، ولید وغیرہ) کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس کی مزید تفصیل کتب سیر و تواریخ میں دیکھیے۔

مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ اس کے پیچھے جہنم ہے یہ حکم ہر جبار اور سرکش ضدی ہٹ دھرمی پر صادق آتا ہے یعنی وُہ دنیا سے رخصت ہوتے ہی جہنّم میں جائے گا پھر اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں جہنّم ہی جہنّم ہوگی گویا وُہ ابھی سے جہنّم کے لیے نامزد ہوگیا اور دُنیا میں ہی وہ جہنم کے کنارے پر کھڑا ہے جب مرے گا تو عالم آخرت میں اسے سوائے جہنم میں جانے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہوگا۔ یا من وراء سے مراد حیات ہے۔ اس معنے پر بھی مطلب یہی ہوگا کہ موت کے بعد اس کے لیے جہنم ہے۔ اس اعتبار سے وراء بمعنے خلف ہوگا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس جبار و سرکش کے پیچھے جہنم ہے کہ مرتے ہی دارِ آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

ف: وراء کا حقیقی معنیٰ ہے:

ما توارٰی عنك و احتجب و استتر۔ وُہ شے تم سے پوشیدہ اور محجوب و مستور ہے۔

اس معنے پر یہ الفاظ اضداد یہ سے نہ ہوگا۔ بلکہ یہ ایسے محلِ وقوع پر ہے کہ جس پر دونوں متضاد معانی صادق آسکتے ہیں۔

ف: المطرزی نے فرمایا کہ وراء بروزن فعال اور اس کی لام کا بالمقابل ہمزہ ہے گویا یہ مہموز اللام ہے۔ یہی سیبویہ اور ابو علی فارسی کا مذہب ہے اور عام نحوی اسے ناقص یائی بناتے ہیں اور یہ اسم ظرف مکان ہے بمعنے خلف و قدام اور کبھی استعارہ کے طور ظرف زمان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

---

[1] شیعہ تو ویسے ہی بدبخت گروہ ہے افسوس ہے کہ بہت سے سُنّی کہلوانے والے حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت کوستے اور غلیظ تبرا کرتے اور کم از کم ان سے بغض رکھتے ہیں۔ یہ ان کی لاعلمی اور حماقت یا بے خبری ہے اللہ تعالیٰ سمجھ دے تفصیل فقیر کے رسالہ "الرفاہیہ عن ذم معاویہ" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

وَيُسْقٰى اس کا عطف فعل مقدر پر اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے سوال کیا کہ ایسے جبار عنید کا مرنے کے بعد جہنم میں کیا حال ہوگا تو جواب ملا یلقٰی فیھا و یسقٰی اسے جہنم میں ڈالا جائے گا اور پلایا جائے گا۔ یہاں پر یلقٰی (فعل) محذوف کر کے یسقٰی کا اسی پر عطف ڈالا گیا ہے مِنْ مَّآءٍ یہ ایک مخصوص پانی ہوگا جسے اسی پانی سے کوئی مناسبت نہیں ہے صَدِيْدٍ پیپ یعنی وہ زرد پانی جس میں خون کی ملاوٹ ہو یا اس سے وہ میل کچیل مراد ہے جو جہنمیوں کے اجساد سے گندا اور بدبودار پسینہ اور زانیوں کے ذرج سے پلید اور غلیظ پانی وغیرہ خارج ہوگا یہ ماء کا عطف بیان ہے اسے پہلے مبہم طور پر ذکر کیا گیا ہے پھر اسے صدید سے مفصلاً بیان کیا گیا اس کی گندگی کے اظہار اور اس کے معاملہ کے ہیبت ناک ہونے کی وجہ سے۔

نکتہ: اسے عذاب جہنم کے ذکر کے بعد بطور خصوصیت سے اس کے ذکر کی وجہ یہی ہے کہ بندوں کو معلوم ہو کہ یہ بہت سخت قسم کا عذاب ہوگا۔

ف: یا صدید، ماء کی صفت ہے یا ان کے نزدیک ہے کہ نکرات سے عطف بیان کے جواز کا قائل نہیں۔ ان سے بصری نحوی مراد ہیں۔

سوال: مذکرہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ وہ پانی تو نہ ہوگا لیکن قرآن مجید میں اسے ماء سے تعبیر کیا ہے۔

جواب: چونکہ جہنمیوں کو بجائے پانی کے وہی پلایا جائے گا۔ اسی معمولی سی مناسبت سے اسے پانی کہا گیا ہے۔ یا یہ زید اسد کے قبیل سے ہے۔ اس معنے پر ماء اپنے حقیقی معنے پر ہوگا اور پہلے معنے پر مجازی معنے پر۔ (کذا قال ابو اللیث) بعض مفسرین نے فرمایا چونکہ اس کی ہیئت پانی سی ہوگی اسی لیے اسے پانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دنیا سے نشہ کی حالت میں رخصت ہوا یعنی نشہ والی چیز کھانے پینے (عادت کے طور پر) سے مرا تو وہ قبر میں نشہ والا ہو کر جائے گا اور حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں ڈالا جائے تو اسی نشہ والی ہیئت سے جائے۔ جہنم میں ایک چشمہ ہے جس میں پیپ اور خون ہوگا وہی اس کا کھانا ہوگا وہی اس کا پینا جب تک آسمان و زمین ہیں یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

يَتَجَرَّعُهٗ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ گویا کسی سائل نے سوال کیا کہ جس وقت جہنمی کو ایسا غلیظ پانی ملے گا تو پھر وہ اسے کیا کرے گا [illegible] کا جواب دیا کہ یتجرعہ۔ یہ تفعل کا باب ہے اور اس میں تکلف ہوتا ہے اور تکلف کا یہ مطلب ہے کہ فعل کا فاعل اس فعل کا ارادہ کرے تا کہ وہ اسی کے ارادہ سے حاصل ہو۔ مثلاً التشجع بمعنے شجاعت کو حاصل کرنے کے لیے نفس کو تکلیف [illegible] لینا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ بندہ پیاس اور حرارت کے غلبے سے بہ تکلف ایک گھونٹ پئے پھر چھوڑ دے پھر پئے پھر چھوڑ دے یکدم اسے نہیں پی سکے گا اس کی کڑواہٹ، گرمی اور بدبو کی وجہ سے۔ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ اور نہیں قریب [illegible] اسے گلے سے نیچے اتار سکے اسے گلے سے نیچے اتارنا تو درکنار اسے دیکھنا بھی گوارا نہ ہوگا۔ مگر بوجہ مجبوری چھوٹے چھوٹے گھونٹ [illegible] وہ بھی بڑی مشکل سے ایک کے بعد دوسرا بڑی دیر کے بعد، اس طرح سے یہ عذاب بھی اس کے لیے طول پکڑ جائیگا

کہ پیاس سے جان لبوں پر، پھر اسے بجھایا جائے گا تو پانی ایسا گرم کہ منہ کو لگے تو منہ کا چمڑا ادھیڑ ڈالے۔ اگر پیٹ میں جائے تو آنتیں باہر نکال دے۔

ف: السوغ یعنے پانی میں حلق سے آسانی سے گرنا پھر طبیعت کا خوشی سے اس کا قبول کرنا لا یکاد یسیغہ میں سوغ کی نفی سے بالکلیہ اس کے پینے کی نفی نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب وہی پانی اس کے قریب لایا جائے گا تو اس سے وہ نفرت کرے گا لیکن منہ کے قریب لایا جائے گا تو اس کے چہرے کو جلا دے گا یہاں تک کہ اس کے سر کے ٹکڑے کٹ جائیں گے۔ اسی طرح جب اس کے پیٹ میں جائے گا تو اس کی آنتیں پیٹ میں گل سڑ کر دُبر سے نکل جائیں گی۔

وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ اور اس کے ہاں موت آئے گی یعنی موت کے اسباب یعنی شدائد و آلام مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ہر طرف سے یعنی تمام شش جہات سے۔ یہاں پر مکان بمعنے ظرف ہے یا من کل مکان کا معنے یہ ہے کہ اس کے جسم کے ہر پُرزے سے یہاں تک کہ بال بال اور پاؤں کے انگوٹھوں وغیرہ وغیرہ سے موت یعنی شدائد و آلام کا صدور ہوگا اس سے بندے کو ڈرانا اور قیامت کی ہولناکی کا اظہار مطلوب ہے یعنی اگر قیامت میں موت ہو تو ایسے بدبخت انسان ہلاک اور تباہ و برباد ہونگے وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ حالانکہ وہ مرے گا نہیں کہ جس سے اسے ایسے شدائد و آلام سے استراحت اور آرام نصیب ہو وَمِنْ وَّرَآئِهٖ اور اس کے آگے یعنی پیپ اور گندا پانی پینے کے بعد یعنی اتنی شدائد و آلام کی محنت میں مبتلا ہونے کے باوجود عَذَابٌ غَلِيْظٌ ایک گاڑھا عذاب ہوگا کہ جس کی کنہ کسی کو معلوم نہیں۔ یعنی کافر کی ہر آنے والی گھڑی گزشتہ گھڑی سے اشد اور گراں تر ہوگی۔ جیسے دُنیا میں تکالیف سے آرام و قرار کی امیدیں ہوتی ہیں وہاں تمام آس اُمید منقطع ہو جائے گی۔

ف: حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہاں سانس کو اجسام میں بند کر دیا جائے گا اور بدترین عذاب سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سُولی پر چڑھانا دُنیا کی سخت اور بُری سزا تصور کی جاتی ہے (نعوذ باللہ)

ف: ایسے شدید عذاب سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں چچے (ابُولہب اور ابو طالب) مستثنیٰ ہیں۔

میلاد شریف کی برکت اور ابُولہب جیسا بدبخت

ابُولہب کی ثویبہ نامی لونڈی تھی جس نے سب سے پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا۔ یہ اولیت اضافی ہے یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے بعد تمام عورتوں میں سب سے پہلے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو دُودھ پلانے والی ثویبہ ہیں۔ ثویبہ نے ابُولہب کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی مبارک پیش کی اور کہا اے ابولہب! تمہیں معلوم ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو بچہ پیدا ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اے ابولہب! تیرے بھائی [illegible] کے ہاں صاحبزادہ پیدا ہوا ہے۔ ابولہب نے خوشی سے اس لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے میلاد کی خوشی کی اسے یوں جزادی کہ ہر پیر کو اسے جہنم میں پانی عطا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ پانی کی وہ مقدار سبابہ اور انگوٹھے کی

دلیل دوم مواہب لدنیہ شریف میں ہے کہ ابولہب کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جہنم کی آگ میں ہوں صرف سوموار کی شب کو مجھے عذاب سے تخفیف نصیب ہوتی ہے اور دونوں انگلیوں سے پانی چوستا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری سنائی تھی[1] (کذا فی انسان العیون)

ابوطالب جہنم میں[2] حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوطالب کے متعلق حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اس بیچارے کو کچھ فائدہ بھی ہوا جبکہ وہ آپ کے لیے ہر جگہ ڈھال بن جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ جہنم کے اوپر کے کنارے پر ہے۔ اگر میرا وسیلہ نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نچلے طبقے میں ہوتا۔

کافر کے لیے شفاعت قبول حدیث شریف میں ہے: شفاعت سے کافر کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔

ف: یہ حدیث مخصوص ہے صرف ابوطالب کے بارے میں ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے کہ آپ کی وجہ سے کفار کے عذاب میں تخفیف ہو گئی۔ (فی شرح الشارق لابن الملک)

خصوصیتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کافر کی تخفیف عذاب کی شفاعت کی قبولیت صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے ورنہ قرآن مجید میں عام حکم ہے کہ: فما تنفعھم شفاعة الشافعین۔ یعنی انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں میں اپنے والدین، ابوطالب اور جاہلیت میں مرنے والے بھائی کی شفاعت کروں گا۔ ان کے متعلق میری شفاعت قبول ہو جائے گی۔

ف: جاہلیت میں مرنے والے بھائی سے مراد آپ کا رضاعی بھائی ہے جو بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا کا صاحبزادہ تھا۔

ف: یہ روایت اس حدیث شریف سے پہلے کی ہے جس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے والدین کو زندہ کر کے انہیں دولتِ ایمان سے نوازا۔ اسی طرح آپ کے رضاعی بھائی کے متعلق ہے کہ اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے یونہی فرمایا ورنہ صحیح مذہب یہ ہے کہ بی بی حلیمہ اور ان کی جملہ اولاد مسلمان ہوئے۔ (کذا فی انسان العیون)

---

[1] اس سے وہابی دیوبندی نجدی مودودی تبلیغی وغیرہم عبرت حاصل کریں۔

[2] ابوطالب کے بارے میں تین قول ہیں،

۱۔ کفر ۲۔ ایمان ۳۔ توقف

صحیح اور دلائل سے اس کا کفر ثابت ہے اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایضاح المطالب کتاب لکھی ہے۔

حدیث شریف سب سے آسان عذاب اس شخص کے لیے ہوگا جسے کہا جائے گا کہ اگر زمین کی تمام دولت تمہیں عطا ہو تو کیا تو اسے دے کر اپنے آپ کو بچائے گا۔ وہ کہے گا ہاں۔ اللہ تعالیٰ سے حکم ہوگا کہ میں نے تیرے لیے اس سے اور آسان تر بنایا جبکہ تو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا اور کہا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا لیکن تو نے بضد ہو کر میرے ساتھ شریک بنائے۔ (کذا فی المصابیح)

مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ اپنے رب تعالیٰ سے کفر کرنے والوں کا حال یہ ہے۔ یعنی ان کی عجیب شان یہ ہے یہ بھی غرابت میں کہاوت کے طور مستعمل ہے۔ وہ مبتدا اور اس کی خبر اَعْمَالُھُمْ کَرَمَادٍ ہے۔ یہ اس محاورہ سے جیسے کہا جاتا ہے:

صفة زید عرضهٗ مهتوك و مـالـه منهوب۔ اس کی عزت لوٹی گئی اور اس کا مال برباد کیا گیا۔

یا اس کی خبر محذوف ہے کہ در اصل فیما یتلی علیکم مثلهم تھا۔ اور اعمالهم جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے سوال کیا کہ ان کی مثال کیسی ہے تو اس کے جواب فرمایا اَعْمَالُھُمْ کَرَمَادِ ِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ ان کے اعمال اس راکھ جیسے ہیں کہ جس پر سخت ہوا کا جھونکا آیا۔ الاشتداد بمعنے العدو دوڑنا یعنی ہوا کا جھونکا آنا یہ باٗ تعدیہ کی ہے۔ اشتدت به ای حملته واسرعت فی الذهاب به یعنی اسے اٹھایا اور جلدی سے لے اڑی۔ کاشفی نے کہا:

ہمچو خاکستریست کہ سخت بگزرد برو باد۔ ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہوں گے کہ جس پر سخت ہوا چلے۔

فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ اس دن میں جس کی ہوا سخت اور قوی ہو۔ گویا یہ عبارت عاصف ریحہ تھی۔ ریح کو حذف کر کے اس کی جگہ یوم لایا گیا ہے پھر یوم کو عاصف سے مجازاً موصوف کیا گیا ہے۔ جیسے:

یوم ماطر (بارش والا دن) اور لیلة ساکنة و انما السکون لریحها (رات کا سکون ہوا کے نہ ہونے کے باعث ہوتا ہے)

یہاں بھی یوم کو ماطر اور رات کو ساکنة کہنا مجاز ہے۔

لَا یَقْدِرُوْنَ وہ قیامت میں قادر نہ ہوں گے مِمَّا کَسَبُوْا اس میں سے جو دنیا میں انہوں نے نیک کام کیے عَلٰی شَیْءٍ کسی شے پر۔ یعنی اپنے دنیا کے نیک اعمال کا آخرت میں ثواب کا کوئی اثر نہیں پائیں گے اور نہ ہی اس وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ جیسے ہوا میں اڑنے والی راکھ کا کوئی اثر نہیں دیکھا جاتا ذٰلِكَ یہ اشارہ اس تمثیل کی طرف ہے جو ان کی گمراہی پر دلالت و انحم کے طور بیان کی گئی ہے۔ یعنی ان کے کفر اور اعمال کو اسی راکھ کی طرح سمجھو اور ان کے تفاخر و

ریا کا بھی یہی حال ہے اگرچہ وہ انہیں اپنے لیے بہتر اور احسن اعمال تصور کرتے ہیں اسے جہل مرکب اور ایک قسم کی گندی بیماری سمجھو کہ ان کے بُرے اعمال انہیں بھلے لگے اسی بنا پر نہ ان سے استغفار کرتے ہیں نہ توبہ۔ بخلاف گنہگار اہلِ ایمان کے کہ وہ اپنی غلطیوں اور گناہوں کو غلط او گناہ وخطا سمجھ کر توبہ واستغفار کرتے ہیں اسی لیے کافروں کے لیے فرمایا هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ وہ گمراہی بعید ہے یعنی گناہوں کا مرتکب طریق حق وصواب اور ثواب کی منزل سے کوسوں دُور ہے۔

ف : بُعد اور دُوری کو ضال ومُضل کی طرف اسناد کے بجائے گمراہی کی طرف کیا جانا مجازًا اور بطور مبالغہ کے ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے کفار کے اعمال صالحہ جیسے صدقہ. صلۂ رحم . عتق الرقاب . فک الاسیر. مظلوموں کی فریاد رسی، مہمان نوازی کے لیے اُونٹ ذبح کرنا، اسی طرح کے دیگر مکارم اخلاق کے ضیاع کو اڑتی غبار سے تشبیہ دی۔ جیسے اس اُڑتی غبار کی کوئی بنیاد نہیں ایسے ہی یہ اعمال ایمان اور معرفتِ الٰہی کی بنیاد نہ ہونے کے باعث اڑتی ہوئی راکھ کی مانند ہیں کہ جیسے سخت آندھی سے اس کا نام ونشان مٹ جاتا ہے ایسے ہی ان کے اعمال صالح مرنے کے بعد بیکار اور برباد ہو جائیں گے۔ پھر جیسے اس طرح کی سخت آندھی سے گرد وغبار اور راکھ کو محفوظ نہیں رکھا جا سکتا اور نہ ہی اس سے کوئی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ایسے ہی وہ اعمالِ صالحہ جو کفر وشرک کی حالت میں کیے جائیں ان سے بھی کسی قسم کا فائدہ نہ ہوگا۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہُوا کہ کافر ومشرک اور اعتقادًا بدعتی[1] کے اعمال مردود اور نامقبول ہیں۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال کی بنا ایمان یعنی اخلاص ہے۔

ع

گر نباشد نیت خالص چہ حاصل از عمل

ترجمہ : اگر نیت خالص نہ ہو تو اس عمل صالح کا کوئی فائدہ نہیں۔

حدیث شریف طبرانی شریف میں ہے بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ یعنی ابو جہل بن ہشام کا بھائی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلہ رحمی، ہمسایہ پروری، یتیم نوازی، مہمان نوازی اور مساکین کی خبرگیری کی ترغیب دلاتے ہیں (گویا ان کا بہت ثواب ہوگا) اور میرا والد (ہشام) تمام مذکورہ بالا امور کا پابند تھا کیا اسے بھی ان کا ثواب ملے گا؟ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینے کے بغیر مرا تو سمجھو اس کی قبر جہنم کا ایک انگارہ ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے چچا ابو طالب کو جہنم کے ایک گڑھے میں پایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے میری وجہ سے کہ اس نے میرے ساتھ

---

[1] جیسے مرزائی، نیچری، چکڑالوی، خاکساری، پرویزی، مودودی، تبلیغی، وہابی، دیوبندی، شیعہ وغیرہ۔ ان تمام فرقوں کے اعتقاد اسلام کے خلاف ہیں اسی لیے شرعًا یہی فرقے بدعتی ہیں۔ اویسی غفرلہ

احسان کیا تھا اس گڑھے سے معمولی سے انگاروں پہ رکھا۔

ف: ضحضاح بمعنے مقدار ما یغطی قدمیہ یعنی قدموں کے پوشیدہ ہونے کے اندازے کا نام ضحضاح ہے۔ اور ابوطالب کو اتنی مقدار کی جہنم میں رکھا گیا ہے گویا اس کے عذاب میں تخفیف کی گئی ہے اور یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے جو آپ کی وجہ سے ابوطالب کو اتنی تخفیف نصیب ہوئی۔ اس کی مختصر تحقیق ابھی گزری ہے۔

عجیب کہانی بی بی عائشہ کے چچازاد کی زبانی

منقول ہے کہ عبداللہ بن جدعان یعنی ابن عم عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ابتدائی دور میں بہت تنگدست اور مفلس تھا لیکن بہت شرارتی اور فسادی تھا خونریزی اور دنگا فساد اس کا عام مشغلہ تھا اس کا والد اور اس کی قوم اور اس کے جرمانے کی ادائیگیوں سے تنگ آگئی اور اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگی۔ وہ ان کی ترچھی نگاہوں سے تنگ ہو کر دیوانہ وار مکہ معظمہ سے باہر نکل گیا اور چاہتا تھا کہ ایسی تلخ اور تنگ زندگی سے چھٹکارا مل جائے۔ اسی بہانے پہاڑ کی غار میں ایک سرنگ میں چلا گیا۔ کچھ آگے بڑھ کر دیکھا کہ ایک بڑا سانپ بیٹھا ہے جس کی آنکھیں گیس کی طرح روشن ہیں ڈر کے مارے پیچھے ہٹا۔ لیکن موت کی آرزو سے کچھ آگے بڑھا۔ اس طرح کئی بار ہوا۔ لیکن وہ سانپ ٹس سے مس نہ ہوا اور جُوں کا تُوں پڑا رہا۔ اس سے اسے یقین ہو گیا کہ یہ سانپ کی صرف ظاہری شکل ہے لیکن اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ چنانچہ آگے بڑھ کر اسے ہاتھ میں تھام لیا دیکھا تو وہ سونا ہی سونا ہے جس کے آگے دو آنکھیں یاقوتی ہیں انھیں توڑ کر پھر دوبارہ اسی جگہ گیا جہاں سے یہ سانپ اٹھایا تھا۔ وہ سانپ دراصل ایک اندرونی محل کے دروازے کا ڈھکنا تھا ڈھکنا اُٹھتے ہی محل کا دروازہ کھلا اندر چلا گیا تو اس میں بہت بڑا شاہی محل تھا۔ اور وہی محل سونے، چاندی، جواہرات، موتی، یاقوت، لؤلؤ، مرجان، زبرجد سے پُر تھا۔ حسبِ منشاء سونا چاندی جواہرات موتی وغیرہ اٹھا کر اس جگہ نشان لگا دیا تاکہ بوقتِ ضرورت یہاں سے اٹھا لیا کرے۔ اسی طرح گاہے گاہے اس محل میں آتا اور حسبِ ضرورت سونا چاندی موتی جواہرات اٹھا کر لے جاتا۔ ایک دن اسی محل میں آیا اس میں ایک سنگِ مرمر کی تختی ملی جس پر لکھا تھا،

انا نفیلہ بن جرهم بن قحطان بن هود نبی اللہ (علیہ السلام) عشت خمسمائة عـام وقطعت غور الارض ظاهرها و باطنها فی طلب الثروة والمجد والملك فلم یکن ذٰلك منجیا من الموت۔

میں نفیلہ بن جرہم بن قحطان بن ہود (علیہ السلام) ہوں۔ میں نے اس دنیا میں پانچسو سال عمر پائی میں نے زمین کا کونہ کونہ چھان مارا۔ اس کے ظاہری اور اندرونی خزانے جمع کیے اور ہر قسم کی دولت اور عزت و عظمت پائی لیکن باوجود انہمہ موت کے حملہ سے بچاؤ نہ ہو سکا۔

۵

۱ جہان اے پسر ملک جاوید نیست
ز دنیا وفاداری امید نیست

۲ نہ برباد رفتے سحر گاہ و شام
سریر سلیمان علیہ السلام

۳ بآخر ندیدے کہ برباد رفت
خنک آنکہ با دانش وداد رفت

ترجمہ : ۱-اے عزیز دنیا کا مالک ہمیشہ کا نہیں دنیا سے وفاداری کی امید نہ رکھ۔
۲۔ تجھے معلوم نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا پر چلتا تھا۔
۳۔ بالآخر تم نے دیکھا کہ وہ تخت مٹ گیا۔ (معلوم ہوا کہ) وہی خوش نصیب ہے جو دانش وانصاف سے زندہ رہا۔

عبداللہ بن جدعان نے اپنے والد کے ہاں بہت سا مال بھیجا اور عرض کی کہ آپ اور آپ کی قوم نے میری طرف سے جتنے جرمانے ادا کیے یا ادا کرنے ہیں یہ مال حاضر ہے خرچ کیجئے ضرورت ہو تو اور منگوا لیجئے۔اسی طرح اس نے اپنی تمام برادری کے لوگوں کو بیشمار دولت بھجوائی۔

جُود وسخا کے باوجود جہنّم نصیب ہُوئی

اسی طرح عبداللہ بن جدعان اس خزانے سے خرچ کرتا رہا اور عوام الناس کو دنیا و دولت لٹاتا رہا۔ جود وسخا کے علاوہ اس کی کوئی نیکی نہ تھی۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک اتنی بڑی دیگ تھی کہ اُونٹ کا سوار اس کے قریب قریب کھڑے طعام اُٹھا لیتا تھا نہ اسے اُترنے کی ضرورت پڑتی اور نہ ہی چمچہ وغیرہ کی حاجت۔ ایک لڑکا اس دیگ میں گرا تو اس کی تہ تک چلا گیا اور وہیں اس کی موت واقع ہُوئی یہ دیگ طعام سے ہر وقت تیار رہتی تھی اور غرباء و مساکین کھاتے رہتے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ! ابن جدعان زمانۂ جاہلیت میں صلۂ رحمی کرتا اور غرباء و مساکین کو طعام کھلاتا تھا کیا قیامت میں یہ نیکی اسے کام دے گی؟ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اس لیے کہ اس نے ایک دن بھی "رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین (اے اللہ! قیامت میں میرے گناہ بخشنا)" نہیں کہا تھا۔ یعنی وہ مسلمان نہ ہُوا حالانکہ اس نے بعثت کا زمانہ بھی پایا تھا۔ اسی لیے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے جہنّم میں جائیگا۔
(کذا فی انسان العیون)

حاتم طائی کی لڑکی دربارِ رسالت میں

مروی ہے کہ قبیلۂ طے کے قیدی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان میں ایک لڑکی قیدیوں میں تھی اس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بہتر ہے کہ آپ مجھے رہا فرمادیں اور مجھے عرب میں رسوا نہ فرمائیں اس لیے کہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں میرا باپ عاجزوں مسکینوں کی جائے پناہ تھا، غلام آزاد کرتا اور بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، اس کا لنگر عام ہر وقت جاری رہتا تھا، کسی سائل کا سوال رد نہ کرتا تھا۔ اس کا نام حاتم طائی تھا اور میں اسی کی لڑکی ہوں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: بیٹی! یہی مسلمانوں کا طریقہ ہے اگر تیرا والد مسلمان ہوتا تو میں اس کے لیے ضرور رحمت کی دعا کرتا۔ یہ فرما کر حکم دیا کہ اس لڑکی کو چھوڑ دو اس لیے کہ اس کا والد مکارم اخلاق رکھتا تھا اور اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق کو دوست رکھتا ہے۔

حاتم طائی کی سخاوت سے دوزخ حیاء کرتی ہے

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب شبِ معراج جہنم کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک گوشے میں ایک مرد پڑا ہے لیکن اسے آگ نہیں جلاتی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اسے آگ کیوں نہیں جلاتی۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یہی حاتم طائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جود و سخا کی وجہ سے آگ کو حکم دیا ہے کہ اسے نہ جلائے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

۱ کنون بر کف دست نہ ہرچہ ہست
کہ فردا بدندان گزی پشت دست

۲ مگردان غریب از درت بے نصیب
مبادا کہ گردی بدرہا غریب

۳ نہ خواہندۂ بر در دیگران
بشکران خواہندہ از در مران

۴ پریشان کن امروز گنجینہ چست
کہ فردا کلیدش نہ در دست تست

ترجمہ: (۱) مال ابھی تیرے ہاتھ میں ہے اسے راہِ خدا میں لٹا دے ورنہ کل کفِ افسوس ملے گا۔
(۲) کسی کو اپنے در سے بے نصیب کر کے نہ لوٹا ایسا نہ ہو کہ پھر تجھے در در کی بھیک مانگنی پڑے۔
(۳) جب تو کسی کا محتاج نہیں تو شکر کر اپنے در سے کسی کو محروم نہ لوٹا۔
(۴) آج ہی خزانہ خیرات کر دے کہ کل تیرے ہاتھ سے چابی نکل جائے گی۔

اَلَمْ تَرَ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے آپ کی اُمت مراد ہے۔ جیسا کہ یذہبکم سے معلوم ہوتا ہے اور اُمت سے بھی امت دعوت اور رؤیت سے رؤیت قلبی مراد ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک کو ہے اس لیے کہ آپ اوّل المخلوق ہیں چنانچہ فرمایا:

فان اول ما خلق اللہ روحه ثم خلق السموٰت و الارض و روحه ناظر مشاهد خلقهما[1]

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کی روح مبارک کو پیدا فرمایا اس کے بعد آسمان و زمین کو۔ اس معنے پر آپ کی روح نے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کا معائنہ فرمایا۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو معلوم نہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ اس معنے پر یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے یقیناً دیکھا اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ چونکہ آسمان اور زمین پر اللہ تعالیٰ کے افعال کے آثار ظاہر اور ان کے متعلق اخبار متواترہ موجود ہیں۔ اسی لیے اے مخاطب! وہ آثار تیرے سامنے ہیں۔ فلہٰذا تم ان کا مشاہدہ کرو بِالْحَقِّ درانحالیکہ ان کی تخلیق حکمتِ بالغہ سے متلبس ہے اور ان کی تخلیق نہ عبث ہے نہ باطل اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اگر چاہے تو اے لوگو! تم سب کو لے جائے۔ یعنی دُنیا سے مٹا کر بالکل فنا کر دے وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ اور تمہارے بدلے لائے دُوسری مخلوق جو تمہاری جنس کے آدمی ہوں یا کوئی اور جو تم سے اچھے اور تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہوں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان یشا یذهبکم اے لوگو! تمہیں لُطف و قہر کے فیض کی استعداد کے لیے پیدا کیا گیا لیکن تم نے قبول نہ کیا تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں لے جائے و یأت بخلق جدید اور انسان کے سوا ایک ایسی مخلوق پیدا کر دے تو اسی فیض لُطف و قہر کی استعداد رکھتے ہوئے اسے قبول کرلے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لیے جس طرح کی ترتیب بتائی۔ یہ اتنا بلیغ ہے کہ اس کی نظیر ناممکن کہ جب اللہ تعالیٰ اتنی بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اگر وہ زمین و آسمان کے بہت بڑے کارخانے کھڑے کر سکتا ہے تو تمہارے بجائے اور انسانی مخلوق کے بجائے اوروں کو پیدا کر سکتا ہے۔

---

[1] حاضر و ناظر کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کی روح کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "حاضر و ناظر" میں دیکھیے۔

تفسیر عالمانہ اسی لیے فرمایا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں بلکہ آسان تر ہے۔ کیونکہ وُہ جمیع ممکنات پر قادر لذاتہ ہے اس کے لیے تخصیص نہیں کی جا سکتی کہ وہ فلاں شے کو پیدا کر سکتا ہے اور فلاں کو نہیں۔ وہ جس شے کا ارادہ کرتا ہے تو کُن کہہ کر پیدا فرما دیتا ہے۔ ؎

کار اگر مشکل اگر آسا نست

ہم در قدرت او یکسانست

ترجمہ: اگر کوئی کام مشکل یا آسان ہے اس کی قدرت کے آگے تمام برابر ہیں۔

مسئلہ: اس کی شان یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ثواب کی امید رکھی جائے اور اس کے عذاب سے خوف کیا جائے۔

مسئلہ: آیت اس کی کمال قدرت اور اس کے صبور ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ وُہ عاصیوں کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دینے میں عجلت نہیں کرتا۔

حدیث شریف حضرت ابو مُوسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر اور کوئی صابر نہیں کہ وہ بندوں سے ایذا پا کر بھی روزی میں کمی نہیں کرتا اور نہ ہی ان کی صحت و عافیت میں خلل ڈالتا ہے۔ بندوں کی ایذا یہ ہے کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے اور اس کی اولاد بتاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

نکتہ: سزا دینے میں تاخیر اس لیے کرتا ہے کہ بندے کو توبہ کا موقع نصیب ہو اور گناہ بار بار کرنے پر مہلت دے کر قیامت میں حجت قائم کر سکے۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتا رہے اس لیے کہ وہ ذو القہر والکبریا والجلال ہے۔

ایک پہاڑ کی کہانی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر پر جا رہا تھا مجھے سخت پیاس لگی میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے سامنے والے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اسے جا کر میرا سلام کہو وہ تمہیں پانی پلا دے گا بشرطیکہ اس کے اندر پانی ہو۔ میں (حضرت جعفر) اس کے پاس گیا اور اس (پہاڑ) سے کہا اے پہاڑ! تم پر حضور اکرم کا سلام ہو۔ پہاڑ نے زبان قال سے کہا لبیك یا رسول اللہ۔ اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا غلام حاضر ہے کیا حکم ہے۔ میں نے کہا مجھے پیاس لگی ہے مجھے پانی پلا دو۔ اس نے عرض کی کہ میرا سلام بارگاہِ رسالت میں پیش کر کے عرض کرو کہ جب سے میں نے خدا کا یہ کلام سنا ہے:

فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ۔ اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پہاڑ ہیں۔

اس روز سے میں رونے لگا ہوں کہ شاید ان پتھروں میں مَیں بھی ہُوں روتے روتے اب میرے اندر پانی کی ایک بُوند بھی نہیں رہی۔

مسئلہ : آیت میں کفر و معصیت پر زجر و توبیخ ہے اگر اس کے بجائے ایمان وطاعت ہو تو انسان کو بشارت نصیب ہوگی۔ اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

حکایت عجیبہ حضرت اسماعیل محاملی فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں ایک فضا (کھلے میدان) میں ہوں میں مشرق و مغرب کے ذرہ ذرہ کو دیکھ رہا ہوں۔ اسی اثنا میں ایک فرشتہ آسمان سے اترا اس نے زمین کے دائیں بائیں اطراف سے کوئی شے اپنے دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر اپنے سینے سے لگائی پھر اسے لے کر آسمان کو چلا گیا۔ اسی طرح تیسری بار تشریف لایا اور حسب دستور زمین سے کچھ سمیٹنے کا ارادہ کیا لیکن بڑھانے ہوئے ہاتھ واپس کر کے سمیٹنے کا ارادہ ترک کر لیا جب وہ لوٹنے لگا تو مجھ سے فرمایا مجھ سے کچھ پوچھو۔ میں نے عرض کی آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں فرشتہ ہوں اللہ تعالیٰ نے پہلی بار مجھے بھیجا کہ میں زمین سے خیر و برکت اٹھاؤں۔ چنانچہ پہلی بار میں نے خیر و برکت اٹھائی، دوبارہ میں نے شفقت اٹھائی، تیسری بار روئے زمین سے ایمان اٹھا لیجانے کا ارادہ کیا لیکن ندا آئی کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کا ایمان محفوظ رکھنے کی شفاعت کی ہے میں نے ان کی شفاعت قبول کر لی ہے فلہذا میں ان کی امت سے ایمان سلب نہیں کرتا لوٹ آؤ۔ میں نے دیکھا کہ وہ تیسری بار آسمان پر خالی ہاتھ جا رہے تھے۔ (کذا فی زہرۃ الریاض)

ف : قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ امت سے ایمان و قرآن کو آسمان پر اٹھالے گا اس وقت انسان بشکل آدمی ہوں گے اور درحقیقت انسانی سیرت سے خالی ہوں گے اس کے بعد انہیں بھی فنا کر دے گا صرف اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت باقی رہے گی۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

با غیر او اضافت شاہی بود چنانک
بر یک دو چوب پارہ ز شطرنج نام شاہ

ترجمہ : غیروں کو بادشاہ کہنا بھی عجیب ہے۔ دو ٹکڑے لکڑی کے جوڑ کر شطرنج والے اسے بادشاہ کہتے ہیں۔

وَبَرَزُوْا اور ظاہر ہوں گے۔ یعنی میدان محشر کے لیے مردے قبروں سے ظاہر ہوں گے۔ یعنی قبروں میں برزخی زندگی ختم کر کے نفخۂ ثانیہ کے وقت قبروں سے اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ثم نفخ فیہ اخری فاذاھم قیام ینظرون۔	پھر نفخ صور ہوگا تو وہ اٹھیں گے دیکھتے ہوئے۔

ماضی کو مضارع کے بجائے لانے میں تحقق و قوع مطلوب ہے لِلّٰہِ ای لامر اللہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور حساب دینے کے لیے اٹھیں گے یہاں بوزوا محذوف ہے اور لام علت کے لیے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور حساب کے لیے قبروں سے مُردے ظاہر ہوں گے جَمِیْعًا سب کے سب یعنی مومن و کافر۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی) یا اس سے ان کے سردار اور ان کے اتباع جمع ہو کر

حشر و حساب کے لیے حاضر ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا :

وحشرناھم فلم نغادر منھم احدا ۔ (کذا فی تفسیر ابی السعود) — اور ہم انہیں قیامت میں اٹھائیں گے ان میں کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا کافروں کے عوام اور کمزور لوگ کہیں گے۔ ضعفاء ضعیف کی جمع ہے۔ ضعف کبھی نفس اور کبھی بدن اور کبھی حال اور کبھی رائے میں ہوتا ہے۔ یہاں پہلا معنیٰ مراد ہے اس لیے کہ اگر ان میں رائے کا ضعف نہ ہوتا تو کافروں کی تابعداری نہ کرتے اور نہ ہی انبیاء علیہم السلام و رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتے اور ان کی نصائح سے منہ موڑتے۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے اسے صرف ضعف رائے پر محدود رکھنا اچھا نہیں اس لیے کہ بہت سے لوگ رائے کی قوت بلکہ جید رائے کے مالک بھی ہوتے ہیں لیکن اسے استعمال نہیں کر سکتے بوجہ ضعف حال کے کہ ان پر کفار اور گمراہ لوگوں کا غلبہ ہوتا ہے فلہٰذا یہاں مناسب معنیٰ یہی ہے کہ وہ ذلیل اور مغلوب تھے والمستضعفین اسی تقریر کی تائید کرتی ہے۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا ان لوگوں سے جو ان کے لیڈر تھے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روگردان اور عبادۃ الٰہی سے خارج تھے اِنَّا كُنَّا تھے ہم دنیا میں لَكُمْ تَبَعًا تمہارے تابع۔ تبع تابع کی جمع ہے جیسے خدم، خادم کی جمع ہے۔ ہر وہ شخص جو کسی دوسرے کے نقشِ قدم پر چلے۔ یعنی ہم نے رسل کرام کی تکذیب کی اور ان کی نصائح سے روگردانی کی تو تمہارے نقش قدم پر چل کر، اور جیسے تم حکم فرماتے ہم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے فَهَلْ اَنْتُمْ پس کیا کچھ تم مُّغْنُوْنَ دور کر نیوالے ہو عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ پہلا من حال کے قائم مقام ہے اور ذوالحال سے مقدم ہے اس لیے کہ وہ نکرہ ہے اور دوسرا مِنْ تبعیضیہ ہے مفعول کے قائم مقام ہے۔ یعنی اے لیڈرو! تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو اور فاء سببیہ ہے یعنی ہمارا تابعدار رہنا اسی بچاؤ کے لیے تھا۔ یہ توبیخ و عتاب کے لیے فرمایا ہے کہ عوام جانتے تھے کہ ان کے لیڈر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے معمولی طور بھی بچاؤ نہیں کر سکتے قَالُوْا ان کے لیڈر ان کے عتاب اور ان سے معذرت کرتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے تابعدارو! لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی رہبری یا اس کی توفیق بخشتا لَهَدَيْنٰكُمْ تو ہم تمہیں بھی ہدایت دیتے لیکن ہماری قسمت میں گمراہی لکھی تھی اسی لیے ہم نے تمہیں بھی گمراہ کر ڈالا۔ یعنی جس گمراہی کو ہم نے اپنے لیے پسند کیا تمہارے لیے بھی وہی اختیار کی۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے لیے عذاب سے نجات راہ صواب دکھاتا تو ہم تمہیں بھی وہی راہ دکھاتے لیکن اب ہمارے لیے نجات کے تمام راستے بند ہیں اور ہماری شفاعت بھی کوئی نہیں کرتا فلہٰذا ہمیں معذور سمجھیے۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قالوا اہل بدعت اپنے پیروکاروں سے کہیں گے لو ھدنا اللہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اہل سنت و جماعت کا راستہ دکھاتا جو وہی طریق حق اور اسی کی طرف لے جانے والا راستہ ہے لھدینکم تو ہم تمہیں وہی راستہ دکھاتے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ ہدایت و ضلالت اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی ناراضگی پر مبنی ہے۔ اس میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں جسے چاہے اپنے لطف کی صفات کا مظہر بنائے اور جسے چاہے اپنے قہر کی صفات کا مظہر بنائے۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روئے
چنانکہ پرورشم میدہند میرویم

ترجمہ: اس دنیوی چمن میں مَیں کسی کو ملامت نہیں کرتا کیونکہ جیسی مجھے تربیت دی جاتی ہے میں اسی پر چلتا ہُوں۔

تفسیر عالمانہ سَوَآءٌ عَلَيۡنَآ اَجَزِعۡنَآ ہلاک و عذاب کے گڑھے میں طلب نجات میں ہم جزع و فزع کریں یا نہ کریں الجزع بمعنے بلا پر صبر کرنا اَمۡ صَبَرۡنَا یا صبر کریں اس پر جو ہمیں رحمت کے انتظار میں کوفت ہوئی۔ یعنی ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں ہمیں کسی طرح سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ اس میں لیڈروں کی طرف سے اپنے ضعیف اور کمزوروں کی ناامیدی کا اظہار ہو رہا ہے۔ ام اور ہمزہ استواء وغیرہ کی تاکید کے لیے ہیں یعنی تم صبر کرو یا نہ کرو تمہارا اور ہمارا معاملہ برابر رہے گا اگرچہ اتباع جزع و فزع وغیرہ کی خبر دے کر عتاب خداوندی کا یقین دلایا ہے لیکن تاہم مزید کہا کہ مَا لَنَا مِنۡ مَّحِيۡصٍ ہمارا کوئی ملجا و ماویٰ نہیں اور نہ ہی ہم عذاب سے کسی طرح بھاگ سکتے ہیں۔ محیص بمعنے گریز گاہ و پناہ۔ الحیص سے مشتق ہے بمعنے العدول علی جھۃ الفراد بھاگ کر روگردانی کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: حاص الحماد۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب گدھا بھاگتا ہوا مُنہ پھیرے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مالنا من محیص یعنی نجات کے لیے چھٹکارا نہیں اس لیے کہ ہم سے نجات کا آلہ ضائع ہو چکا ہے اور اس کا وقت بھی ہاتھ سے نکل گیا یہ بھی جائز ہے کہ سواءٌ علینا الخ ضعفاء و مستکبرین یعنی لیڈروں اور عوام دونوں کا مقولہ ہو وہ اس لیے کہ مروی ہے کہ وہ دوزخ میں آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آؤ مل کر دھاڑیں ماریں پانچسو سال تک دھاڑیں مار کر روتے رہیں گے جب ان کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تو پھر آپس میں کہیں گے کہ صبر کرو ممکن ہے ہم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے کہ جیسے اہلِ ایمان پر طاعت کے صبر پر رحم فرمایا ہمیں بھی عذاب کے صبر پر جزائے خیر عنایت فرمائے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہیں گے تو یہی کہیں گے سواء علینا الخ۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ فرا شو چو بینی در صلح باز
کہ ناگہ در توبہ گردد فراز

(باقی برصفحہ ۳۵۹)

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا
كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا
اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ
بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ
كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ
الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ۫ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ ع

ترجمہ : جب فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا تو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی ہے اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہیں تھا مگر صرف اتنا کہ میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی تو اب ملامت نہ کرو بلکہ اپنے اوپر ملامت کرو۔ نہ میں تمہارا فریادرس ہوں اور نہ تم میرے فریادرس ہو میں اس سے بیزار ہوں جو پہلے تم نے مجھے شریک بنایا تھا بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہ باغات میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اس میں ان کی آپس کی ملاقات کے وقت کا اعزاز سلام ہو گا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کیسی بیان فرمائی ہے کہ جیسے ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں (پھیلی ہوئی ہیں) وہ بحکم خدا ہر موسم میں پھل دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت حاصل کریں اور گندی بات کی مثال گندے درخت کی سی ہے کہ جسے زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ پھینکا جائے (پھر) اسے کوئی قیام نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ اہل ایمان دنیا کی زندگی اور آخرت میں حق بات پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔

(بقیہ تفسیر صفحہ گزشتہ)

۲ تو پیش از عقوبت در عفو کوب
که سودے ندارد فغان زیر چوب

۳ کنون گرد باید عمل را حساب
نہ روزے کہ منشور گردد کتاب

ترجمہ: ۱۔ ابھی صلح کا دروازہ کھلا ہے فلہذا صلح کرلو ورنہ جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا تو پھر پریشان ہوگے۔
۲۔ اور سزا ملنے سے پہلے ہی معافی مانگ لے ورنہ جب ڈنڈا سر پر پڑا تو پھر مشکل ہو جائیگا۔
۳۔ ابھی سے تمہیں اپنے اعمال کا حساب کرنا چاہیے ورنہ جب دفتر بند ہو گیا پھر کام نہ بنے گا۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ یعنی وُہ شیطان کہ جس نے کافروں کے لیڈروں اور ان کے عوام کو گمراہ کیا، کہے گا لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ جب اللہ تعالیٰ ان کے متعلق آخری فیصلہ فرما کر ان کے حساب وکتاب سے فارغ ہو جائے گا اور اہلِ بہشت بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں گے یا اس وقت اہلِ سعادت کو سعادت کا اور اہلِ شقاوت کو شقاوت کا صلہ مل جائے گا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ سارے دوزخ والے اکٹھے ہو کر ابلیس کے پاس جا کر ملامت کریں گے کہ تُو نے ہی ہمیں دھوکا دیا۔ وہ دوزخ کے ایک منبر پر بیٹھ کر کہے گا اے لوگو! ملامت نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں حشر ونشر کا سچا وعدہ اور حق کا وعدہ دیا اور وُہ پورا فرما دیا وَوَعَدْتُّكُمْ اور میں (شیطان) نے تمہیں جھوٹا وعدہ دیا کہ نہ حشر ونشر ہے اور نہ کوئی حساب کتاب ہے اگر کچھ ہوگا بھی تو تمہارے بُت تمہاری شفاعت کر کے تمہیں عذابِ الٰہی سے چھڑا لیں گے۔

سوال: شیطان نے تو اپنے بطلان کی تصریح نہیں کی تم نے کہاں سے ثابت کیا۔
جواب: فَاَخْلَفْتُكُمْ سے اس کا بطلان ثابت ہوتا ہے یعنی شیطان نے کہا کہ میں نے تمہارے ساتھ کیے ہوئے وعدے کا خلاف کیا۔

سوال: تم نے وعدے کا معنیٰ کہاں سے نکالا۔
جواب: اخلاف فعل متعدی بدو مفعول ہے اس کا مفعول کُم دُوسرا محذوف ہے جسے ہم نے وعدہ سے تعبیر کیا ہے یعنی میں نے اپنے وعدہ کو توڑا۔ اخلاف دراصل اس وعدہ خلافی کو کہتے ہیں جسے پُورا کرنے کی طاقت تو ہو لیکن وہ عمداً اس کا خلاف کر دے۔

سوال: شیطان کو اس وعدے کے پُورا کرنے کا امکان تو نہیں تھا تو پھر اس کے لیے اخلاف کا استعمال کس طرح

صحیح ہوسکتا ہے۔

جواب : اخلاف مجازاً بمعنے تبیین خلف الوعد یعنی وعدہ خلافی کا اظہار کرنا۔ جیسے شیطان نے کیا اگرچہ اس کے امکان سے وعدے کا ایفاء ناممکن تھا لیکن اپنی وعدہ خلافی کا اظہار تو برملا کر دیا اور گویا کہہ دیا کہ آج میرے جھوٹ کا پردہ چاک ہوگیا۔

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اور تمہارے اوپر غلبہ اور تسلط نہیں تھا کہ جس سے میں نے تمہیں کفر و معاصی پر مجبور کیا ہو۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے تو شیطان کے لیے فرمایا کہ انما سلطانہ علی الذین یتولونہ بےشک شیطان کا تسلط ہے ان لوگوں پر جو اس سے دوستی جوڑتے ہیں۔ اور شیطان برأت کا اظہار کر رہا ہے۔ شیطان تو جھوٹا ہوسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی تو یقیناً حق اور سراسر صدق ہے اس میں مطابقت کیسی۔

جواب : فقیر (حقی) اس کا جواب یوں دیتا ہے کہ قہر و غلبہ اور تسلط اور ہے اور برائی اور بُرائی کو اچھا بنا کر دکھانا اور انھیں آپس میں کسی قسم کا تضاد نہیں۔ شیطان نے جو اپنے سے تسلط کی نفی کی ہے اس سے اس کی مراد یہی ہے کہ اہلِ ایمان و اہلِ کفر پر اس کا کوئی تسلط اور غلبہ نہیں ہے اور دُوسرے معنے پر کہ بُرے اعمال بھلے کر کے دکھانا کافروں کے لیے کرسکتا ہے اور ان پر اس قسم کا تسلط جما سکتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انما سلطانہ کے بعد علی الذین یتولونہ کی قید لگائی کہ شیطان کا تسلط ان پر ہے جو اس کے دوست ہیں اور شیطان کے دوست کافروں کے سوا اور کون ہوسکتا ہے اور اہلِ ایمان صرف اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور دوست ہیں اس لیے کہ وہی اس کی اطاعت کر کے اس کی دوستی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ اسی لیے حضرات شیطان کے وسوسے کے تسلط سے محفوظ ہوتے ہیں اس لیے کہ شیطان کے وسوسے کا تعلق صفات سے ہوسکتا ہے۔ اور اولیائے کرام عالم افعال سے متعلق ہوتے ہیں جہاں شیطان کا حملہ نہیں ہوسکتا اور جو حضرات عالم ذات سے متعلق ہیں وہاں شیطان کو کسی قسم کا واسطہ نہیں اور یہ مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو۔[1]

اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ صرف اتنا ہوا کہ میں نے تمہیں وسوسہ ڈال کر اور برائیوں کو اچھا دکھا کر اپنی اطاعت کی دعوت دی۔

ف : شیطان کا وسوسہ اور برائیوں کا اچھا دکھانا تسلط نہیں جیسا کہ گزرا۔

---

[1] اسی لیے ہم اولیاء کرام کو محفوظ مانتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو معصوم۔ لیکن بیچارے مودودی دیوبندی، غیر مقلد وہابی نجدی انبیاء علیہم السلام کی غلطیاں نکالتے پھر رہے ہیں اور شیعہ تو ان سب سے بھی سبقت لے گئے۔

اویسی غفرلہ

فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ تم نے اپنے اختیار سے خود بخود میری دعوت قبول کی فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ پس میرے باطل وعدے پر مجھے ملامت نہ کرو اس لیے کہ میں پیدا ہی اسی لیے ہُوا تھا اور پھر میں تمہارا کھلم کُھلا دشمن بھی تھا اور تمہیں میری عداوت پر بہت تاکیدیں کی گئیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بار بار فرمایا:

لا تعبدوا الشیطان ۔ شیطان کی تابعداری نہ کرنا۔

اس لیے کہ وہ تمہیں فتنوں میں ڈالے گا۔ جب تمہیں یقین تھا کہ میرا کام صرف تمہارے ساتھ بغض و عداوت ہے تو تم نے دشمنی کے علم کے باوجود میری دعوت قبول کر لی۔ پھر اب ملامت کیسی۔ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ بلکہ اب تم اپنے آپ کو ملامت کرو کہ تم نے اپنے اختیار سے معصیت کی اور تمہیں اس سے محبت بھی تھی۔ مجھے تمہاری تکذیب کرنا تھی وُہ کر لی اور تم نے میرا ساتھ دیا اور اپنے رب تعالیٰ کے حکم کی بھی تکذیب کی اور میرا کہنا تمہارے نفوس و طبائع کے موافق تھا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان تمہاری خواہشات کے خلاف اور تمہاری طبائع کے لیے بہت کڑوا تھا۔ اسی لیے تم نے اسے چھوڑ کر میرا کہنا مانا۔ تو اس معنے پر اب ملامت کے لائق تم ہو نہ کہ میں مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ اب تم جس عذاب میں مبتلا ہو میں تمہیں نہیں بچا سکتا وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ اور نہ ہی تم جس عذاب میں مبتلا ہوں تم مجھے بچا سکتے ہو۔ یعنی اب ہم اور تم ایک دُوسرے کی کسی قسم کی معاونت نہیں کر سکتے۔

ف: الاصراخ بمعنے الاغاثۃ اور المصرخ بمعنے فریادرس۔

سوال: اب شیطان کا ایسی باتیں بنانا بے سُود تھا جبکہ کفار کو اس کی اس کارروائی پر شک نہیں تھا۔

جواب: مبالغہ کے طور شیطان نے ایسی باتیں ظاہر کیں تاکہ انھیں معلوم ہو کہ اس وقت شیطان ان کی فریادرسی نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ اس کی فریادرسی کر سکتے ہیں اور انھیں معلوم ہو کہ شیطان کا کہنا سچ ہے کہ جس عذاب میں تم مبتلا ہو اسی عذاب میں مَیں بھی مبتلا ہُوں اور جیسے تم فریادرسی کے محتاج ہو ایسے ہی میں بھی ہُوں، جس کی اپنی یہ حالت ہو تو وہ دُوسرے کی فریادرسی کیسے کر سکتا ہے۔

اِنِّیْ كَفَرْتُ آج مَیں نے کفر کیا بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ ساتھ میرے شریک بنانے کے کہ تم نے اللہ تعالےٰ کی طاعت میں مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا تھا یعنی تم میری فرمانبرداری کر کے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے مِنْ قَبْلُ اس ... قبل یعنی دنیا میں۔ یعنی آج میں اس سے بری ہُوں اور مجھے خود تمہارے فعل سے نفرت ہے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ ان کا شرک یہ تھا کہ شیطان انھیں طمع دلاتا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا، اور کہتا تھا کہ تم حق پر ہو اسی معنے پر تم نے مجھے معبود بنا رکھا تھا اور میں بھی دنیا میں یہی چاہتا تھا، اور رغبت سے یہی کراتا تھا لیکن آج میں تم سے بری ہُوں، نہ اس پر میں خوش ہُوں اور نہ مجھے تمہارا یہ کام قبول ہے بلکہ میں تمہارے اس فعل اور تم سے بری ہُوں اب میرا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں۔

اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بیشک ظالمین کے لیے عذاب دردناک ہے۔ یہ شیطان کے کلام کا

تتمہ ہے یا اللہ تعالیٰ کے کلام کی ابتدا ہے۔

ف: ظالمین سے شیاطین اور ان کے متبعین انسان مراد ہیں۔ شیطان تو اس لیے ظالم ہے کہ اس نے حق کی دعوت کے بجائے باطل کی دعوت دی اور اس کے متبعین انسان اس لیے ظالم ہیں کہ انہوں نے اتباعِ حق کو باطل میں لگا دیا۔

سبق: شیطان اور اس کے متبعین کی آخرت کی کہانی بیان کرنے میں سامعین سے لطف و کرم فرمایا گیا ہے اور انھیں متنبہ کیا گیا ہے تاکہ وہ ان کی کہانی سُن کر دنیا میں ہی اپنا محاسبہ کرلیں اور بُرے انجام پر تدبر و تفکر کر سکیں۔

ع

۱ ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت
اندر استکمال خود دہ اسپ تاخت

۲ ہر کہ آخر بین تر او مسعود تر
ہر کہ آخور بین تر او مبعود تر

ترجمہ: ۱۔ جس نے اپنا نقص و عیب دیکھا اور پہچانا اس نے اپنی تکمیل کا گھوڑا دوڑایا۔
۲۔ جس کی انجام پر نگاہ ہو وہی سعادت مند ہے۔ جو صرف کھانے پینے کے درپے ہے وہی اللہ تعالیٰ سے دُور تر ہے۔

ربط: کافرین اور عصاۃ کے حالات بتا کر اب اہلِ ایمان کا انجام بیان فرمایا۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور داخل کیے جائیں گے مومن اور نیک عمل کرنے والے یعنی جنہوں نے ایمان و اعمال صالحہ کو جمع کیا۔

ف: انھیں بہشت میں داخل کرنے والے فرشتے ہوں گے۔

جَنّٰتٍ انواع و اقسام کے بہشت کے باغات میں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ یعنی بہشت کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی خٰلِدِيْنَ فِيْهَا درانحالیکہ وہ انہی بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے بِاِذْنِ رَبِّهِمْ یہ ادخل کے متعلق ہے یعنی اپنے رب کے حکم اور اس کی توفیق و ہدایت سے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ جب انسان اپنی طبیعت سے خالی ہو تو نہ ایمان لا سکتا ہے اور نہ ہی عمل صالح کر سکتا ہے اور نہ بہشت کے لائق ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت دستگیری نہ کرے تو وہ جنۃ القلب میں بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ جیسے آدم علیہ السلام بہشت میں مداومت اختیار نہ کر سکے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

تحیتھم فیھا سلٰم اور بہشت میں ان کا تحیہ سلام ہوگا اور تحیہ درازیٔ عمر کی دعا کو کہا جاتا ہے اور وہ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی بہشت میں بہشتیوں کے لیے سلامتی کی دعا کریں گے یا اہلِ ایمان ایک دوسرے کو بہشت میں سلامتی کی دعا دیں گے اور ان کا بہشت میں یہی سلام ہوگا جو دنیا میں ایک دوسرے کو کہتے ہیں۔

نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جھلک

سلام کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ چنانچہ حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ:

ان آدم لما رأی ضیاء نور نبینا صلی اللہ علیہ وسلم سأل اللہ عنہ فقال هو نور النبی … بی محمد من اولادك فا… … ار كلهم تحت لوائه۔

جب آدم علیہ السلام نے ہمارے نبی علیہ السلام کے نور کی جھلک دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے اور وہ آپ کی اولاد سے ہیں۔ قیامت میں تمام انبیاء ان کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

نُور کا ظہور

فاشتاق آدم الی رؤیته فظهر نور النبی علیه السلام فی انملة مسبحة آدم فسلم الیه فرد اللہ سلامه من قبل النبی علیه السلام فمن هنا لقی السلام سنة لصدوره عن آدم وبقی رده فریضة لکونه عن اللہ تعالیٰ۔

آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے نور کے دیدار کے مشتاق ہوئے اس وقت حضور علیہ السلام کا نور آدم علیہ السلام کی انگلی میں ظاہر ہوا آدم علیہ السلام نے سلام عرض کیا حضور علیہ السلام کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے سلام کا جواب دیا اس وقت سے سلام کہنا سنت اور جواب دینا فرض ہوا۔

صلوٰۃ الوتر کا آغاز

اس کی نظیر صلوٰۃ الوتر کی تین رکعتیں ہیں کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کی بیت المقدس میں امامت کی تو آپ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ مجھے سدرۃ المنتہیٰ میں نماز پڑھانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلا تك فی مرية من لقائه۔

یعنی شبِ معراج موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے بارے میں شک نہ کرو۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت پڑھی تو دوسری رکعت آپ نے اپنے لیے بڑھائی۔ تیسری رکعت کا حکم منجانب اللہ ہوا۔ اس اعتبار سے مغرب کی نماز کی طرح وتر تین رکعت ہوئے۔[1]

---

[1] لیکن غیر مقلدین ایک وتر کے قائل ہیں ان کے رد میں فقیر کی کتاب "آئینۂ وہابی مذہب" دیکھئے۔ ۱۲

تکبیرِ اُولیٰ میں ہاتھ اٹھانے کی حکمت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت اور نور سے ڈھانپ لیا۔ اس سے آپ کے دونوں ہاتھ بلا اختیار اُٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو وہ ادا پسند آگئی۔ اسی لیے نماز کی تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کو نماز میں جاری فرما دیا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک اور نماز کا اضافہ فرمایا ہے سُن لو وہ یہی صلوٰۃ الوتر ہے۔

صلوٰۃ الوتر میں تیسری رکعت میں دوبارہ ہاتھ اٹھانے میں حکمت جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کیلیے کھڑے ہوئے تو اپنے والدین کو جہنم میں دیکھا تو آپ گھبرائے۔ اس گھبراہٹ سے بندھے ہوئے ہاتھ چھوٹ گئے۔ آپ نے قلب اطہر کو جمع (خاطر) رکھ کر دعائے قنوت پڑھی۔ اور دعائے قنوت کے الفاظ مشہور ہیں جس کا آغاز اللّٰھم انا نستعینک سے ہوتا ہے۔ (کذا فی التقدمہ شرح المقدمہ)

ف : جو کچھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے پڑھا وہ سنّت ہے اور جو موسیٰ علیہ السلام کے لیے پڑھا وہ واجب ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھا وہ فرض ہے۔

وتر واجب کیوں چونکہ مُوسیٰ علیہ السلام نے اس نماز کے لیے وصیت فرمائی تھی اس لیے یہ واجب ہے۔

مسئلہ : وتر میں کہے کہ میں وتر پڑھتا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے وجوب میں فقہاء (مجتہدین) کا اختلاف ہے۔

اَلَمْ تَرَ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا آپ نے نورِ نبوت سے مشاہدہ نہیں فرمایا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف : کاشفی نے لکھا کہ اے میرے دانا بینا بندے ! کیا تُو نے نہیں جانا اور دیکھا کہ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا اللہ تعالیٰ کیسی عجیب مثالیں بیان فرماتا ہے اور مثل لے کے لائق مثال دیتا ہے۔ اور کیف ضرب محلاً منصوب ہے اسے الم تر سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ کیف میں استفہام کا معنیٰ ہے اور اس سے اس کا عامل مقدم نہیں ہوتا کَلِمَۃً فعل محذوف کا مفعول ہے وہ محذوف فعل ضرب اللہ کی تفسیر کرتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے :

شرف الامیر زیدا کساہ حلۃ و حملہ علی فرس۔	امیر نے زید کو شرف بخشا کہ اسے پوشاک پہنائی اور گھوڑے پر سوار کیا۔

اور کلمۃ طیبۃ کا محذوف جعل ہے اور کلمۃ طیبۃ سے کلمۂ توحید یعنی شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ الخ مراد ہے۔

مسئلہ : کلمۂ طیبہ میں تمام نیک اعمال داخل ہیں جیسے تلاوت قرآن مجید اور تحمید و تسبیح و استغفار و توبہ اور دعوت اسلام

اسی طرح دیگر وہ امور جو داعی الی الحق والصلاح ہیں۔

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ مثل پاکیزہ درخت یعنی اس کا حکم پاکیزہ درخت کا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ درخت کی طرح بنایا ہے۔

حدیث شریف اس مومن کی مثال جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس نارنگی کی طرح ہے جس کی خوشبو اور ذائقہ اچھا ہے۔ اور اس مومن کی مثال جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کھجور کی ہے جس میں خوشبو نہیں لیکن اس کا ذائقہ اچھا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس خوشبودار پھول کی ہے کہ اس کی خوشبو تو ہے لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا اندرائن کی ہے کہ نہ اس کی خوشبو اچھی اور نہ اس کا ذائقہ اچھا۔

اعجوبہ حنظل کو فارسی میں ہندوانۂ ابوجہل کہا جاتا ہے۔

کھجور کے فضائل کھجور اکرم الاشجار (تمام درختوں سے مکرم ترین) ہے) اس لیے کہ وہ مٹی جو آدم علیہ السلام کے جسم مبارک کی تخلیق سے بچ گئی تھی اس سے کھجور کو پیدا کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کھجور کے نیچے ہوئی۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

اسی لیے کھجور کا ثمر تمام ثمرات سے اطیب اور احلی (بہت زیادہ میٹھا) ہوتا ہے۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ اس کی جڑ ثابت ہے۔ یعنی اس کی جڑیں زمین کے اندر مضبوط ہیں وَ فَرْعُهَا اور اس کا اوپر کا حصہ یعنی اس کا سر فِي السَّمَآءِ آسمان میں یعنی بہت بلند اور اونچا ہے تُؤْتِيْ اُكُلَهَا اپنے ثمرات دیتا ہے كُلَّ حِيْنٍ ہر اس وقت جو اس کے ثمر کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے یعنی سال کی تکمیل کے بعد، اس لیے کہ کھجور سال میں ایک دفعہ ثمر دیتی ہے۔ ہاں اس کے گابھے نکالنے اور پکنے تک کی مدت چھ ماہ ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کھجور کے پھل سے سال بھر کی ہر گھڑی میں نفع اٹھایا جا سکتا ہے اس لیے کہ یہ صرف کھجور کا خاصہ ہے کہ اس کا ثمر رات اور دن، گرمی اور سردی ہر وقت اور ہر موسم میں کھایا جا سکتا ہے بلکہ ہر گھڑی یہ کام دیتی ہے کبھی تر اور کبھی خشک۔ یہی مثال مومن کی ہے کہ اس کے اعمال آسمان پر ہر وقت جا سکتے ہیں دن ہو یا رات ان کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے۔ اسی طرح کلمۂ اخلاص میں بھی کسی قسم کی کمی و زیادتی نہیں ہوتی۔ ہاں اس کے لیے مدد یعنی توفیق ایزدی کی ضرورت ہوتی ہے کہ جیسے اس درخت کی تربیت کے لیے پانی وغیرہ ضروری ہے طاعت کے لیے بھی تربیت الٰہی ضروری ہے کہ وہ جس وقت اپنی طاعت کی توفیق بخشے۔

بِاِذْنِ رَبِّهَا اس کے رب تعالیٰ کے اذن سے یعنی اس کے خالق کے ارادے اور تیسیر و تکوین سے

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں یعنی اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالوں سے سمجھ پیدا کریں کیونکہ مثالیں اس لیے بیان کی جاتی ہیں تاکہ بندوں کو افہام و تذکیر نصیب ہو کیونکہ مثالوں سے شے کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

ف : انجیل میں ایک سورۃ ہے جس کا نام سورۃ الامثال ہے اس میں تمثیلی بیانات انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام اور حکماء کے کلام میں بکثرت واقع ہوئے ہیں کہ جن کا شمار مشکل ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ اور خبیث کلمہ کی مثال۔ اس سے کلمۂ کفر مراد ہے۔

مسئلہ : اس میں ہر قبیح عمل خواہ دعوت الی الکفر و تکذیب الحق ہو یا کچھ اور بھی داخل ہیں۔

كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ خبیث درخت کی طرح ہے اس درخت سے اندرائن مراد ہے۔ اسی طرح وہ درخت بھی ہو سکتے ہیں جن کا ثمرہ اچھا نہ ہو۔ جیسے الکسوب (بلوط)، یہ ایک گھاس ہے جو درختوں کی شاخوں میں لپٹا رہتا ہے۔ اس کی جڑیں زمین کے اندر نہیں پھیلتیں۔ اسے لبلاب، عشقہ اور ثوم کہتے ہیں۔ جسے اردو میں بلوط کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ از قسم اشجار نہیں بلکہ یہ اعجوبۂ زمانہ ہے۔ یعنی یہ مشاکلات (اعجوبات) سے ہے۔

ف : تبیان میں ہے کہ اندرائن کا خبث اس کے کڑوے پن کی وجہ سے ہے اور وہ بعض وجوہ سے ضرر رساں بھی ہے۔

ف : ہر وہ شے جو اعتدال کی حد سے متجاوز ہو وہ خبیث ہے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت شیخ غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو شجرۂ طیبہ سے اور خواہش نفسانی کو شجرۂ خبیثہ سے تشبیہ دی ہے کیونکہ نفس امارہ خبیثہ شجرۂ خبیثہ کی طرح اس لیے ہے کہ اس نفس خبیث سے ہی کلمۂ خبیثہ ظاہر ہوتا ہے اور کلمۂ خبیثہ نفس خبیثہ کی ذاتی خباثت کا نتیجہ ہے وہ ذات و صفات کے متعلق برے اعتقاد رکھتا ہے۔ پھر اس سے خبیث کلمات کا ظہور لازمی امر ہے یا اس لیے کہ نفس خبیث معاصی کا خوگر ہے اس کی اس خباثت سے گناہوں کا صدور ضروری ہے نیز نفس ظالم کا کام بھی یہی ہے کہ وہ دوسروں کی عزت پر حملہ کرتا اور ان کے لوٹنے پر ہر وقت تیار رہتا ہے۔

اِجْتُثَّتْ الجث بمعنے القطع باستئصال کسی شے کو جڑ سے اکھاڑنا۔ یعنی اس کا تنا جڑ سے اکھاڑا جائے اور اسے بالکل ختم کر دیا جائے مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ زمین کے اوپر سے اس لیے کہ اس کی جڑیں زمین میں تھوڑی مقدار پر نیچے ہوتی ہیں مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ اسے زمین پر کسی قسم کا قرار نہیں ہوگا۔

حل لغات : قرالشئ قرارًا بمعنے ثبت ثباتًا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اسے ثبات اور استحکام نہیں۔ یعنی نہ اس کی زمین میں جڑیں ہیں اور نہ ہی اوپر کو کوئی شاخیں۔ اس لئے اسے استحکام و ثبات نہیں ؂

نہ بیخی کہ آں باشد او را مدار
نہ شاخے کہ گردد بداں سایہ دار

۲ گیاہیست افتادہ بر روئے خاک
پریشان و بے حاصل و خوار ناک

ترجمہ : ۱۔ جس درخت کی جڑ نہ ہو وہ درخت نہیں، اور وہ شاخ، شاخ نہیں جس کا سایہ نہ ہو۔
۲۔ وہ گھاس جو زمین پر پڑی ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں وہ بالکل خوار و ذلیل ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے ایمان کو درخت سے تشبیہ دی ہے اس لیے ایمان دل میں ثابت ہے لیکن اس کے اعمال اعلیٰ علیین میں پہنچتے ہیں اور ان کا ثواب ہر زمانہ میں ان کے ساتھ ہے۔ جیسے کھجور کا درخت کہ اس کی جڑیں اپنی جگہ پر مستقر اور ثابت ہیں اور اس کی ٹہنیاں اوپر کو، لیکن اس کا نفع ہر وقت موجود ہے جس سے خلقِ خدا ہر وقت استفادہ کرتی ہے اور کلمۂ کفر اور بتوں کی پرستش جو کافر کے دل میں ہے اس کے پاس حجت اور برہان نہیں صرف آبائی اندھی تقلید میں گرفتار ہے اور اسے اس پر ثبات اور استقرار بھی نہیں اور اس کے اعمال بھی قابلِ قبول نہیں۔ اس کی مثل اندرائن کی سی ہے نہ اس کی جڑ ہے نہ شاخیں۔ نہ اسے قرار ہے نہ اس کا اعتبار۔

ف

نہال سایہ ورے شرع میوہ دارد
چناں لطیف کہ بر ہیچ شاخسارے نیست
درخت زندقہ شاخیست خشک و بے سایہ
کہ پیش ہیچکسش ہیچ اعتبارے نیست

ترجمہ : ۱۔ شرع کے درخت میں بہت بڑے ثمرات ہیں اور ایسے لطیف و نازک اور نرم ہیں کہ ایسے کسی درخت کے نہیں۔ لیکن بے دینی کا درخت خشک اور بے سایہ ہے کسی کے ہاں اس کا رتی برابر بھی قدر نہیں۔

نکتہ : کواشی میں ہے کہ درخت سے ایمان کی تشبیہ میں ایک راز ہے وہ یہ کہ درخت کے لیے جڑیں اور ٹہنیاں ضروری اور لازمی ہیں اور درخت قائم ثابت اور بلند و بالا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایمان کے لیے تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان وعمل بالابدان ضروری ہیں کہ یہ ہر ایک ایمان کے لیے بمنزلہ جڑوں اور ٹہنیوں کے ہیں۔

صوفیانہ نکتہ حضرت ابو اللیث نے فرمایا کہ عارف کے قلب کا عرفان درخت کی طرح ثابت بلکہ اس سے ثابت تر ہے اس لیے کہ درخت تو کبھی کٹ کر مٹ جاتا ہے لیکن عارف کے قلب کا عرفان نہ کٹنے کا ہے اور نہ مٹنے کا۔ ہاں قادر مطلق اس سے مٹا دے تو وہ مالک ہے (لیکن وہ کریم اپنے بندے کے حال پر بہت رحیم و کریم ہے)

تفسیرِ عالمانہ

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اللہ تعالیٰ ثابت ہے اہلِ ایمان کو حق بات پر
القول الثابت سے کلمۂ توحید مراد ہے اس لیے کہ وہ مومن کے قلب میں راسخ ہے۔ چنانچہ کاشفی نے
کہا کہ قول ثابت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ اسی پر اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو ثابت
اور قائم رکھتا ہے۔ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا حیاۃ دنیا میں یعنی موت سے پہلے اس لیے کہ وہ کتنی ہی مصائب و مشکلات میں پھنسیں
لیکن ایمان پر ثابت قدم رہتے ہیں اور اپنے دین اسلام سے ہٹنے کا نام تک نہیں لیتے اگرچہ ان کی کھال بھی ادھیڑ لی جائے جیسے
متقدمین حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام میں بہت سے ایسے گزرے جیسے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام اور حضرت
جرجیس و شمعون اور وہ حضرات جنہیں اصحاب الاخدود (کھائی والے) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ بزرگ جن کے چمڑے لوہے
کی کنگھی سے ادھیڑے گئے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

حضرت جرجیس کے حالات و کرامات

حضرت سعدی المفتی فرماتے ہیں کہ مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کے حواریین میں ایک جرجیس نامی بزرگ تھے جنہیں
اسم اعظم اللہ تعالیٰ سے عطا ہوا جس کی برکت سے وہ لوگوں کو زندہ کرتے تھے۔ موصل کے علاقہ میں ایک جابر ظالم بادشاہ بت پرست
تھا اسے جرجیس نے عبادت الٰہی کی دعوت دی۔ اس نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جائیں اس کے بعد اس نے
لوہے کا کنگھا منگوایا جس سے اس نے حضرت جرجیس کا سینہ چاک کر دیا اور ہاتھ بھی کاٹ ڈالے۔ اس کے بعد ان کے زخموں پر
نمکین پانی چھڑک دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں صبر کی توفیق بخشی۔ اس کے بعد اس ظالم نے لوہے کی سلاخیں بنوائیں اور
انہیں جرجیس کی آنکھوں اور کانوں میں پھیرا۔ اس پر بھی جرجیس کو اللہ تعالیٰ نے صبر کی توفیق بخشی۔ اس کے بعد اس ظالم نے
تانبے کے بڑے بڑے لگن منگوائے جن کے نیچے آگ سلگائی گئی۔ جب سفید ہو گئے (یہ ان کی سخت گرمی کی علامت ہے)
ان گرم ترین لگنوں میں جرجیس کو ڈالا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس آگ کو گلزار بنا دیا۔ اس کے بعد اس
خبیث ظالم نے جرجیس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دئے۔ اس سے جرجیس اللہ کو پیارے ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی
قدرت کاملہ سے جرجیس کو پھر زندہ کر دیا حضرت جرجیس نے پھر اس ظالم و جابر بادشاہ کو دعوتِ الٰہی پیش کی لیکن اس بدبخت
نے حضرت جرجیس کی دعوت کو پھر ٹھکرا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظالم کو مع اس کی قوم کے نیست و نابود کر دیا۔ یوں ہوا کہ
اس کے شہر کو الٹ دیا گیا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر ہو گیا۔

حضرت شمعون کے حالات و کرامات

حضرت شمعون بھی نصاریٰ (عیسیٰ علیہ السلام کی امت) کا ایک
بہت بڑا زاہد اور بہادر آدمی تھا۔ روم کے بت پرستوں سے اسکی
ہر وقت چپقلش رہتی تھی، انہیں دعوتِ دینِ حق پیش کیا کرتا تھا اور تنِ تنہا کفار کے لشکر کا مقابلہ کیا کرتا تھا۔ روم کا بادشاہ
اسے قابو میں لانے کے لیے کئی طرح سے مکر و فریب کے جال بچھاتا لیکن شمعون اس کے قابو میں نہ آتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے

شمعون کی بیوی کو لالچ دے کر پھنسا لیا۔ وہ اس طرح کہ شمعون کی عورت نے اس سے خلوت میں پوچھا کہ آپ کو اگر کوئی گرفتار کرے تو کیا صورت ہے۔ شمعون نے کہا کہ اگر میرے بال میری غیر طہارت کے وقت باندھ لیے جائیں تو پھر میں انھیں نہیں چھڑا سکتا۔ بادشاہ نے اپنے لشکر سے کہا کہ جب شمعون سو رہا ہو تو اس کے بال باندھ لو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ شمعون کو نیند کی حالت میں لشکر نے گھیر کر اس کے بال باندھ لیے۔ اسی حالت میں اسے بادشاہ کے محل کے اوپر لے جا کر نیچے گرا دیا گیا تو وہ پاش پاش ہو کر فوت ہو گیا۔

ف: نفائس المجالس میں ہے کہ شمعون کے دشمنوں نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان سے نجات کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انھیں دشمنوں سے بچا لیا۔ پھر شمعون نے ایک ستون اٹھا کر ان کے گھروں کی چھتوں پر دے مارا جس سے وہ سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔

وَفِي الْاٰخِرَةِ اور آخرت یعنی قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت مومن کو ثابت قدم رکھے گا اسی طرح اس کے بعد کی تمام منازل و مراحل پر۔

ف: قبر بھی آخرت میں داخل ہے اس لیے کہ وہ آخرت کی پہلی منزل ہے۔ قرآن مجید میں کل کا نام لے کر جزء مراد لیا گیا ہے۔

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ اور ظالمین کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے گا۔ یعنی کافروں مشرکوں میں گمراہ پیدا کریگا جس کی وجہ سے وہ بیچارے جواب باصواب نہ دے سکیں گے جیسے دنیا میں گمراہ تھے ویسے ہی قبر میں وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اور اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے کسی میں ثبات پیدا کر کے اسے ثابت قدم رکھتا ہے اور کسی میں گمراہی پیدا کر کے اسے گمراہ کرتا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہل ایمان کے کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کی ملازمت کی وجہ سے انھیں زندگی بھر اور پھر مرنے کے بعد بھی مقام ایمان اور سیر فی الحقائق میں اللہ تعالیٰ قدرت فرمائے گا یعنی اعمال والوں کی سیر تو روح کے جسم سے خروج کے بعد منقطع ہو جاتی ہے لیکن ارباب احوال کی سیر کو انوار ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ ثابت رکھے گا اور وہ ہمیشہ ملکوت السمٰوٰت والارض میں سیر کرتے رہیں گے بلکہ انوار ذکر کے پروں کی طاقت سے جبروت کے عالم میں انھیں پرواز کی طاقت بخشی جائے گی۔

ف: انوار ذکر کے پروں سے نفی و اثبات[1] کا ذکر مراد ہے اور نفی و اثبات کا شغل غیر منقطع ہے اس لیے کہ سالک نفی میں ماسوی اللہ کا تصور کرتا ہے اور اثبات سے بقاء باللہ و فنا فی اللہ کا درجہ پاتا ہے اور یہ دونوں ابدالآباد دائم و قائم ہیں۔

---

[1] نفی و اثبات صوفیاء کرام کا ایک اصطلاحی ذکر ہے ۱۲

مسئلہ : آیت سے قبر میں نکیرین کے سوال اور اہلِ ایمان کو قبر میں نعمتوں سے نوازے جانے کا ثبوت ملا (معتزلہ اور پرویزی وغیرہ قبر کے سوال وجواب اور ثواب وعذاب سے منکر ہیں) اس لیے کہ قبر میں سوال نکیرین کے وقت ثابت قدم رہنا بندے کے لیے بہت بڑی نعمت ہے ۔

مرنے کے بعد روح وجسد کا تعلق نکیرین کے سوال کے وقت

علماء کرام کے اس مسئلہ میں کئی مذاہب ہیں :

ا ـــــــ مرنے کے بعد روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے ۔ وہ روح اس جسم میں ویسے ہی ہوتا ہے جیسے عالم دنیا میں تھا ۔ وہ فرشتوں کے سوالات کے وقت قبر میں اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے ۔ منکر نکیر دو فرشتے ہیں جو سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ، غصہ والے اور سخت گیر ہیں ۔ ان کی دونوں آنکھیں بجلی کی طرح چمکدار اور ان کی آواز رعد کی گرج کی طرح ہے ۔ وہ دونوں آتے ہی میت کو بٹھا دیتے ہیں ان کے پاس لوہے کے دو چابک ہوتے ہیں مردے سوال کرتے ہوئے پوچھتے ہیں :

- من ربك ۔ تیرا رب کون ہے ؟
- من دينك ۔ تیرا دین کیا ہے ؟
- من نبيك ۔ تیرا نبی کون ہے ؟

مومن کہے گا : ○ الله ربي ۔ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے ۔

- الاسلام ديني ۔ اسلام میرا دین ہے ۔
- محمد صلى الله عليه وسلم نبيي ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں ۔

یہی مومن کے لیے ثابت قدمی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی اور کافر ومنافق کہے گا :

لا ادری ۔ مجھے کوئی خبر نہیں ۔

اس کے جواب پر نکیرین اسے اسی لوہے کے چابک سے ماریں گے ۔ اس کی چیخ سوائے انس وجن کے باقی تمام مخلوق سنتی ہے ۔

۲ ـــــــ روح جسم اور کفن کے درمیان ہوتا ہے ۔ یعنی جسم کے اندر نہیں بلکہ باہر رہتا ہے ۔

۳ ـــــــ روح جسم کے اندر جاتا ہے لیکن صرف سینہ تک ۔

عقیدہ : مسلمان کو اتنا عقیدہ ضروری ہے کہ قبر کے اندر نکیرین کے سوالات اور اس کا عذاب وثواب حق ہے ۔ اس کی تفصیل میں نہ پڑے اور نہ ہی ضروری ہے اس لیے کہ مذکورہ بالا مذاہب کے مطابق روایات واحادیث وآثار صحیحہ مرفوعہ وارد ہیں ۔

ف : اسئلۃ الحکم میں ہے کہ مرنے کے بعد ارواح کو عذاب یا نعمت حسی جسمانی نہیں بلکہ معنوی طور ہوں گے ۔ ہاں جب آخرت میں حساب وکتاب کے لیے اٹھایا جائے گا تو اس وقت اسے حسی ومعنوی طور عذاب یا نعمت نصیب ہوگی ۔

حکایت حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر عرض کی کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور آدھی بہشت میرے حوالے فرما دی ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ روح بہشت کی لذتوں سے نوازا گیا ہے اس معنے پر آپ کو آدھی بہشت نصیب ہوئی۔ پھر وصال کے بعد انہیں بدن سمیت جانا ہوگا۔ اس معنے پر اب انہیں مکمل طور پر بہشت نصیب ہوگی۔

مسئلہ : بعض لوگوں کو قبور میں دائمی عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

النار یعرضون علیہا غدوا و عشیا۔

فرعونیوں کو صبح وشام جہنم پیش کی جاتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے عذاب قبر منقطع ہو جاتا ہے یہ ان بعض اہلِ ایمان گنہگاروں کے لیے ہوگا جن کے جرائم ومعاصی بہت تھوڑے ہوں گے جنھیں ان کے گناہوں کے مطابق سزا دے کر قبر کا عذاب اٹھا لیا جائیگا یا ہلکا کیا جائے گا۔ جیسے جہنم میں بعض جہنمیوں کے لیے ہوگا۔

مسئلہ : دُعا و استغفار اور صدقہ وخیرات اور ثوابِ حج اور قرأۃ القرآن کے ثواب وغیرہ سے مُردے کا عذاب ہلکا ہو جاتا ہے یا بالکل معاف کیا جاتا ہے[۱] (کذا فی فتح القریب)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی دُعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرتے :

اللھم انی اعوذبک من البخل واعوذبک من الجبن واعوذبک ان اردالی ارذل العمر واعوذبک من فتنۃ الدجال و اعوذبک من عذاب القبر۔	اے اللہ! میں، بخل، بزدلی، رذیل عمر، دجال کے فتنے اور عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔

ف : اس پچھلے جملے سے عذاب قبر کا ثبوت ملا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفنانے سے فراغت پاتے تو فرماتے،

استغفروا لاخیکم وسلوا لہ التثبت فانہ الآن یسئل۔	اپنے بھائی کے لیے ثابت قدمی کی دعا مانگو اس لئے کہ ابھی اس سے سوال ہوگا۔

ف : مذکورہ حدیث شریف سے بھی عذابِ قبر کا ثبوت ملا۔

---

[۱] اہلسنت انہی مسائل کو مختلف طرق سے عمل میں لاتے ہیں جسے دیوبندی وہابی قبوری شریعت سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ وہ خود مزعوب اس مسئلہ میں معتزلہ کے مقلد ہیں۔ ۱۲

شانِ نزول مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم بن سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے ہم سب فارغ ہوئے اور حضور علیہ السلام ہمارے ساتھ تھے آپ حضرت ابراہیم کی قبر پر کھڑے ہو کر فرما رہے تھے کہ اے بیٹا! قلب غمگین ہے اور آنکھ روتی ہے اور ہم ایسی بات نہیں کہتے جس سے ہمارا رب تعالیٰ ناراض ہو وہی کہتے ہیں جس کا ہمیں حکم ہے کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اے بیٹے! تم نکیرین کو کہنا میرا رب اللہ تعالیٰ، میرا دین اسلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول میرے والدگرامی ہیں۔ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رونے لگے۔ ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ اتنا روئے کہ ان کی آواز بلند ہو گئی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے عمر! روتے کیوں ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضرت! آپ کے صاحبزادے کے معاملہ سے کہ وہ ابھی بچے تھے سنِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے، ان کے لیے کسی قسم کا گناہ نہ لکھا جائے گا لیکن پھر بھی آپ انہیں تلقین فرما رہے ہیں، اور آپ جیسا تلقین کنندہ پھر کس کے نصیب میں، تو پھر ہم کہاں جائیں گے اور ہمارے ساتھ کیا ہوگا کہ ہم نے جوان ہو کر کیا کچھ کیا اور ہمارے ہر دم قدم پر کراماً کاتبین محافظ و نگران بیٹھے ہیں ہمیں آپ جیسا تلقین کنندہ نصیب ہو یا نہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باتوں سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم روئے اور آپ کے صحابہ کرام بھی۔ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہی آیت لائے۔ جب آپ نے یثبت الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الاٰخرۃ صحابہ کرام کو سنائی تو وہ سب کے سب خوش ہوئے۔ ان کے قلوب مطمئن ہو گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

مسئلہ: انبیاء علیہم السلام اور نابالغوں اور ملائکہ کرام سے کسی قسم کا سوال نہ ہوگا۔ (وہابی دیوبندی غور کریں جو انبیاء علیہم السلام کی غلطیاں پکڑنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں)

مسئلہ: یہ صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ قبر میں آپ ہی کے متعلق بھی سوال ہوتا ہے[1] ورنہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے ان کے نبیوں کے متعلق سوال نہیں ہوتا تھا۔

نکتہ: پہلے انبیاء علیہم السلام کے متعلق قانونِ الٰہی تھا کہ اگر ان کی امت انہیں نہ مانتی تو وہ فوراً عذاب میں مبتلا ہو جاتی اور چونکہ ہمارے نبی اکرم رحمۃ للعالمین ہیں اس لیے ان کی امت سے عذاب مؤخر کر دیا گیا ہے۔

نکتہ: دنیا میں حضور علیہ السلام کا دین اخلاق سے پھیلا لیکن غزوات و غائی پر آپ کو تلوار کا حکم تھا۔ بعض لوگ تلوار کے ڈر سے منافقانہ طور مسلمان ہو گئے۔ اگرچہ دنیا کے عذاب سے محفوظ رہے لیکن قبر کا سوال مقرر فرمایا تاکہ اس وقت امتیاز ہو جائے کہ ان میں مومن کون ہے اور منافق کون۔

اعجوبہ: بعض لوگوں سے ایک مجلس میں تین بار سوال ہوگا اور بعض سے سات دن تک مسلسل سوال ہوتا رہے گا اور منافقین سے

---

[1] اس موضوع پر فقیر کا رسالہ "القول المزید" دیکھیے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر قبر والے کو زیارت نصیب ہوتی ہے۔

تو چالیس روز تک۔

بابرکت راتیں جمعرات و جمعہ کی راتوں، اسی طرح رجب و شعبان و رمضان اور عید کی شب کو نکیرین کا سوال نہ ہوگا اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور اس کی رحمت پر امید ہے کہ سوال نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ اکرم الاکرمین ہے۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

فائدہ اصولِ حدیث امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تلقین میت کے بارے میں کوئی حدیث صحیح یا حسن ثابت نہیں بلکہ اس کے متعلق روایات ضعیفہ ہیں اور اسی پر جمہور محدثین کا اتفاق ہے۔

فائدہ ردّ وہابیہ والحدیث الضعیف یعمل بہ فضائل الاعمال[1] — فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔

سبق: عاقل کو چاہیے کہ وہ مرنے سے پہلے مر کر دائمی زندگی حاصل کر لے لیکن ایسی زندگی کا سوائے مرشد کامل کی تربیت کے بغیر حاصل ہونا مشکل ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ ہین کہ اسرافیل وقتند اولیا
مردہ را زیشان حیاتست و نما

۲ جانہاے مردہ اندر گور تن
بر جہد ز آواز شان اندر کفن

۳ گوید این آواز ز آوازہا جدا ست
زندہ کردن کار آواز خدا ست

۴ ما بمردیم و بکلے کاستیم
بانگ حق آمد ہمہ برخاستیم

۵ مطلق آن آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

۶ گفت او را من زبان وچشم تو
من حواس و من رضا و خشم تو

---

[1] اسی قاعدہ کو وہابی غیر مقلد کچھ مانتے ہیں کچھ نہیں دیوبندی مانتے ہیں لیکن جب رسالت کی شان اور ولایت کے کمالات یا اہل سنت کے مسائل کی باری آتی ہے تو اس قاعدہ کو ہضم کر جاتے ہیں۔۱۲

۷ رو کہ بے یسمع و بے یبصر توئی
سر توئی چہ جائے صاحب سر توئی

۸ چوں شدی من کان للہ از ولہ
حق ترا باشد کہ کان اللہ لہ

۹ گہ توئی گویم ترا گاہے منم
ہر چہ گوہے آفتاب روشنم

۱۰ ہر کجا تابم ز مشکات دمے
حل شد آنجا مشکلات عالمے

۱۱ ظلمتے را کافتابش بر نداشت
از دم ما گردد آن ظلمت چو چاشت

ترجمہ : ۱۔ یہ اولیاء وقت کے اسرافیل ہیں ان سے ہی مُردہ زندہ ہوتے ہیں ۔
۲۔ یہاں تک کہ مردے ان کے بلوانے پر کفنی کے اندر بول پڑتے ہیں ۔
۳۔ کہتے ہیں کہ اولیاء کی آواز دوسروں کی آواز سے جُدا ہے ۔ اس لیے کہ اُن کی آواز در اصل اللہ کی آواز ہے ۔
۴۔ ہم سب کے سب مُردے ہیں لیکن آواز الہٰی نے ہمیں بیدار کر دیا ۔
۵۔ در اصل وہ آواز حق کی ہوتی اگرچہ بظاہر اللہ کے بندے سے ظاہر ہوتی ہے ۔
۶۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ میں بندے کی زبان اور آنکھ ہوں میں اسی کے حواس اور اس کی رضا اور غصہ ہوں ۔
۷۔ تُو تو میرے کان ہے اور آنکھ ہے تو ہی میرا راز ہے ۔
۸۔ جب من کان للہ کان اللہ لہ یہی فرمان حق ہے ۔
۹۔ کبھی میں توئی (تُو ہے) کہتا ہوں اور کبھی منم (میں ہوں) جو کچھ میں کہوں وہی صحیح اور واضح ہے ۔
۱۰۔ میرے مشکات کی روشنی تُو ہے تجھ سے جملہ عالم کی مشکلات حل ہوں گی ۔
۱۱۔ جس تاریکی کو سُورج نہیں ہٹا سکتا اسے ہمارے جلوے سے روشنی ملے گی ۔

مرشدان کرام یعنی اولیاء عظام کے انفاس طیبہ میں برکت ہی برکت ہے ان سے زندہ اور مردہ ہر قسم کے لوگ فیض پا سکتے ہیں لیکن یاد رکھنا کسی جاہل غافل (پیر جعلی مرشد) کے ہاتھ نہ لگ جانا ان کی علامت یہی ہے کہ وہ شریعت پاک پر

(باقی بر صفحہ ۳۷۶)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَ
بِئْسَ الْقَرَارُ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝
قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ
لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ
مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ
كَفَّارٌ ۝

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جنھوں نے ناشکری کر کے نعمتِ الٰہی کو بدل ڈالا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں لا اتارا۔ یعنی دوزخ میں وہ اُس میں داخل ہوں گے اور یہ کیا ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے برابر کے شریک بنائے تاکہ اس کی راہ سے بہکا دیں۔ آپ فرمائیے کہ (دنیا میں چند روز) فائدہ اٹھالو پھر تم نے بالآخر جہنم میں جانا ہے۔ اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان بندوں سے فرمائیے جو ایمان لائے کہ نماز قایم کریں اور ہمارے دیے ہوئے سے میری راہ میں کھلے اور چھپے خرچ کریں اس دن سے پہلے جس میں نہ تجارت ہو گی نہ یاری دوستی۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی اتارا تو پھر اس سے کچھ تمہارے کھانے کے لیے پھلوں کو پیدا فرمایا اور کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ وہ اس کے حکم سے (دریا میں) چلیں اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر فرمایا اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو مسلسل چل رہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر فرمایا اور تمہارا ہر منہ مانگا سوال پورا کیا اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرو تو نہیں گن سکو گے بیشک انسان بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

عمل نہیں کرتے ہوں گے اگرچہ کئی گدیوں کے سجادہ نشین اور بڑے بزرگوں کی اولاد بھی کیوں نہ ہوں ہمارے دور میں ایسے بے عمل پیروں اور سجادہ نشینوں کی بہتات ہے اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے) ان کی تلقین و تربیت میں بہت بڑا فرق ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو حق مبین پر تاحیات ثابت قدم رکھے اور صدیقین سے بنائے اور ان لوگوں سے بنائے جو جہالت و غفلت کا شکار رہیں۔ آمین

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اس سے رویت بصری مراد ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب دلانا مطلوب ہے یعنی اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ان کی مثل سے تعجب نہیں فرمایا بَدَّلُوْا جنہوں نے تبدیل کیا نِعْمَتَ اللّٰهِ یہاں مضاف محذوف ہے ای شکر نعمة اللہ کُفْرًا یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر کو نعمت کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کرلیا۔ تبدیل کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے شکر نعمت کی بجائے کفر وضع کیا یا اس سے نفس نعمت کی تبدیلی مراد ہے مضاف محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں اس لیے کہ جب انہوں نے کفر کیا تو ان سے نعمت چھین لی گئی۔ اس معنیٰ پر انھیں نعمت کی بجائے کفر حاصل ہوا جیسے اہلِ مکہ کی حالت ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر اپنے حرم خاص (مکہ) میں ٹھہرایا بلکہ اپنے حرم پاک کا تمام انتظام انہی کے ہاتھ میں دیا اور انھیں رزق کی فراوانی بخشی۔ پھر سب سے بڑا فضل وکرم یہ کہ ان میں حضور سیدالانبیاء و امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا باوجود اینہمہ انہوں نے شکر کے بجائے کفر کیا۔ سزا کے طور پہلے انھیں سات سال قحط میں مبتلا کیا گیا اس کے بعد بدر میں کچھ قیدی بھی ہوئے اور بہت سے مارے گئے۔ اس طرح نہایت ذلیل وخوار ہوئے اور تمام نعمتیں ان سے چھن گئیں۔

مذمتِ بنوامیہ حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فاجر ترین گروہوں نے برائی کا ارادہ کیا ایک کو تو تم نے اے صحابیو! بدر میں مزہ چکھا لیا دوسروں کو چندروز دنیوی زندگی سے نفع اٹھانے کی مہلت دی گئی ہے ان دو گروہوں سے بنوالمغیرہ (قبیلۂ قریش) اور بنوامیہ مراد ہیں۔ بنوالمغیرہ کو بدر میں سزا ملی اور بنوامیہ (اس سے بعض یزید جیسے خبثاء مراد ہیں) کو مہلت ملی۔ چنانچہ ان حضرات عمر و علی رضی اللہ عنہما کے نزدیک تاویلی طور گویا انہی کے حق میں یہ آیت ہے: قُلْ تَمَتَّعُوْا (الآیہ) فرمائیے محبوب نفع اٹھا لیجئے۔

وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ اور انہوں نے اتارا اپنی قوم کو کفر وضلالت کا راستہ دکھا کر۔

سوال: تم نے کفر وضلالت کا اضافہ اپنی طرف سے کیوں کیا یہ تو ایجاد بندہ ہے اور وہ قرآن مجید میں ناجائز ہے۔

جواب: جب قرینہ پایا جائے تو وہ ایجاد بندہ نہیں ہوتا۔ جیسے:

یقدم قومہ یوم القیامۃ فاوردھم النار۔ فرعون اپنی قوم کے آگے ہوگا اور وہ ان سب کو جہنم میں داخل کرے گا۔

یہاں پر جہنم میں داخل کرنے والا فرعون کو کہا ہے حالانکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہاں مجازاً فعل کا اسناد فرعون کی طرف ہے۔ ایسے ہی وہاں ہے کہ احلال کا اسناد کافروں کے لیڈروں کی طرف ہے کیونکہ یہی لوگ اس کے سبب بنے۔ گویا انہوں نے دوسروں کو کفر وشرک کا حکم دیا تھا دَارَ الْبَوَارِ ہلاکت اور تباہی کا گھر جَهَنَّمَ دارالبوار کا علت بیان ہے یَصْلَوْنَهَا یہ جہنم سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ لوگ اس جہنم میں داخل ہوں گے اور اس کی گرمی سے پریشان حال ہوں گے۔ مثلاً

کہا جاتا ہے، صلی النار صلیا۔ وہ آگ میں داخل ہوا اور اس کی گرمی سے پریشان ہوا۔

وَبِئْسَ الْقَرَارُ اور جہنم بہت بُرا ٹھکانا ہے وَجَعَلُوْا اس کا عطف احلوا پر ہے اور تعجب کے حکم میں داخل ہے یعنی ان پر تعجب ہے کہ انہوں نے اپنے اعتقاد باطل اور گمان فاسد پر بنایا لِلّٰهِ اللہ تعالیٰ واحد کے لیے کہ جس کا کوئی شریک نہیں زمین میں نہ آسمان پر اَنْدَادًا شریک صرف نام کی تشبیہ سے۔ مثلاً وہ اپنے بتوں کو الٰہۃ کا لقب دیا کرتے یا عبادت میں شریک کرتے تھے لِيُضِلُّوْا تاکہ اپنی قوم کو گمراہ کریں جو انہیں اپنا سردار مانتی تھی جیسے وہ خود گمراہ ہیں عَنْ سَبِيْلِهٖ سیدھی راہ سے توحید سے۔ اور انہیں کفر و ضلالت کے گڑھے میں ڈالیں۔

سوال: کافرین کی بُت پرستی کی ایجاد سے گمراہ کرنا مطلوب نہ تھا وہ اس طریق کار کو اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔ لیکن قرآن نے اس کے برعکس فرمایا۔

جواب: اگرچہ کفار کا بت پرستی سے مقصود اپنا اعزاز تھا لیکن قرآن اصل نتیجے کو دیکھتا ہے کہ بت پرستی سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سوائے گمراہی کے اس سے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ جیسے کہا جائے، جئتك لتكرمني۔ جیسے اس جملے میں آنے کا نتیجہ مبنی بر اکرام ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

ف: لیضلوا کی لام استعارہ تبعیۃ کے طور ہے۔ اور اگرچہ اضلال کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ ضلال و کفر وغیرہ کا خالق وہی ہے لیکن کفار کی طرف اس کا اسناد مجازاً ہے کیونکہ وہی اس گمراہی کا سبب بنے یعنی وہی لیڈر اپنی قوم کو اس کفر اور گمراہی کی دعوت دیتے تھے۔

قُلْ آپ ان گمراہوں اور گمراہ گروں سے زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائیے تَمَتَّعُوْا اپنی اسی حالت یعنی شہوات نفسانیہ (جن میں بڑی بڑی نعمتوں کی ناشکری اور بت پرستی میں دوسروں کی پرستش بھی ہے) میں رہ کر چند روز نفع پا لو فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ کیونکہ قیامت میں تمہارا رجوع اِلَى النَّارِ جہنم کی طرف ہے جس سے کسی قسم کا گریز تم سے نہیں ہو سکتا۔ اس کی حاضری تم بنے لازماً دینی ہے اور پھر جہنم میں داخل ہونے کے سوا تمہارے پاس اور کوئی چارہ ہے ہی نہیں کیونکہ تمہارے احوال و اعمال کا تقاضا یہی ہے کہ تم جہنم میں داخل ہو۔ المصیر، صار التامۃ بمعنے رجع کا مصدر ہے۔ اور ان کی خبر الی النار ہے۔

مسائل فقیہانہ

ان دونوں آیتوں سے چند مسائل ثابت ہوئے،

① کفرانِ نعمت زوالِ نعمت کا سبب ہے، جیسے نعمت کے شکر سے نعمت کا اضافہ ہوتا ہے۔ ؎

شکر نعمت نعمتت افزوں کند

کفر نعمت از کفت بیروں کند

ترجمہ: نعمت کا شکر تیری نعمت میں اضافہ کرتا ہے اور نعمت کا کفران تیرے ہاتھ سے نعمت چھین لے گا۔

معراج کی حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کی چند شکایات کیں،

۱۔ میں نے انہیں کل آئندہ کے اعمال کا مکلف نہیں بنایا لیکن وہ مجھ سے کل آئندہ کے رزق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۲۔ میں نے انھیں رزق کے معاملہ میں غیر کا محتاج نہیں بنایا لیکن وہ اپنے اعمال غیروں کے سپرد کرتے ہیں۔

۳۔ رزق میرا کھاتے ہیں اور شکریہ غیروں کا ادا کرتے ہیں۔

۴۔ میرے ساتھ مخالفت اغیار سے مصالحت۔

۵۔ عزت میرے قبضۂ قدرت میں ہے اور انہیں معلوم بھی ہے کہ ہر ایک کو عزت دینا میرا کام ہے لیکن وہ غیروں سے مانگتے ہیں۔

۶۔ میں نے جہنم صرف کافروں کے لیے بنائی ہے لیکن یہ خود بخود اس میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۲) بُرا دوست جہنم کی طرف کھینچ کرلے جاتا ہے اور اسے اس لائق بنا دیتا ہے کہ وہ دائمی طور والدوا رہیں رہے۔

سبق : ہر سُنی مخلص مومن کے لیے لازم ہے کہ وہ اہل کفر و نفاق اور بدمذہبی کی صحبت سے پرہیز کرے تاکہ ان کا گندا عقیدہ اور بُرا عمل اس پر اثر انداز نہ ہو۔ اور اس زمانے میں تو ان کی بہتات ہے۔ پھر دوسرے وہ گمراہ جو صوفیانہ لباس پہن کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں ہم ایسے جاہل اور گمراہ کن صوفیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔

۵

اے فغان از یار ناجنس لے فغان

ہمنشیں نیک جوئید اے فغان

ترجمہ : یار ناجنس سے اجتناب کرو۔ ساتھی وہ تلاش کرو جو نیک ہو۔

(۳) جہنم صرف شریروں کا گھر ہے اور اس کی گرمی کی شدت سے خدا بچائے۔

حدیث شریف : حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ان اھون اھل النار عذابا رجلا فی اخمص قدمیہ جمرتان یغلی منھما دماغہ کما یغلی المرجل بالقمقمہ۔

اہل نار میں سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جس کے پاؤں کے نیچے انگارے رکھے جائیں گے تو ان کی گرمی سے اس کا دماغ ابلنے لگے گا جیسے ہنڈیا آگ کے جوش سے ابلتی ہے۔

ف : الاخمص بفتح الھمزہ ھو المتجافی من الرجل یعنی پاؤں کے نیچے والی وہ جگہ جو زمین کو مس کرتی ہے الغلیان جب آگ بھڑک اُٹھے تو ہانڈی کا پانی جوش سے کھولتا ہے یعنی پانی کے جوش سے کھولنے کو الغلیان کہا جاتا ہے۔ المرجل بکسر المیم و فتح الجیم

لہ شیعہ، وہابی، دیوبندی، تبلیغی، مودودی، مرزائی، چکڑالوی، نیچری وغیرہم یہ تمام فرقے اہل بدعت ہیں لیکن چالاک ایسے ہیں کہ الٹا ہم اہلسنت کو بدعتی کہتے ہیں۔ ۲۰

یعنے ہانڈی، تانبے کی ہو یا لوہے کی، پتھر کی ہو یا پختہ مٹی (ٹھیکری) کی ہو۔ یہی اصح ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف تانبے کی ہانڈی کو عربی میں المرجل کہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر الوہیت خالقیت اور رزاقیت کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ لیکن انہوں نے انہیں کفر، انکار اور جحود سے بدل دیا اور اپنے ارواح، قلوب، نفوس اور ابدان کو دار الہلاک میں آتار اور ابدان کو ایسے کر جہنم میں داخل ہو گئے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے کیونکہ اس مقام پر پہنچنے سے بندہ حضرت الیہ سے دور اور بہشت سے ہمیشہ کے لیے دُور ہو جاتا ہے اور اپنے نفوس کو درکات میں داخل کیا اور قلوب پر اندھاپن، بہرہ پن اور جہل وارد کیا اور ان کے ارواح علویہ طبیعت کے اسفل السافلین میں پڑے اس سے ان کے اخلاق حمیدہ ملکیہ اخلاق شیطانیہ سبعیہ ذمیمہ سے تبدیل ہو گئے پھر انہوں نے خواہشات نفسانیہ اور دنیا اور لذات شہوانیہ کو اپنا معبود بنا لیا تاکہ لوگوں کو اپنے پیچھے لگا کر طلب حق اور سیر الی اللہ (جو شریعت و طریقت کے اقدام سے چلنا پڑتا تھا) سے محروم کر دیا حالانکہ وُہ اسی سیر کی برکت سے حقیقت کی معرفت حاصل کرتا **قل تمتعوا** پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمائیے کہ شہوات دنیا اور اس کی نعمتوں سے خوب نفع پا لو **فان مصیرکم الی النار** پھر تمہارا رجوع نار کی طرف ہو گا وہ نار اجسام کو اور محرومی کی نار نفوس کو اور حسرت کی نار قلوب کو اور ہجر و فراق کی نار ارواح کو جلائے گی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ **قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ایمان دار بندوں کو۔
نکتہ: بعض علماء نے فرمایا کہ اس یاء متکلم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بہت بڑا شرف بخشا اور یہ شرف ایسا ہے کہ دنیا و آخرت دونوں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا اور یہ اضافت آزادی پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی اپنے غلام سے کہے یا ابن یا ولد تو وہ آزاد نہیں ہو گا۔ ہاں اگر اسے یا ابنی یا ولدی کہا جائے تو آزاد ہو جائے گا بوجہ یائے اضافت کے، اس قاعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو اپنی طرف مضاف کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو جہنم سے آزاد رکھے گا۔ علاوہ ازیں عبودیت سے اور کوئی بڑا عہدہ نہیں ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

کسوت خاجگی و خلعت شاہی چہ کند
ہر کرا غاشیہ بندگیت بر دوشست

ترجمہ: سرداری کی پوشاک اور خلعت شاہی کو وہ کیا کرے گا جس کے گلے میں تیری غلامی کا پٹہ ہے۔

نکتہ عارفانہ: حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ لوگ تو حساب کے دن سے

ڈرتے ہیں۔ لیکن مجھے اس کی ہر وقت تمنا رہتی ہے اس لیے کہ حساب لیتے ہوئے کسی وقت میرے رب کریم نے مجھے کہہ دیا ، عبدی ۔ تو دارین میں اس جیسا درجہ میرے لیے اور کوئی نہ ہوگا۔

ف : یہاں فعل محذوف ہے جیسا کہ اس کا جواب دلالت کرتا ہے۔ دراصل عبارت قل لهم اقیموا وانفقوا یعنی انہیں فرمائیے قائم کرو نماز اور خرچ کرو ہمارے عطا کیے ہوئے سے۔

يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس سے خرچ کریں، یعنی ان اعمال پر مداومت کریں۔

ف : یوں بھی ہے کہ قل کا مقولہ یقیموا وینفقوا ہیں کہ یہ دونوں امر بصورت خبر ہیں اور امر کو بصورت خبر اس کے مضمون کے تحقق اور مسارعۃ الی العمل کی وجہ سے لایا گیا ہے۔

سوال : اگر یہی معاملہ ہے تو نون کا باقی رہنا ضروری تھا لیکن یہاں پر محذوف ہے۔

جواب : نون اسی لیے حذف کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ خبر بمعنے امر ہے۔

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً بوجہ مصدریت منصوب ہے اور اس کا عامل فعل مقدر ہے۔ اصل عبارت ، انفقوا انفاق سر و علانیۃ ہے یا بوجہ حالیت کے منصوب ہیں۔ ای ذوی سر و علانیۃ بمعنے مسرین و معلنین۔ یا بوجہ ظرفیت کے منصوب ہیں ای وقتی سر و علانیۃ۔

مسئلہ : افضل یہ ہے کہ نفلی صدقات پوشیدہ طور دیے جائیں اور صدقات واجب ظاہر کر کے۔ اسی طرح نمازوں کا حکم ہے۔

مسئلہ : اس میں بندوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں عبادات بدنیہ سے بھی اور مالیہ سے بھی۔

مسئلہ : بندوں کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ متاعِ دنیا میں نہ پھنسیں اور نہ ہی اس کی طرف جھکیں، جیسے کفار کا طریقہ ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اس سے قبل کہ آئے۔ الارشاد میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ من، انفقوا کے متعلق ہے۔

يَوْمٌ اس سے قیامت کا دن مراد ہے لَّا بَيْعٌ فِيْهِ اس میں کوئی بیع نہیں۔

ف : بیع کی نفی سے شراء کی نفی ہو گئی۔ اس لیے کہ یہ آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔

وَلَا خِلٰلٌ اور نہ کسی کی دوستی کہ دوست کی سفارش کر کے عذابِ الٰہی سے چھڑا لے۔

نکتہ : اس سے وہ دوستی مراد ہے جو طبعی اور نفسانی میلان کے تحت ہو ورنہ اللہ والوں، درویشوں، فقیروں اور انبیاء علیہم السلام کی شفاعت حق ہے۔ کما قال تعالیٰ :

الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین۔ قیامت میں دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے

متقیوں کے۔ اس لیے کہ ان سے دوستی اور محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو گی۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے بیع وشراء، دیگر کاروبار اور دوستی وغیرہ میں کسی قسم کا فائدہ نہیں۔ اگر فائدہ ہے تو صرف طاعت الٰہی وعبادت ایزدی میں ہے منجملہ ان کے اقامت الصلوٰۃ والانفاق بھی ہے جبکہ ان میں اخلاص اور رضائے الٰہی مطلوب ہو کیونکہ ذخیرہ اندوزی اور اس کا خرچ کرنا صرف تجارات وعبادات (ہدایا وتحائف) کے لیے ہوتا ہے اور قیامت میں یہ باتیں نہیں ہوں گی اس لیے وہاں یہ اشیاء فائدہ نہیں دیں گی۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اعمال باطنیہ قلبیہ کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً ایمان وغیرہ۔ اسی طرح اعمال قالبیہ کی طرف بھی۔ جیسے اقامۃ الصلوٰۃ والانفاق وغیرہ۔

حضرت ابوسعید خراسانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے آسمان میں ہیں اور اس کے زمین کے خزانے مومن کے قلوب ہیں اس لیے کہ بندے کا قلب مخفی اسرار پوشیدہ رکھنے کے لیے ہی پیدا کیا ہے اس خزانے کی صفائی کے لیے ہوا بھیجی کہ اس سے کفر وشرک، نفاق اور غش کا کوڑا کرکٹ صاف کر کے اس کے بعد اس پر بادل بھیجا جب وہ برسا تو اس سے ایک درخت پیدا ہوا جس کا ثمر رضائے الٰہی اور محبت وشکر اور صفوت واخلاص اور طاعتِ الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کا باطن صاف ہو اس کا ظاہر خود بخود صاف ہو جاتا ہے۔

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقار جہنم کی نظر میں

حضرت مکحول شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب کوئی بندۂ خدا صدقہ وخیرات دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے قبول کر لیتا ہے تو جہنم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتی ہے، مجھے سجدۂ شکر کی اجازت دیجئے کہ مجھ سے امتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اُمتی بچ گیا صرف صدقہ کی برکت سے، کیونکہ مجھے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم آتی ہے کہ میں آپ کے کسی اُمتی کو جلاؤں، لیکن تیرا حکم ماننا واجب ہے ورنہ دل نہیں مانتا کہ تیرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی کو میری طرف سے دکھ اور درد پہنچے۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہر چہ داری چوں شگوفہ بر فشاں زیرا کہ سنگ
بہر میوہ میخورد ہر دم ز دست سفلہ شاخ

ترجمہ: جو کچھ تمہارے ہاں ہے شگوفے کی طرح خرچ کر ڈالو ورنہ کمینے آدمی کے ہاتھ سے وہ شاخ پتھر کھاتی ہے جس پر میوہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ بطریق دیگر

قل لعبادی میرے بندوں کو فرمائیے اور خواہش کے بندوں کو رہنے دیجئے ان سے میرا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں الذین آمنوا میرے وہ بندے جو عبودیت کی چوکھٹ اور قربت الٰہی کے فرش پر اور مناجات ومکالمات میں ہر وقت مشغول ہیں یقیموا الصلوٰۃ وینفقوا

نماز ادا کرتے ہیں اور طالبین مریدین پر خرچ کرتے ہیں مما رزقنھم سراً و علانیۃ اس میں سے جو ہم نے انھیں اسرار الٰہیہ سے عطا فرمایا اور طریقہ ربوبیت میں انھیں جو احکام عبودیت نصیب ہونے من قبل ان یاتی یوم اس دن سے قبل جو ان کے ارواح ان کے اجسام سے نکلیں لا بیع فیہ اس وقت بطریق طلب معاوضہ خرچ کرنے کی قدرت رکھے گا و لا خلال اور نہ ہی طریقہ دوستی ہے۔ اس لیے خرچ کرنے کا آلہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اب دعوت خلق الی الحق کی استعداد باطل ہوگئی۔ اب کسی سے تربیت اور سلوک کی باتیں اور تزکیہ و تہذیب و تادیب نہیں کرسکتا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ یہ مبتدا اور اس کی خبر اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیے آسمان اور جو اجرام علویہ ان کے اندر ہیں وَالْاَرْضَ اور زمین اور جو اس کے اندر انواع مخلوقات میں سے ہے۔

نکتہ: آسمانوں کا زمین سے پہلے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ آسمان بمنزلہ مذکر ہے اور الارض بمنزلہ مونث۔

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ اور آسمان پیدا کیا یعنی بادل سے اور جو انسان کے سر کے اوپر ہے۔ اسے عربی میں السماء کہا جائے گا۔ یا فلک سے نازل کیا اس لیے کہ پہلے بارش فلک سے پھر بادل سے زمین پہ اترتی ہے۔ چنانچہ ظواہر النصوص اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

فقیر (حقی) کہتا ہے میرے نزدیک یہی راجح تر ہے کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی نعمتیں بتائیں۔ سب سے پہلے بتایا کہ آسمان و زمین تمہارے لیے پیدا کیے ادہان کے تمام منافع تمہارے لیے ہیں اس کے بعد زمین و آسمان کے اندر کے منافعوں اور اشیاء کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا۔ اس سے واضح ہوا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ علیحدہ نعمت ہے اگر السمآء سے الفلک کے بجائے السحاب مراد ہو تو اس کے بالمقابل دوسری اور کوئی نعمت بیان نہیں فرمائی۔ اس سے بھی واضح ہوا کہ بارش فلک سے اترتی ہے۔ بہر حال جو بھی ہو یہاں مِنْ ابتدائیہ ہے۔

مَآءً پانی کی ایک قسم خاص یعنی بارش فَاَخْرَجَ بِهٖ پس اس کے ذریعہ اور سبب سے نکالا اس لیے کہ اس پانی میں قوت فاعلیہ رکھی گئی ہے جیسے زمین میں قوت قابلیہ ہے مِنَ الثَّمَرٰتِ پھلوں میں سے یعنی انواع و اقسام کے پھل رِزْقًا لَّكُمْ تمہارے لیے رزق، تاکہ تم اس سے زندگی بسر کرسکو یہاں رزق بمعنے مرزوق ہے جو تمام اشیاء مطعومہ و ملبوسہ کو شامل ہوگا اور رزقاً، اخرج کا مفعول بہٖ اور تبیینیہ اور الثمرٰت سے حال ہے اور لکم صفت ہے جیسے کہا جاتا ہے انفقت من الدراھم الفا۔ یا من تبعیضیہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے فاخرجنا بہ ثمرات۔ گویا یوں فرمایا

انزل من السماء بعض الماء فاخرج بہ بعض الثمرات۔	نازل کیا آسمان سے بعض پانی تاکہ اس سے بعض ثمرات تمہارے لیے نکالے۔

ہم نے بعض کی قید اس لیے لگائی ہے کہ نہ تو سارا پانی آسمان سے اترتا ہے اور نہ ہی تمام پانی سے تمام ثمرات نکلتے ہیں۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین تواکہ کھجور اور تربوز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تربوز اور کھجور ایک ساتھ کھایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ کھجور کی گرمی تربوز سے اور تربوز کی سردی کھجور سے مرتی ہے اس لیے کہ کھجور گرم اور تر ہے اور تربوز سرد اور تر ہے۔ (کذا فی شرح المصابیح)

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صبح کو سات عجوہ[1] کھجوریں کھاتا ہے اس پر اس دن جادو اور زہر اثر نہیں کریں گے۔

شرح الحدیث تصبح بمعنے اکل وقت الصبح یعنی صبح کے وقت نہار منہ کھانا۔ عجوۃ، مسع ثمرات سے علت بیان ہے مدینہ طیبہ کی ایک بہترین خرما ہے جو سیاہی مائل ہوتی ہے۔ اس کھجور میں فطرۃً یہ اثر رکھا گیا ہے یا اسے حضور علیہ السلام کی دعا ہے (قوی تر قول ثانی ہے کیونکہ یہی عجوہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بھی تھی لیکن اس میں پہلے یہ تاثیر نہیں تھی) اسے آپ نے اس وقت دعا دی جب آپ کے صحابہ نے عرض کی کہ مدینہ کی کھجور ہمارے پیٹ جلا دیتی ہے یعنی سخت گرم ہے۔ تو آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منہ نہار کھجور کھایا کرو کیوں کہ یہ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے۔

انگور کھانے کی سنّت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا گیا کہ آپ انگور کے گچھے سیدھے ہاتھ میں لے کر بائیں ہاتھ سے دانہ دانہ منہ میں ڈالتے تھے۔ (کذا فی الطب النبوی)

اعجوبے

① خربوزے اور انار میں بہشت کے پانی کا ایک قطرہ ہے۔

② حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انار کھاؤ کیونکہ انار کا ہر دانہ جونہی پیٹ میں جاتا ہے تو دل کو نور بخشتا ہے اور شیطان کو چالیس روز تک گونگا بنا دیتا ہے۔

③ حضرت جعفر بن محمد نے فرمایا کہ ملائکہ کی بُو گلاب سی ہے اور انبیاء کی بھدانہ کی، حور کی اور آس (مورد) کی۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ اور کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ یعنی ان کی صفت اور ان کے استعمال پر تمہیں قدرت بخشی بایں طور کہ ان کے کو الف تمہیں الہامی طور معلوم ہوئے اور تم نے انھیں استعمال کیا اور ان سے فوائد حاصل کیے لِتَجْرِيَ تاکہ وہ کشتیاں جاری ہوں فلک جمع ہے اور اس کا واحد اور جمع کا صیغہ ایک طرح کا ہوتا ہے فِي الْبَحْرِ دریا میں بِأَمْرِهِ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادے سے جہاں تم ان کشتیوں کو لے جانا چاہو کشتیاں تمہارے لیے ایسی آسانی

---

[1] عجوہ بالفتح مدینہ منورہ میں ایک عمدہ خرما ہے ۱۲ غیاث

سے چلتی ہیں جیسے خلا میں دھواں اور ہوائیں۔

عرب البحر کی شرح میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص سے فرمایا کہ دریا کا وصف بیان کیجئے۔ عرض کی،

اعجوبہ اے امیر المومنین! دریا اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی مخلوق ہے۔ اس پر ایک کمزور مخلوق سوار ہوتی ہے۔ طرفہ یہ کہ بوجھل لکڑی دریا پر بہت بڑا وزن لے کر تیرتی ہے۔

مسئلہ: جب خطرہ نہ ہو تو مرد و عورت دونوں کو دریائی سفر کرنا جائز ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ (کذا فی انوار المشارق)

مسئلہ: بلاضرورت عورتوں کو کشتی میں دریائی سفر کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس سے کشتی میں سترِ عورت ناممکن ہو جاتا ہے نہ ہی مردان کے دیکھنے سے آنکھیں بند رکھ سکتے ہیں۔ کشتی میں احتیاط کے باوجود سترِ عورت عورتوں کے بس کی بات نہیں بالخصوص جب کشتی چھوٹی ہو۔ علاوہ ازیں کشتی میں مردوں کے سامنے قضائے حاجت کا مسئلہ۔ لہٰذا ان کے لیے ہر طرح سے مصیبت ہے۔ بنا بریں انھیں کشتی کے سفر سے احتراز لازمی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهٰرَ اور نہریں تمہارے لیے مسخر کی ہیں یعنی بڑی نہروں کے وہ زوردار پانی جو کسی کے قابو میں نہیں آ سکتے تمہارے تابع ہیں۔ یعنی نہریں تمہارے نفع کے لیے تیار کی گئی ہیں کہ تم ان سے چھوٹے کھالے نکال کر اپنے کھیتوں اور باغات کو سیراب کرتے ہو اور دیگر ضروریات و حوائج پوری کرتے ہو۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس میں لام جنس یا عہد کا ہے۔ اس میں ان پانچ بڑے دریاؤں کی طرف اشارہ ہے:

① سیحون (نہر الہند)

② جیحون

③ بلخ

④ دجلہ و فرات۔ یہ دونوں عراق کے دریا ہیں۔

⑤ نیل۔ یہ مصر کا بڑا دریا ہے۔

ان سب کا سرچشمہ بہشت کا ایک چشمہ ہے۔ ان کو پہاڑوں کے دامن سے ظاہر کر کے تمام روئے زمین پر ان کا پانی پھیلایا ہے اور ان سب پر انسان کا قبضہ ہے اور انہی سے انسان کو نفع یابی کا موقع بخشا ہے کہ اپنی زندگی کی ضروریات انہی دریاؤں سے پورا کرتا ہے۔

ف: مذکورہ بالا دریا اصل اور باقی چھوٹے بڑے دریا اور نہریں انہی دریاؤں کی شاخیں ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سورج اور چاند تمہارے لیے مسخر کیے درانحالیکہ دَآئِبَيْنِ برابر چل رہے ہیں کبھی بھی منقطع نہیں ہوتے۔

حلِ لغات: تہذیب المصادر میں ہے کہ الدأب بمعنی دائمی شدن یعنی دائمی ہونا۔ اب دائبین بمعنی دائمین متصلین ہوگا۔ یعنی وہ قیامت تک دائمی اور غیر منقطع طور پر برابر چل رہے ہیں۔

اور قاموس میں ہے کہ دأب فی عملہ دأبا از باب منع، اس کا مصدر کبھی بسکون الہمزہ آتا ہے اور کبھی متحرک ہوکر، یعنے بفتحتین اور دُءُوبا بالضم بمعنے جِد و تعب۔ اس لغت پر دائبین بمعنے مجدین فی سیرھما و انارتھما و درئھما الظلمات یعنی سورج اور چاند دونوں چلنے، روشنی دینے اور ظلمات دُور کرنے میں جدوجہد کرتے ہیں، اور وہ زمین، ابدان اور انگوریوں کی اصلاح میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔

ف : سورج چاند سے افضل ہے اس لیے کہ سُورج چاند اور ستاروں کے انوارِ فلکیہ کا خزانہ ہے۔ علاوہ ازیں چاند اور ستارے سورج سے نور پاتے ہیں۔ اسی بناء پر سورج ان کا اصل ہوا اور وہ اس کی فرع۔ اور ستارے اور چاند سورج سے اسی قدر نورانیت پاتے ہیں جس قدر اس کے بالمقابل ان میں صفائی ہوتی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور رات دن تمہارے لیے مسخر کیے گھٹتے بڑھتے ہوئے ایک دُوسرے کے آگے پیچھے آتے ہیں اور روشنی اور تاریکی پھیلاتے اور حرکت و سکون لاتے ہیں تاکہ تم ان میں اپنے معاشی امور، نیند کا سلسلہ، باغات اور کھیتوں، ثمرات کا عقد اور ان کے پکنے کے معاملات صحیح کر سکو۔

دن افضل ہے یا رات

دن افضل ہے یا رات؛ اس کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے۔

- بعض حضرات کا خیال ہے کہ رات افضل ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر دن سے پہلے فرمایا ہے
- رات آقا و مولیٰ یعنی خالق الارض والسماء کی عبادت کے لیے ہے اور دن اپنے نفس اور مخلوق کی خدمت کے لیے ہے خالق و مخلوق کی نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے رات کا دن سے افضل ہونا ضروری ہے۔
- رات کے اندر ہی انبیاء علیہم السلام کو معراجیں ہوئیں۔ اگر رات کو دن پر افضلیت نہ ہوتی تو اس قدر عظیم کام رات میں سرانجام نہ پاتا۔ اسی لیے امام نیشاپوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

الليل افضل من النهار۔ رات دن سے افضل ہے۔

مزید دلائل از صاحب روح البیان اور نکتہ صوفیانہ

- فقیر (حقی) کہتا ہے کہ چونکہ رات سکون و راحت کا مرکز ہے اور اس میں سترِ ذات ہے۔ اور دن حرکت کا مرکز ہے اور اس میں سترِ صفات ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سترِ ذات سترِ صفات سے افضل ہے۔ نیز سکون ہی وہ مرتبہ ہے جو ہر مرتبہ کا اوّل بھی ہے اور آخر بھی۔ اس حدیث قدسی کا اسی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حدیث قدسی

كنت كنزاً مخفياً فاحببت ان میں مخفی خزانہ تھا میرا ارادہ ہوا کہ میں ظاہر ہوں۔
اعرف فخلقت الخلق۔ اس پر میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔

ف : ظاہر ہے کہ خلق حرکت معنویہ کی مقتضی ہے اور اس حرکت اور خلق سے پہلے سکون ہی سکون اور ذات بحت (مطلق علی الاطلاق) کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

حج اکبری ایامِ ہفتہ سے جمعہ کا دن افضل ہے۔ اور جب عرفہ یعنی حج کا دن جمعہ کو ہو تو وہ حجِ اکبر کہلاتا ہے کیونکہ اس کا ثواب بہ نسبت دوسرے ایامِ حج سے ستر گنا زیادہ ہوتا ہے گویا جمعہ کے روز حج کا ستر گنا زائد ثواب نصیب ہوتا ہے۔

شبِ میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام راتوں سے افضل ہے

(صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا)

افضل اللیالی لیلۃ المولد المحمدی لولاہ	تمام راتوں سے میلادِ نبوی کی شب افضل ہے
ما نزل القرآن ولا نعتت لیلۃ القدر	کیونکہ اگر حضور نہ ہوتے تو نہ قرآن ہوتا نہ لیلۃ القدر
وھو الاصح[1]۔	ہوتی۔ اور یہی درست ہے۔

وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ اور جو کچھ تم نے مانگا اللہ تعالیٰ نے وہی عطا فرمایا۔ یعنی تم نے جتنا مانگا اس میں سے تمہیں اتنا ہی عطا فرمایا جس میں تمہاری مصلحت تھی۔ اور اس عالم میں جتنا موجود ہے یہ اس کا وہ بعض حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے مقدر فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیھا ما نشاء۔	جو جلد بازی کرتا ہے ہم اسے اتنا عنایت فرماتے ہیں جتنا ہم چاہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے یا یہ معنے ہے کہ جو تمہارے منہ سے نکلتا ہے میں (اللہ) عطا فرما دیتا ہوں۔ اس معنے پر یہ مِنْ بیانیہ ہے اور کُلّ تکثیر کے لیے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

فلان یعلم کل شئ واتاہ کل الناس۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا[2]:

وفتحنا علیھم ابواب کل شئ۔	اور ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ جو اشیاء تمہاری ضرورت کی تھیں وہ سب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیں تم نے ان کی درخواست کی یا نہ۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گنو۔ یعنی وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہیں تمہارے چاہنے پر یا تمہاری درخواست کے بغیر لَا تُحْصُوْهَا تم ان کا حصر و شمار نہیں کر سکتے تفصیلاً تو بالکل ناممکن ہے اور اجمالاً بھی

---

[1] یہی ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے جسے وہابی دیوبندی غیر مقلد مودودی وغیرہ وغیرہ غلو سے تعبیر کرتے ہیں لیکن بیچارے بدبختی فرقے ہیں۔ اسی لیے اسلاف کے عقائد کے خلاف چلتے ہیں ناظرین غور فرمائیں کہ صدیوں پہلے کون سا عقیدہ تھا ۱۲

[2] یہی جواب وہابی دیوبندی کو دیا جاتا ہے جبکہ وہ حضور علیہ السلام کے کلی علم پر نیت پیش کرتا ہے۔

تمہارے امکان سے باہر ہے بوجہ ان کی کثرت اور لا متناہی ہونے کے ۔

قاعدہ : اس سے ثابت ہُوا کہ مفرد اضافت کے وقت استغراق کا فائدہ دیتا ہے ۔

اِحْصَاءٌ کا معنیٰ لغت میں بمعنے شمار کرنا اور عرف میں معین گنتی پر کنکری وغیرہ رکھنا تاکہ گنتی میں غلطی واقع نہ ہو اور نئی گنتی کے لیے آسانی ہو ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا جب شمار نہیں تو پھر اس کے لیے گنتی کیسی ۔

نعمتوں کی اقسام نعمتیں دو قسم کی ہیں :

- نعمۃ المنافع
- نعمۃ دفع المضار

نعمۃ المنافع جیسے صحت الابدان ، عافیت ، مطاعم (کھانے کی اشیاء) ، مشارب (پینے کی چیزیں) ، ملابس (پہننے کی اشیا) ، مناکح (عورتوں مردوں کے نکاح وغیرہ) ، اموال ، اولاد سے تلذذ اور سرور و فرحت پانا ۔

نعمۃ دفع المضار (یعنی ضرر رساں اشیا کے دفع ہونے کی نعمت) جیسے امراض ، شدائد ، فقر (افلاس و تنگدستی) ، بلائیں ۔

ف : سب سے بڑی اور بزرگ ترین نعمت یہی ہے کہ حسین تخلیق اور معرفت کا الہام نصیب ہو ۔

نعمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلمی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس آیت میں نعمت سے ہمارے حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اس لیے کہ آپ ہی جمیع مخلوق اور خالق اکبر کے درمیان وسیلہ جلیلہ ہیں ۔

وہابی کُش قول (سلمی نے فرمایا) حقیقت یہ ہے کہ آپ ہی وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا کے صحیح مصداق ہیں اس لیے کہ آپ کے کمال کی صفات اور آپ کے حُسن و جمال کے انوار کی شرح دائرۂ تصور و تخیل سے باہر اور اندازۂ تامل و تفکر سے افزوں ہے ۔

ؔ

بر ذروۂ معارج قدر رفیع تو

نے عقل راہ یابد و نے فہم پے پرد

ترجمہ : آپ کی بلند قدر معارج کی چوٹی تک نہ کسی کی عقل کو رسائی ہو سکتی ہے نہ کسی کا وہم و ادراک وہاں پہنچ سکتا ہے ۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ بیشک انسان بہت بڑا ظالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر سے غفلت کرکے انہی

نعمتوں کی کمی کا سبب بنتا ہے یا نعمتوں کو حاصل کرنے کے بعد انھیں غیر محل پر صرف کرتا ہے یا انہی نعمتوں کی ناشکری کر کے ان سے محروم ہو کر اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے کَفَّارٌ بہت بڑا ناشکرا۔ یا شدائد و مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکوہ اور جزع فزع کر کے اپنے اوپر ظلم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو خرچ کرنے کے بجائے روک دیتا ہے۔

ف : الانسان کی الف لام جنس کی ہے اور ظلم و کفرانِ نعمت کے حکم کے مصداق وہ لوگ ہیں جن میں یہ اوصاف پائے جائیں۔ (کذا فی الارشاد)

حکایت عجیبہ ایک تنگدست اور مفلس نے کسی کامل بزرگ سے اپنی تکالیف و شدائد کی شکایت کی۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ اگر تجھے دس ہزار روپیہ دے کر اندھا بنا دیا جائے کیا تم اسے گوارا کرو گے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا اگر تیرے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر تجھے بیس ہزار روپیہ دیا جائے تو تُو مان لے گا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: اگر دس ہزار روپے دے کر تجھے پاگل بنا دیا جائے تو تُو خوش ہوگا؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: بیوقوف! تجھے اس کریم نے یہ اشیاء مفت عنایت فرمائی ہیں پھر بھی اس مالک کا شکوہ کرتے ہو۔

حکایت ایک بادشاہ کے ہاں حضرت سماک تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ بادشاہ ایک پانی کا پیالہ پینے کے لیے ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے حضرت سماک سے عرض کی کہ آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اگر ایسی سخت پیاس ہو کہ آپ جاں بلب ہو رہے ہوں اور کوئی تجھ سے کہے کہ کل جائداد منقولہ غیر منقولہ کے بدلے ایک پیالہ دیا جائے گا کیا تو اپنی جائداد دے کر وہ پانی کا پیالہ لینا گوارا کرے گا؟ اس نے کہا جائداد جان سے پیاری نہیں جائداد دے دوں گا۔ پھر فرمایا: اگر تیری شاہی کے بدلے اس وقت پانی کا پیالہ ملے تو؟ بادشاہ نے کہا بادشاہی دینا بھی منظور کروں گا۔ آپ نے فرمایا: جب صرف پانی کا پیالہ تیری شاہی کی قیمت ہے تو پھر ایسی شاہی کا کیا اعتبار!

سبق : اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے صرف ایک گھونٹ پانی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس پر بندہ ساری خدائی قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے تو پھر دیگر نعمتوں کا کیا کہنا۔ بلکہ انسان کو ایک سانس کی قیمت بھی ادا کرنا مشکل ہے کہ اگر ایک بار سانس بند ہو جائے اور اسے کہا جائے کہ یہ تب کھلے گا جب تو مقبوضہ ساری خدائی قربان کر دے۔ تو وہ ساری خدائی قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر اسے کسی گرم حمام یا ایسے کنوئیں میں بند کر دیا جائے جس میں ہوا کے سخت جھٹکے لگتے ہوں، تو ایسی سخت اور گندی فضا سے جاں بلب ہو جانے پر ساری خدائی قربان کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کے بدن میں ایسی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا احصا کسی سے نہیں ہو سکتا۔

۵

نعمت حق شمار و شکر گذار\
نعمتش را اگرچہ نیست شمار

۲ شکر باشد کلید گنج مزید

گنج خواہی منہ ز دست کلید

ترجمہ : ۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کر اگرچہ اس کی نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔

۲۔ شکر اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجی ہے اگر خزانہ چاہیے تو چابی ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ الذی خلق السمٰوٰت اللہ وہ ہے جس نے قلوب کے سماوات پیدا فرمائے و الارض اور نفوس کی زمینیں بھی و انزل من السماء اور قلوب کے سما سے نازل فرمایا ماء حکمت کا پانی فاخرج به من الثمرات پس حکمت کے پانی سے طاعات کے ثمرات ظاہر فرمائے رزقا لکم تمہارے ارواح کا رزق، اس لیے کہ طاعات ارواح کی غذا ہیں جیسے اطعمہ ابدان کی غذا ہیں و سخر لکم الفلك اور تمہارے مسخر کر دیں شریعت کی کشتیاں لتجری فی البحر تاکہ وہ بحر حقیقت میں جاری ہوں بامرہ امرِ حق سے، نہ امر ہوٰی اور طبع سے، اس لیے کہ شریعت کی کشتیوں کو اگر طبیعت اور خواہش نفسانی سے چلایا جائے تو وہ کشتیاں جلد ٹوٹ جاتی ہیں بلکہ غرق ہو جاتی ہیں انہیں حقیقت کے ساحل پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر وہ امر الٰہی سے چلیں یا انہیں حقتعالیٰ کے ملاح چلائیں تو بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ حقتعالےٰ کے ملاح مشائخ عظام اور اولیائے کاملین ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔	اللہ و رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔

اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اطاع امیری فقد اطاعنی و من اطاعنی فقد اطاع اللہ۔	جو میرے امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے جو میری اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔

آیۃ و حدیث سے امیر سے شیخ کامل اکمل مراد ہے۔

سبق : بحر حقیقت میں بہت سی شریعت کی کشتیاں چلتی ہیں۔ لیکن چونکہ وہ خواہش نفسانی اور طبع حیوانی سے جاری ہوتی ہیں۔ بنا بریں وہ خواہشات کی ہواؤں کے جھونکوں اور دھوکا کی لہروں کی طغیانی سے پاش پاش ہو کر غرق ہو جاتی ہیں۔ انہیں حقیقت کا کنارا نصیب نہیں ہوتا۔

وسخر لکم الانھٰر اور تمہارے لیے علوم لدنیہ کے دریا مسخر فرمائے وسخر لکم الشمس اور تمہارے کشوف کے سورج و القمر اور مشاہدات کے قمر مسخر فرمائے دائبین درانحالیکہ وہ کشوف و مشاہدات تمہارے لیے دائمی ہوتے ہیں۔ وسخر لکم الّیل اور تمہارے لیے بشریت کی شب و النھار اور روحانیت کے دن مسخر فرمائے۔ (باقی بر صفحہ ۳۹۱)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ رَبِّ
اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؕ رَبَّنَآ
اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ
اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ؕ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ
مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ؕ اَلْحَمْدُ
لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ؕ رَبِّ
اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ؕ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ؕ

ترجمہ : اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب تعالیٰ اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا اے میرے رب تعالیٰ بتوں نے بہت سے لوگوں کو بہکا دیا ہے سو جو میری پیری کرے تو وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے اے ہمارے رب تعالیٰ میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے نزدیک ایک ایسی وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہوتی اے رب ہمارے اس لیے کہ وہ نماز قایم کریں تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور کچھ پھلوں سے انھیں کھانے کو عطا فرما شاید وہ احسان مانیں اے رب ہمارے تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کوئی شے مخفی نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق (علیہما السلام) عطا فرمائے۔ بیشک میرا رب تعالیٰ دعا سننے والا ہے اے میرے رب مجھے نماز کا قایم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی اے رب ہمارے میری دعا قبول فرما۔ اے رب ہمارے مجھے اور میرے ماں باپ اور تمام مومنوں کو بخش دے جس دن حساب قائم ہوگا۔

(بقیہ تفسیر ص ۳۹۰)

ف : ان کی تسخیر کا معنیٰ یہ ہے کہ قبول فیض الٰہی (جو تمام مخلوقات سے صرف انسان کے لیے مختص کیا گیا ہے) کی استعداد کی تکمیل کے لیے ان اشیاء مذکورہ کو سبب بنایا جاتا ہے۔

و اٰتٰکم من کل ما سالتموہ اور تم نے جو چاہا اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرما دیا۔ اس میں اس استعداد کی طرف اشارہ ہے جو ہر انسان کو ازل میں عطا ہوئی جبکہ انسان نے عرض کی یا اللہ! ہمیں اپنے فیض کے قبول کرنے کے لیے وہی استعداد عطا

فرمادی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے؛

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ بیشک ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا۔

یہ اسی ازلی استعداد کی طرف اشارہ ہے پھر انسان کو وہاں سے آزمائش کے لیے اسفل السافلین کی طرف منتقل فرمایا۔ چنانچہ فرمایا؛

ثم رددناہ اسفل السافلین۔

جب انسان اسفل السافلین کی طرف منتقل ہونے لگا تو اس نے عرض کی؛ اے الٰہ العٰلمین! مجھے ایسے اسباب عطا فرما دے جو مجھے اسفل السافلین سے نکال کر اعلیٰ علیین تک پہنچا دیں۔

یہ جہان تیرے لیے اور تو خدا کے واسطے ان آیات پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ کل کائنات حضرت انسان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے گویا اصل مقصود حضرت انسان ہے باقی کل کائنات اسی کے طفیل ہے۔ اسی لیے ہم نے کہا کہ یہ کل اشیاء انسان کی تکمیل کے لیے ہیں۔ خود حضرت انسان ایسی بے نظیر نعمت ہے کہ اس کا احصاء بھی ناممکن ہے اور اس کی تابع نعمتوں کا شمار کیسا اور ان سب کے فوائد دائمی طور انسان کو نصیب ہوں گے اور وہ فوائد بھی غیر محدود ہیں۔ بالخصوص وہ نعمتیں زیادہ قابل قدر ہیں جو عواطف الوہیت اور عوارف ربوبیت سے متعلق ہیں۔

ان الانسان لظلوم جب انسان حق سے روگردانی کر کے باطل کی طرف میلان رکھتا ہے تو ازلی استعداد کامل کو ضائع کر دیتا ہے اس لیے وہ ظالم کہلایا **کفار** جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔ جب ان کی قدر شناسی نہ کرتے ہوئے شکر الٰہی بجا نہیں لاتا تو وہی نعمتیں اس کے لیے عذابِ الٰہی بن جاتی ہیں اس معنے پر اسے کفار کہا گیا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ یاد کیجئے اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! ابراہیم علیہ السلام کی اس گھڑی کو جب وہ کعبہ معظمہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر کہہ رہے تھے رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اے اللہ تعالیٰ بنا دے اس شہر مکہ کو اٰمِنًا امن والا یعنی اس کے مکینوں کو امن و عافیت عطا فرما کر انھیں تمام تکالیف و شدائد سے امن ہو۔ مثلاً نہ وہ کسی کے قتل سے خوف کریں، نہ انھیں کسی کی لوٹ مار کا خطرہ ہو اور نہ انھیں ایسے امراض کا ڈر ہو جو تباہ کن ہیں۔ جیسے برص، کوڑھ وغیرہ

ف ؛ امن کا اسناد البلد کی طرف مجازی ہے صرف اس مناسبت سے کہ وہیں پر امن حاصل ہوگا ورنہ درحقیقت امن تو اہلِ بلد کو نصیب ہوگا۔

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اور مجھے اور میری اولاد کو دُور رکھنا۔ اجنب ازباب نصر ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے، اجنبتہ نصرتہ کی طرح جنبت و اجنبت۔ اجنبت وجنبت کا ایک معنیٰ ہے بمعنے ابعدت یعنی میں نے دُور رکھا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے اور انھیں دُور رکھنا اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ یہ کہ ہم بُت پرستی کریں یعنی ہمیں بت پرستی سے علیحدہ دُور کے کنارے پر رکھنا اور جیسے ہم تیری توحید اور اسلام اور ملتِ حق پر ہیں اسی پر ہمیں ثابت قدمی بخشنا۔

ف : مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی قوم کو دیکھا کہ وُہ بُت پرستی میں مبتلا ہے تب آپ نے یہ دُعا فرمائی۔

ف : فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر عمرو بن لحی تک تمام اہل عرب بت پرستی کی لعنت سے محفوظ رہے۔ لیکن جب اس خبیث نے بت پرستی کا آغاز کیا تو اکثر قبائل اس میں مبتلا ہونے اور عمرو بن لحی قبیلہ خزاعہ کا لیڈر تھا اس نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بگاڑ کر عرب میں گمراہی کے کئی جال بچھائے کعبہ معظمہ میں سب سے پہلے اسی نے بت نصب کیے اور کعبہ میں بت پرستی کا آغاز کر کے تمام قبائل کو اس کی دعوت دی۔ اس سے کعبہ میں بت پرستی کی لعنت شروع ہوئی۔

ف : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ارض مقدس کے باشی اکثر بت پرست تھے آپ نے دُعا فرمائی کہ ان کی اولاد ان کی طرح بت پرستی میں مبتلا نہ ہو جائے کیونکہ ارض مقدسہ کے مقیموں کا کردار دُوسروں پر جلد اثر انداز ہوتا تھا اس لیے آپ نے اپنی اولاد کے لیے دُعا فرمائی۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام کی دُعا مسترد ہو گئی (معاذ اللہ) اس لیے کہ آپ کی اولاد بت پرستی میں مبتلا ہُوئی۔ قریش بت پرست تھے اور قریش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

جواب : دُعا مستجاب ہُوئی کیونکہ نہ آپ نے بت پرستی کی اور نہ ہی آپ کے پوتوں پر پوتوں نے۔ ہاں کئی پشتوں کے بعد یہ سلسلہ جاری ہوا۔ اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کے خلاف نہیں۔

جواب ۲ : حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس دعا سے مقصد یہ تھا کہ میری اولاد میں یہ سلسلہ قائم رہے کہ کلمۂ توحید ان میں الیٰ یوم القیٰمۃ باقی رہے۔

چنانچہ اس تقریر کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ۔ — اور اللہ تعالیٰ نے توحید کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں رکھا۔

یہ آیت حٰمٓ زخرف سورۃ میں ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کی تمام اولاد بت پرستی میں مبتلا نہیں ہوئی تھی ان میں بہت سے خوش قسمت ایسے گزرے ہیں جنہیں بت پرستی سے فطرۃً نفرت تھی۔ (جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ) بلکہ احادیث صحیحہ سے ایسے حضرات کے لیے تصریح بھی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا تسبوا مضر فانہ کان علی ملۃ ابراھیم۔ — مضر کو گالی مت دو کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ صدیاں گزر جائیں زمانے ختم ہو جائیں لیکن کلمۂ توحید ان کی اولاد سے نہ نکلے۔ کثرت وقلت کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس تک توحید کا دامن مضبوطی سے پکڑنے والے اگر کوئی تھے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ (صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں) یہ میری ذاتی تحقیق ہے جو اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی توفیق سے عرض کر دی ہے۔ (فقیر اویسی غفرلہٗ کہتا ہے یہی تقریر موزوں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کو ہم مسلمان مرحد مانتے ہیں ان کو مومن وموحد ثابت کرنے کے لیے یہی تقریر موزوں ہے)

نکتہ وقاعدہ تفسیریہ الاصنام جمع لانے میں اشارہ ہے کہ جس غیر اللہ کی عبادت کی جانے وہی صنم ہے اور جمع کے صیغہ سے ہر فرد شامل ہو گیا اس لیے قاعدہ ہے کہ وہ جمع جو معرف باللام ہو اس کے ہر فرد کو شامل ہوتا ہے جیسے مفرد کے صیغہ پر الف ولام داخل ہو تو اس سے ہر فرد مراد ہوتا ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ یعنی ائمہ تفسیر واصول و نحو کا یہی مذہب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا جسے صنم سے تعبیر کیا جائے اس سے مجھے اور میری اولاد کو بچائیے۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: اس سے صرف سونے اور چاندی سے اجتناب کی دعا کی ہے اس لیے کہ نبوت کے لیے بت پرستی کا توہم تک نہیں ہوتا۔ اس معنے پر مطلب یہ ہوا کہ آپ نے دنیا کی دھوکہ سازی سے نکلنے کی دعا کی ہے۔ (امام غزالی)

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ امام غزالی کا سونے چاندی کی تخصیص کر کے دنیا مراد لینا بجا ہے کیونکہ یہی سونا چاندی تو ہے جس کی محبت سے انسان جلد تر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طالبِ دنیا کو دراہم ودنانیر کے پجاریوں سے تشبیہ دی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

تعس عبد الدراھم تعس عبد الدنانیر۔ یعنی دراہم ودنانیر کے پجاریوں کے لیے ہلاکت ہے۔

ف: امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دراہم ودنانیر کی گمراہی میں عظمت کے پیشِ نظر ان دونوں کا نام لیا ہے ورنہ ہر وہ شے جو ازقبیل خواہش نفسانی ہو (صوفیا کے نزدیک) وہی صنم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ۔ کیا اسے نہیں دیکھتے ہو جو اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بناتا ہے۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

فائدہ صوفیانہ نفس کا صنم دنیا اور قلب کا صنم عقبیٰ اور روح کا صنم درجاتِ علیا اور سِر کا صنم قربتِ الٰہی کا عرفان اور خفی کا مکاشفات ومشاہدات وانواعِ کرامات کے شوق میں لگا رہنا عارف کامل کا مقصد وحید صرف فناء من الکل ہے۔

سالک پاک رو نخوانندش
آنکہ از ماسوٰی منزّہ نیست

ترجمہ: سالک اسے پاک رو کہتے ہی نہیں جو ماسوی اللہ سے پاک اور منزّہ نہیں۔

صاحبِ روح البیان کے پیرو مرشد کی عارفانہ تقریر

(اسماعیل حقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) مجھے میرے شیخ نے ایک خصوصی مجلس میں فرمایا کہ دنیادار بہت ہیں اور عقبیٰ کے طالب قلیل ہیں۔ اور طالب المولیٰ اس قدر کم ہیں جیسے سلاطین و ملوک کہ مملکت و سلطنت کے مالک وہی حضرات ہوتے ہیں لیکن وہ بہ نسبت وزراء کے بہت قلیل ہوتے ہیں، اسی طرح وزراء دوسرے صاحبانِ اقتدار سے کم، اور صاحبانِ اقتدار عوام کی بہ نسبت تھوڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ اور عوام کی نسبت سمجھیے۔

سبق صوفیانہ

اہلِ حق کے لیے لازم ہے کہ وہ مطلقاً اصنام اور حجابات سے کنارہ کش ہو جائیں۔ یاد رہے کہ سب سے بڑا بُت اور بہت بڑا حجاب انسان کا اپنا وجود ہے جسے ہستی سے تعبیر کرتے ہیں۔

۵

ہستی بود وجود مغربی لات و منات او بود
نیست بُتے چو بود او در ہمہ سومنات تو

ترجمہ: ہستی، بود، وجود یہ تمام لات و منات ہیں۔ ہستی سے بڑھ کر اور کوئی بت نہیں ہے۔

ردِ منکرینِ عصمتِ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام

آیت میں دلیل ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر گناہ سے (بتوفیقہ تعالیٰ) معصوم ہوتے ہیں اور عصمت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات میں گناہ پیدا ہی نہیں کرتا اگرچہ انھیں اس گناہ کے ارتکاب کی طاقت و قوت بھی ہو۔ اسی لیے حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

العصمۃ لا تزیل المحنۃ۔ معصوم ہونا ایمان وغیرہ کے مکلف ہونے کے منافی نہیں۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ ایمان و اعمال صالحہ پر بھروسہ نہ کرے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا رہے کہ وہ کریم اسے ایمان پر ثابت قدم رکھے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اور اپنی اولاد کی ایمان پر ثابت قدمی کی دُعا مانگی۔

حکایت

حضرت یحییٰ بن معاذ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنی دعا میں کہتے: اے اللہ تعالیٰ! مجھے سرور و فرحت صرف ایمان کی وجہ سے ہے اور مجھے یہ بھی خوف رہتا ہے کہ یہ مجھ سے چھن نہ جائے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ جب تک میرے دل میں تیرا خوف ہے مجھ سے ایمان نہیں چھینا جائے گا۔

رَبِّ اے میرے پروردگار! اِنَّهُنَّ بیشک وہ بُت اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بہت سے لوگوں کو گمراہ

ف دیوبندی وہابی غیر مقلد اور مودودی وغیرہ اگرچہ بظاہر عصمتِ انبیاء کا دم بھرتے ہیں لیکن ان کے اپنے اقوال ان کے دعوے کی تردید کرتے ہیں۔ حوالہ جات "دیوبندی بریلوی فرق" میں دیکھیے۔

کر چکے ہیں۔ اسی لیے میں اپنے اور اپنی اولاد کے لیے دُعا کرتا ہُوں کہ تُو ہمیں ان کی گمراہی سے بچا لینا کیونکہ تیری پناہ کے بغیر بہت لوگ ان کی گمراہی کا شکار ہو گئے۔

ف : گمراہ کرنے کی نسبت بتوں کی طرف مجازی ہے کیونکہ وہی گمراہی کا سبب بنے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے دھوکہ دہی کی نسبت دُنیا کی طرف فرمائی ہے۔ کما قال تعالیٰ :

غرّتھم الحیٰوۃ الدّنیا۔ یعنی چونکہ حیاتِ دنیا ان کے دھوکہ دہی کا سبب بنی اس لیے دھوکہ دہی کو اسی کی طرف منسوب کیا گیا۔

ف : بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اضلال کی نسبت بتوں کی طرف حقیقت ہے مجاز نہیں اس لیے کہ شیاطین بتوں کے اندر داخل ہو کر بولتے تھے لوگ بُتوں کے بولنے سے گمراہ ہو جاتے۔

معجزۂ نبوی منقول ہے کہ ایک شیطان ابوجہل کے بُت میں داخل ہو کر متحرک ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بکواس کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جن کو حکم دیا کہ اسے جا کر قتل کر دے۔ اس جن نے آکر اس شیطان کو قتل کر دیا۔ جب دُوسرا دن ہُوا اور کفار اس خوشی میں اس بُت کے گرد جمع ہو گئے کہ وہ آج بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت کرے گا۔ چنانچہ وہ بت پہلے کی طرح متحرک ہو کر کہنے لگا :

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ و انا	لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں بُت ہوں
صنم و لا ینفع و لا یضر ویل لمن عبد نی	کسی قسم کا نفع و نقصان نہیں دے سکتا خرابی ہے
من دون اللہ۔	اسے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری پرستش کرتا ہے۔

جب کافروں نے یہ کلمات سنے تو ابوجہل اٹھا اور اس نے بت کو پاش پاش کر دیا اور کہا :

ان محمداً سحر الاصنام۔ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بُتوں پر بھی جادو کر دیا ہے۔

کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں
یک بت کہ بشکنند بہ از صد عبادت است

ترجمہ : غرور کے بُت کو توڑ دو اس لیے کہ عشاق کے مذہب میں ہزار عبادت سے ایک بُت کو توڑنا بہتر ہے۔

فَمَنْ پس جو شخص تَبِعَنِیْ ان میں سے میری تابعداری کرے اس میں کہ جو میں توحید اور ملتِ اسلامیہ کی طرف دعوت دیتا ہُوں فَاِنَّهٗ مِنِّیْ بیشک وہ میرا ہے۔ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے اور اسے بطور تشبیہ لایا گیا ہے کہ گویا تابعدار میرا جزو ہے اس لیے کہ میری اتباع سے مجھ سے جُدا نہیں۔

اس (مذکورہ بالا) قول کی نظیر حدیث شریف میں ہے:

حدیث شریف من غشنا فلیس منا۔ جو ہمارے ساتھ دھوکا کرتا ہے وہ ہم سے نہیں[1]

یعنی وُہ مسلمانوں کے گروہ سے نہیں اس لیے کہ مسلمان کے افعال واقوال اور اوصاف میں دھوکا کرنا نہیں **وَمَنْ عَصَانِیْ** اور وہ جو میری نافرمانی کرتا ہے یعنی میری اتباع نہیں کرتا۔ ہم نے یہ معنٰی اس لیے کیا ہے کہ یہ فمن تبعنی کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے جیسے کفر کا لفظ جب شکر کے مقابلے میں واقع ہو تو وہاں کفر بمعنٰے ناشکری کے ہوتا ہے۔ **فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ** بیشک تُو غفور رحیم ہے۔ یعنی تو ابتداءً توبہ کے بعد ان کے گناہ بخشنے پر قادر ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالٰی چاہے تو بندے کے تمام گناہ بخش دے یہاں تک کہ شرک بھی۔ لیکن چونکہ شرک کے نہ بخشنے کی وعید دُوسری آیت میں صراحۃً مذکور ہے اس لیے اسے مستثنٰی رکھا جائے تاکہ شرک وغیر شرک میں فرق رہے۔

مسئلہ: شرک کسی طریق سے بھی نہیں بخشا جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ بیشک اللہ تعالٰی مشرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

اگرچہ عقل کا تقاضا ہے کہ اسے بھی بخش دیا جائے کہ اللہ تعالٰی کا بندے کو عذاب دینے سے درگذر کرنا اس کی شان کے وفق ہے کہ بندے کو ایسا نفع بخشے کہ اس سے کسی دوسرے کا نقصان نہیں۔ امام اشعری کا یہی مذہب ہے لیکن چونکہ دلیل سمعی اور نص قطعی کے منافی ہے اس لیے عقل کو اس میں دخیل نہیں بنایا جا سکتا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے ومن عصانی فرما کر بارگاہِ حق تعالٰی کا ادب فرمایا ہے ورنہ انہیں ومن عصاک فرمانا چاہیے تھا اس لیے کہ آقا و مولٰی کی نافرمانی کر کے اسے رحمت و مغفرت کا مستحق نہیں بنایا جاتا حالانکہ اپنے نافرمان کے لیے مغفرت و رحمت کی درخواست بھی کر دی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں ایک بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا ہے وہ یہ کہ میرا نافرمان اگرچہ اس لائق ہے کہ میں اس کے لیے بخشش اور رحمت کی دُعا نہ مانگوں کیونکہ انسانی فطرت اور نفسانی طبیعت کا تقاضا یونہی ہے لیکن تُو بہت بڑا رحیم و کریم ہے تیری رحمت اور تیرے لطف و کرم کا تقاضا یونہی ہے کہ ایسے مجرم کو بخش دیا جائے کیونکہ تیرا نام غفور رحیم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں اللہ تعالٰی کی طرف سے اعلان ہوگا کہ اسے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت! جو میرا ذاتی حق ہے وُہ میں نے تمہیں معاف کر دیا اور جو اس کے تبعات ہیں وُہ بھی تم ایک دوسرے کو معاف کر کے میری بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

---

[1] اسی محاورہ سے ہے، الحسین منی و انا من الحسین۔ (حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں) لیکن شیعوں اور بعض جہال نے اس کا کچھ اور معنٰی لیا ہے۔

ف : التبعات، تبعہ بکسر الباء کی جمع ہے بمعنے ما اتبع بہ من الحق۔

حکایت : حضرت یحیٰی بن معاذ رحمہ اللہ نے بارگاہِ حق میں عرض کی کہ اے الٰہ العٰلمین! اگر تیرا ثواب مطیعین کے لیے ہے تو تیری رحمت گنہگاروں کے لیے۔ یہ تیرا بندہ اگرچہ مطیع نہیں لیکن پھر بھی تیرے ثواب سے نا امید نہیں۔ اور اگرچہ گنہگار ہے تاہم تیری رحمت کا امیدوار ہے۔

نصیب ما ست بہشت لے خدا شناس برد
کہ مستحق کرامت گنہگارانند

ترجمہ : ہمیں بہشت ضرور نصیب ہوگی اے معترض خدا شناسی کا دم بھرنے والو جاؤ تم اپنا کام کرو اس لیے گنہگار بھی کرامت (کرم نوازی) کے مستحق ہیں۔

تفسیر عالمانہ رَبَّنَآ اے ہمارے رب کریم۔ جمع کا صیغہ اس لیے ہے کہ آیت کا تعلق ذریتِ ابراہیم علیہ السلام سے ہے۔

نکتہ : وصفِ ربوبیت اس لیے لایا گیا ہے کہ بندوں کے بارگاہِ حق میں قبول ہونے کے لیے اس وصف کو زیادہ دخل حاصل ہے۔

اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ اور بیشک میں نے ٹھہرایا اپنی بعض اولاد کو۔ اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور انکی اولاد مراد ہے۔

سوال : حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہما السلام کو تو ٹھہرا آئے تھے تم نے اولادِ اسماعیل کہاں سے لے لیا۔

جواب : چونکہ اسماعیل کی سکونت ان کی اولاد کو بھی متضمن ہے اس لیے ہم نے ان کی اولاد کا نام بھی لیا ہے۔

بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ ایک وادی میں جو کھیتی والی نہیں۔ اس سے وادیٔ مکہ مراد ہے کیونکہ وہ سنگلاخ زمین ہے اس میں کھیتی وغیرہ پیدا نہیں ہوتی۔ اس کا محاورہ دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا :

قرآنا عربیا غیر ذی عوج ۔ یعنی قرآن عربی خالص ہے اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہیں ہے اس میں استقامت ہی استقامت ہے۔

ف : الشیخ نے تفسیر میں لکھا ہے کہ مکہ معظمہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے وہاں نہ پانی ہے اور نہ ہی اس میں کھیتی کرنے کی صلاحیت ہے۔

ف : بحر العلوم میں لکھتے ہیں کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کی بات ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہمارے زمانے میں وہاں پانی وغیرہ کی فراوانی ہے۔

عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ یہ اسکنت کی ظرف ہے جیسے کہا جاتا ہے :

صلیت بمکۃ عند الرکن ۔

بیتك المحرم سے کعبہ معظمہ مراد ہے اور یہ اضافت تشریفی ہے اور اسے محرم اس کی عزت وعظمت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے زیادہ عزت وحرمت والا اور کوئی شہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سمٰوٰت وارض کی تخلیق کے وقت سے اس میں برائی اور تکلیف دینے کے درپے ہونے کو حرام فرمایا ہے۔

مسئلہ : اس میں قتال اور شکار حرام ہے اور اس میں احرام کے بغیر داخل ہونا بھی ناجائز ہے۔ طوفانِ نوح اس میں داخل نہ ہوسکا۔ طوفان سے بچے رہنے کی وجہ سے اس کا نام عتیق رکھا گیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بیتك المحرم سے قلب مراد ہے اور یہ محرّم اس لیے ہے کہ اس میں غیر اللہ کا داخلہ حرام ہے۔

جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ :

حدیث قدسی لا یسعنی ارضی و لا سمائی و انما یسعنی قلب عبدی المومن۔ نہ زمین اور نہ آسمان میرا مرکز مومن کا قلب ہے۔

ؔ

آنکہ ترا گوہر گنجینہ ساخت

کعبۂ جان در حرم سینہ ساخت

ترجمہ : وہ ذات کہ جس نے تجھے گوہر حقیقت کا خزانہ بنایا ہے بلکہ کعبہ کی جان تیرے سینے کو بنایا ہے۔

تفسیر عالمانہ ربنا اسے مکرر لایا گیا ہے تاکہ مابعد کے مضمون میں کمال عنایت کا اظہار ہو لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ یہ لام کئی ہے اور اسکنت کے متعلق ہے۔ یعنی اے اللہ کریم ! میں نے اپنی اولاد اور اپنے اہل کو اس سنگستان وادی میں جو ہر آسائی اور آرام اور عیش وعشرت سے خالی ہے صرف اس لیے ٹھہرا رہا ہوں تاکہ وہ تیرے حرم یعنی بیت اللہ شریف میں تیری نمازیں قائم کریں۔

سوال : آیت میں صرف نماز کا ذکر ہے تم نے عیش وعشرت وغیرہ کا اضافہ کیوں کیا ؟

جواب : بواد غیر ذی زرع کے قرینے سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے اہل وعیال کو ٹھہرانے کی اور کوئی دنیوی غرض وغایت نہیں تھی۔

سوال : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف نماز کی تخصیص کیوں فرمائی حالانکہ بیت اللہ شریف میں اور عبادات بھی ادا کی جاتی ہیں۔

جواب : چونکہ نماز تمام عبادات کی سرتاج ہے اس لیے اس کی تخصیص فرمائی۔

سوال : یہ تمام عبادات کی سرتاج کیوں ؟

جواب : اصلاح نفس اس سے بہتر طریق سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قریش مکہ اس سے گریز کرتے تھے اور آج بھی انسان

بہت بڑے کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔ لیکن نماز کا کہا جائے تو اس کا جی گھبراتا ہے وہ صرف اس لیے کہ نفس کی سرکوبی اس سے ہوتی ہے اس لیے اس سے اس کا جی گھبراتا ہے۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ افئدۃ ۔ فواد کی جمع ہے بمعنے قلب اور افئدۃ بمعنے قلوب۔ اور من تبعیضیہ ہے یعنی اے اللہ کریم! بعض لوگوں کے دل بنادے تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ ان کی طرف دوڑتے ہوئے۔ یعنی لوگوں کی محبت اور شوق کا یہ عالم بنادے کہ وہ میری اولاد مکہ نشین کے لیے بے تاب اور بے قرار رہیں ھوی یھوی از باب ضرب۔ ھویا بمعنے اوپر سے نیچے نہایت ہی تیزی سے گرنا، اور صعد و ارتفع کے معنی میں بھی آتا ہے (کذا فی کتب اللغۃ) اگر از باب علم ہو تو بمعنے احب ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے، ھویہ ھوی بمعنے احبہ ۔ فلاں سے فلاں نے محبت کی۔ جب الیٰ سے متعدی ہو تو اس وقت شوق کے معنے کو متضمن ہوتا ہے اور اس میں الیٰ کے متعدی ہونے کے وقت نزوع کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ ہوا کہ اے اللہ تعالیٰ! بعض لوگوں کے دل میری اولاد کے لیے بیقرار بنادے تاکہ دُور دُور سے آکر ان کی خدمت کریں۔

ف: یہاں پر آلِ ابراہیم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد ہے اور وُہ بھی اہلِ ایمان۔

نکتہ: من تبعیضیہ کا اضافہ نہ فرماتے تو اہلِ مکہ کو فارس و روم اور ترک اور ہند (و پاکستان) کے لوگ گھیر لیتے یہاں تک کہ وہاں تِل دھرنے کو جگہ نہ ملتی۔ (باوجودیکہ من تبعیضیہ ہے لیکن پھر بھی غیر ملکیوں کی مکہ معظمہ میں اس قدر بہتات ہے کہ مکہ نشینوں کو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے[1]) ؎

آنرا کہ چناں جمال باشد
گر دل ببرد حلال باشد
و آنکس کہ بر انچناں جمالے
عاشق نشود وبال باشد

ترجمہ: جسے اللہ تعالیٰ حُسن و جمال بخشے اگر وہ عشاق کے دل چھین لے تو اس کے لیے جائز ہے اور جو بدبخت ایسے حُسن و جمال سے عشق نہیں رکھتا اس کی زندگی اس کے لیے وبالِ جان ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

رو بحرم نہ کہ بران خوش حریم
ہست سیہ پوش نگارے مقیم
قبلۂ خوبان عرب روے او
سجدۂ شوخان عجم سوے او

---

[1] بلکہ ہمارے دَور (۱۹۷۸ء / ۱۳۹۸ھ) میں غیر ملکیوں کو دھکے مار کر باہر نکالا جا رہا ہے تب بھی لوگ وہاں سے واپس کا نام نہیں لیتے ۱۲

ترجمہ: حرم شریف میں جاکر سجدہ ریز ہو جایئے کیونکہ وہیں محبوب سیاہ برقعہ میں محجوب ہے۔ عرب کے محبوبوں کا قبلہ بھی وہی ہے اور عجم کے حسینوں کی سجدہ گاہ بھی وہی۔

وَارْزُقْهُمْ عطا فرما میری اولاد کو جسے میں نے اس وادی غیر ذی زرع میں ٹھہرایا ہے۔ یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس مقام پر آکر مقیم ہوئے۔

سوال: آل کو مطلق کیوں رکھا حالانکہ پہلے پارہ میں صرف اہلِ ایمان کی قید لگائی تھی۔ کما قال:

وارزق اھلہ من الثمرات من اٰمن	اور اس کے اہل کو ثمرات عطا فرما لیکن انھیں
باللہ والیوم الاٰخر۔	جنہیں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو۔

جواب: چونکہ لفظ اقامۃ الصلوٰۃ کا پہلے ذکر فرما چکے ہیں اس قرینے سے اہلِ ایمان خود بخود مخصوص ہو گئے۔

مِنَ الثَّمَرٰتِ یعنی ہر قسم کے ثمرات۔ ان کے لیے یوں آسانی ہو کہ مکہ معظمہ کے قرب و جوار کی بستیوں میں سبزیوں اور کھیتیوں کی فراوانی ہو تاکہ یہاں کے لوگوں کو آسانی سے فراہم ہو سکیں، یا دور دراز کے علاقوں سے ایسے اسباب مہیا فرما تاکہ وہاں سے یہاں تک ہر قسم کے ثمرات بتعجیل پہنچ سکیں۔ حتیٰ کہ ربیع و خریف اور سرما و گرما کے میوہ جات ایک ہی دن میں یہاں پہنچ جائیں اور ہر وقت مل سکیں۔

اعجوبہ طائف شریف مکہ معظمہ سے صرف تین منزلیں بعید ہے حالانکہ یہ فلسطین کے علاقے کا ایک ٹکڑا ہے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اسے وہاں سے اٹھا کر یہاں رکھا تاکہ اہلِ مکہ کو ثمرات آسانی سے حاصل ہو سکیں۔

لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ تاکہ وہ لوگ نماز ادا کرکے اسی طرح تمام عبادات بجا لاکر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کر سکیں۔

ف: علماء کا اختلاف ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کعبہ کی بنا کے بعد مانگی تھی یا اس سے پہلے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ پہلے دعا مانگی تھی بعدہٗ کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ جو لوگ بعد تعمیر کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی دلیل رب اجعل ھذا البلد ہے اس لیے کہ اسم اشارہ کا اشارہ حسی ہونا چاہیے نیز ان کی دلیل "عند بیتک المحرم" اور الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل واسحاق" بھی ہے کیونکہ اسحاق علیہ السلام قبل تعمیرِ کعبہ موجود نہیں تھے۔ جو حضرات تعمیر کعبہ کے بعد دعا کے قائل ہیں وہ اسم اشارہ کو معہود فی الذہن بتاتے ہیں کہ اگرچہ اس شہر کی شہریت اس وقت متحقق نہیں تھی لیکن تعین فی الذہن ہو چکا تھا۔ اور یہ قاعدہ عام ہے کہ شے کے وجود سے پہلے تعہد فی الذہن پر اشارہ کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں کعبہ معظمہ کی جگہ تو تخلیقِ ارض کے وقت متعین ہو چکی تھی۔ اس معنے پر بھی اشارہ حسیہ جائز ہوا۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مقصد یہ تھا کہ اُن کی اولاد کی طرف ان کے ساتھ کعبہ معظمہ میں سکونت کے لیے لوگوں کے دل لگ جائیں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حج بھی پڑھیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں

حج کی نہ تصریح کی ہے نہ کنایہ ۔ اس سے صرف یہ سمجھنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حج کے لیے دُعا مانگی تھی یہ صحیح نہیں ۔ البتہ
ضمناً اسے لے لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ورنہ ان کا اصلی مقصد وہی تھا جو اُوپر مذکور ہوا اگر صرف حج مقصود ہوتا تو تھوی الیہ فرماتے ۔
اس سے شہر کے ضمن میں حج کا قصد بھی شامل ہو جاتا ۔

ف : تیسیر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ،

حبب هذا البيت الى عبادك ليأتوه فيحجوه ۔ اے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دل میں اس کی محبت پیدا
فرما تاکہ وہ اس میں حاضر ہو کر حج پڑھیں ۔

سوال : بیت تو تعمیر شدہ مکان کو کہا جاتا ہے جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی اس وقت تو عمارت نہیں تھی بلکہ اس
وقت مٹی کا ڈھیر تھا یہاں تک کہ سخت بارشوں میں پانی اس کے گرد دائیں بائیں پھر جاتا تھا ۔ (الارشاد)

جواب : چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں یہ تعمیر شدہ تھا ۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسی سابقہ تعمیر کے پیش نظر دعا فرمائی تھی
اور سب کو معلوم ہے کہ کعبہ کی تعمیر متعدد بار ہوئی اور یہ نہیں پتا کہ کتنی بار ہوئی ۔ اس کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے ۔ کاشفی نے
عند بيتك المحرم کے تحت لکھا ہے کہ اس سے کعبۃ اللہ کی خالی جگہ مراد ہے جو کہ آدم علیہ السلام کے زمانے میں تعمیر شدہ تھی ۔ (الارشاد)

ف : ضراح بروزن غراب وہ تعمیر شدہ جگہ جو چوتھے آسمان میں واقع ہے ۔ (کذا فی القاموس)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت کی وجہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ بی بی سارہ کی ایک کنیز تھیں جن کا نام
بی بی ہاجرہ تھا ، بی بی سارہ نے ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی تھیں ۔ آپ نے
ان سے نکاح کر لیا ۔ ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے ۔ چونکہ
بی بی سارہ کی اولاد نہیں تھی اپنی کنیز کو صاحب اولاد دیکھ کر طبعی غیرت ہوئی اور قسم کھائی کہ ہاجرہ اور ان کے صاحبزادے کو
شام کے علاقے میں نہیں رہنے دیں گی اور ایسی جگہ انھیں رکھنے کی تجویز بتائی جہاں نہ پانی ہو نہ آبادی ۔ اس سے حضرت ابراہیم کو
تامل ہوا ۔ کاشفی صاحب نے لکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام وحی لائے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جیسے سارہ فرماتی ہیں ویسے کرو ۔ چنانچہ
اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے براق منگوایا جس پر خود بی بی ہاجرہ اور اسماعیل کو سوار کر کے تھوڑے عرصے میں مکہ معظمہ پہنچ گئے
چنانچہ ابراہیم علیہ السلام جب بی بی ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ میں لائے اس وقت بی بی صاحبہ اسماعیل علیہ السلام کو
دُودھ پلا رہی تھیں انھیں زمزم کے میدان میں لا کر بٹھا دیا گیا وہاں اس وقت نہ پانی تھا نہ کوئی اور موجود تھا ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے ایک بوری بی بی کے سپرد کی جس میں کچھ کھجوریں تھیں اور پانی کا ایک مشکیزہ دیا ۔ جب یہ اشیاء دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام
روانہ ہونے لگے تو بی بی صاحبہ نے عرض کی کہ ہمیں اس ویران جنگل میں کس کے سہارے پر چھوڑے جا رہے ہو ۔ آپ نے کوئی
جواب نہ دیا یہاں تک کہ بی بی صاحبہ نے پھر کہا کیا اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے ؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا : ہاں اللہ تعالیٰ
کا حکم اسی طرح ہے ۔ بی بی صاحبہ نے کہا تو پھر کریم ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا ۔ راضی برضائے الٰہی ہو کر لوٹے اور وادی کداء

کھڑے ہو گئے۔

ف: کداء ایک بہت بڑا پہاڑ ہے جو کہ معظمہ میں واقع ہے۔ آپ نے اس پر کھڑے ہو کر کعبہ معظمہ کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی: ربنا انی اسکنت (الآیہ)۔ بی بی ہاجرہ ان کھجوروں اور تھوڑے سے پانی پر اکتفا کر کے گزارہ کرتی رہیں یہاں تک کہ کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا۔ چند روز تو بے آب و غذا رہیں انسانی طاقت جواب دینے لگی اسماعیل علیہ السلام بھی بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے یہاں تک کہ جان لبوں پر آ گئی۔ بی بی صاحبہ صاحبزادے کی حالتِ زار سے مشوش ہوئیں۔ صاحبزادے کو وہیں پر چھوڑ صفا پہاڑی پر چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں سے پانی یا کوئی آدمی نظر آئے۔ لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ نیچے اتریں اور دوپٹہ کو اوپر اٹھایا تاکہ کسی کو نظر آ جائے تو یہاں آ جائے۔ پھر دوڑ کر مروہ پہاڑی پر چڑھ گئیں وہاں بھی دیر تک دیکھتی رہیں لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ وہاں سے نیچے اتریں۔ اس طرح سات بار کیا۔ اسی وجہ سے آج حجاج کو صفا و مروہ پر دوڑنا ضروری ہے۔ جب سات چکر کاٹے تو زمزم کے مقام پر کسی کی آواز سنی وہ فرشتہ تھا جس نے زمزم کے مقام پر پَر مارے تو پانی نکل آیا۔

آبِ زمزم کاشفی نے لکھا کہ آبِ زمزم یا جبریل علیہ السلام کے پَر مارنے سے نکلا یا اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی رگڑنے سے۔ بی بی ہاجرہ نے پانی نکلتا ہوا دیکھ کر حوض بنانے لگیں اور کچھ پانی چلّو سے بھر کر اپنے مشکیزے میں ڈالنے لگیں لیکن وہ جونہی چلّو بھر لیتیں تو پانی کا جوش اور بڑھ جاتا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُمّ اسمٰعیل پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اگر وہ پانی کو اپنی حالت پہ چھوڑ دیتیں تو ہر طرف پھیل جاتا۔ یا فرمایا کہ اگر بی بی صاحبہ وہاں سے چلّو میں پانی نہ لیتیں تو اس کے چشمے بہہ نکلتے یعنی زمزم کا پانی روئے زمین پر پھیل جاتا۔

بی بی صاحبہ نے پانی پیا تو جان میں جان آ گئی۔ صاحبزادے کو دودھ پلایا۔ اس فرشتے نے بی بی صاحبہ سے عرض کی، ملال مت کیجئے یہیں پر بیت اللہ ہے جس کی تعمیر تیرا صاحبزادہ (اسمٰعیل علیہ السلام) اور اس کے والد گرامی فرمائیں گے۔ اور یہ وہ گھر ہے جس کے مکینوں کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرمائے گا۔ (کذا فی تفسیر الشیخ)

ف: الارشاد میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا پہلا اثر یہ ہوا کہ جرہم قبیلہ کے چند افراد یمن سے شام کو جا رہے تھے (جرہم یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے) جب یہاں پہنچے تو دور سے دیکھا کہ پرندے جمع ہو رہے ہیں جیسے پانی کے چشمے پر پرندوں کی جمع ہونے کی عادت ہے۔ انہوں نے پانی کے متعلق یقین کر لیا اور آ کر دیکھا کہ وہاں حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ تشریف فرما ہیں اور پانی کا چشمہ ان کی نگرانی میں ہے۔ انہوں نے بی بی صاحبہ سے عرض کی کہ آپ ہمیں پانی میں شریک کر لیجئے ہم آپ کو اپنے دودھ میں شریک کر لیں گے۔ بی بی صاحبہ نے ان کی شرط منظور کر لی۔ اور قبیلۂ جرہم کے وہ لوگ یہیں ٹھہر گئے۔ یہاں تک کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گئے اور بی بی ہاجرہ خاتون رضی اللہ عنہا کا یہیں وصال ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام نے قبیلۂ جرہم میں شادی کی۔ (یہی قول مشہور تر ہے)

ف : کاشفی نے لکھا کہ جرہم قبیلہ کے لوگوں نے وہیں پر اقامت کا عزم بالجزم کر لیا اور تا قیامت مکہ مکرمہ کی اقامت کا شوق لوگوں کے دلوں میں موجزن رہے گا۔

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور آپ اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھے۔ تو اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو وسیلہ بنا کر بارگاہِ حق میں ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کی اعانت کی درخواست کی کہ اے اللہ العالمین ! اگر تو نے اسماعیل کو ضائع کیا تو تیرے محبوب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ اقدس ضائع ہو جائیگا۔

؎

بیشتر از آمدن زر بکان
سکۂ تو بود بعالم عیان

ترجمہ : اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کے عالم دنیا کے ظہور سے پہلے بھی کائنات پر آپ کی مُہر کا سکہ چلتا تھا۔

رَبَّنَآ اے ہمارے پروردگار ! اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِىۡ وَمَا نُعۡلِنُ بیشک تُو ہمارے مخفی اور ظاہر حوائج کو جانتا ہے اس سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان حاجات کو اس لیے ظاہر نہیں کرتے کہ وہ آپ سے مخفی ہیں بلکہ اس سے ہم اپنی عبودیت اور محتاجی اور فقیری کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم ہر وقت تیری رحمت کے محتاج ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر وقت تیری نوازشیں ہم پر ہوتی رہیں ؎

جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

ترجمہ : اس بارگاہ میں بندگی و اضطرار اور عاجزی کے سوا کسی شے کا اعتبار نہیں۔

وَمَا يَخۡفٰى اور مخفی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ ماضی ہے نہ مستقبل اور نہ حال عَلَى اللّٰهِ اللہ علام الغیوب کے نزدیک مِنۡ یہ استغراقیہ ہے شَىۡءٍ کوئی شے فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ نہ زمین نہ آسمان میں اس لیے کہ وہ علم ذاتی سے جانتا ہے اس کی ہر معلوم پر علم کی نسبت برابر ہے ؎

آنچہ پیدا و آنچہ پنہانست
ہمہ با دانش تو یکسانست

ترجمہ : جو کچھ ظاہر اور جو کچھ پنہاں ہے تیرے علم میں تمام یکساں ہے۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کا علم نہ عارضی ہے نہ کسبی تاکر کہا جا سکے کہ اسے فلاں شے معلوم ہے اور فلاں نہیں۔ جیسے بشر اور ملک کے لیے کہا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اے اللہ تعالیٰ! تجھے ہر جگہ اور ہر شے کا علم ہے ہمارے لیے وہی دُعا جو ہمارے لیے بہتر ہو۔

ف : ظرف یخفی کے متعلق ہے۔ یا ظرف بمعنے ما کان فیہا ہے۔ اس معنے پر یہ شے کی صفت ہوگی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ علیٰ بمعنے مع اور سال ہے یعنی اللہ عالی کی حمد ہے کہ اس نے مجھے بڑھاپے میں عطا فرمایا یعنی اس وقت جبکہ بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور اولاد کی پیدائش کی مجھے ناامیدی ہو چکی ہے۔ یہی نکتہ ہے ہبہ کو بڑھاپے سے مقید کرنے میں تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی عظمت اور اس کے شکر کا اظہار ہو کیونکہ بڑھاپے کے دور میں اولاد سے امیدیں ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ اِسْمٰعِيْلَ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اولاد کی دعا کرتے تو کہتے، اسمع یا ایل۔ اور ایل اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ جب اسماعیل پیدا ہوئے تو اسی نام سے موسوم ہوئے۔ (کذا فی معالم التنزیل)

ف : انسان العیون میں ہے کہ اسماعیل عبرانی لغت میں بمعنے مطیع اللہ ہے۔

ف : مروی ہے کہ جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ننانوے سال کے تھے۔

وَاِسْحٰقَ عبرانی لغت میں ان کا نام ضحاک تھا۔ (کذا فی انسان العیون)

ف : مروی ہے کہ جب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سو بارہ سال کے اور اسمٰعیل علیہ السلام تیرہ سال کے تھے۔

اِنَّ رَبِّيْ بیشک وہ میرا رب اور میرے جملہ امور کا مالک لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ دعا کو سن کر قبول کرتا ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے اہل عرب کہتے ہیں:

سمع الملك كلامه۔ بادشاہ نے اس کی بات سن لی۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب بادشہ کسی کی بات مان لے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا مانگی تھی۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح ہے کما قال:

رب هب لی من الصالحین۔ اے رب تعالیٰ! مجھے نیک اولاد عنایت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور جیسے وہ چاہتے تھے ویسے ہوا باوجودیکہ سن یاس (ناامیدی) کو پہنچ چکے تھے تاکہ ان کے لیے یہ عظمت والی اور بڑی برگزیدہ نعمت ہو۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ اے اللہ تعالیٰ! مجھے نماز کا پابند بنا یعنی نماز کو تعدیل سے ادا کروں۔ یہ اقمت العود کے محاورہ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی لکڑی کو درست کرے۔

یامقیم بمعنے مواظب یعنی پابندی کرنیوالا۔ اس معنے پر قامت السوق کے محاورہ سے ہوگا۔ یا اس بوتے ہیں جب بازار گرم ہو اور گاہک پر گاہک پڑ رہے ہوں۔ یا مقیم بمعنے مودی یعنی ادا کرنے والا۔

ف : جملہ فعلیہ کے بجائے جملہ اسمیہ لانے میں استمرار کی طرف اشارہ ہے ورنہ اجعلنی اقیم الصلوۃ موزوں تھا۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ اور میری بعض اولاد کو۔ اس کا عطف مقیم الصلوۃ پر ہے۔

نکتہ : بعض اولاد کی تخصیص میں اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے اعلام سے علم ہوگیا۔ یا دور زمانہ کی رو سے بطور تجربہ آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کی بعض اولاد کافر ہوگی۔ بظاہر یہ وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ کے خلاف ہے لیکن ہم نے اس کی بہتر توجیہ پہلے عرض کر دی ہے۔

تفسیر صوفیانہ نماز کی اقامت میں بندے کے عروج کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ مومن کو اس نماز سے سیر فی اللہ باللہ کی مداومت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ اے ہمارے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔ یہ اجعلنی کے متعلق ہے۔ یعنی اے اللہ! میری بعض اولاد کو نماز کا پابند بنا اور انھیں بت پرستی سے بچا۔ اس لیے ضمیر جمع کی لائی گئی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ اے ہمارے رب! مجھے بخش دے امور دین میں یا نماز میں یا ان امور میں جن میں بشری تقاضوں پر خلاف اولیٰ کا ارتکاب ہوا ہو وَلِوَالِدَيَّ اور میرے والدین کو۔ والدین کی استغفار اس وقت سے پہلے کی ہے جبکہ آپ کو ابھی ان کے کفر کا علم نہ ہوا تھا اور ہنوز آپ ان کے ایمان کے لیے پُر اُمید تھے۔

ف : کواشی میں ہے کہ آپ کے والدین زندہ تھے اور آپ ان کے ایمان لانے کی اُمید میں تھے اس لیے ان کے لیے استغفار فرمائی یا آپ کی والدہ ایمان سے بہرہ ور ہو چکی تھیں اپنے والد کے اسلام کے لیے دُعا فرمائی یہ اس لیے کہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ آپ کی والدہ مومنہ تھیں اس لیے بعض قراتوں میں ولوالدی ہے۔

تحقیقی قول امام سیوطی نے فرمایا کہ رب اغفرلی ولوالدی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے والدین مومن تھے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا اپنے چچا (آزر) کی موت کے بعد مانگی کیونکہ اس دعا سے قبل اسے مرے ہوئے عرصہ بیت چکا تھا۔ اور آپ نے اس کی استغفار سے پہلے ہی برأت کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے :

وَما کان استغفار ابراهیم لابیه الا عن موعدة وعدها فلما تبین له انه عدو لله تبرأ منه۔	اور ابراہیم علیہ السلام کی استغفار اپنے چچا (آزر) کے لیے ایک وعدہ کی بنا پر تھی جو آپ نے اس سے استغفار کا وعدہ کر رکھا تھا جب ظاہر ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔

اس سے ثابت ہوا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں چچا تھا اور اہل عرب چچا کو باپ کہہ دیتے ہیں جیسے خالہ کو ماں کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں ابراہیم علیہ السلام آزر کو ملیں گے تو اس کے چہرے پر گرد و غبار ہوگی اسے ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں نے کہا نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کیجئے۔ آزر کہے گا آج میں تیری نافرمانی نہیں کرتا۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے اے اللہ تعالیٰ! تُو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ قیامت میں میں تجھے رُسوا نہیں کروں گا اس سے بڑھ کر اور کون سی رُسوائی ہوگی کہ میرا چچا جہنم میں جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر بہشت حرام کی ہے۔ اس کے بعد حکم ہوگا کہ اے ابراہیم! اپنے پاؤں کے نیچے دیکھیئے وہ دیکھیں گے کہ ان کے پاؤں کے نیچے خون سے لت پت ایک گوہ پڑی ہے۔ الذیخ بکسر الذال بمعنے ذکر الضباع یعنی نرگوہ بہت بڑے بالوں والا اس کے پاؤں سے پکڑ کر اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

نکتہ: اس میں اشارہ ہے کہ آزر کو ضبع (گوہ) کی شکل میں تبدیل کرکے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

نکتہ: اسے ضبع سے مسخ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ضبع کی عادت ہے کہ وہ اپنے حقوق واجبہ سے غفلت برتتا ہے۔ اسے حماقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصائح کو قبول نہ کیا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے بہت رحیم و کریم ہیں۔ اسی بنا پر وہ شیطان کے دھوکے میں آگیا اس لیے اسے ضبع کی حماقت سے تعبیر کیا گیا۔ ضبع دھوکا دہی میں مشہور ہے کہ جب اسے کوئی شکار کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی بل میں گھس جاتی ہے۔ شکاری اس بل کے اندر لکڑی پھینکتا ہے اسے اپنا شکار سمجھ کر وہ لے دبوچنا چاہتی ہے تو شکاری اسے شکار کر لیتا ہے۔ یہ بھی اس کی حماقت کی ایک دلیل ہے۔ فلہٰذا آزر کو کتے یا خنزیر سے مسخ نہیں کیا گیا حالانکہ ان کے مسخ سے اس کی مزید قباحت ہوتی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے اعزاز کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ آزر کو سزا بھی مل جائے کہ اس کی شکل تبدیل ہو اور ابراہیم علیہ السلام کا اعزاز بھی برقرار رہے کہ اس کی شکل کو ایک متوسط جانور کی شکل میں تبدیل کیا گیا۔

ف: الحکم میں لکھتے ہیں کہ اہل عرب کہتے ہیں، ذیختہ بمعنے ذللتہ۔ یعنی میں نے اسے ذلیل کیا۔ لیکن آزر کو مزید ذلیل نہ کیا گیا کیونکہ اس کے لیے ابراہیم علیہ السلام زحمت سے پیش آئے۔ (کذا فی حیٰوۃ الحیوان للدمیری)

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور تمام اہلِ ایمان کے لیے۔ یعنی میری اولاد ہو یا کوئی اور مومنین میں مومنات تبعاً مذکور ہوئیں اس لیے کہ عورتیں احکام میں مردوں کے تابع ہوتی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دعائے مغفرت میں سب شامل ہیں اسی لیے ان کے لیے جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔

حدیث شریف من عمم بدعائہ المومنین و المومنات استجیب لہ۔ جس نے اپنی دعا میں مومن مرد اور عورت کو شامل کیا اس کی دعا مستجاب ہوگی۔

مسئلہ: سنت یہ ہے کہ دعا میں صرف اپنے آپ کو خاص نہ کرے۔

مسئلہ: اسرار المحمدیہ میں ہے امام کو مکروہ ہے کہ نماز میں صیغہ واحد کے ساتھ اپنے لیے دعا مانگے بلکہ جمع کا صیغہ لا کر مانگے یہی جمع کا

صیغہ ہو۔

حدیث شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یؤم عبد قوم فیخص نفسہ بالدعاء دونھم فان فعل فقد خانھم۔ (رواہ ثوبان)

جو شخص کسی قوم کی امامت کرتا ہے اور دعا میں صرف اپنا نام لیتا ہے اور انھیں اپنی دُعا میں شریک نہیں کرتا تو وہ ان سے خیانت کرتا ہے۔

مسئلہ: اولیٰ یہ ہے کہ تنہائی میں دُعا مانگے تو بھی جمع کا صیغہ لائے اور اس میں اپنی اور اپنے آباؤ امہات اور اولاد اور بھائی بہنوں اور مومن دوستوں اور تمام نیک بخت لوگوں کی نیت کرے عمومی دعا میں بزرگوں کی برکت شامل رہے گی بلکہ دُعا کرنے والے کو بزرگوں کی توجہ کرم اور ان کے ارواح مقدسہ کی برکت ہوگی۔

مسئلہ: اسلاف بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ دُعا میں جتنے مرد و زن نیک بخت اہل ایمان کو شامل کیا جاوے ان کی گنتی کے مطابق دُعا کرنے والے کے اعمال نامے میں نیکیاں لکھی جائیں گی[1] اسی طرح ہر دُعا میں دعا کرنے والے کو چاہیے کہ تمام مومنین و مومنات کا نام لے۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ اس دن کہ مکلفین کے اعمال کا علیٰ طریق العدل حساب ثابت اور محقق ہوگا۔

ف: جو شخص پائے استقامت پر قائم ہو اسے قیام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

قامت الحرب علی ساق۔ — جنگ پنڈلی پر قائم ہے۔

یعنی ثابت اور محقق ہے۔ اسی معنے پر کہا گیا ہے یوم یقوم الحساب۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ربنا اغفرلی اے ہمارے رب تعالیٰ میری ستاری فرما اور مجھے اپنی صفت مغفرت سے محویت عطا فرما تاکہ میں اپنے وجود کو بھی نہ دیکھوں تاکہ میرا وجود میرے اور تیرے درمیان حجاب نہ ہو۔

ف

خمیر مایۂ ہر نیک و بد توئی جامی
خلاص از ہمہ می بایدت ز خود بگریز

ترجمہ: اے جامی! ہر نیک اور بد کا خمیر تمہیں ہو اگر تم ہر ایک سے اپنی خلاص چاہتے ہو تو اپنے آپ سے دور رہو۔

ولوالدی اور میرے آباء علوی اور امہات سفلی جو میرے وجود کے سبب ہیں انھیں بھی محو فرما تاکہ میرے اور تیرے دیدار کے درمیان

(باقی بر صفحہ ۴۱۰)

---

[1] یہی راز ہے اہلسنت کے مراسم ہیں کہ ایصالِ ثواب میں تمام اہل ایمان کا نام لیتے ہیں ۱۲ اویسی غفرلہ

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۵ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ○ مُهْطِعِيْنَ
مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ
فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا
اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ○ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ
كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ○ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ط وَاِنْ
كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ○ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ
عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ
الْقَهَّارِ ○ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ○ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ
وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ○ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○
هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

ترجمہ : اور اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے اعمال سے بے خبر نہ سمجھو بیشک انھیں تو صرف اس دن کے لیے مہلت دے رہا ہے
کہ جس میں آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ جائیں گی بے تحاشا دوڑتے نکلیں گے اپنے سر اٹھائے ہوئے ان کی نگاہ
ان کی طرف نہ پھرے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے اور لوگوں کو اس دن سے ڈرائے کہ جب ان پر عذاب
آئے گا تو ظالم کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت دے کہ ہم تیری دعوت کو قبول کریں اور
رسولوں کی غلامی کریں (جواب ملے گا) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہ کھایا کرتے تھے کہ دنیا میں تم پر زوال نہیں آئیگا
اور تم ان کے گھروں میں آباد ہوئے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تم پر واضح ہوگیا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا
اور ہم نے تمھیں مثالیں دے کر سمجھایا اور بیشک انہوں نے اپنی چال چلی اور ان کی چال اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے
اگرچہ ان کی چال کچھ ایسی ہو کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں تم ہرگز خیال مت کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلاف
کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے جس دن یہ زمین دُوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور
آسمان (بھی) اور لوگ سب نکل کھڑے ہوں گے ایک اللہ تعالیٰ کے سامنے جو سب پر غالب ہے اور اس دن
تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ زنجیروں میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ
ڈھانپ لے گی تاکہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو وہ بدلہ جو اس نے (دنیا میں) کمایا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے
یہ لوگوں کو حکم پہنچانا ہے اور وہ اس لیے کہ لوگ اس ذریعہ سے ڈرائے جائیں اور اس لیے کہ وہ جان لیں کہ وُہ ایک ہی

معبود ہے اور اس لیے کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۴۰۸)

حاجب نہ ہوں وللمومنین یوم یقوم الحساب اس سے وہ یوم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں حساب کا دن مقرر فرمایا تھا کہ اسی دن نفس کا کمال ونقصان کا حساب مقرر ہوا۔

نکتہ: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعائے مغفرت کو قیامت کے دن سے اس لیے مقید فرمایا کہ وہی آخر الایام ہے یعنی وہی آخری دن ہے کہ اس میں محاسبہ ومناقشہ سے خلاص ہوگی بلکہ اس دن کے بعد دائمی نجات اور بلند درجات پر کامیابی ہی کامیابی ہے اس لیے کہ انسان جب تک گناہوں سے پاک نہ ہو اس وقت تک اسے درجات بلند سے نہیں نوازا جائے گا۔ اس لیے اہم شے کو مقدم کیا گیا اور اس دن کی شدت کی وجہ سے اس کی تقدیم لازمی ہے۔

لطیفہ حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے نہ کسی نبی علیہ السلام پر رشک ہے اور نہ کسی ولی پر اور نہ بادشہ اور وزیر پر اس لیے کہ یہ پیدا ہو کر آخرت کی شدت اور تکلیف ومشقت دیکھیں گے مجھے اس شخص پر رشک آتا ہے جو پیدا ہی نہیں ہوا اس لیے کہ اس نے قیامت کی سختی نہیں دیکھی۔

لطیفہ حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان کو تین دولتیں نصیب ہو جائیں تو اس جیسا اور کوئی خوش نصیب نہ ہوگا:

- زندگی بسر ہو تو طاعتِ الٰہی پر۔
- موت آئے تو کلمۂ شہادت پر۔
- حشر ونشر کو اٹھنے پر ملائکہ اسے بہشت کی خوشخبری سنائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان دولتوں سے نوازے اس لیے کہ اہلِ سعادت وعنایت کے لیے ان سے بڑھ کر اور کوئی دولت نہ ہوگی۔

(تفسیر آیات گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ یہ الحسبان سے مشتق ہے بمعنے الظن والغفلۃ یعنی ہر وہ شے جو انسان کو حقیقۃ الامر سے واقف نہ ہونے دے۔ اور الظالمون سے اہل مکہ اور ہر مشرک وظالم مراد ہے اور یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ اپنے طریق کار پر مضبوط رہیے اللہ تعالیٰ کافروں اور مشرکوں کے کردار سے بے خبر نہیں۔

ف: یہ خطاب ولا تکونن من المشرکین جیسا ہے اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا وہم وگمان تک نہیں لیکن

پھر بھی آپ کو تنبیہ کی گئی ہے تاکہ اپنے طریق کار پر مداومت فرمائیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے طریق کار پر مداومت فرمائیے۔ ظالمین کے معاملات سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں قیامت میں ان کو ان کے کردار کی پُوری سزا ملے گی آپ اس سے بھی غم نہ کھائیے کہ انھیں دنیا میں سزا کیوں نہیں ملتی اور آپ کو غم بھی کیوں ہو جبکہ ہم نے انھیں مہلت دی ہے تو محض آپ کی وجہ سے

اِنَّمَا یُؤَخِّرُھُمۡ لِیَوۡمٍ بیشک اللہ تعالیٰ ایک سخت دن کے لیے ان کے عذاب میں تاخیر فرماتا ہے تَشۡخَصُ اس دن آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی یہاں تک کہ وُہ اپنی پلکیں بھی نہیں ہلا سکیں گے جبکہ عذاب کی سختی دیکھیں گے۔ یعنی ان کے عذاب کی تاخیر صرف سخت عذاب میں مبتلا کرنے کی وجہ سے ہے۔ نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے کردار سے بے خبر ہے یا انھیں کسی اور وجہ سے مہلت دے رہا ہے۔ فِیۡہِ الۡاَبۡصَارُ اس میں آنکھیں، یعنی عذاب کی دہشت سے آنکھیں بند نہ کر سکیں گے۔

حلِ لغات: شخص بصر فلان بروزن منع و اشخصہ صاحبہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آنکھ کھولنے کے بعد بند نہ کر سکے۔

مُهۡطِعِيۡنَ یہ موخرھم کے مفعول سے حال ہے بمعنے مسرعین۔ یعنی ذلت و خواری اور عاجزی سے اپنے داعی کی طرف دوڑتے ہوئے آئیں جیسے قیدی اور خائف کسی کی طرف دوڑ کر آئے یعنی وہ اس وقت اسرافیل علیہ السلام کے صور کی طرف میدانِ محشر میں دوڑ کر آئیں گے۔

حلِ لغات: اھطع البعیر فی السیر سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ تیز دوڑے۔

مُقۡنِعِیۡ رُءُوۡسِهِمۡ درانحالیکہ اپنے سروں کو اوپر کرنے والے ہوں گے یعنی سر کو اٹھا کر دائیں بائیں توجہ کیے بغیر آنکھیں کھول کر دوڑیں گے۔

حلِ لغات: تہذیب المصادر میں ہے کہ الاقناع بمعنے سر کو اٹھا کر آنکھیں کُھلی رکھ کر آگے کی طرف توجہ رکھنا۔

ف: حضرت حسن فرماتے ہیں کہ قیامت میں لوگ آنکھیں آسمان کی طرف لگا دیں گے قرب وجوار میں کسی طرف بھی نہیں دیکھیں گے۔

لَا یَرۡتَدُّ اِلَیۡهِمۡ طَرۡفُهُمۡ ان کی آنکھیں ان کی طرف نہیں لوٹیں گی یعنی جیسے آج عادت کے طور لحظہ بہ لحظہ آنکھیں جھپکتی رہتی ہیں اس وقت ایسے نہیں ہوگا بلکہ اس وقت آنکھیں ایسی ہو جائیں گی کہ گویا پلکوں کو اوپر نیچے باندھ دیا گیا ہے۔

ف: اکواشی میں ہے کہ طرف بمعنے دیکھنے میں پلکوں کا جھپکنا۔ پھر مجازاً صرف آنکھ کو کہا جاتا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ قیامت میں آنکھیں کسی طرف توجہ نہیں کریں گی یہاں تک کہ وہ اپنے نیچے کے معاملات سے بھی ایسی غیر متوجہ ہوں گی کہ انھیں معلوم نہیں ہوگا کہ ان کے پاؤں تلے کیا ہو رہا ہے۔

وَاَفۡـِٕدَتُهُمۡ اور اس وقت ان کے دل ہوں گے هَوَآءٌ سخت حیرت اور شدید دہشت کی وجہ سے

عقل و فہم سے خالی اور کھوکھلا ہوا، گویا انہیں کسی شئے سے سروکار نہیں۔

ف: خلاصہ یہ کہ قیامت میں ظالمین کی آنکھیں کھلی ہوئی، سر اوپر اور قلوب خالی از عقل و فہم ہوں گے بوجہ اس دن کی ہولناکی کے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے (آمین)

مسئلہ: آیت میں حضور علیہ السلام اور مظلوم کو تسلی اور ظالم کو تہدید کی گئی ہے۔

حکایت حضرت احمد بن حضرویہ نے فرمایا کہ قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اذن شفاعت بخشا تو سب سے پہلے میں اپنے ظالم کی شفاعت کروں گا۔ عرض کی گئی، کیوں؟ آپ نے فرمایا، جس قدر عزت و احترام مجھے منجانب اللہ ظالم کی وجہ سے نصیب ہوا اتنا والدین سے بھی حاصل نہ ہو سکا۔ عرض کی گئی: وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ ظالم کے ظلم پر اللہ تعالیٰ کی تسلی یعنی ولا تحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظلمون کی دولت نصیب ہوئی۔

مثنوی شریف میں ہے:

آں یکے واعظ چو بر تخت آمدے

قاطعان راہ را داعی شدے

دست بر می داشت یارب رحم ران

بر بداں و مفسداں و طاغیاں

بر ہمہ تسخر کنان اہل خیر

بر ہمہ کافر دلاں و اہل دیر

او نکردی آں دعا بر اصفیا

می نکردی جز خبیثاں را دعا

مرد را گفتند کیں معہود نیست

دعوتِ اہلِ ضلالت جود نیست

گفت نیکوئے ازیشاں دیدہ ام

من دعا شاں زیں سبب بگزیدہ ام

خبث و ظلم و جور چنداں ساختند

کہ مرا از شر بخیر انداختند

ہر گہی کہ رو بدنیا کردمی

من ازیشاں زخم و ضربت خوردمی

کرد می از زخم آں جانب پناہ
باز آوردند مے کر کان براہ
چوں سبب ساز صلاح من شدند
پس دعا شان بر منست اے ہوشمند
(ان اشعار کا ترجمہ فقیر اویسی غفرلہٗ کی شرح مثنوی مسمّٰی بہ صدائے نزی میں دیکھئے)

ف: اکفواشی میں ہے کہ قیامت اس وقت قایم ہوگی جب مظلوم واقعی مظلوم ہوکر مارا جائے۔ اس کا استدلال اس آیت سے کیا گیا ہے۔

اعجوبہ ایک دیوار پر مندرج ذیل شعر کندہ پایا گیا ؎

نامت عیونك و المظلوم منتبه
یدعو علیك و عین الله لم تنم

ترجمہ: تیری آنکھیں سو رہی ہیں اور مظلوم بیدار ہوکر تجھے بددعا دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نخفتست مظلوم از آہش بترس
ز دود دل صبحگاہش بترس
نترسی کہ پاک اندرونی شبے
بر آرد سوز جگر یاربے
نمی ترسی از کرک ناقص خرد
کہ روزے پلنگیت برہم درد
(ان اشعار کا ترجمہ فقیر اویسی غفرلہٗ کی شرح گلستان مسمّٰی بہ "فیض یزداں" میں دیکھئے)

تفسیر صوفیانہ ولا تحسبن الله غافلا اور اللہ تعالیٰ کو ازل سے بے خبر نہ سمجھنا عما یعمل الظالمون اس سے جو آج ظالمین عمل کر رہے ہیں یعنی آج جو کچھ ظالم عمل کر رہا ہے ازل سے اللہ تعالیٰ اسے جانتا اور اسکی قضا و قدر میں موجود ہے۔ لیکن اس کا ہر ارادہ مبنی علی الحکمت ہوتا ہے اس لیے اپنی حکمت بالغہ سے اہل سعادت کو سعادت اور اہل شقاوت کو شقاوت بخشی اور سعادت و شقاوت ان کے اعمال میں امانت رکھی گئی ہے اور اعمال ان کی زندگیوں میں ہیں تاکہ زندگی کے عمل کے مطابق ہر شخص قیامت میں اپنی اپنی منزل کو پائے۔ اگر اہل سعادت سے ہے تو سعادت مندوں کے درجات اور

منازل کر پائے گا۔ اگر اہلِ شقاوت ہے تو بدبختوں کے مراتب حاصل کرے گا۔ یہی راز ہے ظالمین کے عذاب دینے کی تاخیر میں۔ وہ اپنی غلطیوں میں بڑھتے جائیں تاکہ ان کے دردناک عذاب میں اضافہ ہو۔

تفسیر عالمانہ

وَاَنْذِرِ النَّاسَ اور اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! تمام لوگوں کو ڈراؤ یَوْمَ یَاْتِیْھِمُ الْعَذَابُ اس دن سے کہ ان کے ہاں عذاب آئے گا یا یہ معنی ہے کہ انھیں موت کے دن سے ڈرائیے اس لیے کہ وہی عذاب کے ایام کا پہلا دن ہے اسی موت کے دن بندہ سکرات کے عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

ف: یہ عذاب کافروں کو بالاصالۃ اور اہلِ ایمان کو بالتبع ہوگا اگرچہ ان کو اس معنے پر معذب بھی نہیں جانا۔

فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا پس کہیں گے ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے شرک او تکذیب کرکے اپنے نفسوں پر ظلم کیا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں دنیا میں واپس بھیج یا ہمیں مہلت دے اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ کسی قریبی میعاد تک۔ یعنی ایسے اجل اور مدت تک جو سب سے زیادہ قریب ہو۔

ف: سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ عبارت میں ایک لفظ محذوف ہے دراصل عبارت یہ ہے ردنا الی ذی اجل قریب یعنی ہمیں ایک مدت والے دن کی طرف لوٹا دے جو قریب ہے۔ اس سے دنیا مراد ہے اس لیے کہ وہ اسی میں عذاب سے بچے رہے۔ اب اسی کی تمنا کریں گے اس امید پر کہ شاید ایسے سخت عذاب سے بچ جائیں۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں بھیج دے اور اس میں کچھ تھوڑی سی اور مہلت عنایت فرما یا معنیٰ یہ ہے کہ ہمیں کچھ وقت مہلت دے دے اور ہمیں اتنا وقت عنایت فرما کہ ہم تجھ پر ایمان لائیں۔

نُّجِبْ دَعْوَتَكَ یہ امر کا جواب ہے یعنی تیری دعوت کے داعی کی بات کو قبول کریں گے اور تیری توحید مان لیں گے وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اور وہ احکام جو رسل کرام علیہم السلام ہمارے ہاں لائے ہم ان کی تابعداری کریں گے جو ہم سے پہلے غلطیاں ہوئی ہیں ان کا تدارک کریں گے۔ دعوتِ اسلام اور اتباعِ رسل کرام میں ہم سب سے سبقت لے جائیں گے اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یہاں قول محذوف ہے اور اس کا عطف فیقول پر ہے یعنی انھیں زجر و توبیخ کے طور پر کہا جائے گا کہ تمہیں دنیا میں مہلت نہیں دی گئی کیا تم نے دنیا میں قسم نہ کھائی تھی لیکن اس وقت تو تم تکبر و غرور میں تھے اور تم بکتے تھے مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ تم جس حالت میں ہو یعنی ہر قسم کی نعمت و دولت سے سرشار تھے اور تم کو گھمنڈ تھا کہ تمہاری دولت کبھی زوال پذیر نہیں ہوگی۔ یہ قسم کا جواب ہے یا یہ باتیں تم نے زبانِ حال سے کہیں کہ اتنی مضبوط عمارتیں تعمیر کیں اور لمبی لمبی آرزوئیں دل میں رکھیں اور تمہارے دل میں اس دنیا سے رخصت ہونے کا خیال تک نہ گزرتا تھا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ کافروں کا خیال تھا کہ تاخیر ہی تاخیر ہے۔ گویا انھیں زوال نہ ہوگا۔ پہلے امر میں ان کا موت سے انکار اور دوسرے میں قیامت میں اٹھنے کا انکار ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں تناسخیہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا گمان تھا کہ نہ انھیں زوال ہے اور نہ ہی دنیا کو۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب کوئی مرتا ہے تو اسکی روح دوسرے جسم میں گھس جاتی ہے۔ ان کے اس

فاسد عقیدے کے جواب میں اللہ تعالیٰ قیامت میں انہیں فرمائے گا کہ اگر ہم دنیا میں تمہیں لوٹا دیں تو تمہارے مذہب تناسخ کا اثبات ہو جائے گا اور تمہارے قول کی تصدیق ہو جائے گی کہ تم کہا کرتے کہ ہمیں کسی قسم کا زوال نہیں ہوگا۔

ف : تعریفات میں لکھتے ہیں کہ :

التناسخ عبارة عن تعلق الروح بالبدن	تناسخ روح و بدن کے تعلق کا نام ہے کہ جب روح
بعد المفارقة من بدن آخر من غير تخلل	ایک بدن سے خارج ہو تو دوسرے بدن میں گھس جائے
زمان بين التعلقين للتعشق الذاتي بين	اور اس خروج و دخول میں لمحہ بھر بھی نہ گزرنے پائے
الروح والجسد۔	اس لیے کہ جسم اور روح کو ذاتی عشق ہے کہ یہ دونوں
	ایک دوسرے سے کسی حالت میں بھی جدا نہیں ہو سکتے[1]۔

وَسَكَنْتُمْ فِي مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور تم ان لوگوں کے گھروں میں ٹھہرے رہے جنہوں نے شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اس سے ثمود و عاد وغیرہ مراد ہیں یعنی انہوں نے اپنے کیے کی سزا پائی اور تم اپنی غلطیوں کی سزا پاؤ گے **وَتَبَيَّنَ لَكُمْ** اور مشاہدہ آثار اور تواتر اخبار سے تمہارے لیے ظاہر ہو گیا کہ **كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ** ہم نے ان سے کیا کیا یعنی وہ ظلم و فساد کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے اور سخت سے سخت تر عذاب میں مبتلا ہوئے۔

ف : یہ جملہ تبیین کا فاعل نہیں اس لیے کہ ان کے درمیان میں حرف استفہام واقع ہے اور وہ صدر کلام کو چاہتا ہے اور فاعلیت اس کے منافی ہے۔ علاوہ ازیں کیف ظرف ہے اور ظرف کو ظرفیت لازمی ہے یا وہ کسی کی خبر واقع ہو سکتا ہے یا زیادہ سے زیادہ وہ حال بن سکتا ہے۔

ف : یاد رہے تبین کا فاعل اور شے ہے وہ ہے فعلنا العجیب بکم یعنی تمہیں ظاہر ہو گیا ہمارا وہ فعل عجیب جو تمہارے لیے واقع ہوا۔

وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ اور ہم نے تمہارے لیے قرآن عظیم میں بہترین مثالیں بیان کیں یعنی زمانہ ماضی کے لوگوں کے کردار بتائے اور ان کے اعمال جن پر وہ عذاب میں مبتلا ہوئے وہ بھی تمہیں ہم نے سنائے اور ان کے حالات بھی منجملہ عجائبات کے تھے جو تمہیں بطور مثال بتائے گئے تاکہ تم لوگ ان سے عبرت حاصل کرو اور اپنے اعمال کو ان کے کردار پر قیاس کر کے ان کے انجام پر اپنے انجام کا تصور کرو تمہارے ساتھ نرمی برتی گئی ہے کہ انہیں فوری طور پر عذاب بھیج دیا جاتا تھا اور تمہیں ایک عرصہ تک مہلت دی گئی ہے اسی لیے تمہارے لیے لازم ہے کہ کفر و معاصی سے باز آجاؤ یعنی دنیا میں یہ سب کچھ تمہارے لیے ہوتا رہا لیکن تم نے وہاں بھی اپنی غلطیوں سے توبہ نہ کی پھر آج تمہیں ہماری نصیحتیں کیا کام دیں گی۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

---

[1] بعض ہندوؤں کا یہی مذہب ہے اور اسلام اس عقیدے کے خلاف ہے۔

قصهٔ آن آبگیرست اے عنود
کہ در او سہ ماہئ اشگرف بود
چند صیادے سوے آن آبگیر
برگزشتند و بدیدند آن ضمیر
پس شتابیدند تا دام آوردند
ماہیان واقف شدند و ہوشمند
آنکہ عاقل بود عزم راہ کرد
عزم راہ مشکل ناخواہ کرد
گفت با اینہا ندارم مشورت
کہ یقین سستم کنند از مقدرت
مہر زاد و بود از جانشان تنند
کاہلی و حمقشان بر من زنند
مشورت را زندهٔ باید نکو
کہ ترا زندہ کند آن زندہ کو
اے مسافر با مسافر رائے زن
زانکہ پایت بستہ دارد رائے زن

○

از دم حب الوطن بگذر مأیست
کہ وطن آن سوست جان این سوئے نیست
گفت آن ماہی زیرک رہ کنم
دل ز رائے و مشورتشان بر کنم
نیست وقت مشورت ہین راہ کن
چون علی تو آہ اندر چاہ کن
شب رو پنہان روے کن چون عسس
سوے دریا عزم کن زین آبگیر

محرم آن آہ کیمیا بست و بس
بحر جو و ترک این گرداب گیر
سینہ را پا ساخت می رفت آن حذور
از مقام با خطر تا بحر نور
ہمچو آہو کز پے او سگ بود
می دود تا در تنش بگ رگ بود
خواب خرگوش و سگ اندر پے خطاست
خواب خود در چشم ترسندہ کجاست
رنجہا بسیار دید و عاقبت
رفت آخر سوے امن و عافیت
خویشتن افگند در دریاے ژرف
کہ نیابد حد آن را ہیچ طرف
پس چو صیادان بیاوردند دام
نیم عاقل را ازان شد تلخ کام
گفت آہ من فوت کردم فرصہ را
چون نگشتم ہمرہ آن رہنما
بر گزشتہ حسرت آوردن خطاست
باز ناید رفتہ یاد آن ہباست

۰

گفت ماہیٔ دگر وقت بلا
چونکہ ماند از سایۂ عاقل جدا
کو سوے دریا شد و از غم عتیق
فوت شد از من چنان نیکو رفیق
لیک زان نندیشم و بر خود زنم
خویشتن را این زمان مردہ کنم؟

پس بر آرم اشکم خود بر زبر
پشت زیرم می روم بر آب بر

می روم بر وی چنانکه خس رود
نے بسباحے چنانکه کس رود

مرده گردم خویش و بسپارم بآب
مرگ پیش از مرگ امنست و عذاب

همچنان مرد و شکم بالا فگند
آب می بردش نشیب و گه بلند

هر یکے زان قاصدان غصه بس برد
که دریغا ماهی بهتر بمرد

پس گرفتش یک صیاد ارجمند
پس برو تف کرد و بر خاکش فگند

غلط و غلطان رفت پنهان اندر آب
ماند از آن احمق همی کرد اضطراب

دام افگندند اندر دام ماند
احمقی او را دران آتش نشاند

بر سر آتش بپشت تابهٔ
با حماقت گشته او همخوابهٔ

او همی جوشید از تف سعیر
عقل می گفتش الم یأتك نذیر

او همی گفت از شکنجه وز بلا
همچو جان کافران قالوا بلی

باز می گفته که اگر این بار من
وارهم زین محنت گردن شکن

من نسازم جسنہ بدریائے وطن
آبگیرے را نسازم من سکن

○

آن ندامت از نتیجہ رنج بود
نے ز عقل روشن چون گنج بود
می کند او توبہ و پیر خرد
بانگ لو ردوا لعادوا می زند

(ان اشعار کا ترجمہ فقیر اویسی غفرلہٗ کی شرح مثنوی مسمّٰی بہ "صدائے نوی" میں دیکھیے)

سبق: مومن پر لازم ہے کہ ہر وقت موت کو یاد رکھے۔ مومن کو چھ عادتوں کا حصول لازمی ہے:

- ○ علم، تاکہ وہ اسے آخرت کی رہبری کرے۔
- ○ نیک دوست، جو اس کی نیکی اور طاعتِ الٰہی میں مدد کرے اور برائیوں سے روکے۔
- ○ دشمن کی پہچان اور اس سے بچنے کا طریقہ۔
- ○ کوئی عبرت آنکھوں کے سامنے رکھے تاکہ اس سے ہر وقت خوفِ خدا نصیب ہو۔
- ○ خلقِ خدا سے انصاف، تاکہ وہ قیامت میں اس کے گلوگیر نہ ہو۔
- ○ موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری، تاکہ قیامت میں رُسوائی نہ ہو۔

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ اور بیشک انہوں نے مکر کیا یعنی انہوں نے ابطالِ حق و ثبات کے لیے سر توڑ کوشش کی اور وہ شب و روز اسی دُھن میں رہتے تھے اور اس شغف میں بہت بڑی حدیں توڑ دیتے تھے اور یہ صرف انہی کا کام تھا۔ اور کوئی نہ ایسا کر سکا نہ کر سکے گا۔ (مکر بمعنے دھوکا ہے) **وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ** اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مکر و فریب کی سزا ہے یعنی جو کچھ انھوں نے کیا اس کی انھیں سزا ملے گی **وَاِنْ** یہ ان وصلیہ ہے **كَانَ مَكْرُهُمْ** اور اگرچہ تھا ان کا مکر شدت اور سختی میں **لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ** تاکہ اس سے پہاڑ ہٹ جائے یعنی ملیامیٹ ہو کر چٹیل میدان ہو جائے یعنی ان کے مکر و فریب اس قدر عظیم اور سخت تھے کہ پہاڑ بھی مٹ کر فنا ہو جائیں۔

ف: الارشاد میں ہے کہ اگرچہ ان کے مکر و فریب بہت مضبوط اور سخت تھے اور اسے اس طرح تعبیر کرنے سے صرف مثال دینا مطلوب ہے

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ پس اللہ تعالیٰ پر گمان نہ کرو کہ وہ اپنے رسل کرام علیہم السلام سے وعدے کے خلاف کرنے والا ہے کہ ظالموں کو عذاب نہ دے اور اہلِ ایمان کی مدد نہ فرمائے۔ یعنی ظالموں کو عذاب بھی دے گا اور اہلِ ایمان کی

مدد بھی کرے گا۔

ف : دراصل یہ عبارت مخلف رسلہ وعدہ تھی مفعول ثانی کو مقدم اس لیے کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ جب اللہ تعالیٰ عام آدمی سے اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا تو پھر رسل کرام علیہم السلام کے ساتھ کیسے خلاف کر سکتا ہے اس لیے کہ وہ اس کے برگزیدہ اور محبوب و پسندیدہ بندے ہیں۔ الوعد بمعنے شے کے منفعت کے پہنچنے سے پہلے خبر دینا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے طریق کار پر یقین کر کے مداومت رکھیے ہم اپنے رسل کرام سے جو وعدہ کرتے ہیں اس کے خلاف ہرگز نہیں کرتے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے کسی کا مکر و فریب اس کے عذاب کو نہیں روک سکتا ذُو انْتِقَامٍ اپنے اولیا کے دشمنوں سے خوب بدلہ لیتا ہے۔

ف : انتقم منه بمعنے عاقبہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے بدلہ لیا یعنی اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ (کذا فی القاموس)

نمرود کی شرارت کا بیان

معالم میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نمرود کے لیے بتائی ہے۔ قصہ یوں ہُوا کہ نمرود نے جب دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح وسالم بچ گئے ہیں تو اس نے کہا کہ ابراہیم کے خدا نے ابراہیم کو بچا لیا اب میں آسمان پر جا کر اس کی خبر لیتا ہوں۔ ارکانِ دولت نے کہا کہ تمہارے بس سے باہر کی بات ہے آسمان بہت بلندیوں پر ہے۔ اس نے نہ مانا اور کہا کہ ایک محل تیار کرو جس کی چوڑائی تین میل ہو اور اونچائی جتنی ہو سکے۔ تین ماہ تک یہ محل تیار ہوتا رہا۔ نمرود ایک دن اس محل پر چڑھا اُوپر کو دیکھا تو آسمان اُتنا ہی بلند نظر آیا جتنا اُونچا زمین سے دکھائی دیتا تھا۔ دُوسرے دن اُسے اور بلند بنانے کا حکم دیا۔ لیکن ایسی تیز ہوا چلی کہ اس کے محل کو تہس نہس کر دیا۔ اور اس کے گرنے سے بے شمار خلقِ خدا تباہ و برباد ہوئی۔ اس سے نمرود کا غصّہ اور بڑھ گیا اور کہنے لگا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے خدا نے میرا بہت بڑا محل تباہ کر دیا اب میں اسے ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ حکم دیا کہ چار چیلیں تیار کرو انھیں خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کرو اور ایک صندوق تیار کرو جس کے چار کونے ہوں اور دو دروازے، ایک اُوپر دوسرا نیچے۔ اور اس صندوق کے چاروں کونوں پر چار چار تیر باندھو اُن میں سے بعض کا رُخ نیچے اور بعض کا اُوپر ہو۔ پھر حکم دیا کہ چند روز ان چیلوں کو بھُوکا رکھا جائے۔ جب اوپر کو جانے کا پروگرام بنایا تو چار مردار صندوق کے چاروں کونوں کے اُوپر باندھے جسے چیلیں دیکھ کر اُوپر کو بڑھیں۔ یہ منصوبہ بنا کر نمرود ایک ساتھی سمیت صندوق میں بیٹھ کر چیلوں کو اڑاتا ہُوا آسمان کی طرف روانہ ہُوا۔ آٹھویں پہر ساتھی سے کہا کہ دروازہ کھول کر نیچے دیکھیے تاکہ معلوم ہو کہ ہم کہاں پہنچ گئے۔ ساتھی نے دیکھ کر جواب دیا کہ نیچے پانی ہی پانی نظر آتا ہے اور بس۔ پھر نمرود نے دروازہ کھول کر اوپر کو دیکھا آسمان ویسے ہی اونچا تھا جیسے اسے زمین سے دکھائی دیتا تھا۔ پھر آٹھ پہر کے بعد اوپر کا دروازہ کھول کر دیکھا تو وہی کیفیت محسوس ہُوئی۔ ساتھی سے نچلا دروازہ کھلوایا تو اس نے جواب دیا کہ اب نیچے تاریکی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس سے نمرود گھبرایا اور ایک آواز اسے سُنائی دی کوئی کہہ رہا ہے اے سرکش! کہاں جاتا ہے۔

حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اس صندوق میں نمرود کا ایک غلام تھا جس نے آسمان کی طرف تیر پھینکا تو وہ ایک الیسی مچھلی کے خون سے لت پت ہو کر واپس آیا جس نے اپنے آپ کو دریا سے باہر پھینکا تو اس کا تیر اسے لگا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ تیر آسمان پر اُڑنے والے ایک پرندے کو لگا تو خُون آلُود ہو گیا۔ غلام نے کہا ہم آسمان کے خدا کو مار چکے فلہٰذا اب ہمیں واپس جانا چاہیے۔ نمرود نے کہا کہ اب صندوق اٹھانے والی چیلوں کا رُخ نیچے کر دیں اور مردار کو بھی۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ جب چیلوں نے نمرود کے صندق کو ... مین پر دے مارا تو پہاڑ گھبرائے وہ سمجھے کہ قیامت ہو گئی وہ تھرتھرانے لگے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ومکو ھم الخ سے تعبیر فرمایا۔

نمرود کے غلط کارنامے اور اُس کا انجام

کہتے ہیں کہ تجبر و تشدد کی بنیاد سب سے پہلے نمرود نے رکھی تھی۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے برائیاں پھیلائیں۔ یہی وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے تاجِ شاہی پہنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مچھر سے مروادیا جو اس کے نتھنوں میں سے گھُس گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے چالیس روز تک سخت عذاب میں مبتلا رکھ کر موت دے دی ۔

سوئے او خصمے کہ تیر انداختہ
پشۂ کارش کفایت ساختہ

ترجمہ: اس کی طرف جس دشمن نے تیر پھینکا اس کا ایک مچھر نے کام تمام کر دیا۔

مثنوی شریف میں ہے: ۔

(۱) اے خنک آنرا کہ ذلت نفس او
وائے آن کز سرکشی شد چون کہ او

○

(۲) بندگیِ او بہ از سلطانے است
کہ انا خیر دم شیطانے است

(۳) فرق بین و برگزین تو اے جلیس
بندگیِ آدم از کبر بلیس

ترجمہ: (۱) وہ خوش قسمت ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے۔ سرکش کو سخت ندامت ہوتی ہے۔

(۲) بادشاہی سے اس کی بندگی اچھی ہے کیونکہ شیطان 'انا خیر' کہنے سے مارا گیا۔

(۳) اس فرق کو دیکھ کر تمہیں وہ پسند کرنا ہے جو آدم نے پسند کیا اسی لیے آدم کی عاجزی شیطان کی سرکشی سے بہتر ہے۔

سبق : اے مومنو! کہاں ہیں انبیاء ومرسلین علیہم السلام، اور کہاں ہیں مقربین اولیاء کرام، بڑے بڑے جابر بادشاہ اور متکبرین وسرکش لوگ۔ اے دوستو! تم ان سے عبرت نہیں پکڑتے۔ اے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اگر تمہیں کچھ سمجھ ہے۔ اور اس دن سے ڈرو جس دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم سب کو حاضر ہونا ہے اس روز اللہ تعالیٰ ہر ایک سے پورا پورا حساب لے گا اور کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

تفسیر عالمانہ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ یاد کرو اس دن کو یہ زمین معروفہ غیر معروفہ زمین بن جائے گی یہ آسمان بدل کر اور طریق سے بن جائیں گے اور جب یہ تبدیل ہوں گے اس وقت قیامت ہوگی اور اندھیرا چھا جائے گا اور قبر سے اٹھتے ہی آگے پل صراط بچھا دی جائے گی جسے پل صراط سے تعبیر کرتے ہیں۔

حدیث شریف بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم قیامت میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی یاد رکھیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مقامات ایسے ہیں جہاں کوئی کسی کو یاد نہیں رکھ سکے گا:

- پلصراط
- حساب وکتاب
- میزان

پھر بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ جب زمین وآسمان تبدیل ہوں گے اس وقت لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! تُو نے مجھ سے ایک ایسا سوال کیا ہے جس کے متعلق تجھ سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان وزمین کی تبدیلی کے وقت لوگ پلصراط پر ہوں گے۔

ف : کبھی کبھار ذات میں تبدیلی ہوتی ہے جیسے دراہم کو دنانیر بنایا جائے اور کبھی صفات میں تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے، بدلت الحلقة خاتما۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب چاندی وغیرہ پگھلا کر انگشتری تیار کی جائے اور اس کی پہلی ہیئت بدل جائے۔

ف : قرطبی نے الافصاح سے نقل کیا ہے کہ زمین وآسمان دو دفعہ تبدیل ہوں گے۔

- پہلی دفعہ ان کی صرف صفت تبدیل ہوگی اور یہ پہلے نفخ صور سے پہلے کی بات ہے اس وقت آسمان کے ستارے جھڑ جائیں گے اور سورج بے نور ہو جائے گا اور چاند کی چاندنی ختم ہو جائے گی یعنی دونوں بے نور ہو جائیں گے۔ اور سارے کا سارا عالم دھوئیں کی صورت میں نظر آئے گا اور کبھی کالے تیل کی طرح ہوگا اور زمین کی تمام عمارتیں مٹ جائیں گی اور زمین چٹیل میدان بن جائے گی اور پہاڑ ہوا میں بادل کی طرح اڑتے نظر آئیں گے۔ دریا اور ندی نالے سب خاک میں مل جائیں گے اور درخت بھی کٹ کر مٹی ہو جائیں گے۔ اس طرح زمین کو چٹیل میدان بنا دیا جائیگا۔

○ بارِ دگر زمین و آسمان کی حقیقت یعنی ذات تبدیل ہوگی۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب محشر میں اہلِ محشر ٹھہریں گے، زمین چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا۔ (کذا رواہ علی رضی اللہ عنہ)

تفسیرِ صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بشریت کی زمین قلب کی زمین سے بدل جائے گی جس سے بشریت کی ظلمت مضمحل ہوجائے گی اور اس پر قلوب کے انوار غالب آجائیں گے اور اسرار کے آسمان ارواح کے آسمان سے تبدیل ہوجائیں گے اس لیے کہ جب ارواح کے سُورج اسرار کے ستاروں پر چمکتے ہیں تو سورج کی شعاعوں کے غلبے ستاروں کے انوار مِٹ جاتے ہیں بلکہ جب تجلیات انوارِ ربوبیت حقائق انوارِ وجودِ حقیقی سے متجلّٰی ہوتے ہیں تو وجودِ مجازی کی زمین فنا ہوجاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

واشرقت الارض بنور ربھا۔ اور رب تعالیٰ کے انوار سے زمین چمک اُٹھے گی۔

تفسیرِ عالمانہ وَبَرَزُوْا اور ظاہر ہوں گے یعنی جب تمام مخلوق اپنی قبروں سے اٹھ کھڑی ہوگی لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ حساب کتاب اور سزا و جزا کے لیے اللہ تعالیٰ واحد قہار کے سامنے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں اس لیے لائی گئی ہیں تاکہ امرِ ہذا کی سختی اور شدّت معلوم ہو۔ جیسے دُوسرے مقام پر فرمایا:

لمن الملك اليوم لله الواحد القهار۔ آج ملک کس کا ہے اللہ واحد قہار کے لیے ہے۔

اس لیے کہ جب کوئی امر صرف کسی ایک کی مِلک ہے تو اس پر نہ کسی کو غلبہ ہوسکتا ہے نہ اس سے سوائے اس کے کسی کو پناہ مل سکتی ہے۔

صُوفیانہ نکتہ فقیر (حقی) لکھتا ہے کہ میں نے اپنے پیرومرشد قدس سرہٗ کو فرماتے سُنا کہ اس آیت کی عجیب ترتیب ہے، وُہ اس طرح کہ ذاتِ احدیت اپنی وحدت سے کثرت کو دُور کرتی ہے اور اپنے قہر سے آثارِ کثرت مٹاتی ہے پھر کثرتِ وحدت میں فنا ہوکر رہ جاتی ہے اس کے سوا باقی سب کو فنا ہی فنا ہے۔

ف: المفاتیح میں لکھا ہے کہ القہار وہ ذات کہ ہر موجود شے اسی کے قبضۂ قدرت میں اور ہر شے اس کی قضا و قدر کے تحت اور ہر شے اس کے غلبہ سے عاجز ہو۔ بعض نے کہا قہار وُہ ہے جو سرکشوں کی گردن مروڑ دے اور انھیں تباہ و برباد کرکے ملیامیٹ کردے۔

تفسیرِ عالمانہ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ اور جس دن مخلوق ظاہر ہوگی تو اس وقت مجرمین کو دیکھو گے مُقَرَّنِيْنَ درانحالیکہ جکڑے ہوئے ہوں گے۔ یہ المجرمین سے حال ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب عقیدہ فاسدہ اپنے دوسرے گندے ہم عقیدہ کے ساتھ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا جائے گا یا گمراہوں کافروں مشرکوں کو اُن شیاطین کے ساتھ جکڑا جائے گا جن شیاطین نے انھیں گمراہ کیا ہوگا یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں ان کی گردنوں سے باندھ دیے جائیں گے فِي الْاَصْفَادِ یہ مقرنین سے متعلق ہے یعنی انھیں لوہے کی بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑا جائے گا۔

قاموس میں ہے الاصفاد بمعنے القیود یعنی لوہے کی زنجیریں اور بیڑیاں۔ یہ صفد بفتحتین کی جمع ہے اس کا حقیقی معنی ہے الشد (باندھنا)۔ مثلاً کہا جاتا ہے: صفدتہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو کوئی سخت اور مضبوط کر کے باندھے۔ سَرَابِیْلُهُمْ سربال کی جمع ہے یعنی ان کی قمیصیں مِّنْ قَطِرَانٍ کالے سیاہ تیل سے۔ دراصل یہ ابہل اور چاولوں وغیرہ کے نچوڑ کو کہا جاتا ہے۔

ف: اہل التفاسیر فرماتے ہیں کہ قطران ہر وہ شے جو ابہل کا دُودھ دوہ کر اسے جوش دیا جائے، سخت گاڑھا ہونے پر خارش والے اونٹ کو پلایا جائے تو اس کی گرمی سے اُونٹ کی خارش ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا اثر سیدھا پیٹ میں پہنچتا ہے۔ یہ سیاہ اور بدبودار ہوتا ہے اسے آگ بہت جلد پکڑتی ہے۔ اسی تیل سے اہلِ نار کی مالش کی جائے گی۔ جب تیل کی مالش مکمل ہو جائے گی تو ایسے معلوم ہو گا کہ گویا کسی کو قمیص پہنا دیا گیا ہے تاکہ مجرم کو ہر طرح کا عذاب حاصل ہو۔ مثلاً:

- کالے تیل کی گرفت
- اس کی جلن
- چمڑے کو آگ کا فی الفور پکڑنا۔
- گندے تیل سے گندی شکل نظر آنا۔
- بدبودار ہوا۔

پھر تیل کے مختلف ہونے سے عذاب بھی مختلف ہو گا۔

حدیث شریف و ان نارکم ھذہ جزء من سبعین جزأ من نار جہنم۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا ۷۰واں حصہ ہے۔

اسی پر کالے تیل کا قیاس کیجئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ہر طرح کے عذاب دنیا و آخرت اور جو کچھ ان کے مابین ہے کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

ف: تبیان میں ہے کہ آخرت میں جو پسینہ اہلِ نار کے جسموں سے نکلے گا وہی قطران ہے۔

ف: یعقوب سے مروی ہے کہ پیتل، تانبہ اور دھات کی انتہائی گرمی کو قطران کہا جاتا ہے۔

وَّتَغْشٰی وُجُوْهَهُمُ النَّارُ اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی۔ یعنی ان کے چہروں پر آگ چڑھ کر احاطہ کرلے گی جہاں تک کالے تیل کی مالش ہو چکی ہو گی وہاں تک آگ گھیرا کرے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چہرہ سب سے پہلے حق سے اعراض کرتا ہے۔ اگر چہرہ توجہ الی الحق کرے تو دوسرے اعضا بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں؛ ان کو لگانا تو تھا عبادتِ الٰہی میں، لیکن اس کے برعکس انھیں خدا کی نافرمانی میں لگا دیا۔ یہ ایسے ہے جیسے قلوب پر نار کے احاطہ کی خبر دی گئی ہے۔ تو اس میں یہی توجیہ ہے کہ دل تمام اعضا کا سردار ہے جب اس نے حق سے منہ موڑا تو تمام اعضا نے اس کی تقلید کی۔ اسی لیے سب سے پہلے آگ اسی کو گھیرے گی۔

ف : بحرالعلوم میں ہے کہ کبھی وجہ (چہرہ) بول کر تمام اعضاء مراد لیے جاتے ہیں اور کبھی وجہ سے مجازاً ذات مراد ہوتی ہے۔ اور یہی مجازی معنیٰ حقیقی معنے سے بلیغ تر ہے اور تمام اعضاء کو نار اس لیے گھیرے گی کہ انسان کا ہر عضو کسی نہ کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ پھر جیسے اعمال سرزد ہوئے ویسی ہی سزا۔ اور پھر چونکہ انہی عضاء کی گناہوں پر مداومت اور اصرار رہا اسی لیے عذاب بھی دائمی ہوگا۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ یہ فعل مضمر کے متعلق ہے ہوکر دراصل یفعل بھم لیجزی تھا یعنی ان سے یہ بات ہوگی انہیں اللہ تعالیٰ جزا دے كُلَّ نَفْسٍ ہر اس نفس کو جو مجرم ہوگا مَّا كَسَبَتْ وہ جو کہ اس نے عمل کیے از قسم کفر و معاصی یعنی اس کے اعمال کے مطابق اسے جزا ملے گی اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ بیشک تو اللہ تعالیٰ جلد تر حساب لینے والا ہے اس لیے کہ اسے ایک حساب دوسرے حساب سے نہیں روک سکتا اس لیے کہ وہ ایک ہی آن میں تمام لوگوں کے حساب مکمل کرلے گا۔ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاو سزا مل جائے گی۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا حساب بہت جلد آنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں نجمیہ ہے وتری المجرمین سے وہ ارواح مجرم مراد ہیں جنہوں نے نفوس کی تابعداری کی اعراض عن طلب الحق اور اتباع شہوات میں نفوس کی موافقت کی یومئذ سے تجلی کا دن مراد ہے مقرنین درانحالیکہ وہ ارواح نفوس کی صفات ذمیمہ حیوانیہ میں مقید ہیں انہیں سیر الی اللہ کی طاقت نہیں رہتی سرابیلھم من قطران یعنی معاصی وظلمات نفوس کے قمیص ان کو پہنائے جائیں گے جو انہی وجوہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جائیں گے۔ وتغشی وجوھھم النار اور ان کے چہروں کو مہجوری، حسرت وغفلت اور محرومی کی نار ڈھانپ لے گی۔ لیجزی اللہ کل نفس تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ارواح کو سزا دے جنہوں نے نفوس کی صحبت میں رہ کر ان کی موافقت کی ان اللہ سریع الحساب بیشک اللہ تعالیٰ ارواح کا دنیا میں جلد تر حساب لے گا اور نفوس کی صحبت و موافقت میں ارواح کو اندھے پن، بہرے پن، جہل و غفلت اور دوری و مہجوری وغیرہ کی سزا ملے گی اور اسے آخرت میں سخت سے سخت آفات میں مبتلا کیا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ هٰذَا یہ قرآن اور اس کے اندر جو اللہ تعالیٰ نے مواعظ اور نصائح کے عجائبات امانت رکھے ہیں بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ لوگوں کی تبلیغ کے لیے ہیں یعنی یہی قرآن ان کی نصیحت اور تبلیغ کے لیے کافی ہے۔

ف : قاموس میں ہے کہ بلاغ بوزن سحاب بمعنے کفایۃ ہے۔

وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اور لام بلاغ کے متعلق ہے۔ یعنی یہ قرآن مجید ان کے لیے کافی ہے اس میں کہ انہیں نصیحت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرایا جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ قرآن ان کے لیے کافی ہے اس سے پہلے جبکہ ان کے ارواح ان کے ابدان سے جدا ہوں تاکہ وہ اس سے نفع پائیں اس لیے کہ موت کے وقت متنبہ ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

تفسیر عالمانہ وَلِيَعْلَمُوْٓا تاکہ قرآن کے اندر والی آیات پر تامل کرکے معلوم کریں اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ بیشک معبود ایک ہے یعنی وہ خداوند کریم جو یکتا ذات ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اس لیے صرف

اسی کی عبادت کریں اور غیروں کی پرستش ترک کر دیں اور غیر اللہ سے دنیا اور خواہشاتِ نفسانیہ اور شیطان اور بُت مراد ہیں وَلِيَذَّكَّرَ
أُولُوا الْأَلْبَابِ یعنی توحید اور اللہ تعالیٰ کے دیگر احکامات پر عمل کر کے نصیحت حاصل کریں اور بُری عادات وصفات سے بچ کر کافروں
سے علیحدگی اختیار کر کے اہلِ ایمان کی صحبت سے سرشار ہوں اور ان کے عقاید صحیحہ اور اعمال صالحہ کے مطابق زندگی بسر کریں۔

ف : بیضاوی نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین فائدے بتائے ہیں ؛

- انسان کی زندگی کی اصل غرض وغایت
- کتب کے انزال کی حکمت ۔ وہ یہ کہ ان کی وجہ سے رسل کرام لوگوں کی تربیت مکمل کر سکیں گے اور انہی کی وجہ سے لوگ اپنے منتہائے کمال کو پہنچیں گے ۔
- کتب سماویہ سے قوت علمیہ کو طاقت نصیب ہوتی ہے کہ انہی کی وجہ سے تقویٰ کا لباس نصیب ہوتا ہے ۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے قرآنی نصائح پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کو پا لیتے ہیں اور اوامر و نواہی پر پابند ہو کر تقویٰ حاصل کرتے ہیں اور اوّلین و آخرین کے صلحاء نے اسی کی نصیحت و وصیّت فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ولقد وصينا الذين اوتوا الكتاب من قبلكم و اياكم ان اتقوا الله۔	ہم نے وصیت کی تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو کہ تقویٰ حاصل کرو۔

ان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ خود اس سے نصیحت حاصل کریں چونکہ عقول مختلف ہوتی ہیں اس لیے ہر ایک کو عقل کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ؛

بہشت میں ایک نورانی شہر ہے جسے نہ کسی ملک مقرب نے دیکھا ہے نہ کسی نبی مرسل نے۔ اس کے اندر بے شمار محلات ، بالاخانے ، ازواج (حُوریں) اور خدامِ نوری ہیں۔ یہ صرف اہلِ عقل کو نصیب ہوں گے۔ جب اللہ تعالےٰ اہلِ جنت کو اہلِ نار سے علیحدہ کرے گا تو اہلِ عقل کو اہلِ جنت سے ممتاز فرما کر اس شہر میں ٹھہرائے گا۔ پھر ہر اہلِ عقل کو عقل کے مطابق جزا عنایت فرمائے گا۔ اسی بنا پر ہر اہلِ عقل اپنی عقل کے لحاظ سے درجات میں ممتاز اور بلند قدر ہوگا۔ اور ہر ایک درجہ ہزاروں سال کی مسافت کا ہوگا جیسے مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت ہے۔ وُہ درجات اس سے بھی ہزار گنا زیادہ ہوں گے۔

ف : رُوح البیان میں ہے کہ عقلاء سے وُہ حضرات مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے غیروں پر مختار فرمایا ہے اگرچہ وُہ ایک دُوسرے سے عقل و علم و عرفان باللہ میں مختلف ہوتے ہیں اسی لیے حدیث شریف میں ہے ؛

اکثر اهل الجنة البله۔	بہشت میں اکثر بے عقل ہوں گے ۔

اس سے ثابت ہوا کہ بلہ سے مراد وُہ ہیں جو صرف جنت اور اس کی نعمتوں کے طالب ہیں ورنہ جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے قرب کے طلبگار ہیں دراصل معاملات شرعیہ کے مطابق عبادت گزار اور اسرار الٰہیہ کے عارف یہی ہیں اور ان کا درجہ

اس عابد سے بلند ہے جو صرف بہشت کے لیے عبادت کرتا ہے۔ عارف کا مقام نور میں ہے اور عابد کا مقام جوہر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نور جوہر سے لطافت میں بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ کمال خجندیؒ نے فرمایا: ؎

نیست ما را غم طوبیٰ و تمنائے بہشت

شیوۂ مردم نا اہل بود ہمت پست

ترجمہ: نہ ہمیں طوبیٰ کا غم نہ بہشت کی آرزو ہے۔ نااہل لوگوں کا طریقہ پست ہمتی ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

یا من ملکوت کل شیٔ بیدہ

طوبیٰ لمن ارتضاک ذخرۃ الغدہ

؎

ایں بس کہ دلم جز تو ندارد کامے

تو خواہ بدہ کام دلم خواہ مدہ

ترجمہ: اے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے ہے، خوشی ہے اسے جو تمہیں پسند ہے، اس کا انجام بخیر اور اسے آخرت کا بہترین ذخیرہ نصیب ہوگا۔

اے میرے محبوب! تیرے سوا میرا ایک قدم بھی نہیں اُٹھتا اب تیری مرضی میری مراد پوری فرمایا نہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حضرات سے بنائے جو حدودِ الٰہی کی محافظت کرتے ہیں اور اس کی نصیحت و موعظت پر عمل کرتے ہیں اور حیات و ممات کے ہر شعبہ کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کامیاب رکھتے ہیں۔ اور ہمیں اپنے شرف عفو و رضا سے کامیابی بخشے بطفیل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی عترت طاہرین اور اصحاب طیبین کے طفیل۔ آمین

تمت سورۃ ابراھیم بعون اللہ الکریم صبیحۃ الیوم الاول من ذی الحجۃ من سنۃ ثلاث ومائۃ والف

یعنی سورۂ ابراہیم اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے پہلی ذوالحجہ ۱۱۰۳ھ کی صبح کو ختم ہوئی۔

(اور فقیر اویسی غفرلہٗ نے قریب پانچ بجے دن بروز ایمان افروز سوموار شریف بتاریخ ۴ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ بمطابق ۵ اپریل ۱۹۷۶ء اپنی تعمیر کردہ مسجد حامد آباد ضلع رحیم یار خان کے اثنائے وعظ نصیحت بہ دعوت حاجی جام نور محمد لاڑ ترجمہ ختم کیا بتوفیقہ تعالیٰ و بوسیلۃ حبیبہ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واولیاء اُمتہ وعلماء ملتہ اجمعین)

بعون اللہ الکریم بوسیلۃ حبیبہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم سورۃ ابراہیم کی کتابت محمد شریف گل خوشنویس نے بروز سوموار مورخہ ۲۶ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۷۹ء کڑیال کلاں ضلع گوجرانوالہ میں مکمل کی۔

سُورۃ الحجر

سورۃ الحجروھی مکیۃ	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	وآیہا تسع و تسعون
الٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ○		۱

ترجمہ : یہ کتاب اور قرآن مبین کے آیات ہیں۔

تفسیر سورۃ الحجر۔ یہ سورۃ مکیہ ہے اس کی ۹۹ آیات ہیں۔ کذا فی التفاسیر الشریفہ۔

تفسیر عالمانہ

مسلک اوّل : الٓرٰ یہ سورۃ کا نام ہے یہی جمہور کا مذہب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ یہ سورۃ وہ ہے جس کا نام الٓرٰ ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ حروف مقطعہ کے متعلق بہت سے اقوال ہیں۔ ایک جماعت کا مذہب ہے کہ اس میں گفتگو نامناسب ہے بلکہ اس کے متعلق گفتگو کرنا بڑی جرأت کا کام ہے جو نہایت ناموزوں ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے پُوچھا کہ حروفِ مقطعہ کی تفسیر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں ہم گفتگو کریں تو اس کے متعلق بکلف متصور ہوں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ فرمائیے،

وما انا من المتکلفین ۔ اور میں متکلف نہیں ہُوں ۔

تشریح از صاحبِ رُوح البیان

فقیر (اسماعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حروف مقطعات کے بارے گفتگو کرنے کے متعلق غیر مکلف ہونے کا فرمایا ہے ورنہ ذوقِ صحیح اور مشرب شافی میں ان کے معانی اہلِ ذوق اور اولیاء کرام کو حاصل ہوتے ہیں لیکن ہمارے جیسوں کو ان کے معانی کے بیان کی طاقت نہیں دی گئی اس لیے کہ یہی مقطعات حروف و الفاظ کا مخزن ہیں۔ یہ (حروف مقطعات) معانی و حقائق کا مخزن ہی نہیں بلکہ یہ مخزن ایسے منتہیٰ پر ہے جہاں تک رسائی کسی فرد بشر کے لیے ممکن نہیں (جب تک فضلِ ایزدی شاملِ حال نہ ہو اور یہ مرتبہ اولیاء کرام و انبیاء عظام علیہم السلام کا ہے)۔

مسئلہ : حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشادِ گرامی سے ثابت ہُوا کہ ان کے علوم کا حصول دائرہ امکان میں ہے۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ

بعض لوگوں (وہابی، دیوبندی، مودودی) کا خیال ہے کہ:

ان هذه الحروف من اسرار استأثر الله بعلمها.

یہ حروف (مقطعات) اللہ تعالیٰ کے خصوصی اسرار ہیں سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

(اس کا جواب صاحبِ رُوح البیان یُوں لکھتے ہیں کہ)

ففی حق القاصرین عن فهم حقائق القرآن والخالین عن ذوق هذا الشأن وعلم عالم المشاهدة والعیان والا فالذی استأثر الله بعلمه انما هی الممتنعات وهی مالم یشم رائحة الوجود بل بقی فی غیب العلم المکنون بخلاف هذه الحروف فانها ظهرت فی عالم العین وما هو کذلك لابد ان یتعلق به علم الاکملین لکونه من مقدوراتهم۔ (ج ۴ ص ۴۳۹)

حقائق قرآن سے قاصرین کے فہم کی کمی ہے اور وہ حقائق قرآنی سے بالکل محروم ہیں اور نہ انھیں عالم مشاہدہ وعیان سے کچھ علم نصیب ہے تو کہتے ہیں کہ متشابہات کا علم اولیاء کرام کو نہیں ورنہ ظاہر ہے اللہ نے وُہ علم اپنے لیے مخصوص فرمایا ہے جو معدوم ہے اور اسے ممتنعات کہتے ہیں اور ممتنعات وُہ ہیں جو عالمِ وجود میں نہیں آئے اور یہ حروف تو عالم عین میں ہیں اور جو شئے عالمِ عین میں ہے ان کے علوم کاملین اولیاء کو حاصل ہیں اس لیے کہ یہ ان کے مقدورات میں ہے۔

وہابیوں دیوبندیوں کا دُوسرا ردّ

(عام طور پر وہابی دیوبندی وغیرہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کی فلاں شان کا علمِ غیب مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک لازم آتا ہے اس کا جواب بھی صاحبِ روح البیان سینکڑوں سال پہلے دے گئے ہیں۔ کما قال:)

فالفرق بین الخالق والمخلوق ان علم الخالق عام شامل بخلاف علم المخلوق۔ (ج ۴ ص ۴۳۹)

خالق ومخلوق کے علم میں بڑا فرق ہے اس لیے کہ خالق کا علم محیط کل شئی ہے بخلاف علم مخلوق کے کہ وُہ ایسا نہیں۔

(اس کے بعد صاحبِ رُوح البیان نصیحت فرماتے ہیں کہ:)

فافهم هداك الله۔

تجھے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

(فقیر اویسی غفرلہٗ عرض کرتا ہے کہ وہابیہ نے خواہ مخواہ خلقِ خدا پر شرک کی رٹ لگا رکھی ہے ورنہ ہمارا عقیدہ وہی ہے جو صاحبِ روح البیان نے فرمایا)

ف: بعض نے کہا کہ الٓمّٓ کا ہر حرف کسی اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے مثلاً الف اسمِ اللہ کی طرف اور لام جبریل کی طرف اور میم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ یعنی یہ کلام من جانب اللہ بواسطہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

تِلْكَ یہ سورۃ عظیم الشان اٰیٰتُ الْكِتٰبِ کتاب کامل کی آیتیں ہیں اور وہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے کتاب کہا جائے۔ کتاب کے اطلاق کی مستحق یہی کتاب ہے۔ چنانچہ الکتاب کا الف لام یہی معنی دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آیات قرآن مجید کا بعض حصہ ہیں۔ یا یہ سورۃ کلام منزل من اللہ کی بعض آیات ہیں۔ یا یہ سورۃ لوح محفوظ کی آیات ہیں وَقُرْاٰنٍ اور قرآن مجید عظیم الشان ہے مُّبِیْنٍ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو ظاہر کرنے والا ہے یا سبیل الرشد والغی کو واضح کرنے والا ہے یا حق وباطل کا بتانے والا ہے یا حلال وحرام کا امتیاز کرتا ہے۔ یہ اَبَانَ (متعدی) سے ہے اور اسے لازم بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہو گا کہ قرآن کا معاملہ اعجاز میں ظاہر ہے۔ تاکہ تدبر کرنے والوں کے لیے اس کے معانی واضح ہوں یا یہ کہ جن پر نازل ہوا ہے ان کے لیے آسان ہے کیونکہ یہ ان کی لغت اور ان کے طور طریق پر نازل ہوا ہے۔ القرآن کا عطف الکتاب پر عطف الصفتین علی الاخریٰ کے قبیل سے ہے۔ یعنی یہ کلام وہ ہے جو کتابیۃ وقرآنیۃ کی جامع ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تلك کا اشارہ الٓرٰ کی طرف ہے۔ یعنی الٓرٰ کا ہر ایک حرف علیحدہ علیحدہ کتاب کی آیات میں سے مستقل آیۃ ہے۔ اور یہ بھی قرآن مجید ہے مثلاً الف کا اشارہ اللّٰہُ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم کی طرف اور لام کا اشارہ وللہ ملك السمٰوٰت والارض یغفر لمن یشاء کی طرف اور راء کا اشارہ ربنا ظلمنا الخ کی طرف ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہی تینوں آیات کی قسم یاد فرمائی ہے اس قسم کا اشارہ انہی تینوں حروف سے کیا اس کے بعد وقرآن مبین میں سارے قرآن مجید کی قسم یاد فرمائی۔

الحمد للہ علیٰ احسانہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ کہ فقیر اویسی غفرلہٗ پارہ نمبر ۱۳ کے ترجمہ سے شب بدھ ۱۱ ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ کو فارغ ہوا۔

فہرست مضامین